قرآن کریم کے نادر تحقیقی دروس، دینی مدارس اور اکابر علماء و مشائخ
کی سیرت و سوانح پر لکھے گئے ایمان افروز، دلنشین اور راہنما مضامین کا مرقع

نقوشِ علم

- دروس قرآن
- خدماتِ دینی مدارس
- تذکرہ علماء و مشائخ





تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

قرآنِ کریم کے نادر تحقیقی دروس، دینی مدارس اور اکابر علماء و مشائخ کی سیرت و سوانح پر لکھے گئے ایمان افروز دل نشین اور راہنما مضامین کا مرقع

نقوشِ علم

دروسِ قرآن | خدماتِ دینی مدارس | تذکرہ علماء و مشائخ

شیخ الحدیث حضرت مولانا
زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد
ملتان پاکستان
+92-61-4396067

نام کتاب: نقوشِ علم

مصنف: شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

کمپوزنگ: مولانا محمد ہاشم

ڈیزائننگ: مبشر کلیم، وحید پلازہ، حسن پروانہ روڈ، ملتان

ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ملتان پاکستان

ملنے کا پتہ: جامعہ فاروقیہ پرانا ملتان روڈ شجاع آباد ضلع ملتان

رابطہ نمبرز: 061-4396067, 0322-6102570
0301-6361990, 0300-4396067

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے۔ قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)


بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صل علیٰ محمد

و علیٰ اٰل محمد کما صلیت

علیٰ ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم

انک حمید مجید ٥

اللّٰھم بارک علیٰ محمد و علیٰ

اٰل محمد کما بارکت علیٰ

ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم

انک حمید مجید ٥

فہرست

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی صاحب دامت برکاتہم

(مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور)

المکتب الرئیسی:
جامعہ اشرفیہ شارع فیروز پور
ٹیلیفون: ۰۰۹۲-۴۲-۳۷۴۲۹۶۹۲
۰۰۹۲-۴۲-۳۷۴۲۹۶۹۳
۰۰۹۲-۴۲-۳۷۴۲۹۶۹۴
۰۰۹۲-۴۲-۳۷۵۰۳۲۳۸
فاکس: ۰۰۹۲-۴۲-۳۷۵۰۳۲۳۹

الجامعۃ الأشرفیۃ

شارع فیروز پور ، لاہور ، پاکستان

الفروع: جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد
ٹیلیفون: ۰۰۹۲-۴۲-۳۷۲۴۲۷۶۱
مدرسۃ الفیصل للبنات ماڈل ٹاؤن
ٹیلیفون: ۰۰۹۲-۴۲-۳۵۹۲۷۳۷۲-۷۳
معہد ام القری
ٹیلیفون: ۰۰۹۲-۴۲-۳۷۴۲۵۹۹۱
القبۃ للمساکین جوہر ٹاؤن لاہور
ٹیلیفون: ۰۰۹۲-۴۲-۳۵۴۰۱۳۰۰

التاریخ: 28-12-2021 الرقم: JA-169-21

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد،

میرے انتہائی محبوب مولانا نذیر احمد صدیقی صاحب جو شجاع آباد کے معروف دینی مدرسہ جامعہ فاروقیہ کے مہتمم ہیں اور ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں یہ رسالہ ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ مجھے ملتا ہے۔ اس کے مضامین پڑھ کر دل خوش بھی ہوتا ہے اور دعائیں بھی جاری ہوتی ہیں۔ اسی طرح موصوف کے اہم علمی و اصلاحی مضامین، اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں جو بندہ کی نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح موصوف نے "الفاروقیہ ٹرسٹ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے اور رفاہ عامہ کے شعبہ میں نہ جانے کتنے افراد کا مفت علاج و معالجہ کر رہے ہیں اور دیگر سہولیات میسر کر رہے ہیں۔ اللہ جل شانہ موصوف کی تمام تر خدمات کو قبول فرمائے۔

موصوف نے تصنیفی میدان میں ایک اہم کتاب بنام "نقوشِ علم" مرتب کی ہے جس میں موصوف نے تین باب قائم کیے ہیں۔ دروس قرآن، خدمات دینی مدارس اور تذکرہ علماء و مشائخ۔ یہ کتاب ان شاء اللہ علماء اور طلباء کیلئے بے حد نافع ہوگی خصوصاً طلبائے عزیز کیلئے اپنے اکابرین کی سوانح کے مختلف اہم گوشوں اور دینی خدمات کو پڑھنے کا موقع ملے گا۔ میں حضرات اکابرین کی فہرست پڑھ رہا تھا قلب پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ کیسے کیسے لوگ ہم سے جدا ہو گئے۔

موصوف نے اس کتاب میں میرے بڑے بھائی جان حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی کے سانحہ ارتحال کا ذکر کیا ہے۔ میرے بڑے بھائی جان علماء و طلباء کی محبوب شخصیت تھے۔

اللہ جل شانہ ہمارے تمام اکابرین کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ موصوف کو اسی طرح دین متین کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

محتاج دعاء

فضل الرحیم

حافظ فضل الرحیم

(مہتمم) جامعہ اشرفیہ لاہور

Jamia Ashrafia Ferozepur Road, Lahore Ph: 0092-42-37429692-93-94 Fax: 0092-42-37503239 Mollyat Office Ph: 0092-42-37422292 Nila Gumbad Ph: 0092-42-37242761
Madrisa-tul-Faisal Lil-Banaat Model Town Ph: 0092-42-35927372-73 Mahad Ummul Qura 0092-42-37425991 Al-Quba Lil-Masakeen Johar Town Ph: 0092-42-35401300
E-Mail: accounts_ashrafia@yahoo.com, accounts_ashrafia@gmail.com Web Page: www.jamiaashrafia.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سخن ہائے گفتنی

اِس عاجز کے مختلف موضوعات پر تحریر کیے گئے مضامین جب جمع کیے گئے تو ان مختلف الجہت مضامین کی تعداد دو سو سے زائد ہوگئی، ان مضامین کی تبویب کی گئی تو بہت سے ایسے ابواب تیار ہو گئے جو آج کے دور کی اہم ضرورت محسوس ہوئے، یہ مضامین بحمد للہ! ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' شجاع آباد کے ساتھ متعدد اخبارات وجرائد میں بھی طبع ہو کر قارئین سے داد وتحسین وصول کر چکے ہیں، متعدد اخبارات اور جرائد کا اپنے طور پر انہیں شائع کرنا ان مضامین پر اہلِ قلم کے اعتماد کا مظہر ہے، اس لیے احباب نے انہیں کتابی شکل دے کر طبع کرنے پر اصرار کیا، ان احباب میں ہمارے عزیز اور رفیق، معروف قلمکار، مصنف کتب، حضرت مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی زید شرفہ بھی شامل ہیں، برادرِ عزیز حضرت مولانا مفتی محمد طیب معاویہ مدظلہ مدیر ماہنامہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد نے بھی متعدد بار بندہ کو اس جانب توجہ دلائی ہے۔

ان احباب کے حکم کی تعمیل میں اولاً دس ابواب پر مشتمل ''نقش قلم'' کے عنوان سے تین جلدوں میں کتاب تالیف کر لی گئی، اسی کتاب کے مضامین پر حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے تقریظ تحریر فرما کر اعتماد کا اظہار کیا، اسی اثناء میں جامعہ فاروقیہ شجاع آباد میں منعقدہ ''تحفظ ختم نبوت کانفرنس'' میں ہمارے مخدوم ومکرم عظیم مصنف ومؤرخ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی تشریف آوری ہوئی تو انہوں نے مختلف موضوعات پر الگ الگ کتب شائع کرنے کا مشورہ دیا، نیز اہم موضوعات کی تعیین بھی فرما دی۔ یوں ''نقوش'' کے عنوان سے الحمدللہ! چار الگ الگ کتب کا

مسودہ تیار ہو گیا ہے۔

۱)۔ ''نقوش اسلام'' عالمِ اسلام کے حالات و دیگر اصلاحی مضامین پر مشتمل ہے، یہ کتاب بحمد للہ طبع ہو چکی ہے۔

۲)۔ ''نقوش علم'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

۳)۔ ''نقوش شجاع آباد'' یہ کتاب ان شاء اللہ جلد منظر عام پر آئے گی، اس کتاب میں تاریخ شجاع آباد، تذکرہ علماء شجاع آباد اور تاریخ و احوال جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے ابواب موجود ہیں۔

۴)۔ ''نقوش جہاں'' ان شاء اللہ پاکستان اور عالم اسلام کے سیاسی، معاشی اور دینی حالات پر لانے کا ارادہ ہے۔

زیر نظر کتاب ''نقوش علم'' تین ابواب پر مشتمل ہے:

۱)۔ باب اول: دروس قرآن کریم

۲)۔ باب دوم: خدمات و دفاع دینی مدارس

۳)۔ باب سوم: میں تذکرہ علماء و مشائخ

باب اول میں عاجز کے تفسیر قرآن کریم پر لکھے گئے سینتالیس (47) مضامین مذکور ہیں جو ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' میں ''کلام اللہ کی تابانیاں'' کے عنوان سے شائع ہوتے رہے، بعض موضوعات پر یہ مضامین قسط وار شائع ہوتے رہے، ایک عنوان پر متعدد قسطوں میں لکھے گئے ان مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے، یوں ان مضامین کی تعداد اب مختصر ہو کر انیس (19) ہو گئی ہے۔

یہ عصری تقاضوں اور عمومی تعبیر کے ساتھ لکھے گئے ''دروس قرآن'' پر مشتمل مضامین ہیں۔ عاجز نے ایک عرصہ سے ''کلام اللہ کی تابانیاں'' کے عنوان سے بالترتیب خلاصہ سورِ قرآنی بھی لکھنا شروع کیا ہے، یہ سلسلہ ماہنامہ صدائے فاروقیہ میں سورۃ النساء تک پہنچا ہے، ''خلاصہ سورِ قرآنی'' کے یہ مضامین ابھی یکجا نہیں کیے گئے اور نہ ہی اس کتاب میں

لائے گئے ہیں۔

باب دوم میں دینی مدارس کی ضرورت، خدمات دینی مدارس پر لگائے گئے الزامات کے جوابات، مدارس کے تحفظ کے لیے اٹھائے گئے اقدامات، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی پالیسی، دینی مدارس کے خلاف بنائے گئے قوانین پر تجزیے، حکومتوں کی جانب سے دینی مدارس کے ساتھ روا رکھے جانے والے ناروا سلوک، فضلاء جامعات اور علماء کرام کے لیے ہدایات وغیرہ پر مشتمل انیس (19) مضامین مذکور ہیں۔

تیسرے باب میں متعدد اکابر، مشائخ اور رفتگان کی سیرت وسوانح پر لکھے گئے تقریباً اٹھتر (78) مضامین مذکور ہیں، یہ مضامین کسی مناسبت کی وجہ سے تحریر کیے گئے، اس لیے جملہ اکابر یا مشائخ کا تذکرہ واستیعاب کتاب میں نہیں کیا گیا۔ پہلے چودہ (14) مضامین عاجز کے سفر ہندوستان 2014ء کے روائیداد سفر ''آباء کے دیس میں'' سے لیے گئے ہیں، ان اکابر کا تذکرہ سفر کے تذکرہ میں ضمناً کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ مضامین مفصل نہیں، اس کے بعد آٹھ (8) مضامین متعدد شخصیات پر تحریر کیے گئے جو ماہنامہ صدائے فاروقیہ کے اجراء سے پہلے کے ہیں جنہیں خصوصی اشاعتوں کے لیے تحریر کیا گیا تھا، باقی مضامین متعدد شخصیات کے وصال کے موقع پر بطور تعزیتی شذرہ جات یا ان کے حالات پر تفصیلاً لکھے گئے مضامین ہیں، ان میں بعض مضامین خصوصی اشاعتوں کے لیے بھی تحریر کیے گئے۔

ان اکابر ومشائخ اور علماء کا تذکرہ سن وفات کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، البتہ وہ شخصیات جن کا تعلق شجاع آباد سے ہے، انہیں اس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا، ان کا تذکرہ ان شاء اللہ ''نقوشِ شجاع آباد'' میں تذکرہ علماء شجاع آباد کے عنوان سے کیا جائے گا۔

یوں یہ کتاب ایک سو سولہ (116) مضامین پر مشتمل ہے، چونکہ ان سب مضامین کا تعلق علم اور اہل علم سے ہے، اس لیے کتاب کا نام ''نقوشِ علم'' تجویز کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کی جو تحریر عاجز کے مضامین پر بطور تقریظ ''نقوش اسلام'' میں شائع کی گئی ہے، اصولی طور پر اس سلسلہ کی سب کتب کی تقریظ ہے۔

عاجز نے یہ مجموعہ صرف اپنی محنت محفوظ کرنے کے لیے مرتب کیا ہے، یہ نہ تو علمی ذخیرہ ہے اور نہ ہی کوئی ادبی فن پارہ۔ بلکہ سادہ سے مضامین ہیں۔ اس امید سے شائع کیے جارہے ہیں کہ شاید اللہ کے بندوں کو ان سے نفع حاصل ہوجائے اور عاجز کی مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

کتاب کی کمپوزنگ، ترتیب اور ڈیزائننگ وغیرہ میں عزیز مکرم مولانا محمد ہاشم سلمہ اللہ تعالیٰ، مدرس ومعاون دفتر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، پروف ریڈنگ کے لیے جامعہ کے دارالافتاء کے ذمہ دار حضرت مولانا مفتی محمد وقاص زید مجدہ، حضرت مولانا مفتی محمد صدیق مظفری زید مجدہ نگران شعبہ تخصص فی الحدیث جامعہ ہذا اور جامعہ کے استاذ حضرت مولانا مفتی محمد عامر شعیب زید مجدہ کی خدمات قابل ستائش ہیں، کتاب کی اشاعت اور ترسیل کے لیے عزیز مکرم حضرت مولانا محمد عمیر صدیقی اطال اللہ عمرہ کی مساعی حسنہ بھی قابل قدر ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور قارئین کے لیے نفع کا ذریعہ فرمائے۔ آمین!

والسلام



(مولانا) زبیر احمد صدیقی
خادم: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد
مدیر ماہنامہ ”صدائے فاروقیہ“ شجاع آباد
۱۷ جمادی الاول ۱۴۴۳ھ بمطابق 22 دسمبر 2021ء

باب اوّل

دروسِ قرآن

قرآنی سورتوں میں حسنِ ترتیب

قرآن کریم حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ۱۱۴ سورتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ان سورتوں میں چھوٹی، درمیانی اور بڑی سورتیں بھی شامل ہیں۔ قرآن کریم میں سبع طوال، مئین مثانی اور مفصلات بھی سورتیں موجود ہیں۔ ان سورتوں میں ہجرت سے قبل نازل ہونے والی سورتیں "مکی" اور بعد الہجرت نازل ہونے والی سورتیں "مدنی" کہلاتی ہیں۔ قرآن کریم کا اعجاز بھی ہمہ جہت ہے۔ الفاظِ قرآن، معانی قرآن، مضامینِ قرآن کے ساتھ ساتھ آیات، رکوعات اور سور کی ترتیب میں بھی عجیب اعجاز وکمالات پائے جاتے ہیں۔ ترتیبِ سور میں قرآنی اعجاز کی جھلک پیشِ خدمت ہے۔ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورة سورتِ فاتحہ ہے، جو پورے قرآن کا خلاصہ ہے۔ سورۃِ فاتحہ میں درج ذیل مضامین مذکور ہیں:

۱)۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کو بیان کیا گیا ہے، جو دراصل الحمد لخالق کے معنی میں ہے۔ اور اللہ سے اس کی صفت "مشتہرہ خالقیت" مراد ہے۔

۲)۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا بیان ہے، جو ساری کائنات کے پالنے والے ہیں۔

۳)۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں اللہ تعالیٰ کے تصرف وتختِ شاہی پر جلوہ افروز ہونے کا بیان ہے

۴)۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں اللہ تعالیٰ کے سب جہانوں کے مالک ہونے کا بیان ہے۔

قرآن کریم کی وہ سورتیں جن کے شروع میں الحمد آیا ہے وہ پانچ ہیں:

۱)۔ سورۂ فاتحہ۔ ۲)۔ سورۂ انعام۔

۳)۔ سورۂ کہف۔ ۴)۔ سورۂ سبا۔

۵)۔ سورۂ فاطر۔

سورۃ فاتحہ سے اَنعام تک اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا بیان ہے۔ سورۃ انعام سے لے کر سورۃ کہف تک ربوبیت کا بیان ہے۔ سورۃ کہف سے سبا تک اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہونے کا بیان ہے۔ سورۃ سبا سے فاطر تک مالکیت باری تعالیٰ کا بیان ہے۔ سورۃ فاطر میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تشریح ہے۔ سبا اور فاطر دونوں بمنزلِ اجمال کے ہیں اور اِن کی تفصیل سورۃ یٰسین، صافات، صٓ اور زمر میں ہے۔ تمام حوامیم فاطر اور زمر کی تشریح ہیں۔ حوامیم میں توحید کو کھول کر بیان کیا گیا، اِس پر جنگ وجدال کا اندیشہ ہے۔ اس لیے سورۃ محمد میں جنگ کے قوانین ذکر کیے گئے ہیں۔ جنگ کے نتیجے میں فتح کا حصول ہوتا ہے، چنانچہ سورۃ فتح میں اس فتح کا بیان ہے۔ فتح کے بعد اسلام کی شاہی عمل میں لائی جائے گی۔ سورۃ حجرات میں آداب شاہان اور آدابِ معاشرت کا بیان ہے۔

سورۃ قٓ میں "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کے متعلق شبہ کا جواب ہے اور وہ شبہ یہ ہے: "پیدا ہونے کے لیے مرد وزن کا ہونا ضروری ہے، مرنے کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگا اور پھر جس کو جانور کھا گئے یا مچھلیاں ہڑپ کر گئیں تو وہ کیسے دوبارہ زندہ ہوگا؟" سورۃ قٓ میں جواب دیا گیا کہ مردکو زندہ کرنے کے لیے درج ذیل تین چیزوں کی ضرورت ہے:

۱)۔ علم: تاکہ معلوم ہو کہ میت کی مٹی کہاں ہے؟

۲)۔ قدرت: جو بکھری ہوئی مٹی کو اکٹھا کرے۔

۳)۔ وعدے کی سچائی: تاکہ قیامت کا وعدہ سچا ہو۔

چنانچہ سورۃ قٓ میں "نمونہ قدرت اور علمِ باری تعالیٰ" کا بیان ہے۔ سورۃ الذاریات میں "وعدے کی وفا" کا بیان ہے۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ، سورۃ طور میں قیامت کی تین صورتیں ذکر کی ہیں۔ سورۃ نجم میں رسالت کا بیان ہے۔ سورۃ قمر میں معجزہ رسالت کا بیان ہے۔ سورۃ رحمان سے سورۃ الضحیٰ تک مختلف مضامین کا بیان ہے۔ سورۃ الضحیٰ سے سورۃ فیل تک مذکورہ مضامین کا اعادہ ہے۔ سورۃ فیل سے آخر تک خلاصۃ الخلاصہ ہے۔ واضح رہے کہ قرآن کریم کے بنیادی مضامین توحید، رسالت، قیامت اور صداقتِ قرآن ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کی آئینی حیثیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو برضا قبول کیے بغیر ایمان معتبر نہیں:

ارشادِ ربانی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○

(پارہ:۵، سورۃ النساء:۶۵)

"نہیں! (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے، جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں۔ پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو، اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کردیں۔"

علامہ طبریؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر جامع البیان میں ذکر کیا ہے کہ عہد نبوت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور مدینہ کے ایک مقامی باشندہ کے مابین باغوں کی آب پاشی پر اختلاف ہوگیا۔ پانی کا نالا سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین کے پاس سے گزر رہا تھا، اس کے آگے دوسرے شخص کی زمین و باغ تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پانی اپنے رقبہ میں روک کر باغ کو سیراب کرنا چاہا۔ دوسرے شخص نے یہ چاہا کہ پانی اس کے باغ ورقبہ کو پہلے جانے دیا جائے۔ دونوں باہم فیصلہ کرانے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فریقین کا موقف سننے کے بعد یہ فیصلہ فرمایا کہ بقدرِ ضرورت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے باغ کو سیراب کر لیں، پھر اپنے پڑوسی کو سیراب کرنے کا موقع دے۔

اس پر مقامی شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بد اعتمادی کرتے ہوئے کہا: ''زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں، آپ نے طرف داری سے کام لیا۔'' (نعوذ باللہ) اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے، آپ کا چہرہ غصہ سے زرد ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ تبدیل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے زبیر! اپنے باغ کو سیراب کرو، پھر پانی زمین کی منڈیر تک بھر لو، اس کے بعد اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایسا فیصلہ فرمایا کہ جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پڑوسی کے لیے شفقت، مصالحت اور رعایت کے پہلو رکھا تھا۔ لیکن جب اس نے بد اعتمادی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل پر مبنی فیصلہ کرتے ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق دلوایا۔ اس لیے کہ پانی کا سب سے پہلے حق دار وہ شخص ہوتا ہے، جس کا رقبہ پانی کے نالے پر واقع ہو۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

جبکہ بعض روایات میں ہے کہ مذکورہ آیت کا نزول ایک یہودی اور ایک منافق کے باہمی تنازع کے موقع پر ہوا، جب یہودی فیصلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور منافق ایک یہودی سردار سے کروانا چاہتا تھا۔

آیت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بطور حَکم و حاکم حیثیت کو واضح کر دیا گیا کہ فیصلہ لوگوں کے گمان کے مطابق لوگوں کے قانون سے نہیں، بلکہ میرے حبیب آپ کے رب کی قسم! ایمان کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ باہمی تنازعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قانون و نظام سے کرایا جائے۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون و نظام سے فیصلہ اور اس فیصلہ کی مکمل پابندی اور فیصلہ کو برضاء و رغبت قبول نہ کیا جائے، تو کوئی مومن نہیں بن سکتا۔ گویا قبولیتِ ایمان کے لیے تین شرطیں ذکر کی گئیں:

۱)۔ مسلمان باہمی تنازعات میں شریعتِ مصطفی سے فیصلے کروائیں۔

۲)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت کے فیصلوں کو برضاء اور رغبت سے

قبول کریں، اس پر تنگ دل نہ ہوں۔

۳)۔ فیصلہ نبوی اور حکم شریعت کو پورا پورا تسلیم کریں۔

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بداعتمادی کرنے والے شخص نے ایک یہودی کے سامنے اس کا اظہار کیا، تو ایک یہودی گویا ہوا: ''اللہ اسے غارت کرے، ایک طرف تو یہ آپ کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہے، دوسری جانب آپ پر بداعتمادی کرتا ہے۔ قسم بخدا! ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں صرف ایک بار ایسا گناہ کیا تھا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں توبہ کی دعوت دی اور فرمایا اپنے آپ کو قتل کرو، ہم نے توبہ میں اپنے آپ کو قتل کیا۔ ہمارے مقتولین کی تعداد ستر ہزار تک پہنچی، پھر اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوئے۔''

اس پر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثابت بن قیس گویا ہوئے: ''اللہ تعالیٰ میری صداقت کو جانتے ہیں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خودکشی کا حکم دیں گے تو میں کر گزروں گا۔'' یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے بھی فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قسم بخدا! میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، اُن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی زیادہ پیوست ہے۔'' یہی معیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

حقیقی عزت دار کون ہیں؟

يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○ (المنافقون:۸)

"وہ کہتے ہیں: "اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔" حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔

مذکورہ بالا آیات کے شانِ نزول میں امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک غزوہ میں (مہاجرین، انصار اور منافقین بھی موجود تھے) کہ ایک مہاجر صحابی نے ایک انصاری صحابی کو پشت پر ہاتھ مارا، اس پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے میں انصاری صحابی نے مدد کے لیے پکارا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں یہ آوازیں پہنچیں۔ آپ کے استفسار پر صحابہ کرام نے آپ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ جبکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں استفسار فرمایا: "تمہیں کیا ہوا جاہلیت کی باتیں کر رہے ہو۔" جب آپ کو خبر دی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا: "اس (عصبیت) کو ترک کرو (کیونکہ) یہ بدبودار چیز ہے۔"

اس پر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی نے کہا: "ہم مدینہ میں جا کر اہلِ عزت (منافقین) اہلِ ذلت یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام (العیاذ باللہ) کو مدینہ سے نکال دیں گے۔" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گستاخی پر سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب فرمائی کہ اس شخص کو میں قتل کر دوں، تو آپ نے منع فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "لوگ یہ گفتگو نہ کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رفقاء کو قتل کرتے ہیں۔"

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے عبداللہ بن اُبَی کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو صحابی رسول تھے، کو جب معلوم ہوا کہ ان کا والد رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب

ہوا ہے، تو ادب ومحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہیں''۔ اس پر انہوں نے کہا: ''آپ مجھے اپنے وضو کا پانی مرحمت فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو پلا سکوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ انہوں نے اپنے والد کو پلایا۔ الغرض اس موقع پر ان آیات کا نزول ہوا۔

مذکورہ بالا آیت میں رئیس المنافقین نے عزت کا مدار دولت، خاندانی وقار اور مقامی ہونے کو قرار دے کر اپنے آپ کو سب سے زیادہ باعزت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو دولت، غربت، اجنبیت اور بیرونی جان کر ''اذل'' قرار دیا۔ اس پر حق تعالیٰ جہاں گرفت فرمائی، وہاں منافقین کے نفاق کا پردہ بھی چاک کیا۔ اس لیے کہ وہ شخص اس توہین کا ارتکاب کر کے مکر چکا تھا۔ شکایت کنندہ صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دے چکا تھا۔ وہاں عزت وذلت کا مدار ایمان اور اللہ ورسول سے تعلق کو قرار دیا کہ عزت اللہ، اللہ کے رسول اور مومنین کے لیے ہے۔

لیکن منافقین کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عزت وذلت کا مدار دولت یا اقتدار وقومیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں، عزت عطا فرماتے ہیں اور عزت ایمان وتقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ اصل عزت دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی ہے۔ اس عزت کا مدار ''تقویٰ'' پر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ○ (الحجرات:۱۳)

''درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔''

مذکورہ بالا واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ خاندانی، قومی، لسانی یا دیگر کسی بھی بنیاد پر عصبیت ہو، تو یہ جاہلیت بھی ہے اور بدبودار بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیتوں سے سخت نفرت فرمائی ہے نیز آپ نے ان عصبیتوں کو ترک کرنے کا حکم فرمایا۔ لہٰذا عزت وشرف کا مدار خاندان، برادری، علاقہ، زبان، نسل، رنگ، شکل وشباہت وغیرہ کو بنانا سب غیر اسلامی اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا:

''کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر کسی گورے کو کالے پر ''تقویٰ'' کے علاوہ کوئی فضیلت نہیں۔''

(مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۳۹۵)

فرد کی اصلاح کے قرآنی اصول

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ○

(البقرہ: ۱۵۲-۱۵۳)

''لہٰذا مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکرادا کرو، اور میری ناشکری نہ کرو۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ان دو آیات میں افراد کی تہذیب و اصلاح کے پانچ اصول بیان کئے گئے ہیں، اصلاحِ فرد کے قرآنی نظام کو ''تہذیب اخلاق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، تہذیب اخلاق کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ہر فرد کے اخلاق درست ہو جائیں اور معاشرہ کا ہر فرد درست سمت چل پڑے، اخلاق کی درستی کے پانچ اصول درج ذیل ہیں:

۱)۔ ذکرِ خداوندی:

اللہ تعالیٰ سے ہر بندے کا ایسا مضبوط رشتہ و تعلق استوار ہو کہ خلوت و جلوت، عُسر و یُسر، راحت و مصیبت میں بندہ اپنے محبوب حقیقی کا ہی خیال رکھے، اسی کی رضا کا دم بھرے، یہ تعلق اتنا مضبوط ہو جائے کہ ہر کام سے پہلے یہ تصور اجاگر ہو کہ میرا اللہ اس کام سے راضی ہوگا یا ناراض؟ مجھے بہر صورت اپنے رب کو راضی رکھنا ہے، خواہ اس کے لیے مجھے اپنی جان اور مال سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھونا پڑے، قلب و قالب میں اللہ کی اس یاد کا نام ''ذکرِ خداوندی'' ہے، یادِ الٰہی جسم و جان سے پھوٹ کر زبان تک پہنچتی ہے اور زبان بھی اللہ کی دوستی کی مٹھاس چوس کر ''اللہ اللہ'' کے ورد سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

۲)۔ شکرِ خداوندی:

حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کو اس کے حقیقی محل میں استعمال کرنے کا نام ''شکر'' اور

بے محل استعمال کرنے کا نام "کفرانِ نعمت" ہے، مثلاً مال ورزق بخل اور فضول خرچی سے بچتے ہوئے اپنے اہل وعیال، اقرباء اور فقراء ومساکین کی ضروریات پر خرچ کرنا مال کا شکر ہے اور ناجائز خواہشات کی تکمیل، راہِ ظلم اور نام ونمود کے لیے خرچ کرنا نعمت مال کی ناشکری ہے، ذکر وشکر کی کیفیت پیدا ہونے سے جرائم کا سدِّ باب ہوتا ہے۔ نیز نعمت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ شکر زبان سے بھی کیا جائے اور اللہ کی ہر نعمت کو مستحضر کرکے الحمدللہ کہا جائے نیز دل سے قدردانی اور اعضاء سے فرمانبرداری کے ساتھ۔

۳)۔ صبر:

حسبِ ضرورت اپنے خالق کے سامنے دستِ سوال دراز کرے، اگر مل جائے تو شکر کرے اور نہ ملے تو برداشت کرے، غیر اللہ کے دروازے پر نہ جائے، اس کا نام صبر ہے، اہل علم نے صبر کی تین اقسام ذکر فرمائی ہیں۔

۱)۔ اللہ کی فرمانبرداریوں پر ثابت قدم رہنا۔

۲)۔ اللہ کی نافرمانیوں سے پرہیز کرتے رہنا۔

۳)۔ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں پر جمنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے ناموافق حالات میں تحمل وبرداشت کا مظاہرہ کرکے اللہ سے لو لگانا۔

۴)۔ صلوٰۃ:

ہر طرح کی خوشی اور غمی کو اللہ کی طرف سے سمجھ کر جبین نیاز صرف اسی کے سامنے جھکانا اور نماز کے ذریعے اللہ کا قریبی تعلق حاصل کرنے کی کوشش کرنا، اللہ کو خوش کرکے دنیا وآخرت کی نعمتوں کو اسی جہت سے ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

۵)۔ دعا:

اللہ تعالیٰ کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کا نام "دعا" ہے، اپنی ہر ضرورت اسی سے مانگنا، رزق، روزی، اولاد، نوکری، جنت اور ہدایت سبھی اللہ سے مانگتے رہنا، ملنے کا منتظر رہنا اور جلد بازی نہ کرنا۔

تدبیر منزل (اصلاحِ خانہ) کے پانچ اصول

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ ...... تا ...... وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ (البقرۃ:۱۶۶)

”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات دن کے لگا تار آنے جانے میں، اُن کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان لے کر سمندر میں تیرتی ہیں، اُس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اُتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع دار بن کر کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں اس طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہیے)۔ اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور کاش کہ یہ ظالم جب (دنیا میں) کوئی تکلیف دیکھتے ہیں اُسی وقت یہ سمجھ لیا کریں کہ تمام تر طاقت اللہ ہی کو حاصل ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب (آخرت میں) اُس وقت بڑا سخت ہوگا۔ جب وہ (پیشوا) جن کے پیچھے یہ لوگ چلتے رہے ہیں، اپنے پیروکاروں سے مکمل بے تعلقی کا اعلان کریں گے، اور یہ سب لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے، اور ان کے تمام باہمی رشتے کٹ کر رہ جائیں گے۔“

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 152-153 میں فرد کی اصلاح کا بیان ہے (جو گزشتہ مضمون

میں مذکور ہے) افراد کی ترکیب یعنی شادی بیاہ سے گھرانہ وجود میں آتا ہے، چند گھر مل کر خاندان، برادریاں تشکیل پاتے ہیں اور بہت سی برادریوں سے ملک تشکیل پاتا ہے۔ آدمی جب صاحب خانہ بنتا ہے تو اسے کسب معاش کی ضرورت پیش آتی ہے، پھر کمائی کے خرچ کرنے کے مصارف بھی متعین کرنا ہوتے ہیں، آپس کے اختلافات کی صورت میں فیصلوں کی نوبت بھی آتی ہے، تربیت ازواج واولاد کے لیے تعلیم کا انتظام بھی ضروری ہوتا ہے، اس لیے قرآن کریم نے گھرانہ کی اصلاح کے قوانین بھی مرحمت فرمائے۔ گھر چلانے کی تدبیر اور گھرانہ کی اصلاح کو تدبیر منزل کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے تدبیر منزل کے پانچ اصولوں کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۱)۔ کمانا۔ ۲)۔ خرچ کرنا۔

۳)۔ دیوانی قوانین۔ ۴)۔ فوجداری قوانین۔

۵)۔ مضبوط نظام تعلیم۔

۱)۔ کمانا:

حصول رزق کسی بھی گھرانہ کے سربراہ کی بنیادی ذمہ داری ہے، گھر کا نظام کمائی کے بغیر چلانا ممکن نہیں، کمائی کے ذرائع کی جانب سورہ بقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۴ میں لطیف اشارے موجود ہیں۔ کمانے کے لیے عقل کا استعمال کارگر ہے۔ قدرت کی جانب سے کسب معاش کے لیے مختلف ذرائع موجود ہیں، قدرتی ذرائع اور خزانوں سے عقل وسمجھ کے استعمال سے مکمل فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، مثلاً لکڑی وافر مقدار میں میسر ہے، اسے کاٹ کر کشتیاں بنائی جائیں، ان کشتیوں کو تجارت کا ذریعہ بنایا جائے اسی طرح زمین عطیہ خداوندی ہے اور بارش وپانی رحمتِ خداوندی۔ انسان زمین میں بیج ڈالیں بارش کا پانی زمین کو سیراب کرے گا، یا پانی سے خود سیراب کریں۔ اللہ تعالیٰ اناج وغلہ فراہم کردیں گے، ایسے ہی لوہا، پٹرول، تانبا، آگ، گیس، لکڑی سب اللہ کی عطا کردہ نعمتیں موجود ہیں، ان چیزوں کو جوڑ کر گاڑیاں، بسیں، ٹرینیں، جہاز تیار کرکے روزی کماسکتے ہیں، جانور بھی حصول رزق کا ذریعہ ہیں، انہیں حصول رزق میں استعمال بھی کیا جاسکتا ہے، وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ میں اس کی جانب اشارہ ہے۔ حصول رزق کے

یہ تمام ذرائع حق تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ان انعامات سے بندہ لطف اندوز ہوتا ہے، وہی خالق مالک اور رازق ہے، اس کے انعامات کا تقاضا ہے کہ اس سے قلبی لگاؤ اور حقیقی محبت کی جائے، اسی کو معبودِ برحق سمجھا جائے، لیکن بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو فراموش کر کے غیر اللہ کی محبت وعبادت میں گرفتار ہیں، جبکہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت وتعلق ہے، ایسے حق ناشناس جب عذاب خداوندی کی جولانی کو دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟ اور یہ کہ قوت وطاقت کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور وہ مجرمین کو سخت عذاب دینے والے ہیں۔

آیت نمبر ۱۶۵ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے، آیت نمبر ۱۶۶-۱۶۷ میں ایسے معبودانِ باطلہ اور جھوٹے پیشواؤں اور ان کے ناخلف مریدین کے درمیان روزِ حشر علیحدگی اور ایک دوسرے سے بیزاری اور تعلقات کے انقطاع کو بیان کیا گیا ہے اور ایسے متبعین کی جانب سے آرزو کا اظہار نقل کیا گیا ہے کہ اے کاش! ہم دنیا میں واپس جاتے اور ان جھوٹے معبودوں اور خداؤں سے ایسے ہی بیزار ہو جاتے جیسے وہ آج ہم سے بیزار ہیں، ایسے احسان فراموش لوگوں کے اعمال حسرت بن کر انکے سامنے آئیں گے اور دوزخ سے نکل نہ سکیں گے، اس لیے احسان شناسی کا تقاضا ہے جو رزق اسباب رزق فراہم کرنے والا ہے اسی سے دوستی کا دم بھرا جائے، اسی کی عبادت کی جائے اور اسی کا شکر ادا کیا جائے۔

۲)۔ خرچ کرنا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ○ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ (البقرۃ:۱۶۸)

''اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو کہ وہ تمہارے لیے ایک کھلا دشمن ہے۔ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں، ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر واقعی تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو۔ اُس نے تمہارے لئے بس مردار جانور، خون، اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے، تو اُس پر کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے''۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں گھرانے کی تدابیر (Home Management) کا دوسرا اصول بیان کیا گیا ہے، جائز طریقوں سے حاصل شدہ مال و دولت اور اشیاء ضرورت خرچ کرو لیکن خرچ کرنے میں بھی تمہیں احکام خداوندی کی راہنمائی حاصل کرنا ہوگی، تمہارا حاصل کردہ مال و رزق عطائے الٰہی ہے اس کی اجازت سے ہی خرچ کرو اور جو چیز جہاں جہاں خرچ کرنے کی اللہ کی جانب سے اجازت ہو اس چیز کو اسی مصرف میں خرچ کرو، بایں ہمہ چند ممنوع اشیاء کی فہرست ذکر کر دی گئی کہ ان کا استعمال تمہارے یا تمہارے اہل خانہ و تعلقہ داروں کے لیے ممنوع ہے، ان میں تم نے خرچ نہیں کرنا۔

اس سلسلہ میں پہلی ہدایت یہ ہے کہ جو چیز تناول کر رہے ہو یا کسی کو کھلا رہے ہو وہ حلال ہونا ضروری ہے، حرام چیز کا کھانا یا کھلانا ممنوع ہے، اشیاء کو حلال و حرام بنانے والی ذات بھی ذات واحد حق تعالیٰ شانہ کی ہے، وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے، جو اشیاء اس نے انسان کے لیے مفید بنائیں انہیں حلال کر دیا اور جو انسان کے لیے غیر مفید تھیں انہیں حرام کر دیا، بعض اشیاء انسان کے لیے اس لیے غیر مفید ہیں کہ ان کے استعمال سے خود انسان کی عظمت و کرامت متاثر ہوتی ہے، مثلاً انسانی گوشت اور بعض اس لیے غیر مفید اور حرام ہیں کہ ان میں خباثت، نجاست یا گندا پن پایا جاتا ہے، مثلاً ذبح کے وقت نکلنے والا خون، مردار اور خنزیر، یا معنوی نجاست و خباثت کہ وجہ سے ممنوع

کردہ اشیاء مثلاً غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، ان سب کو حرام قرار دیا گیا۔

دوسری ہدایت اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ حلال اشیاء میں سے بھی انہیں اشیاء کا استعمال کرو یا خرچ کرو جو پاکیزہ ہوں، طیب کی ایک تفسیر اہل علم نے یہ بیان فرمائی کہ چیز حلال ہونے کے ساتھ اپنی ہو وہ حلال چیز کسی غیر کی ملکیت نہ ہو مثلاً ذبح شدہ جانور کا گوشت حلال جو کسی اور کی ملکیت ہو حلال تو ہے لیکن دوسرے کے حق میں طیب نہیں، دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی کہ اس حلال چیز سے طبعی طور پر نفرت نہ پیدا ہوتی ہے، مثلاً سالن میں مکھی چلی گئی اور اسے نکال دیا گیا اگر طبیعت اس سالن کے استعمال سے متنفر ہے تو اس کا استعمال سے اجتناب بھی کیا جاسکتا ہے۔

ان ہدایات پر عمل پیرا ہو کر ہدایت پا جاؤ گے ورنہ شیطان تمہارا دشمن ہے وہ تمہیں حلال سے نکال کر حرام پہ ڈالنا چاہتا ہے، اس طرح تم شیطان کے مرید و متبع بن جاؤ گے، اس حکم کو آیت نمبر ۱۷۲ میں تاکید مزید کے لیے ایک بار پھر دہرایا گیا اور ساتھ ہی رزق حلال کے استعمال پر شکر خداوندی کی ترغیب اور توحید پر جمے رہنے کی تلقین کی گئی کہ اس رب واحد کی عبادت و شکر بجا لاؤ جو تمہیں سامان رزق عطا کرنے والا ہے۔ آیت نمبر ۱۷۳ میں ممنوعات کی فہرست بیان کر دی گئی، وہ ممنوعات درج ذیل ہیں:

۱)۔ مردار۔

۲)۔ بوقتِ ذبح بہنے والا خون۔

۳)۔ خنزیر کا گوشت و پوست وغیرہ۔

۴)۔ غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کی گئی یا غیر اللہ کے نام پر دی گئی کوئی بھی نیاز خواہ اس کا تعلق کھانے سے ہو، پینے سے یا پہننے اور برتنے سے ہو۔

اس فہرست میں صرف وہ اشیاء شامل کی گئی ہیں جنھیں مشرکین و کفار نے حلال کیا ہوا تھا ورنہ قرآن و سنت میں اس کے علاوہ بھی بہت سی اشیاء کو ممنوعات کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے، قرآن کریم اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ممنوعات اور محرمات کی فہرست ذکر کی ہے، حلال اشیاء کی فہرست ذکر نہیں کی کیونکہ حلال اشیاء تو کثیر ہیں، اگر ان کو ذکر کیا جاتا تو ضخیم کتب معرض وجود میں آتیں نیز آنے والے اوقات و زمانوں میں نئی نئی ایجاد ہونے والا اشیاء کا ذکر نہ

ہو پاتا، اس لیے جامع اسلوب اختیار کر کے محرمات اور ممنوعات ذکر کردی گئیں، قرآن وسنت میں ذکر کی گئیں ممنوعات کے علاوہ باقی چیزوں کو حلال سمجھا جائے۔ اگر کوئی شخص بھوک وفاقہ کی وجہ سے موت کے کنارے پہنچ جائے اور زندگی بچانے کے لیے حلال اشیاء ملنے کی کوئی صورت نہ رہے تو ان محرمات سے صرف اس قدر استعمال کی اجازت ہے کہ زندگی کی رمق بچ سکے البتہ نہ تو اسے حرام کی رغبت ہو اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ استعمال کرے۔ اگر ان شرائط میں کچھ کمی بیشی غیر اختیاری طور پر پائی گئی تو اللہ تعالیٰ اس تھوڑے سے حرام کے استعمال کو معاف فرمادیں گے۔

۳)۔ نظامِ فوجداری:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○

(البقرۃ:۱۷۸)

"اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے)، پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے، یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے، اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے☆ اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی (کا سامان) ہے، امید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے"۔

مذکورہ بالا آیات میں ظلم کو روکنے اور توڑنے کے لیے نظام فوجداری کے دیت وقصاص کا ابدی وسرمدی اصول بیان کیا گیا ہے، اس اصول کی بدولت ظالم بھی مظلوم ہی کی طرح ٹھہرتا ہے جو سلوک مظلوم کے ساتھ ہوا وہی یا اس جیسا سلوک ظالم کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس قانون قصاص کی حکمت یہ ہے کہ مظلوم ومقتول یا اس کے وارثان کا غیظ وغضب، جذبہ انتقام اور غصہ کی آگ قصاص کی بدولت فرو ہو جاتی ہے، اور وہ معاشرہ میں قانون شکنی کی جرأت نہیں کر پاتے، بصورت دیگر وارثان مقتول آتش انتقام میں قانون شکنی کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو بھسم کر ڈالنے کی سعی کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ ہم روز کیا کرتے ہیں اس قانون قصاص کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب ایک قاتل وظالم اپنے انجام کو پہنچتا ہے تو تمام لوگ اس کے عبرتناک انجام کی بدولت اس جرم بد سے دور رہتے ہیں، بڑے سے بڑا مجرم بھی آسانی سے اس جرم کے ارتکاب کی جسارت نہیں کر پاتا، یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب یا بعید میں جن پاکیزہ معاشروں میں اسلام کا یہ خوبصورت قانون اپنی اصلی شکل میں رائج رہا وہاں کرائم وجرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر رہی، قرآن کریم کا یہ مسلمہ اصول صرف قرآنی ہی نہیں بلکہ اممِ سابقہ میں بھی مروج قانون ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ (المائدۃ:۴۵)

”اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے، ہاں جو شخص اس (بدلے) کو معاف کر دے تو یہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں“۔

معلوم ہوا کہ یہ قانون اقوام عالم کا مسلمہ قانون ہے، انجیل میں بھی اس قانون کا ذکر

موجود ہے۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے دردِ دل ''الفاروقیہ'' شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء)

اقوامِ عالم کے اس مسلمہ قانون کا تسلسل قرآن کریم میں بھی مذکور ہوا، اس لیے کوئی پارلیمنٹ، حکومت، ادارہ یا مجتہد اس قطعی قانون کو ختم یا منسوخ کردینے کا مجاز نہیں، دراصل یہی قانون بقائے عالم اور قیامِ امن کا ذریعہ ہے، اسلام کا یہ قانون قصاص انسانی برادری میں مساوات کا علمبردار بھی ہے، چنانچہ جاہلیت میں بعض اشراف وخواص (VIPs) اپنے غلاموں کے بدلے غیر اشراف اور عوام کے آزاد مردوں کو جبکہ اپنی عورتوں کے قتل کے بدلہ میں مردوں کو قتل کیا کرتے تھے، قرآن کریم نے اس طبقاتی اونچ نیچ کی بھی نفی فرمادی اور واشگاف الفاظ میں فرمایا آزاد کے بدلے آزاد ہی قتل کیا جائے گا، آزاد کے قصاص میں کسی غلام کو قبول نہیں کیا جائے گا، اسی طرح مرد کا قاتل مرد ہو تو قصاص میں عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ شریف ورذیل میں امتیاز لغو اور بے کار ہے، کوئی شریف ہو یا رذیل، عالم ہو یا جاہل، جوان ہو یا بوڑھا، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، تندرست ہو یا کمزور، غریب ہو یا امیر، جان تو سب کی برابر ہے۔

ہاں اگر مقتول کے وارثوں میں سے سارے یا بعض خون کو معاف کردیں تو قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا البتہ اگر مقتول کے ورثاء صلح پر آمادہ ہوں تو قاتل کی جانب سے (حسب تفصیل شرع) دیت کی ادائیگی ضروری ہے اور دیت کی ادائیگی میں خوب خوب احسان مندی اور خوش دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اگر وارثان مقتول بلا معاوضہ معاف کرنا چاہیں تو ایسا بھی کرسکتے ہیں، معافی کی صورت میں قصاص کی بجائے دیت کا یہ قانون اللہ تعالیٰ کی جانب سے سہولت اور رحمت ہے جو صرف اسی امت کو نصیب ہوئی، امم سابقہ اس سے محروم تھیں، اگر کوئی شخص اس قانون سے تعدی کرے مثلاً وارثان مقتول، قصاص یا دیت کی ادائیگی کے باوجود قاتل سے انتقام لیں یا قاتل صلح کے باوجود دیت ادا نہ کرے یا آئندہ زیادتی کرے تو اس کے لیے اللہ کی جانب سے دردناک عذاب ہے۔

آخر میں قصاص کے اس قانون کو انسانی حیات کا ذریعہ بتایا گیا، اس قانون کی بدولت معاشرہ میں جانوں کو تحفظ ملے گا، لوگوں کی زندگیاں محفوظ ہوں گی۔

۴)۔ دیوانی قانون (وصیت):

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○ فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (البقرہ:۱۸۰۔۱۸۲)

"تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو تو جب اس کی موت کا وقت قریب آ جائے، وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے۔ یہ متقی لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے۔ پھر جو شخص اس وصیت کو سننے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی کرے گا، تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی کریں گے۔ یقین رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ کوئی وصیت کرنے والا بے جا طرف داری یا گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور وہ متعلقہ آدمیوں کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے"۔

قرآن کریم نے تدبیر منزل (گھریلو نظام کی اصلاح وتدبیر) کے لیے دیوانی قوانین بھی مختلف مقامات پر تفصیل سے بیان فرمائے چنانچہ نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، عدت، رضاعت، حقوق ازواج، نان، نفقہ، خرید وفروخت کے قوانین، بیع سلم، ربوٰا، جوا، رہن، امانت، وصیت، وراثت، شہادت، قسم وغیرہ کے ضابطہ دیوانی کی دفعات تفصیل سے بیان کی ہیں، آیات مذکورہ میں قانون دیوانی کی دفعہ "وصیت" کا بیان ہے، اس قانون کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ اکثر مفسرین کی تحقیق کے مطابق وراثت کے احکام مقرر ہونے سے قبل یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں کو مرحمت فرمایا گیا کہ وفات کے وقت اگر مال موجود ہو تو قریب المرگ شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لیے اپنے مال کے مناسب حصہ کی وصیت کرے

کہ اتنا میرے والد، اتنا میری والدہ اور اتنا حصہ میری اولاد اور اتنا فلاں فلاں رشتہ دار کو دے دیا جائے، یہ وصیت کرنا شروع اسلام میں واجب تھا اور اس وصیت کی تعمیل ورثاء پر لازم تھی، وصیت سننے والوں اور گواہوں پر لازم تھا کہ وہ وصیت کو من وعن نافذ کریں، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کریں، تبدیلی سخت گناہ اور باعث مواخذہ تھی اور آج بھی وصیت کے سلسلہ میں یہی حکم ہے کہ شریعت کے مطابق کی گئی وصیت کو قطعاً نہ بدلا جائے اور حتیٰ الامکان اسے پورا کیا جائے، البتہ وصیت کرنے والا اگر وصیت میں دانستہ یا بھول کر غلطی کر رہا ہو، تو وصیت کرنے والے کی وصیت کرتے وقت شرعی اصولوں کے مطابق اصلاح کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر وصیت کرنے والے کو سمجھایا جائے تو اسے بھی اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔

جمہور مفسرین کی بیان کی گئی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنے کا یہ لازمی حکم میراث کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا تھا، جب سورۃ النساء میں وراثت کے تفصیلی احکام نازل ہوئے اور والدین و دیگر قریبی رشتہ داروں کے وراثت میں تفصیلی حصے قرآن نے ذکر کر دیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا:

إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

"بے شک اللہ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی وارث کے لیے وصیت (درست) نہیں"۔

(جامع الترمذی: ۱۳۱۱: ۲۷۰۳)

اس اعلان کے بعد والدین وغیرہ کے لیے وصیت کرنے کا لازمی حکم منسوخ ہو گیا، البتہ ایسے لوگ جنہیں وراثت میں سے حصہ نہیں ملتا ان کے لیے اب بھی وصیت کی جاسکتی ہے، مگر اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص اپنے مال کے تیسرے حصہ سے زائد کی وصیت نہیں کر سکتا، تاکہ ورثا کو محروم کرنے کا دروازہ بند کر دیا جائے، چنانچہ ایک موقع پر جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنا مکمل یا آدھا مال وصیت کرنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہؐ نے فرمایا:

فَالثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ إِنْ تَدَعْ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ

أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ

"بس تہائی کافی ہے، اور تہائی بہت ہے، تو اگر وارثوں کو مالدار چھوڑ کے جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں ایسا غریب چھوڑ کے جائے کہ وہ لوگوں کے ہاتھ میں موجود مال سے چمٹے پھریں"۔

(صحیح بخاری:۲۵۳۶)

امامِ انقلاب، مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تحقیق کے مطابق آیت کو بالکلیہ منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ جزوی طور پر منسوخ اور جزوی طور پر اس کا حکم اب بھی باقی ہے، اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ والدین مسلمان ہوں یا غیر مسلم، شریعت نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، غیر مسلم ہونے کی صورت میں بھی ان کی خدمت اور حسن معاشرت کی تاکید ہے۔ باپ اور بیٹے کا دین جدا جدا ہو تو ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، اس لیے حکم دیا گیا کہ بیٹے کی وفات کا وقت قریب ہو اور اس کے پاس مال بھی ہو تو وہ اپنے غیر مسلم باپ کے لیے قاعدہ کے مطابق کچھ نہ کچھ وصیت کر دے تا کہ باپ بیٹے کی کمائی اور جائیداد سے مکمل طور پر محروم نہ رہے، یہی والدین کے حقوق، حسنِ معاشرت اور اخلاق عالیہ کا تقاضا ہے۔ اس طرح یہ آیت کافر والدین کے حق میں تو منسوخ نہیں ہو گی مگر مسلمان والدین اور دیگر ورثاء کے حق میں منسوخ تصور کی جائے گی۔

آخری دو آیات میں وصیت کی تبدیلی کے گناہ اور وصیت کنندہ کی اصلاح کے دو قانون بیان کئے گئے ہیں جنکی کچھ تفصیل سطور بالا میں کی جا چکی ہے۔

۵)۔ اہتمام تعلیم:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۝ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا، تا کہ (تم روزوں کی) گنتی پوری کر لو، اور اللہ نے تمہیں جو راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو، اور تا کہ تم شکر گذار بنو''۔

گذشتہ دروس میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ باری تعالیٰ نے گھرانہ کے نظام کی تدبیر و اصلاح کیلئے پانچ راہنما اصولوں کی جانب اشارہ فرمایا ہے:

۱)۔ کمانا۔ ۲)۔ خرچ کرنا۔

۳)۔ فوجداری قوانین۔ ۴)۔ دیوانی قوانین۔

۵)۔ مضبوط تعلیم۔

پہلے چار اصول بالترتیب ذکر کئے جا چکے ہیں، ان پانچ اصولوں میں سے آخرالذکر ''تعلیم'' کا اہتمام و انتظام کرنا ہے تا کہ گھرانہ نورِ علم سے منور ہو کر ہمہ قسم کی ضلالتوں و جہالتوں سے اپنے آپ کو بچا کر کے دنیوی و اخروی نقصانات سے محفوظ رہ سکے، تعلیم کے لئے چند اساسی ارکان ہیں:

۱)۔ نصابِ تعلیم۔ ۲)۔ وقتِ تعلیم۔

۳)۔ طریقۂ تعلیم۔

مذکورہ بالا آیات میں اشارتاً تینوں ارکان کا بیان ہے، نصابِ تعلیم تو قرآن کریم ہے جو سرچشمہ علم و عمل ہے، جملہ علوم و فنون قرآن کریم سے ہی پھوٹتے ہیں، قرآن کریم سے ہی نظامِ حیات طے کیا جا سکتا ہے، انسان کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک، گذشتہ اُمتوں کی تاریخ سے لے کر آنے والے جہان کی خبروں تک، انفرادی زندگی سے لیکر قوموں کی حیات تک، فردکی اصلاح

سے قوموں کی راہنمائی تک، جہاں داری، جہاں بانی، عقائد، عبادات، اخلاق و اداب، معاملات، اصولِ تقویٰ، عدل وانصاف، مساوات، اخوت، اقوام عالم سے برتاؤ، دنیا کے حالات، آخرت کے معاملات، جرم اوران کی سزائیں وغیرہ سبھی کچھ قرآن کریم میں موجود ہے، انسانی ضرورت کا کوئی نصاب تعلیم قرآن کریم کو شامل کئے بغیر مکمل نہیں کہلاسکتا، اس لئے مذکورہ آیت میں قرآن کریم سے راہنمائی لینے کی جانب اشارہ ہے۔

"وقت تعلیم" تو پوری زندگی اور زندگی کے تمام ماہ وسال ہیں، لیکن رمضان المبارک کو قرآن کریم سے خاص تعلق ونسبت حاصل ہے، چنانچہ اکثر کتب وصحائف کا نزول بھی رمضان المبارک میں ہوا اور خود قرآن کریم بھی رمضان المبارک میں اترا، اس لئے ماہ صیام کو خصوصیت سے تعلیم قرآن کے لئے موزوں کہا جاسکتا ہے، حالت صیام وقیام میں تقرب الی اللہ اور فہم قرآن کی استعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس لئے یہ مبارک مہینہ تلاوت، سماعت، فہم وتدبر اور تلاوتِ قرآن کے لئے نہایت موزوں ہے۔

"طریق تعلیم" اسلوب نبوی سے متعین ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرز وانداز سے حضرات صحابہ کرامؓ کو تعلیم قرآن کریم کے زیور سے آراستہ فرمایا وہ امت کے لئے کامیابی و کامرانی کا باعث ہے، آپ نے "تلاوت آیات" کے ساتھ "تعلیمِ کتاب"، "تعلیمِ حکمت" اور "تزکیہ" کا اہتمام بھی فرمایا، گویا کہ آپ کا طریقہ تعلیم میں چار چیزیں شامل تھیں۔

۱)۔ الفاظ قرآن کریم کی تلاوت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن کریم کے الفاظ تلاوت فرماتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان الفاظ کو دہراتے اور یاد فرماتے اور شب وروز اس کی تلاوت میں مصروف رہتے۔

۲)۔ معانی قرآن کریم سے آگاہی:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم کے معانی ومطالب بھی سکھائے، اس لئے قرآن کریم کے مفہوم کو اپنی رائے اور پسند سے متعین کرنے کی اجازت

نہیں دی بلکہ اس عمل کو "تفسیر بالرائے" قرار دے کر اس کی مذمت کی گئی، حقیقت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے قرآنی الفاظ بھی خود مرحمت فرمائے اور مطالب قرآنی بھی القاء کئے، یہی مطالب و مفاہیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو سکھائے اور صحابہ کرامؓ نے اپنے تلامذہ کو، یوں الفاظ قرآنی کے ساتھ ساتھ معانی قرآن بھی پوری امت اور قیامت تک کے مسلمانوں تک پہنچتے چلے جائیں گے۔

۳)۔ تعلیمِ حکمت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم معانی قرآن کے ساتھ ساتھ "تفسیر قرآن"، حدیث کی شکل میں صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرماتے اور حضرات صحابہ کرامؓ احادیث رسولؐ کو بھی ایسے ہی یاد کرتے جیسے کہ وہ قرآن کریم کو یاد کیا کرتے تھے، یوں ذخیرہ احادیث بھی ذخیرہ قرآن کی طرح اُمت کی راہنمائی کا باعث بن کر محفوظ علم کی شکل اختیار کر گیا۔

۴)۔ اخلاقی تربیت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف الفاظ قرآن و معانی و تفسیر قرآن کریم پر اکتفاء نہیں فرماتے تھے بلکہ احکام الٰہی کو دلوں میں اتارتے اور عملی طور پر تربیت بھی فرماتے تھے، اس عملی تربیت کو "ویز کیھم" کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہی ہے کہ وہ علم کو برائے معلومات نہیں بلکہ برائے عمل پڑھاتا ہے، چنانچہ جوں جوں علم بڑھتا چلا گیا ویسے ویسے ہی تربیت و عمل میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی سب سے غیر متمدن قوم پورے عالم کی سیادت و قیادت کا علم لے کر اُٹھی اور دنیا کو جہانبانی کے نئے انداز و اطوار دکھا کر داد و تحسین وصول کی۔

مذکورہ بالا علوم کے علاوہ قرآنِ کریم نے دنیوی زندگی میں ممد و معاون فنون کی جانب بھی اشارے کیے ہیں ان کا حصول بھی نہایت اہم ہے۔

اہلِ بیت کا مفہوم و مرتبہ

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ (الاحزاب:۳۳۔۳۴)

''اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا، اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔ اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو۔ یقین جانو اللہ بہت باریک بین اور ہر بات سے باخبر ہے''۔

آیت مذکورہ میں اصل خطاب ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امہات المؤمنین کو ہے، پھر اُمہات المؤمنین کے توسط سے پوری امت کی خواتین کو حکم ہے، کہ اپنے گھروں میں رہا کرو۔ اگر ضرورت وحاجت شرعی کے تحت گھر سے باہر آنا جانا پڑے، تو پہلی جاہلیت کی طرح کھلی و عریاں نہ آیا جایا کرو۔ جاہلیتِ اُولیٰ میں خواتین بغیر حجاب کے یوں گھر سے باہر آتی جاتی تھیں، کہ دوپٹہ گلے میں ہوتا یا سر پر ہوتا اور دوپٹہ کو لٹکائے ہوئے ہوتیں، جس سے گردن، گلے کا ہار، کانوں کی بالیاں وغیرہ ظاہر ہوتیں، اس صورت کو اللہ تعالیٰ نے تبرج (کھلا پن) قرار دے کر اس سے منع فرمایا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ سال میں ایک مرتبہ یوں عید مناتے، کہ

خواتین زیب وزینت کے ساتھ مردوں کے سامنے، اور مرد زیب وزینت کر کے خواتین کے سامنے آتے، جس میں کھلی فحاشی کا اظہار ہوتا اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا، نیز نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم سے معصیت کو دور کرنا چاہتے ہیں نیز تمہیں پوری طرح پاک کر دینا چاہتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں اہل بیتؓ کی خاص فضیلت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، وہ فضیلت خاص اہل بیت اطہار کی تطہیر اور معصیت سے دوری ہے۔ احادیث نبویہ میں اہل بیتؓ کے خصوصی فضائل کا تفصیلی بیان ہے۔ ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"میں تمہیں اپنے اہل بیت کے سلسلہ میں اللہ سے ڈراتا ہوں"۔

(صحیح مسلم: ۲/ ۲۸۳، حدیث رقم: ۶۲۲۵)

دوسری روایت میں ہے: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت کے معاملہ میں خیال رکھا کرو"

(صواعق محرقہ)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "میری اولاد کے خون حرام کو حلال قرار دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، میری لعنت ہے اور ہر نبی کی لعنت ہے۔"

(سنن ترمذی)

جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ: "میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: ۱) اللہ تعالیٰ کی کتاب، ۲) میری عترت۔"

(جامع ترمذی جلد دوم، رقم الحدیث: ۳۷۵۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ (درود شریف) کا طریقہ تعلیم فرمایا، درود شریف کے اکثر صیغوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی آل پر درود کا ذکر ہے، امت میں یہی طریقہ چلا آرہا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کے ساتھ ساتھ آپ کی آل پر بھی درود شریف پڑھا جاتا ہے۔

اب سوال یہ کہ اہل بیت کا مصداق کون ہیں؟ کون کون سی شخصیات اہل بیت میں

داخل ہیں؟ آیت مذکورہ کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کا اولین مصداق تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین ہیں، کیونکہ مذکورہ آیت کے سیاق وسباق میں ذکر ازواج ہی کا چل رہا ہے۔ اور آیت مذکورہ میں بھی قرن، بیوتکن، تبرجن، اقمن، اتین، اطعن مؤنث کے صیغے ہیں، البتہ عنکم صیغہ مذکر اہل بیت کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے لایا گیا ہے۔ ایسا قران کریم میں دوسرے مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے۔ تاہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کی مذکورہ فضیلت میں توسیع کرتے ہوئے اپنے خاندان کے چند دیگر افراد کو بھی اس میں شامل فرمالیا، چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن وحسین اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہم کے سروں پر اپنی چادر مبارک دراز فرما کر اللہ تعالیٰ کے حضور دست دعا دراز کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي،

''اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں''۔

(جامع ترمذی، مناقب اہل بیت: ۲/ ۶۹۹، رقم الحدیث: ۳۷۵۶)

ایک روایت میں ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

''ان کو پاک فرما دیجیے، اس موقع پر آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی چادر کے نیچے آنے کی کوشش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: آپ تو خیر پر ہیں یعنی پہلے سے اہل بیت ہیں۔''

(جامع ترمذی جلد دوم، رقم الحدیث: ۳۷۵۶)

الحاصل!!! ازواج مطہرات کو اہل بیت، اللہ تعالیٰ نے اور اولادِ رسول اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہم کو اہل بیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا۔ مذکورہ بالا جملہ شخصیات اہل بیت رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حفاظت کے وعدہ کی تکمیل

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ج وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ.... (المائدة: ۶۷)

"اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا اُس کی تبلیغ کرو اور اگر ایسا نہیں کرو گے (اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ) گویا تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔"

آیت مذکورہ کے نزول سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین، ادائیگی فرائض رسالت پر مزاحمت اور مزاحمت میں جان کا اندیشہ رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے حفاظتی اسباب کا انتظام فرمایا ہوا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے ارد گرد پہرا دیا کرتے تھے تاکہ نصیب دشمناں کوئی آپ کو ایذاء نہ پہنچا پائے۔

مذکورہ آیت کا نزول ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حفاظت کا سامان ختم فرما دیا۔ محافظ ہٹا لیے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی جانب سے ادائیگی فریضہ تبلیغ کی تاکید کی گئی اور اِس کے متوقع ردِّ عمل کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا اعلان کر دیا گیا اور دوٹوک فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا:

"لوگو! تم چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا انتظام فرما دیا ہے۔"

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر جلد دوم صفحہ ۵۷۹)

تب سے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ مقرر نہ ہونے کے باوجود

محفوظ رہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں اور مخالفین کی کمی نہ تھی۔ آپ کے ساتھ بغض وحسد انتہا درجے کا تھا لیکن ظاہری اسباب میں مکہ مکرمہ میں آپ کے چچا ابوطالب کو اور مدینہ منورہ میں انصار کو آپ کی حفاظت کا ذریعہ بنادیا۔ یوں قرآن کریم کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ پوری زندگی میں آپ کی شہادت کے منصوبے بنے لیکن سب ناکام ہوئے۔ ایک مرتبہ یہود نے آپ کو پسِ دیوار بٹھا کر اُوپر سے پتھر گرا کر آپ کی شہادت کا منصوبہ بنایا۔ قبل اِس کے کہ اِس منصوبہ پر عمل ہوتا، حق تعالیٰ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے آپ کو اطلاع دے دی تو یہ منصوبہ ناکام ہوا۔

اسی طرح غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہودیہ عورت کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا گیا، یہ زہر بکری کے گوشت میں ملایا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوت میں تشریف لے گئے، آپ کے ہمراہ آپ کے ایک صحابی بھی تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی لقمہ توڑا ہی تھا کہ حق تعالیٰ کی جانب سے آپ کو اطلاع دے دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ کے ہمراہ شریکِ دعوت صحابی کی اِس زہر کی وجہ سے موت واقع ہوئی۔

> آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ تلوار درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی۔ ایک مشرک نے تلوار اٹھائی اور کہنے لگا: ''آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟'' آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''اللہ'' اِس پر اُس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اُٹھائی اور فرمایا: ''اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا اور پھر اُسے معاف فرمادیا۔''
>
> (مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۴۹۹۱)

یہودِ مدینہ نے آپ کو ختم کرنے کے لیے آپ پر سخت قسم کا جادو کیا لیکن حق تعالیٰ نے نہ صرف اُس کی اطلاع دی بلکہ اُس جادوگر کا جادو بھی ناکام بنایا۔ بلکہ سورۂ معوذتین کے ذریعے اُس کا علاج بھی بتادیا۔ مذکورہ بالا واقعات سے

جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی حفاظت کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں قرآن کریم کی صداقت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۵۸۷ سورۃ الفلق)

بلاشبہ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے غیب کی خبریں بیان فرمائیں اور یہ سب پوری ہوئیں۔ قرآن کریم میں بیان کردہ کوئی ایک واقعہ، اطلاع اور پیشین گوئی خلاف واقعہ ثابت نہیں کی جاسکتی۔ حق تعالیٰ نے روم کی شکست اور ایران کی فتح کے موقع پر مشرکینِ مکہ کے منائے گئے جشن کے موقع پر سورۃ الروم کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔ اِن آیات میں ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب رومی غالب آجائیں گے۔ زمینی حقائق اِس پیشین گوئی کے خلاف تھے، اس لیے ایک مشرک نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی۔ اُس وقت تک یہ شرط والی صورت حرام نہیں ہوتی تھی۔ ٹھیک ۹ سال بعد اللہ تعالیٰ نے روم کو فتح عطاء فرمائی اور قرآن کریم کی پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: سورۃ الروم: ۵/ ۷۱)

اسلامی ریاست کے مفلوک الحال طبقات کے لیے قرآنی دفعات

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤی اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا۝ (النساء:۴-۲)

”اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو، اور اُن (یتیموں) کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔اور اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمھیں پسند آئیں، دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے۔ہاں! اگر تمھیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہوگے۔اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھالو“۔

قرآن کریم کی سورۃ النساء قرآنی ترتیب میں چوتھے اور نزولی ترتیب کے لحاظ سے

باون نمبر پر ہے، اس سورۃ میں حق تعالیٰ شانہ نے فلاحی اسلامی ریاست کے لئے چوبیس دفعات بیان فرمائی ہیں، ان چوبیس دفعات میں سے پندرہ دفعات عوام اور رعایا کے لئے اور نو دفعات اہلِ حکومت اور انتظامیہ کے لئے بیان کی گئی ہیں، عوام ورعایا کے لیے ذکر کردہ یہ پندرہ دفعات افادہ قارئین کے لئے قسط وار پیش خدمت ہیں۔

دفعہ نمبر ۱: یتیموں کی نگہبانی:

یتیم بچوں کے متعلق ان کے وارثان اور اولیاء کو حکم ہے کہ یہ بچے جب بالغ ہو کر سمجھدار ہو جائیں تو ان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور اموال ان کو لوٹا دیے جائیں، یتیموں کے اچھے مال کو اپنے استعمال میں لا کر اپنا ردی مال تبادلے میں انہیں نہ دیا جائے اور نہ ہی یتیم کا مال ضائع کیا جائے، اور یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنے والوں کے لئے تو سخت ترین وعیدیں ذکر کی گئی ہیں، یہ سب یتیم کے حقوق میں شامل ہے، یتیم کے مال میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق ان آیات کا نزول اس وقت ہوا جب قبیلہ غطفان کے ایک شخص کے پاس یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا، یتیم نے بلوغ کے بعد اپنا مال چچا سے طلب کیا تو چچا نے یہ مال دینے سے انکار کر دیا تو اس پر معاملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

(تفسیر درِّ منثور)

یتیم سے متعلق اس سورت میں مزید بھی کئی ہدایات ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

دفعہ نمبر ۲: یتیم لڑکی سے ناانصافی کے خدشہ کے پیش نظر دیگر خواتین سے چار تک شادیوں کی اجازت:

یتیم کے حقوق کے سلسلہ میں ایک اور ہدایت یہ فرمائی کہ اگر یتیم بچی جوان ہوگئی اور اس کا ولی (غیر محرم) مثلاً چچازاد، خالہ زاد یا ماموں زاد وغیرہ اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور شادی میں یہ رغبت صرف اس بنیاد پر ہے کہ وہ مال میں اس کی شریک ہے لیکن شادی کے بعد اس

لڑکی کے حقوق کے سلسلہ میں ناانصافی کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں بجائے لالچ میں یتیم لڑکی سے شادی کرنے کے کہیں اور حسب منشا ایک تو کیا تم دو، تین، چار تک شادیاں کر سکتے ہو بشرطیکہ تم ایک سے زیادہ بیویوں سے انصاف کرنے کی امید رکھتے ہو، ہاں اگر تم بیویوں میں انصاف نہ کر پاؤ تو پھر ایک ہی خاتون سے شادی کرو۔

اس آیت میں عدالت یعنی تقسیم وقت اور تقسیم نفقہ میں انصاف کی شرط پر ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے، چنانچہ آزاد مرد کے لئے چار تک اور غلام کے لئے دو شادیوں تک کی اجازت ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمومی قانون سے مستثنیٰ ہیں، آپ کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے خصوصی حکم تھا، تعدد ازدواج کے اس شرعی حکم میں حقیقتاً خواتین ہی کی رعایت رکھی گئی ہے، معاشرہ میں خواتین کی تعداد کا تناسب مردوں سے زیادہ ہے، اگر ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہ ہوتی تو معاشرہ میں بہت سی خواتین زندگی بھر بے نکاح اور بے سہارا رہتیں، اس طرح وہ خواتین جو بیوہ ہو جاتی ہیں انہیں بھی کہیں اور نکاح کی اجازت نہ ہوتی، یوں خواتین کی ایک بڑی تعداد بے گھر و بے سہارا ہو جاتی، خواتین کے تحفظ کے لئے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی اور اس اجازت کو عدل و مساوات کے ساتھ مشروط کر دیا گیا، آج جو لوگ تعدد ازدواج کے خلاف لب کشائی کرتے ہیں وہ بتائیں کہ ایک سے زیادہ شادی ممنوع ہو جانے کی صورت میں خواتین کا مستقبل کیا ہوگا؟ معاشرہ میں ایک مرد نے صرف ایک شادی کر لی جو عورتیں بچ گئیں یا بیوہ ہو گئیں کیا انہیں بے سہارا چھوڑ دیا جائے؟ ہرگز نہیں، شریعت کا ہر حکم حکمت سے لبریز ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نکاح و شادی کی چار تک تحدید نہیں رکھی گئی بلکہ آپ کی مرضی پر یہ معاملہ موقوف رکھا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ شادیاں فرمائیں اور بیک وقت آپ کی خدمت اقدس میں نو بیویاں رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سے زیادہ نکاح کرنا خدانخواستہ کسی نفسانی غرض کی وجہ سے نہ تھا اور نہ ہی آپ نے ایک سے زیادہ نکاح جوانی میں فرمائے، تعدد ازدواج تو آپ نے پچاس سال کی عمر کے بعد اختیار فرمایا، اس میں بہت سی حکمتیں تھیں، مثلاً مختلف قبائل میں نکاح کی برکت سے یہ قبائل اسلام دوست بن

گئے، نیز مسلمانوں کی ان قبائل سے دشمنیاں دوستیوں میں تبدیل ہوگئیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خانگی زندگی امت تک پہنچ جائے تاکہ تربیت اولاد، حقوق ازواج، حقوق اصہار، خواتین کے مخصوص احکام، گھر کے معمولات، شب گزاری کی کیفیت، صلوٰۃ تہجد وغیرہ جیسے بیسیوں احکامات یہ ازواج مطہرات امت تک پہنچادیں جیسا کہ آپ کی گھر سے باہر کی زندگی امت تک سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے پہنچادی۔

دفعہ نمبر ۳: ادائیگی مہر کی تاکید:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا○ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ○

(النسآء: ۴-۶)

”اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھالو۔ اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالہ نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے؛ ہاں اُن کو اِن میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔ اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں۔“

انفرادی زندگی سے خاندانی زندگی میں قدم رکھتے ہوئے سب سے پہلا مرحلہ نکاح کا ہوتا ہے، مرد وعورت کے درمیان ”نکاح“ عبادت کے ساتھ ساتھ ایک معاملہ بھی ہے، یہ معاملہ گواہوں کی موجودگی میں فریقین کے درمیان طے شدہ مہر (اُجرتِ نکاح) پر منعقد ہوتا ہے، نکاح ہوتے ہی خاوند کے ذمہ مہر لازم ہوجاتا ہے، مندرجہ بالا آیت میں مہر کے حق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے، خاص طور پر وہ لڑکیاں جو یتیم ہیں ان کے مہر کی ادائیگی پر زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ”مہر“ خوشدلی اور رضاء ورغبت سے ادا کرنا چاہیے، مہر کی ادائیگی کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ

بیوی مہر کا مطالبہ کرے تب اسے ادا کیا جائے، مطالبہ کرنے یا نہ کرنے دونوں صورتوں میں ادائیگی ضروری ہے۔ اگر مہر کی ادائیگی قاعدے کے مطابق ہو جائے تو یتیم لڑکی سے شادی کرنے میں بھلا کیا قباحت ہے؟ ہاں اگر کوئی بیوی مہر وصول کرنے کے بعد اپنی خوشی اور رغبت سے واپس ہدیہ کر دے تو یہ نہ صرف شوہر کے لئے جائز ہے بلکہ اس کے لئے خوشگوار اور مزے دار ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بیوی کو حق مہر معاف کرنے کا اختیار ہے تاہم شوہر جبر کے ساتھ بیوی سے مہر معاف نہیں کروا سکتا۔ سختی، جبر و اکراہ اور خاندانی روایات کے طور پر معاف کرایا گیا مہر کسی صورت بھی معاف نہیں ہوتا، اس لئے رضاء ورغبت کی یہی صورت بتائی گئی ہے کہ شوہر کی جانب سے مہر کی ادائیگی کر دی جائے البتہ وہ تقاضے، مطالبے اور دباؤ کے بغیر خود خوش دِلی سے اپنے شوہر کو مہر ہدیہ کر دے تو سمجھا جائے گا کہ بیوی رضاء ورغبت سے مہر معاف کر رہی ہے۔

دفعہ نمبر ۴: یتیم بچوں کی پرورش کا طریقہ کار:

الف)۔ یتیم بچے کا مال و جائیداد اس کے ولی کے پاس امانت ہوتا ہے، کم سن اور کم سمجھ بچے کو اس کا مال تھما دینا یقیناً مال و اسباب برباد کر دینے کے مترادف ہے، اس لئے حکم ہے کہ یتیم بچے کے مال کی حفاظت کی جائے۔ یہ مال اللہ کی نعمت اور مایہ زندگی ہے۔ البتہ ان یتیموں کے لئے ان کے مال میں سے خورد و نوش اور لباس وغیرہ کا انتظام کیا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ یہ مال انہیں کا ہے، انہیں کو واپس کیا جائے گا، سپردگی کے وقت گواہ بنانے کا بھی حکم ہے، تا کہ بوقت ضرورت یتیم کا ولی اپنی برأت ثابت کر سکے، انکے بڑے ہو جانے پر یہ مال انہی کے کام آئے گا، اس طرح کے تسلی کے جملوں سے یتیموں کو مطمئن رکھا جائے گا۔

ب)۔ یتیموں کی متانت اور سمجھداری کو بھی آزماتے رہنے کا حکم ہے، جب یہ محسوس ہو کہ بچہ سمجھدار ہو کر نفع و نقصان کو سمجھنے کے قابل ہو گیا ہے، تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے، کسی بھی یتیم کے سمجھدار ہونے کی صورت میں اس کی معاملہ شناسی جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ معمولی رقم دے کر خرید و فروخت کا کہا جائے، اس سے اندازہ ہو گا کہ

وہ کس قدر نفع ونقصان کو سمجھ پاتا ہے۔

ج)۔ یتیم کا ایسا مال جو اس کی ضرورت سے زائد ہو اسے بلاوجہ ضائع نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح اس کے مال کو بلاضرورت محض اس لئے خرچ کرتے چلے جانا کہ اس کے بڑے ہونے سے پہلے پہلے مال ختم کر دیا جائے، ناجائز ہے۔

د)۔ اگر یتیم کی پرورش کرنے والا فقیر اور ضرورت مند ہے تو اس کے مال میں سے بقدر ضرورت اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے لیکن اگر وہ غنی اور مالدار ہے تو یتیم کا مال اپنے اوپر خرچ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

دفعہ نمبر 5: خواتین اور بچوں کے حقوق:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ○ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ○ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ○ (النساء:۷-۱۰)

”مردوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔ اور وہ لوگ (یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے) ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے

چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکر مند رہیں گے۔ لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں۔ یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔

زمانہ جاہلیت میں خواتین کو میراث میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور نہ ہی نابالغ بچوں کو مستحق میراث سمجھا جاتا تھا، رحمتِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ ایسے واقعات بھی وقوع پذیر ہوئے کہ خاوند فوت ہوا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں اور بیوہ بے سروسامان اور بے سہارا ہوگئیں، متوفی کے بھائی نے آکر پورے ترکے پر قبضہ جمالیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ان آیات میں حکم دیا گیا کہ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے متروکہ مال سے مردوں، عورتوں سبھی کو حصہ دیا جائے، خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ، ہر ایک کا حصہ بھی مقرر ہو چکا، مقرر شدہ حصے میں سے ہر چھوٹے بڑے مرد وزن کو تھوڑے یا زیادہ متروکہ مال میں سے حصہ میراث دیا جائے، کسی کو محروم نہ رکھا جائے۔ جہاں تک حصوں کے تقرر کا تعلق ہے اس کی تفصیل کے لئے مستقل آیات کا نزول ہوا۔

غریب رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کا حکم:

وراثت کی تقسیم کے وقت اگر برادری اور خاندان کے ایسے لوگ بھی آجائیں جو نادار اور مفلس ہوں لیکن متوفی کے شرعی وارث نہ ہوں، ظاہر ہے کہ انہیں وراثت سے باقاعدہ حصہ تو نہیں دیا جاسکتا اور ان کو خالی ہاتھ بھیج دینا بھی یقیناً بدسلوکی کے زمرے میں آتا ہے، اس لیے ایسے غریب اور مفلس عزیزوں کو حسنِ سلوک کے طور پر کچھ کھلا پلا کر یا تھوڑا بہت دے کر رخصت کر دیا جائے، ہاں اگر انہیں مالِ وراثت سے کسی وجہ سے نفع نہ پہنچایا جاسکے مثلاً وہ مال یتیم بچوں کا ہے تو ظاہر ہے انکی اجازت بھی بالغ ہونے سے پہلے معتبر نہیں، اس صورت انہیں معقول بات کہہ کر یعنی نرمی سے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا جائے، مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ بھائی ہم مجبور ہیں آپ کا وراثت میں حصہ نہیں بنتا اور نہ ہی میت نے آپ کے لیے وصیت کی ہے، اور ورثاء بھی

نابالغ ہیں یا ورثاء اجازت نہیں دے رہے (اگر ورثاء بالغ ہوں) آپ معذرت قبول فرمائیں، الغرض ان سے حسنِ سلوک کیا جائے، بدسلوکی نہ کی جائے۔

یتیموں کے حق کی تاکید:

یتیم کے ولی اور وصی اور دیگر رشتہ داروں کو نہایت ہی بلیغانہ انداز سے یتیم کے حق کی رعایت رکھنے کی تاکید کی گئی اور احساس دلایا گیا کہ ایک دن تمہیں بھی مرنا ہے اور تمہارے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں گے، تم قطعاً پسند نہیں کرو گے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد سے سختی یا ناانصافی برتی جائے تو تمہیں بھی چاہیے کہ دوسروں کی اولاد کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنی اولاد کے ساتھ روا رکھنا چاہو، اللہ سے ڈرو، یتیموں سے ترش اور سخت بات نہ کہو، بلکہ میٹھے اور اچھے بول بولو۔ ان کے شکستہ دلوں کو سہارا دو، ان کے دلوں کے توڑنے کا ذریعہ نہ بنو۔

جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھا جاتا ہے وہ اپنے پیٹ کو آتشِ جہنم سے بھرتا ہے، اس کا انجام دوزخ کے انگاروں کے سوا اور کچھ نہیں، سو خیال کرو اور قطعاً یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، اسے کمزور اور بے سہارا جان کر ظلم و جبر کے ذریعے اس کا مال و اسباب اور جائیداد کو ہڑپ نہ کر جاؤ۔ یتیم اگرچہ بظاہر بے سہارا ہے لیکن اس کا سہارا سب سے مضبوط اور طاقتور ہے اور وہ سہارا خود اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد بار اور احادیث میں کثرت سے یتیم کے حقوق بیان کیے گئے ہیں، قرآن کریم کی سورۃ الضحیٰ میں یتیموں پر سختی کرنے سے روکا گیا ہے۔

حدیث مبارک میں ہے جب یتیم روتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے دستِ قدرت پر اس کے آنسو لے لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس یتیم کو کس نے رُلا ڈالا؟ جس کے باپ کو میں نے مٹی تلے چھپا دیا، جو کوئی اسے خاموش کرائے گا میں اسے جنت عطا کروں گا۔

(تفسیر کبیر: سورۃ والضحیٰ)

دفعہ نمبر ۶: ورثاء کے حصوں کی تعین:

يُوصِيكُمُ اللهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ (النسآء:۱۱)

''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اور اگر (صرف ـــــ) عورتیں ہی ہوں، دو یا دو سے زیادہ، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو، انہیں اس کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا۔ اور مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا، بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصے کی حق دار ہے۔ ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا، (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔ تمہیں اس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ بیٹوں میں سے کون فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے؟ یہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے حصے ہیں؛ یقین رکھو کہ اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک''۔

گذشتہ آیات میں میت کے قریبی رشتہ دار خواہ مرد ہوں یا عورتیں، کی وراثت کی جانب اشارہ کیا گیا تھا، ان آیات میں قریبی رشتہ داروں کی وراثت میں حصوں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ قرآن کریم نے جن رشتہ داروں کے حصص بیان کئے ہیں انہیں ''اصحاب فروض'' کہا جاتا ہے۔ اصحاب فروض کو متعین حصہ کی ادائیگی کے بعد اگر حصے باقی رہ جاتے ہوں تو مزید رشتہ داروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔ ایسے قریبی رشتہ داروں کو ''عصبات'' کہا جاتا ہے۔ عصبات کی تفصیل

احادیث میں بالتوضیح موجود ہے۔ان کے حصص کی تفصیل بھی قرآن کریم سے مستنبط ہے۔

ضابطہ کے مطابق میت کے مال میں سے سب سے پہلے میت کی تجہیز وتکفین (کفن دفن) پر خرچ کیا جائے گا۔اس کے بعد بقیہ مال سے میت کے ذمہ قرض کی ادائیگی کی جائے گی، قرض کی ادائیگی کے بعد میت کی جانب سے اگر کسی کے لئے وصیت کی گئی ہے تو حسب وصیت اسے دیا جائیگا لیکن اس کے لئے دو ہدایات ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

۱)۔ وصیت کل ترکہ کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہ ہو، اگر ایک تہائی حصہ سے زائد کے بقدر کسی کے لئے وصیت کی ہو مثلاً آدھے یا پورے ترکہ کے بارے میں وصیت کی ہو کہ فلاں شخص، مسجد یا مدرسہ وغیرہ کو دے دی جائے تب بھی صرف ایک تہائی حصہ سے ہی اس شخص یا ادارہ کو دیا جائے گا۔

۲)۔ وصیت کسی وارث کے حق میں نہ ہو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ○

"بے شک اللہ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی وارث کے لئے وصیت (درست) نہیں"۔

(جامع الترمذی: ۲۱۳۱، سنن ابی داؤد: ۲۸۷۰)

(وصیت سے متعلق تفصیل احکام ماہ رمضان، شوال ۱۴۳۴ھ (۱/ ۹۔۱۰) کے شمارہ میں ذکر کئے جا چکے ہیں)

آیت میں ذکر کے لحاظ سے اگر چہ وصیت پہلے اور قرض بعد میں ہے، تاہم ادائیگی کے لحاظ سے قرض مقدم ہے، غالباً آیت میں وصیت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ اس بات کی تاکید ہے کہ وصیت کی تکمیل ضروری ہے اگر چہ وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی گئی مطالبہ نہ کرے یا اسے وصیت کا سرے سے علم ہی نہ ہو تب بھی وصیت کی تکمیل ضروری ہے جبکہ قرض دہندہ قرض کا مطالبہ کرنے والا تو ہوتا ہے اس لئے ادائیگی قرض کا اہتمام تو کیا جاتا ہے لیکن وصیت کے ترک ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔اسی حکمت کے پیش نظر وصیت کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔

حصہ اولاد:

اگر ماں باپ فوت ہو جائیں تو بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہی وراثت کی حقدار ہیں البتہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کا حصہ لڑکے کے حصہ سے مقدم ہے، یہ قرآنی اسلوب عورتوں کی وراثت کی تاکید کے لئے ہے، اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں خواتین کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اگر ورثاء میں صرف ایک لڑکی ہے تو حسبِ حکم قرآنی اسے ترکہ کا آدھا حصہ ملے گا، اگر ماں باپ کی وارث دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو ان لڑکیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

لڑکی کے حصے پر اعتراض اور اس کا جواب:

دورِ حاضر کا مغرب پرست طبقہ قرآن کریم کے قانون وراثت پر لب کشائی کرتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں کے حصوں میں تفاوت کو عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی قرار دیتا ہے۔ یہ طبقہ مرد و زن میں مساوات کا راگ الاپتے ہوئے اس بات کا مدعی ہے کہ عورت اور مرد کا حصہ برابر ہونا چاہیے تھا، عورت کو مرد سے آدھا حصہ دینا عورت کی حق تلفی ہے۔

حقیقت میں قرآن کریم اور اسلام پر یہ اعتراض مکمل قانون وراثت سے جہالت کی وجہ سے ہے۔ قرآن کریم کے قانونِ وراثت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کے مختلف صورتوں میں مختلف حصے مقرر کئے گئے ہیں، بعض صورتوں میں خواتین اور مردوں کا حصہ برابر ہے، بعض صورتوں میں خواتین کا حصہ مردوں کے حصہ سے بھی زیادہ ہے جبکہ چند صورتوں میں خواتین کا حصہ مردوں کے حصہ سے کم ہے۔ افسوس کہ ان متجددین کو قانون وراثت کی وہ جزئیات اور صورتیں کیوں نظر نہیں آتیں جن میں خواتین کو مردوں سے بھی بڑھ کر حصہ دیا گیا ہے یا مردوں کے برابر حصہ دیا گیا ہے، صرف ایک صورت کو بنیاد بنا کر شور و غوغا برپا کرنا صرف اور صرف اسلام دشمنی ہی ہے۔ نیز اسلام نے کفالت کی ذمہ داری مردوں پر عائد کی ہے، کسب معاش بھی مردوں کے ذمہ ہے۔ خواتین پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ والدین کی وفات کے بعد غیر شادی شدہ بہنوں کی کفالت بھائیوں کے ذمہ ہے اور شادی شدہ بہنوں کی ان کے

شوہروں کے ذمہ۔

بھائی کی ذمہ داریوں میں والدہ، بہنوں، دادا، دادی سب کی کفالت شامل ہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بہن کی ذمہ داری بالکل نہیں لیکن حصہ بھائی سے آدھا ہے جبکہ بھائی کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں لیکن حصہ صرف نصف زائد ہے۔

والدین، زوجین اور کلالہ کی وراثت:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ○ (النساء:۱۲)

''اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں، اس کا آدھا حصہ تمہارا ہے، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو، اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں ان کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے، ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہوں نہ اولاد، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں

شریک ہوں گے، (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمے جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد، بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بُردبار ہے"۔

گذشتہ آیات میں والدین کے حصص بھی بنائے گئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

وراثت میں حصہ ٔ والدین:

آیاتِ میراث میں اولاد کے حصص کی تفصیل کے بعد والدین کے حصص کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ ماں باپ کی وراثت کی تین صورتیں ہیں۔

۱)۔ اگر اولاد میں سے کوئی فوت ہو جائے اور متوفی کی اولاد بھی ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو وراثت میں چھٹا حصہ ملے گا۔

۲)۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک ثلث (ایک تہائی) اور باپ کو باقی وراثت یعنی دو ثلث (دو تہائی) حصہ ملے گا۔

۳)۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو لیکن اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں خواہ وہ بہن بھائی حقیقی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب اس کے باپ کو ملے گا، بھائی بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو پھر ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث ملیں گے۔

وضاحت:

ورثاء کو جس قدر وراثت سے حصہ ملتا ہے یہ سب قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال میں سے ملتا ہے، اس لئے حسب ضابطہ تجہیز و تکفین کے اخراجات، ادائیگی قرض اور ادائے وصیت کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ مذکورہ بالا حصص اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں، ان میں اپنی شخصی یا اجتماعی رائے سے تبدیلی کی ہرگز اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان حصوں کے مقرر کرنے کی حکمت خود ہی ارشاد فرمائی کہ تم نہیں جانتے کہ کس سے تمہیں کتنا نفع پہنچے گا، یہ اللہ

ہی جانتے ہیں اس لئے ان حصوں میں دخل اندازی نہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کو کافی سمجھو، انہیں کی پابندی کرو، اس میں تمام خیروں کی خیر بھی ہے اور وہ بڑا حکمت والا بھی ہے۔

زوجین کی وراثت:

اولاد، ماں باپ کی وراثت کے بیان کے بعد زوجین (میاں بیوی) کی وراثت کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

۱)۔ اگر بیوی فوت ہوجائے اور وہ لاولد ہو تو خاوند کو نصف جائیداد ملے گی۔

۲)۔ اگر بیوی کا انتقال ہوجائے اور اس کی اولاد ہو خواہ ایک یا ایک سے زیادہ، لڑکا ہو یا لڑکی ہو، اسی خاوند سے ہو یا پہلے کسی اور خاوند سے، اس صورت میں شوہر کو ترکہ کا چوتھا حصہ ملے گا۔

۳)۔ اگر خاوند فوت ہوجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔

۴)۔ اگر خاوند فوت ہوجائے اور اس کی اولاد بھی ہو، اسی بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے تو بیوی کا آٹھواں حصہ ملے گا، اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو تمام کو مشترکہ طور پر ایک آٹھواں حصہ ملے گا، یہاں اس ضابطہ کی جانب ایک بار پھر متوجہ کردیا گیا ہے کہ وراثت کی تقسیم قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال میں سے ہوگی۔

صرف ماں شریک بہن بھائیوں کا حصہ:

آیت کے آخر میں کلالہ کی وراثت کو بیان کیا جارہا ہے، کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کے والدین اور اولاد نہ ہوں، نیز امام ابوحنیفہؒ کی تفسیر کے مطابق اس کے اجداد یعنی دادا، دادی اور پوتا پوتی وغیرہ بھی نہ ہوں تو اس کے وارث اگر ماں شریک ایک بہن یا ایک بھائی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر ان بہن بھائیوں کی تعداد ایک سے زائد ہو تو ان سب کو ایک تہائی بطور وراثت کے ملے گا جو کہ ان میں برابر تقسیم ہوگا۔ یہاں مرد وعورت کی وراثت برابر ہے۔ لیکن واضح رہے کہ بہن و بھائی کو وراثت باپ یا بیٹے کے ہوتے ہوئے نہیں ملتی۔ اگر باپ اور بیٹا نہ ہوں تو بہن بھائیوں کو وراثت مل سکتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱)۔ بہن بھائی حقیقی ہوں، یعنی ماں، باپ شریک ہوں۔

۲)۔ بہن بھائی علاتی ہوں، یعنی صرف باپ شریک ہوں، ان دونوں قسموں کی وراثت کی تفصیل سورۃ النساء کے آخر میں بیان کی گئی ہے، ان صورتوں میں بہن بھائیوں کے حصہ میں تفاوت ہے۔

۳)۔ بہن بھائی اخیافی ہوں یعنی صرف ماں شریک ہوں، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کا حکم بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل اوپر بیان کردی گئی ہے۔

بدچلن بیوی اور ہم جنس پرستی کی سزا:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا○ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا○ (النساء:۱۶-۱۵)

''تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنا لو۔ چنانچہ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا کرلے جائے، یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کردے۔ اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو۔ پھر اگر وہ توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگذر کرو۔ بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے''۔

شروع اسلام میں بدچلن اور بدکارہ خاتون کے لئے آیت مذکورہ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایسی خاتون کی بدکرداری پر چار گواہ بنالئے جائیں، سو اگر یہ چار گواہ عدالت میں خاتون کی بدکاری کی گواہی دیں تو اسے تادم مرگ گھر میں قید رکھا جائے، اس کے ساتھ ہی اسی آیت کے آخر میں اشارہ دے دیا گیا کہ بعد میں اس جرم کی دوسری سزا مقرر کی جائے گی، گویا کہ اس سزا کا وقتی سزا ہونے کا عندیہ دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا

"یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کردے۔"

اس کے بعد سورۃ نور کی آیات نازل ہوئیں جن میں زنا کے مرتکب مرد وزن کے لئے سو کوڑوں کی سزا کا اعلان کیا گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کے لئے راستہ پیدا فرمادیا اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ بدکار مرد وعورت کو سو کوڑے لگائے جائیں اور شادی شدہ بدکار مرد وزن کو سنگسار کردیا جائے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، جلد دوم، صفحہ ۲۵۸، رقم الحدیث: ۴۴۱۵۔ مکتبہ رحمانیہ)

سورۃ نور کی مذکورہ بالا آیت درج ذیل ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (النور: ۲/۹)

"زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دین کے معاملے میں اُن پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے، اور یہ بھی چاہیے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع اُن کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے"۔

اسی طرح شادی شدہ بدکار مرد وعورت کی سزا کی آیت کی تلاوت قرآن کریم میں کی جاتی تھی، بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ فرما کر حکم کو باقی رکھا گیا، اس منسوخ التلاوت آیت کا مفہوم یوں ہے:

"بوڑھی عورت اور بوڑھا مرد جب زنا کریں سو انہیں سنگسار کریں، یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے، اور اللہ غالب حکمتوں والا ہے۔"

چنانچہ اسی حکم پر عہد نبوت، عہد خلافت راشدہ اور تمام اسلامی ادوار میں عمل ہوتا رہا، غیر شادی شدہ زناکاروں کو سو کوڑے مارے جاتے اور شادی شدہ مرد وعورت کو سنگسار کر کے قتل کیا جاتا تھا۔ یہی زنا کی حتمی حد ہے۔ یقیناً اللہ کی تجویز کردہ حدود میں ترمیم یا تبدیلی کا

کسی کو اختیار نہیں۔

آیت نمبر ۱۶ میں خلاف فطرت عمل (ہم جنس پرستی) کی سزا کی جانب اشارہ ہے، ایسی بدکرداری کی بس اتنی سزا بتائی گئی، ایسے دونوں بدکاروں کو اذیت دو، اس اذیت کے طریقے متعین نہیں کیے گئے، یہ قاضی یا فقہاء کی تجویز پر چھوڑ دیے گئے، چنانچہ بعض فقہاء نے اس عمل کی سزا پہاڑ سے نیچے گرا دینا، بعض نے دیوار کے نیچے کھڑا کر کے دیوار ڈھا دینا، بعض نے زندہ جلا دینا، بعض نے قتل کر دینا اور بعض نے اس کے علاوہ بھی تجویز فرمائی، صحیح یہ ہے کہ یہ سزا حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ حالات کے تقاضے کے تحت تھوڑی یا زیادہ سخت، سخت ترین یا ہلکی پھلکی جو سزا مناسب ہو دی جا سکتی ہے۔ ہاں اگر یہ دونوں توبہ تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو۔ اللہ توبہ قبول کرنے والے ہیں رحم فرمانے والے ہیں۔

دفعہ نمبر ۸: خواتین سے متعلق رسوم جاہلیت کا خاتمہ:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ إِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ أَفْضٰى بَعْضُكُمْ إِلٰى بَعْضٍ وَّأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۱۹-۲۱)

”اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے اُڑو، اِلّا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین

ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (مہر) واپس لو گے؟ اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے اور انہوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا؟ اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا (کسی وقت) نکاح کر چکے ہوں، تم انہیں نکاح میں نہ لاؤ، البتہ پہلے جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا، یہ بڑی بے حیائی، گھناؤنا عمل اور بے راہ روی کی بات ہے"۔

مذکورہ آیات میں خواتین سے متعلق رسمِ جاہلیت کی سختی سے تردید کی جارہی ہے، زمانہ جاہلیت میں خواتین کے ساتھ مختلف انداز سے امتیازی اور ناروا سلوک رکھا جاتا تھا مثلاً:

۱)۔ شوہر کی وفات کے بعد اس کی منکوحہ کو بھی مالِ وراثت سمجھتے اور اس پر قابض ہو جاتے۔ بسا اوقات اس سے زبردستی نکاح بھی کر لیتے۔ اس خاتون کو اپنی رضاء و رغبت سے کہیں شادی بیاہ کی اجازت نہ دیتے بلکہ کہیں اور بھی اس کی شادی کرتے تو اپنی مرضی سے کرتے۔ اگر وہ مر جاتی تو اس کے مال پر زبردستی قابض ہو جاتے۔

۲)۔ خواتین کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک روا رکھا جاتا، انہیں مارا پیٹا جاتا، ان کی ضروریات کا بھی زیادہ خیال نہ رکھا جاتا۔

۳)۔ اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا تو بلاوجہ پہلی بیوی پر تہمت لگا کر اور زیادتی کا ارتکاب کر کے اسے دیا ہوا حق مہر واپس لے لیتا۔

۴)۔ خواتین کو حق مہر کی ادائیگی میں کوتاہی روا رکھی جاتی۔

مذکورہ بالا آیات میں خواتین کے استحصال کو ممنوع قرار دے کر عائلی زندگی کا ایک بہترین معیار مقرر کیا گیا، اس سلسلہ میں چند ہدایات ارشاد فرمائی گئیں۔

۱)۔ خواتین مالِ وراثت نہیں کہ ان کے مالک بن بیٹھو۔ انہیں اپنے شوہروں کے وصال کے بعد مکمل آزادی حاصل ہے۔ وہ عدت کی تکمیل کے بعد جہاں چاہیں نکاح کر سکتی

ہیں۔ انہیں ان کی ترجیح کے مطابق نکاح سے روکنے کا میت کے ورثاء کو قطعاً حق نہیں پہنچتا نہ ہی اس کا حق مہر اور مال کسی کو ہڑپ کرنے کی اجازت ہے، خاتون کی وفات کی صورت میں اس کا ترکہ اس خاتون کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگا، یہ ترکہ اس کے فوت شدہ شوہر کے رشتہ داروں کی ملکیت نہیں۔

۲)۔ میت کے ورثاء بیوہ کے دوسرے نکاح میں صرف اس وجہ سے رکاوٹ بنتے ہوں تاکہ یہ عورت جاتے ہوئے شوہر کی وراثت وترکہ سے حاصل شدہ مال واپس کر کے جائے، اس کے متعلق فرمایا یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ مال چھیننے کے لیے نکاح سے روک تھام درست نہیں۔ وہ خاتون نکاح کرنے میں بھی خود مختار ہے اور شوہر کے ترکہ سے حاصل شدہ مال میں بھی خود مختار ہے اِلاّ یہ کہ وہ صریح بدچلنی کا ارتکاب کرے تو اس کا شوہر اپنی زندگی میں اس سے حق مہر کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۳)۔ خواتین کے ساتھ حسنِ اخلاق اور حسن معاشرت اختیار کرو، نرمی اور متانت اپناؤ، اگر تمہیں ان کی بعض عادات وخصائل ناپسند ہیں تو صبر کرو۔ کیا بعید ہے کہ اس عورت میں اس کمزوری کے ساتھ کچھ خوبیاں بھی ہوں، بسا اوقات خوبیاں کمزوریوں پر غالب آجاتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو چیز تمہیں ناپسند ہے حق تعالیٰ نے اس میں منفعت رکھی ہو۔ وہ منفعت دینی بھی ہو سکتی ہے اور دنیاوی بھی، اس لیے تمہیں تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صبر سے بیویوں کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے، زمانہ جاہلیت کی طرح مار پیٹ اور گالم گلوچ سے احتراز کرنا چاہیے۔

۴)۔ بیوی کی تبدیلی کی صورت میں محض حق مہر کی واپسی کے لئے اپنی ہی بیوی پر تہمت لگانا، اس پر بدچلنی کا داغ لگانا نہایت ہی قبیح حرکت ہے۔ ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، اس طرح بہتان لگا کر اور ظلم کا ارتکاب کر کے مال لینے سے بھلا تمہیں کیا فائدہ ہوگا، یہ جاہلیت کے رویے ہیں، ان کا ترک کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

۵)۔ خواتین کو مہر کی ادائیگی کرنا ان کا حق ہے بالخصوص صحبت کی نوبت بھی آچکی ہو تو اب یہ مہر ایک طرح سے معاوضہ بن چکا ہے۔ اس ملاپ کا عوض اس کے حق مہر کی ادائیگی

ٹھہری۔ خاتون کے اس حق کو کسی صورت دبایا نہیں جا سکتا اِلّا یہ کہ وہ اپنی خوشی سے حق مہر واپس کر دے یا معاف کر دے۔ مہر صنف نازک کا حق اس لیے بھی ہے کہ وہ بوقت نکاح تم سے پختہ عہد اور میثاق لے چکی ہے، اس عہد و میثاق کے ذریعے تم ان خواتین سے نفع مند ہوتے ہو، بھلا اب کیونکر تم مہر دبا سکتے ہو؟

۶)۔ باپ دادا کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں یا دادی سے بھی تم نکاح نہیں کر سکتے۔ یہ نہایت ہی بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس رسمِ بد کو بھی روا رکھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی سختی سے منع فرما دیا۔

دفعہ نمبر ۹: محرمات کا بیان:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ج وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ج وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا○ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ج كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ○

(النساء:۲۳-۲۴)

"تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپیاں، تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہارے زیر پرورش تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری ان بیویوں (کے پیٹ) سے ہوں جن کے ساتھ تم نے خلوت کی ہو۔ ہاں اگر تم نے ان کے ساتھ خلوت نہ کی ہو (اور انہیں طلاق دے دی ہو یا ان کا انتقال ہو گیا ہو)

توتم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، نیز تمہارے
صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں، اور یہ بات بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں
کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو، البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ بے شک اللہ
بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ نیز وہ عورتیں (تم پر حرام ہیں) جو
دوسرے شوہروں کے نکاح میں ہوں، البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آ
جائیں (وہ مستثنٰی ہیں)۔ اللہ نے یہ احکام تم پر فرض کردیے ہیں"۔

مذکورہ آیات میں پندرہ خواتین سے نکاح کی حرمت کا بیان ہے۔ ان پندرہ قسم کی خواتین سے نکاح و بیاہ حرام ہے خواہ وہ نکاح کے لیے راضی ہوں اور انہیں حق مہر ہی کیوں نہ دے دیا جائے۔ ان محرمات میں چند وہ ہیں جن سے نکاح نسب کی وجہ سے حرام ہے اور چند وہ خواتین ہیں جن سے رشتہ رضاعت کی وجہ سے اور بقیہ وہ ہیں جن سے رشتہ مصاہرت (سسرالی، دامادی) کی وجہ سے نکاح حرام ہے۔

۱)۔ ماں، اس میں نانی، پرنانی، دادی، پردادی سب شامل ہیں۔
۲)۔ بیٹیاں، نواسیاں، نواسیوں کی اولاد، پوتیاں، پوتیوں کی اولاد سب سے نکاح حرام ہے۔
۳)۔ بہنیں خواہ ماں شریک، باپ شریک یا حقیقی ہوں سبھی حرام ہیں۔
۴)۔ پھوپھیاں یعنی والد کی بہنیں خواہ ماں شریک، باپ شریک یا حقیقی ہوں۔
۵)۔ خالائیں یعنی والدہ کی ہمہ قسم بہنیں۔
۶)۔ بھتیجیاں اور ان کی اولاد بھی اسی زمرہ میں آتی ہے۔
۷)۔ بھانجیاں اور ان کی بیٹیاں بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔

اس کے بعد ان خواتین کو بیان فرمایا جن سے رضاعت یعنی دودھ پینے کی وجہ سے نکاح و بیاہ کرنا حرام ہے۔

۸)۔ وہ خواتین جنہوں نے دودھ پلایا ہو۔
۹)۔ دودھ شریک بہنیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ضابطہ یہ بات ارشاد فرمائی:

''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں''۔
(جامع الترمذی، ابواب الرضاع:۱/ ۳۴۷، رقم الحدیث:۱۱۰۹، مکتبہ رحمانیہ)
اب وہ رشتے بیان کیے جا رہے ہیں جو دامادگی کی وجہ سے حرام ہیں۔

۱۰)۔ بیویوں کی مائیں (ساس)، خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔

۱۱)۔ تمہاری بیویوں کی پہلے گھر سے بیٹیاں، چونکہ عموماً یہ شوہر کی زیرِ تربیت ہوتی ہیں اس لیے آیت میں انہی کو ذکر کیا گیا ہے، اگر وہ شوہر کی زیرِ تربیت نہ بھی ہوں تب بھی شوہر پر حرام ہیں۔

۱۲)۔ حقیقی بیٹے کی بیوی یعنی بہو سے نکاح کرنا بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہے، ہاں اگر منہ بولا بیٹا ہو تو اس کی بیوہ سے بعد از طلاق یا وفاتِ زوج نکاح کر سکتے ہیں۔

۱۳)۔ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا، وہ بہنیں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔ اسی طرح ہر وہ دو خواتین جن میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو دونوں کا باہم نکاح جائز نہ ہو، مثلاً پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی وغیرہ ایسی دو خواتین کا بھی یہی حکم ہے کہ انہیں ایک آدمی کے نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔

۱۴)۔ جو خواتین پہلے سے منکوحہ ہیں ان کی کسی سے شادی یا نکاح ہو چکا ہے، تو جب تک یہ نکاح باقی رہے کسی اور مرد کے لیے ان سے نکاح کرنا جائز نہیں، اگر وہ مطلقہ یا بیوہ ہو کر اپنی عدت پوری کر لے تو اب دوسری جگہ نکاح جائز ہے۔

۱۵)۔ گذشتہ رکوع کے آخر میں سوتیلی ماں سے نکاح کی حرمت کا بیان بھی گزر چکا ہے۔ یہ وہ پندرہ رشتے ہیں جن سے قطعی طور پر نکاح و بیاہ جائز نہیں۔

دفعہ نمبر ۱۰: شرائط اور مقاصدِ نکاح:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ (النساء:۲۴)

"ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو، بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔ چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اُٹھایا ہو، ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو، البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی جس (کمی بیشی) پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر بات کا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے"۔

سابقہ آیات کے تحت دفعہ نمبر ۹ میں ایسے پندرہ رشتوں کا بیان ہوا جن سے نکاح و بیاہ ہر گز جائز نہیں۔ قرآن کریم میں مذکوران رشتوں کے علاوہ جملہ مسلمان اور اہل کتاب خواتین کے ساتھ نکاح جائز ہے جس کی چند شرائط نمایاں ہیں اسی طرح اسلامی معاشرہ میں نکاح کی غرض و مقصد بھی واضح کر دی گئی ہے۔ شرائط نکاح درج ذیل ہیں۔

۱)۔ "أَنْ تَبْتَغُوا"...... نکاح کے لیے ضروری ہے کہ فریقین ایجاب وقبول کے الفاظ کہیں۔ ایک کہے میں نے نکاح کیا، دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ ایجاب وقبول کے بغیر محض ایک دوسرے کو پسند کر لینے سے نکاح نہیں ہوگا۔

۲)۔ "بِأَمْوَالِكُمْ" طلب بھی مال کے بدلہ میں ہو، یعنی مہر کی ادائیگی اپنے اوپر لازم کرو۔ چنانچہ اگر نکاح مہر کا ذکر کیے بغیر بھی ہو جائے تب بھی مہر کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ اس صورت میں مہر مثل یعنی جو دلہن کے خاندان کی ہم عمر لڑکیوں کا طے ہوا تھا اتنا مہر ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہوگا، اِلّا یہ کہ خاتون اپنی رضا ورغبت کے ساتھ بلا جبر و اکراہ اور خاندانی روایات کے دباؤ اور مطالبہ کے بغیر از خود شوہر کو حق المہر معاف کر دے تو وہ معاف کر سکتی ہے۔ اسی طرح اگر نکاح کے بعد رخصتی سے قبل زوجین میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو، اور خاتون کے کسی عمل کی وجہ سے نکاح فاسد ہو جائے تو اب حق مہر ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر زوجین میں نہ اجتماع ہوا اور نہ خلوت صحیحہ، شوہر نے طلاق دے دی تو نصف مہر (آدھا حق مہر) خاوند کے ذمہ ہوگا۔ اگر نکاح کے بعد رخصتی نہ ہوئی ہو

لیکن زوجین خلوت میں محض ایک دفعہ ہی باہم ملاقات کر چکے ہوں خواہ ملاقات صحبت سے نافع نہ ہو تب بھی شوہر کے ذمہ پورا حق مہر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

۳)۔ "مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ" نکاح کی غرض "گھر آباد کرنا" ہے، یعنی خاندانی نظام کی بحالی و مضبوطی مقصود ہو، محض شہوت رانی اور خواہش کی تکمیل نہ ہو۔ گھر تب ہی آباد ہوتا ہے جب خاندانی نظم میں استحکام کی غرض سے نکاح ہو، اسی کی برکت سے اولاد کے ساتھ نسل انسانی بھی باقی رہتی ہے، رشتوں میں جوڑ اور خاندانوں میں اُلفتیں بھی برقرار رہتی ہیں، جبکہ محض شہوت رانی اور خواہش نفسانی کی تکمیل کی غرض سے نکاح نہ تو باہمی محبتیں استوار کرتا ہے اور نہ ہی اولاد کا ذریعہ ہے بلکہ زندگی خود غرضی اور خواہش پرستی سے عبارت ہو جاتی ہے۔

۴)۔ دیگر آیات سے چوتھی شرط بھی معلوم ہوتی ہے کہ مرد و عورت میں مخفی طور پر دوستی نہ ہو بلکہ نکاح کا یہ تعلق گواہوں کی موجودگی میں قائم ہو، چنانچہ نکاح کے لیے شرط ہے کہ ایجاب و قبول کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں کیا جائے۔ جبکہ احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہا اعلانیہ نکاح کرو، مساجد میں منعقد کرو تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس نئے تعلق اور رشتہ داری کے گواہ بن جائیں اور مرد و زن پر کسی قسم کا الزام و تہمت نہ لگے۔

مہر کے سلسلے میں یہ بھی ہدایت دی گئی کہ مرد و زن دونوں باہمی رضامندی کے ساتھ مہر میں کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ خاوند اپنی رضا و رغبت سے مقرر شدہ مہر سے زیادہ بھی اپنی منکوحہ کو دے سکتا ہے، اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا کہ خاتون طے شدہ مہر کا کل یا جزا اپنی رضا و رغبت سے معاف بھی کر سکتی ہے۔

دفعہ نمبر ۱۱: باندی سے نکاح کے احکام:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللهُ أَعْلَمُ

بِإِيمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (النساء:۲۵)

''اور تم میں سے جو لوگ اس بات کی طاقت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرسکیں، تو وہ ان مسلمان کنیزوں میں سے کسی سے نکاح کرسکتے ہیں جو تمہاری ملکیت میں ہوں، اور اللہ کو تمہارے ایمان کی پوری حالت خوب معلوم ہے۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ لہٰذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، بشرطیکہ ان سے نکاح کا رشتہ قائم کرکے انھیں پاک دامن بنایا جائے: نہ وہ صرف شہوت پوری کرنے کے لیے کوئی (ناجائز) کام کریں، اور نہ خفیہ طور پر ناجائز آشنائیاں پیدا کریں۔ پھر جب وہ نکاح کی حفاظت میں آجائیں، اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا واجب ہوگی جو (غیر شادہ شدہ) آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے۔ یہ سب (یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا) تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جن کو (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر تم صبر ہی کیے رہو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے''۔

جو شخص آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو یعنی اس کے پاس معقول حق مہر یا نان و نفقے کا انتظام نہ ہو تو وہ کم مہر پر کسی مسلمان باندی کے ساتھ بھی نکاح کرسکتا ہے۔ اس لیے کہ باندی اگر اپنے مولیٰ کی خدمت میں رہتی ہے تو خاوند کے ذمہ اس کا نان نفقہ نہیں ہوگا۔ نیز حق مہر بھی واجبی سا ہوگا۔ اگر مالک نے باندی اس کے شوہر کے حوالے کردی تب بھی اس کا خرچ آزاد خاتون سے تو بہت کم ہوگا۔ اس لیے مسلمان باندی سے بھی نکاح جائز ہے۔ ضرورت کے وقت باندیوں سے نکاح کے لیے ترغیبی انداز اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا ایمان خوب معلوم

ہے، آزاد اور غلام سبھی کے ایمان کو حق تعالیٰ جانتے ہیں، کیا بعید ہے کہ بعض باندیوں کا ایمان بعض آزاد خواتین سے زیادہ مضبوط ہو جبکہ اصل کے لحاظ سے تم سب ایک ہو ایک باپ کی اولاد ہو، ایک ہی دین کے پیروکار ہو، ایک ہی نبی کے اُمتی ہو، گویا کہ خونی اور دینی لحاظ سے ایک ہی خاندان ہو تو پھر باندیوں سے نکاح کرنے میں حرج کیا ہے؟ البتہ باندیوں سے نکاح ان کے مالکان کی اجازت سے کرو، نیز قاعدہ وقانون کے مطابق انہیں حق مہر بھی ادا کرو بشرطیکہ وہ خوشی سے قید نکاح میں آئیں مستی نکالنے والی اور خفیہ آشنائی رکھنے والی نہ ہوں۔ اس سے لزوم مہر اور گواہوں کی موجودگی کے ضروری ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا۔

زنا کی سزا:

اگر مرد وزن شادی شدہ ہو اور زنا کریں اور عدالت میں چار گواہوں کی گواہی سے جرم ثابت ہو جائے یا عدالت میں چار مرتبہ اقرار جرم کیا گیا ہو تو از روئے سنت واجماع امت اس جرم کی سزا سنگسار کرنا ہے، جبکہ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سزا کے طور پر سو کوڑے سورۃ نور میں بیان کی گئی ہے جبکہ آیات مذکورہ میں شادی شدہ غلام و باندی اگر زنا کریں تو ان کی سزا آزاد کی سزا کا نصف بتائی گئی ہے، یعنی پچاس کوڑے۔

باندیوں سے نکاح کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اندیشہ رکھیں کہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ سو اگر یہ اندیشہ نہ ہو اور قوت برداشت پیدا ہو جائے تو باندیوں سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے تاہم قوت برداشت اور حوصلہ کے ہوتے ہوئے بھی باندیوں سے نکاح کر لیا جائے تو اگرچہ بہتر نہیں مگر حرام بھی نہیں ہے۔

دفعہ نمبر ۱۲: حرام مال اور ناحق قتل سے اجتناب کی تاکید:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ○ إِن تَجْتَنِبُوا۟ كَبَآئِرَ مَا

تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا○ (النساء:۲۹۔۳۱)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، اِلا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمھیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کردیں گے، اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے۔''

سورۃ النساء میں اب تک تین طرح کے ناجائز مال کھانے سے روکا جاچکا ہے۔

۱)۔ یتیم کا مال۔

۲)۔ بیوی کی اجازت وطیب خاطر کے بغیر اس کا حق مہر۔

۳)۔ ورثاء کی وراثت۔

اب عمومی حرام خوری کی حرمت کا بیان ہے جس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ تم مسلمان ایک دوسرے کا مال کسی بھی ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ مثلاً غصب، چھینا جھپٹی، چوری ڈکیتی، رشوت ستانی، امانت میں خیانت، بغیر کوئی کام کیے اُجرت ومعاوضہ وغیرہ، یہ سب ناجائز ذرائع آمدنی ہیں، یہ تم پر حرام ہیں۔ ہاں اگر دوسرے کا مال بطور تجارت اور خرید وفروخت کے حاصل کرو تو یہ حلال ہے۔

ایک حکم یہ بھی دیا:

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ.

''اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' ......

اہلِ علم نے اس کی ایک تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی کا ناحق مال کھا کر یا گناہوں کے مرتکب ہو کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ دراصل گناہ خود ہلاکت ہے اور باعث ہلاکت بھی ہے،

لہٰذا کسی کا ناحق مال کھانا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔

اس جملہ کی دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، یعنی نہ تو ایک دوسرے کے مال سے تعرض کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی جانوں سے تعرض کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں، یہ اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ اس نے تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کے تحفظ کا قانون اپنے پسندیدہ دین کا حصہ بنا کر نازل فرمایا، ان اسلامی قوانین میں تمہارے لیے نفع ہی نفع ہے اور تم سب کی بہبود انہی قوانین میں ہے۔

تیسری تفسیر اس جملے کی بعض مفسرین نے یوں کی ہے کہ اپنی جانوں کو قتل نہ کرو یعنی خودکشی نہ کرو، ظاہر ہے کہ خودکشی بھی اسلامی شریعت میں حرام اور باعث عذاب ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر انسان کی جان حق تعالیٰ کی جانب سے امانت ہے، کوئی انسان اپنی جان کا مالک نہیں بلکہ انسانی جان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کے پاس یہ جان امانت ہے، اس امانت میں خیانت حرام ہے، چنانچہ احادیث میں خودکشی پر سخت وعیدیں مذکور ہیں۔

۱)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے لوہے کی کسی چیز سے خودکشی کی روزِ محشر اسے جہنم میں اس طرح لایا جائے گا کہ وہ مسلسل اسی آلے کے ساتھ اپنے پیٹ پر ضربیں لگا رہا ہوگا اور اسی حالت میں عرصہ دراز تک دوزخ میں رہے گا۔ اور جس کسی نے زہر خوری کے ساتھ خودکشی کی اسے جہنم میں اس حال میں لایا جائے گا کہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ زہر خوری کرتا ہوگا، ایسے ہی عرصہ دراز تک دوزخ میں رہے گا۔ جس کسی نے اپنے آپ کو رسی کے ساتھ باندھ کر خودکشی کی، روزِ محشر رسی کے ساتھ بندھا ہوا دوزخ میں لایا جائے گا اور عرصہ دراز تک ایسے ہی دوزخ میں رہے گا۔

(تفسیر ابن کثیر)

(جامع الترمذی، ابواب الطب: ۲/ ۴۲۸، رقم الحدیث: ۲۰۰۲ مکتبہ رحمانیہ)

۲)۔ حضرت جندب بن عبداللہ البجلیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص کو زخم تھا، اس نے چھری لے کر اس

زخم کو کاٹ ڈالا جس سے خون جاری ہوا اور بند نہ ہوا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو گئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنے نفس کو عذاب دینے میں مجھ سے پہل کر لی لہٰذا میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔

(بخاری و مسلم بحوالہ ابن کثیر)

اگر کوئی شخص ظلم وزیادتی کا مرتکب ہوا مثلاً اس نے ظالمانہ طریقے سے کسی کا مال ہڑپ کیا یا ظلماً کسی کو قتل کیا تو ایسے ظالم شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالم کو دوزخ میں ڈالنا حق تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ اس کو دوزخ میں جلانے میں نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی یہ امر مشکل ہے۔ اس لیے سب مسلمان گناہوں سے اجتناب کریں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کریں۔ جو شخص ظلم، قتل اور ناحق مال کھانے جیسے بڑے جرائم سے بچ گیا تو حق تعالیٰ شانہ اس کے چھوٹے گناہ بھی معاف فرما دیں گے اور ایسے شخص کو جنت کا داخلہ نصیب فرما دیں گے۔

إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ (النساء: ۳۱)

”اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے، اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے۔“

صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی تعریف:

علامہ محمود آلوسیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں کبیرہ گناہ کی تعریف یوں نقل فرمائی: ”ہر وہ گناہ جس پر شریعت نے سزا مقرر کی ہو یا اس گناہ پر وعید وارد ہو یا لعنت کی گئی ہو یا اس گناہ کی خرابی مذکورہ بالا گناہوں جیسی ہو یا ان سے بھی زیادہ ہو ایسے تمام گناہ کبیرہ ہیں اور جو گناہ ایسے نہ ہوں وہ صغیرہ ہیں۔

دفعہ نمبر ۱۳: خدائی عطا کردہ کمالات میں آرزوؤں کی ممانعت:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ

نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ
وَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○ وَلِكُلٍّ
جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ
أَيْمَانُكُمْ فَآتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۗ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدًا ○ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۗ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ
لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ ۗ ○ (النساء:۳۲۔۳۴)

”اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے، ان کی تمنا نہ کرو، مرد جو کچھ کمائی کریں گے ان کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور عورتیں جو کچھ کمائی کریں گی ان کو اس میں سے حصہ ملے گا۔ اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کیے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد باندھا ہوان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں، چنانچہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و زن میں سے جس جنس کو جو فضیلت، شرف، کمال اور خصوصیت عطا کی ہے، سبھی اسی پر راضی اور خوش رہیں۔ دوسرے کی فضیلت و خصوصیت کو حرص کی نظر سے نہ دیکھیں۔ مرد حضرات خواتین کو حق تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ امور کے حصول اور خواتین مردوں کو عطا کیے گئے کمال و شرف کے حصول کی طمع و آرزو اور حرص وہوس قطعاً نہ رکھیں۔ جس کو جو ملا اسی پر قناعت اور کفایت کرے۔ نہ تو اپنی جنس بدلنے کی کوشش کریں، جیسا کہ دورِ حاضر میں بہت سی خواتین آپریشن اور مصنوعی طریقے سے مرد بننے کی کوشش کرتی ہیں......

اور بہت سے مرد ایسی ہی تدبیروں سے خاتون بن جانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ سخت گناہ اور منع ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی جانب سے دیے گئے حقوق میں ایک دوسرے پر حسد رکھنا یا دوسرے کے حق کو سلب کرنے کی کوشش کرنا (مثلاً خواتین کا شہادت و میراث میں اپنے آپ کو مردوں کے مساوی قرار دینے کے مطالبات کرنا، سب خدائی بغاوت اور ایک دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ زنی ہے) باعث بغض وحسد ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔ مرد وزن کا اپنا اپنا حصہ ہے، مرد اپنے اعمال کا اجر پائیں گے جبکہ خواتین اپنے اعمال کا صلہ پائیں گی۔ اجر تو سبھی کو برابر ملنا ہے۔ ہاں اللہ سے اپنے اعمال کے معاوضے میں زیادہ سے زیادہ ثواب وانعام کے طالب رہیں۔ اللہ کو سب معلوم ہے کہ کون کتنے اجر کا حق دار ہے اور کون کس فضیلت کا اہل ہے۔ ہر ایک کی جبلّت وفطرت کے مطابق اس کے احکام ہیں۔ لہٰذا مردوں کا وراثت میں بعض صورتوں میں خواتین سے زیادہ حق دار ہونا سب حکمت الٰہی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں۔ مردوں کا والدین، قریبی رشتہ داروں اور جن سے معاہدہ ہوا، ان سب کے چھوڑے ہوئے مال میں حصہ ہے، وہ پورا پورا ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر گواہ ہیں کہ کون کس کو حق دے رہا ہے اور کون محروم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا بھی علم ہے کہ کس وارث کا کتنا حصہ ہونا چاہیے۔

شروع اسلام میں مسلمان خال خال تھے، زیادہ تر ان کے عزیز واقارب غیر مسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ دو بھائی ایک دوسرے کے مال کے وارث بھی ہوا کرتے تھے۔ بعد میں جب ان کے قریبی رشتہ دار بھی مسلمان ہو گئے تو ان کا وراثت میں حصہ مقرر کر دیا گیا اور باہم معاہدے سے بنائے گئے بھائی اور منہ بولے بھائیوں کا میراث میں حصہ ختم کر دیا گیا۔ ہاں ان کے ساتھ حسن سلوک اور بوقت وفات ان کے لیے کچھ مال کی وصیت کرنا جائز رہا۔

دفعہ نمبر ۱۴: مرد حضرات کی خواتین پر فوقیت اور اس کے اسباب:

مردوں اور عورتوں میں سے فطرتاً وخلقتاً مرد کا درجہ عورت سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے

اللہ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم اور نگران بنایا۔اس فوقیت اور فضیلت کی وجہ سے ان دونوں صنفوں کے احکام بھی کچھ مختلف کر دیے گئے۔لہٰذا خواتین کا یہ مطالبہ کرنا کہ ہمیں حقوق میں مردوں کے مساوی قرار دیا جائے، سراسر قرآنی احکام سے روگردانی، جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے۔حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر جو نگرانی اور فوقیت کا درجہ دیا اس کے دو سبب ہیں:

۱)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خود مردوں کو عطا فرمائی۔گویا یہ فضیلت وہبی اور خداداد ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا، اور نہ ہی اس کی حکمت پر اعتراض روا ہے۔ فیصلہ خداوندی پر خوش وخرم رہنا اور رضا و رغبت سے قبول کر کے سرِ تسلیم خم کر لینا ہی مسلمانی ہے۔

۲)۔ مردوں کو عورتوں پر دوسری فضیلت کسبی ہے۔اس لیے کہ مرد خواتین پر خرچ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے حق مہر ادا کر کے اہل خانہ کی خوراک، لباس، سکونت اور ضروریات کی کفالت کریں۔وہ کما کے لائیں اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کریں۔چونکہ عورتیں مردوں کی دست نگر ہوتی ہیں، اس لحاظ سے بھی مردوں کو فضیلت حاصل ہے۔سو خواتین خاوندوں کی جائز امور میں اطاعت و فرمانبرداری کریں۔نیک عورتیں مردوں کی تابعداری کرتی ہیں۔اللہ کے حکم کے مطابق خاوند کی عدم موجودگی میں بھی خاوند کی عزت اور مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اپنے نفس وجان میں شوہر کے علاوہ کسی کا حق نہیں جانتیں۔شوہر کے مال کو برباد کرنے کے بجائے اس کو اپنے پاس امانت سمجھتی ہیں۔آیت کے آخر میں نیک بیوی کی یہی دو علامتیں بیان کی گئی ہیں: اطاعت و فرمانبرداری اور جان و مال میں امانت کی پاسداری۔

دفعہ نمبر ۱۵: اصلاحِ ازواج کا مرحلہ وار طریق:

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (النساء:۳۴۔۳۵)

''اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔ پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کارروائی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کے اوپر، سب سے بڑا ہے۔ اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لیے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرما دے گا۔ بے شک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے''۔

اگر کسی شوہر کو اپنی اہلیہ کی جانب سے بدتمیزی، نافرمانی، نفرت و بغض یا بدزبانی کا معاملہ درپیش ہو تو حتی الامکان اہل خانہ کی اصلاح کی تدبیر کرنی چاہیے۔ چنانچہ شوہر درج ذیل تین مرحلہ وار طریقوں سے اپنی بیوی کی اصلاح کی کوشش کرسکتا ہے۔

۱)۔ خاوند اپنی بیوی کو حکمت و بصیرت سے سمجھائے بجھائے، اسے اپنا گھر بسانے کی ترغیب دے۔ خاوند کی نافرمانی کی وعیدیں بیان کرے، نیز اللہ کے عذاب اور مستقبل کے خطرات سے ڈرائے۔ الغرض پہلے مرحلے میں زبانی کلامی تفہیم سے کام لے۔ بہت سی خواتین افہام و تفہیم اور وعظ و نصیحت سے اپنی اصلاح کر لیتی ہیں اور یہی خاوند کا مقصد ہے۔

۲)۔ اگر وعظ و نصیحت، تفہیم و ترغیب، خوف خدا اور عذاب آخرت کی باتیں کارگر نہ ہوں بلکہ خاوند کے ساتھ ناروا سلوک اور نافرمانی برقرار رہے تو زبانی تفہیم کے بعد عملاً شوہر اپنی بیوی کو احساس دلائے۔ اس کی صورت یہ اختیار کرے کہ اپنی اہلیہ سے اپنی

خواب گاہ جدا کرلے۔ اپنا رخ پھیر کر بیوی کو اس کی غلطی کا احساس دلائے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ترک کلام بھی کر سکتا ہے تا کہ اس عارضی فرقت سے دائمی فرقت کے خطرے کا احساس بیدار ہو۔

۳)۔ وعظ و نصیحت، ترک کلام اور بستر کی علیحدگی سے بھی کام نہ چلے اور زوجہ اپنی روش بدلنے پر تیار نہ ہو تو خاوند شرعی حدود و قیود میں مار پیٹ کے ذریعے بھی اصلاح کی کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے دو شرائط احادیث سے ثابت ہیں۔

الف)۔ ہلکی پھلکی مار ہو جس سے نہ تو زخم کا نشان ظاہر ہو اور نہ ہی ہڈی ٹوٹے۔

ب)۔ چہرے پر مار پیٹ نہ کی جائے۔ کیونکہ متعدد احادیث میں چہرے پر مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر مذکورہ بالا اصلاح کے تین طریقوں میں سے کسی ایک سے اصلاح ہو جائے اور خاتون اپنے اندر تبدیلی لے آئے تو اب خاوند اس کے ساتھ اپنا رویہ درست کرے اور بلا وجہ بہانہ سازی کر کے طلاق نہ دے، بلکہ گھر بسانے کی سعی کرے۔ اگر کوئی خاوند پھر بھی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم و زیادتی روا رکھتا ہے، بلا وجہ مار پیٹ کرتا ہے، بلا قصور ڈانٹ ڈپٹ اور بغیر کسی مقصد کے ترش روئی اختیار کرتا ہے، الغرض کسی بھی طور پر صنفِ نازک کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو اسے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ بلند و بالا غالب اور سب سے بڑے ہیں۔ جو ظالم سے خوب انتقام لینے والے ہیں۔ بیوی کی بے بسی کے سبب سے چڑھائی کرنے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے محض بے بس اور عاجز جانے، اللہ سے ڈرے اور زیادتی نہ کرے۔

دفعہ نمبر ۱۶: زوجین کی جانب سے قصور کی صورت میں اصلاح کا طریقہ:

مذکورہ بالا دفعہ میں بیوی کی جانب سے کوتاہی کی صورت میں بیوی کی اصلاح کے طریق کار مذکور تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر نہ بسنے میں میاں بیوی دونوں کا قصور ہوتا ہے۔

زوجین باہمی اعتماد سے محروم ہوتے ہیں۔ ہر فریق دوسرے کا حق تلف کرنے کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ایسی صورت میں گھریلو نظام کی بقاوحفاظت کا طریقہ درج ذیل ہے۔

زوجین کی جانب سے باہمی لڑائی جھگڑے کی صورت میں حاکم وقت یا زوجین کے اولیاء کو چاہیے کہ وہ فریقین میں صلح کی کوشش کریں۔ اگر یہ کاوش ثمر آور ہو تو بہتر ورنہ خاتون کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک سمجھدار، نیک اور معاملہ شناس شخص جبکہ مرد کے قریبی تعلق داروں میں سے بھی ایک ایسی ہی صفات کا حامل شخص ثالث بنایا جائے۔ گویا ایک ثالث لڑکی کی جانب سے اور ایک لڑکے کی جانب سے مقرر ہو۔ یہ فریقین کا موقف سنیں، قصوروار کو متنبہ کریں اور اسے زیادتی سے روکیں۔ یہ دونوں ثالث خلوص دل سے صلح کی کوشش کریں۔ اگر یہ دونوں صلح کو مناسب جانیں اور زوجین میں مصالحت کروادیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کا گھر بسانے پر قادر ہیں۔ اگر وہ دونوں ثالث اس نتیجے پر پہنچیں کہ فریقین میں نباہ اور گزارہ نہیں ہو سکے گا اور باہمی جدائی ضروری ہے تو اس جوڑے میں طلاق کا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ روایات میں موجود ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو ایک جوڑے میں اختلاف ہو جانے پر ثالث مقرر فرما کر یہ ہدایت دی کہ اگر آپ صلح کروا سکیں تو جانبین میں صلح کروادیں اور اگر جدائی مناسب جانیں تو فریقین میں جدائی کروادیں۔

(تفسیر دُرِّ منثور، تفسیر آیت بالا بحوالہ عبدالرزاق وغیرہ)

حکمرانوں سے متعلق قرآنی قوانین

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا ○ (النساء:۵۸۔۵۹)

”(مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بے شک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں، اُن کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعتاً تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے“۔

سورۃ النساء کو مفسرین کرامؒ نے مضامین کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔

۱)۔ احکامِ رعیت:

یعنی عوام سے متعلق نظامِ مملکت کی دفعات۔ حق تعالیٰ نے اسلامی ریاست کے لیے اس سورۃ میں عوام سے متعلق پندرہ دفعات کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کی تفصیل گذشتہ مضامین میں پیش کی جا چکی ہے۔

۲)۔ احکام سلطانی:

حکمرانوں سے متعلق دفعات۔یعنی وہ احکام جن میں خاص طور پر حکمرانوں کو مخاطب بنا کر عوام کے حقوق سے انہیں آگاہ کیا گیا۔اس سورۃ میں ایسی 9 دفعات ہیں جنہیں ان شاء اللہ بالترتیب ذکر کیا جائے گا۔ان میں سے پہلا حکم پیشِ خدمت ہے۔

۳)۔ ازالہ شرک:

یعنی سورۃ کا وہ حصہ جس میں خاص طور پر شرک کی تردید اور اس سے روکا گیا ہے۔نیز شرک کے نقصانات بیان ہوئے اور اس کے ضمن میں توحید کو اجاگر کیا گیا۔

۴)۔ شبہات کے جوابات:

انسانی فطرت ہے کہ جب تک بات مکمل طور پر سمجھ میں نہ آجائے اس وقت تک ذہن میں سوالات ابھرتے رہتے ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے بعض احکام سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لاحق ہونے والے خدشات اور شبہات کو دور فرمایا۔

دفعہ نمبرا: تقرریوں میں اہلیت (میرٹ) پیشِ نظر رکھنے کی تاکید:

احکامِ سلطانی کی دفعہ نمبر ا کا خلاصہ یہ ہے کہ اصحابِ اختیار واقتدار، مناصب اور عہدوں پر تقرریوں میں اہلیت ولیاقت کو پیشِ نظر رکھیں۔ہر پوسٹ پر تقرری قابلیت کی بنیاد پر ہو۔اس لیے کہ منصب وعہدہ ایک امانت ہے۔اس امانت کی سپردگی اس کے اہل کو ضروری ہے۔ اسی طرح مقدمات وتنازعات میں بھی عدل وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھیں۔فیصلے میں اونچ نیچ یا رشوت ستانی اور ناجائز سفارش کا عنصر بالکل نہ ہو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ کے یہودیوں میں رشوت ستانی اور بے انصافی کا مرض عام تھا۔اس لیے بطور خاص مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ یہودیوں کی طرح تم اپنے نظام کو کجی کی جانب مائل نہ کرو بلکہ عدل اور معیار کو برقرار رکھو۔اس آیت کا شانِ

نزول ایک واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ حجبی سے چابی طلب فرمائی۔ انہوں نے اول تو دینے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زبردستی چابی وصول کی اور کعبۃ اللہ کھول کر اندر تشریف لے گئے۔ آپ جب باہر تشریف لائے تو آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلب کیا۔ جبکہ پہلے یہ منصب عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا جو اب مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس پر عمل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ ص کو طلب فرما کر چابی ان کے حوالے کی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ چابی اب ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس رہے گی۔ چنانچہ کعبۃ اللہ کی چابی حضرت عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں ہی چلی آتی رہی۔

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۲/ ۷ ۳۰۔سورۃ النساء آیت نمبر ۵۸)

اس حکم کے ساتھ ہی عوام الناس کو بھی پابند کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کیا کریں۔ ان کے احکام کو دل وجان سے قبول کریں۔ حکمرانوں کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد ذکر کر کے اس امر کی جانب اشارہ فرمایا کہ حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے خلاف کوئی حکم جاری نہ کریں۔ اگر حکمران اللہ اور اس کے رسول کے خلاف حکم جاری کریں تو نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت ضروری نہیں بلکہ حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنا یہ حکم فوری واپس لے لیں تا کہ حق تعالیٰ کی معصیت لازم نہ آئے۔ اس لیے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی حکم میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس حکم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب پھیر دو۔ ان سے جو رہنمائی ملے اسے قبول کر کے عمل پیرا ہو جاؤ۔ اہل ایمان کے لیے یہی بہتر اور اچھے انجام کا ذریعہ ہے۔

دفعہ نمبر ۲: احتیاط وہوشیاری سے جہاد کرنے کا حکم:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا○ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ

قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا○ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا○

(النساء:۷۱۔۷۳)

”اے ایمان والو! (دشمن سے مقابلے کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو، پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں (جہاد کے لیے) نکلو، یا سب لوگ اکٹھے ہو کر نکل جاؤ۔ اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ضرور ہو گا جو (جہاد میں جانے سے) سستی دکھائے گا، پھر اگر (جہاد کے دوران) تم پر کوئی مصیبت آ جائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر بڑا انعام کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی فضل (یعنی فتح اور مال غنیمت) تمہارے ہاتھ آئے تو وہ کہے گا...... گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستی تو تھی ہی نہیں...... کہ ”کاش! میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تو بہت کچھ میرے بھی ہاتھ لگ جاتا۔“

ان آیات میں حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو جہاد سے متعلق بطور خاص حکم دیا کہ دشمنوں سے احتیاط برتی جائے۔ ان سے لڑتے وقت اسلحہ، آلات حرب وضرب، عقل ودانش، فہم و فراست، فوجی تربیت اور ہمہ قسم حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں۔ تا کہ دشمن تمہیں نقصان نہ پہنچائے اور کامیابی یقینی ہو۔ چنانچہ اس احتیاط وحزم کے ساتھ جہاد کرو خواہ بصورت جماعت و لشکر جہاد کے لیے جاؤ یا انفرادی طور پر جاؤ۔ کبھی جاؤ یا چھوٹے چھوٹے گروپوں کی شکل میں جاؤ۔ ہاں تم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو جہاد سے پیچھے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے اظہار اسلام تو کرتے ہیں لیکن دل سے ایمان نہیں لائے۔ یہ خود بھی جہاد سے جی چراتے ہیں اور دوسروں کو بھی عملاً جہاد سے روکتے ہیں۔ مسلمانوں کو مصیبت وتکلیف میں مبتلا دیکھ کر کہتے ہیں: اللہ کا مجھ پر بڑا احسان عظیم ہوا کہ میں اس معرکے میں شریک نہ تھا، ورنہ میں بھی تکلیف زدہ اور مبتلائے مصیبت ہو جاتا۔ اور اگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل وکامیابی نصیب ہو تو

ایسے شخص کی طرح جس کے درمیان اور اہل ایمان کے درمیان کوئی ناطہ نہ ہو، کہتا ہے: اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی کھلی کامیابی نصیب ہوتی۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا، جنگ و جہاد کی تیاری کرنا، کسی بھی چیز کے لیے اسباب کا حاصل کرنا یا احتیاط و پرہیز کرنا خلاف توکل نہیں۔ بلکہ عین توکل ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی اسباب کے ساتھ توکل اختیار فرمایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ" اونٹ کا پاؤں باندھ ڈالو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ الگ چیز ہے کہ اسباب واحتیاط سے تقدیر نہیں بدلتی۔ حق تعالیٰ نے جو چیز لکھی ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گی۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو بھی واضح فرمایا ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○ (التوبہ:۵۱)

کہہ دو کہ: "اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے ہمیں اس کے سوا کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

اسباب واحتیاط کے ساتھ سکون قلب اور ایک گونہ اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں اسباب واحتیاط اختیار کرنے یا نہ کرنے پر قضا لکھی ہوتی ہے۔ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد امام وقت کو اختیار ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں جہاد کے لیے روانہ کرے یا بڑی جماعتیں۔ انفرادی تشکیل پر کسی کو روانہ کرے یا اجتماعی تشکیل پر سب ہی کو خروج کا حکم دے۔ حسب موقع وضرورت احکام دیے جاسکتے ہیں۔ قرآن کریم کے بعض مقامات پر سب مسلمانوں کو جہاد کے لیے نکلنے کا جو حکم آیا، بعض مفسرین کے نزدیک وہ اس آیت سے منسوخ ہوگیا۔ اب ضرورت اور حالات کے مطابق اہل ایمان کو امیر وقت جو مناسب حکم دے وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔

(ردالمحتار علی الدر المختار: کتاب الجہاد، ۶/ ۲۰۴ مکتبہ رشیدیہ)

منافقین کے متعلق یہ حقیقت طشت ازبام کردی گئی کہ یہ لوگ جہاد سے جی چراتے ہیں

اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے پر اپنے محفوظ رہنے کی خوشیاں مناتے ہیں اور مسلمانوں کو راحت پہنچے پر پشیمان ہوتے ہیں۔ آیت میں منافقین کو مسلمانوں میں ظاہر کے اعتبار سے شریک کر کے خطاب کیا گیا۔ چونکہ ظاہری طور پر وہ کلمہ گو تھے۔ اس لیے ''منکم'' تم میں سے فرمایا گیا۔ یہ خطاب ایمان کے اعتبار سے نہیں بلکہ ظاہری طور پر اسلام کے اعلان کی وجہ سے ہے۔

آیت میں مصیبت و تکلیف سے مراد میدان جہاد میں اہل اسلام کو حاصل ہونے والی موت شہادت، زخم یا ظاہری شکست ہے۔ ایسے موقع پر منافقین اپنی عدم موجودگی پر خوش و شادمان ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: اگر ہم شریک جہاد ہوتے تو ہم بھی اسی طرح دکھ اٹھاتے۔ اسی طرح ''فضل'' سے مراد مال غنیمت کا حصول، کامیابی اور خدائی نصرت ہے۔ مسلمان جب بھی جنگ میں کامیاب و کامران ہو کر مال غنیمت اور فتح مندی حاصل کرتے ہیں تو انہیں یہ آرزو ہوتی ہے کہ کاش! ہم بھی اس معرکے میں شریک ہو کر مستفید ہوتے۔ الغرض دورخی پالیسی پر گامزن ہو کر بزدل رہتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۳: جہاد کی ضرورت واہمیت:

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا○ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا○

(النساء: ۷۴۔۷۶)

''لہٰذا اللہ کے راستے میں وہ لوگ لڑیں جو دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ

دیں۔ اور جو اللہ کے راستے میں لڑے گا، پھر چاہے قتل ہو جائے یا غالب آجائے، (ہر صورت میں) ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔ اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو، جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔ جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ (یاد رکھو کہ) شیطان کی چالیں درحقیقت کمزور ہیں۔"

مذکورہ بالا تین آیات میں حکم جہاد، تقاضائے جہاد اور مقام و مرتبہ جہاد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اول الذکر امر کا نہایت ہی بلیغ پیرائے میں ذکر فرمایا کہ "گرچہ منافقین جہاد سے جی چراتے ہیں لیکن مسلمان راہ خدا میں لڑ مریں۔" مسلمان تو اپنی حیات و دنیا بھی کچھ آخرت کے بدلے فروخت کر چکے ہیں۔ انہوں نے تو حق تعالیٰ سے آخرت و جنت خرید کر بدلے میں سب کچھ دینے کا عہد و پیماں کیا ہے۔ لہٰذا اہل ایمان اپنے اسی عقد و عہد کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دیں۔ رہی فتح و شکست مسلمان کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اسے جہاد میں فتح ہو تب بھی حق تعالیٰ کی جانب سے اجر و غنیمت نصیب ہو گی۔ اجر سے تو آخرت میں نوازا جائے گا اور غنیمت سے دنیا میں بہرہ ور ہو گا۔ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہوا تو بھی محباہد اجر عظیم کا مستحق تو بہرحال ہے۔ مسلمان کے لیے ہار تو ہے نہیں، وہ ہمیشہ فتح مند ہے اور اس کا اجر بھی اجر عظیم ہے۔

ثانی الذکر امر مقتضی جہاد کا بیان ہے۔ وہ یہ کہ اہل ایمان کو قتال و جہاد کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ قتال و جہاد فی سبیل اللہ کا بہت بڑا تقاضا سامنے ہے۔ اور وہ ہے لاچار، کمزور، کلمہ گو مرد و زن اور کم سن بچوں کی گرفتاری، غیر مسلموں کی قید و بند کی صعوبتیں۔ جبکہ یہ لاچار دہائیاں

دے رہے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ انہیں آزادی نصیب ہو۔ مکہ مکرمہ...... جو ابھی تک مشرکین کے قبضے میں تھا...... میں کچھ کمزور مسلمان، خواتین اور بچے مشرکین کی قید میں تھے۔ وہ شب و روز یہ دعائیں کرتے "اے ہمارے رب! ہمیں اس شہر سے نجات عطا فرما کہ جس کے والی وحاکم اور لوگ ظالم وجابر ہیں، اور ہمیں اپنی جانب سے ولی ونصیر عطا کر۔"

حبر الامت مفسر قرآن حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"میں اور میری والدہ محترمہ انہیں لوگوں میں شامل تھے جو کفار کی قید میں گرفتار تھے۔"

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۲/ ۳۲۴، سورۃ النساء آیت نمبر ۷۵)

خلاصہ اینکہ آخر تم ایسے دہائی دینے والے مجبوروں، مقہوروں اور مظلوموں کی رہائی کے لیے قتال کیوں نہیں کرتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کی غیر مسلموں کے ہاتھوں گرفتاری اور قید پر فرضیت جہاد کی تاکید میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بالخصوص جب کلمہ گو مسلمان خاتون کفار کی قید میں ہو تو اہل ایمان پر اس کی رہائی و آزادی فرض ہو جاتی ہے۔

فتاویٰ سراجیہ اور عالمگیری میں مرقوم ہے:

اِمْرَأَةٌ سُبِيَتْ فِي الْمَشْرِقِ وَجَبَ عَلَى أَهْلِ الْمَغْرِبِ أَنْ يُخَلِّصُوْهَا۔

"اگر کوئی خاتون مشرق میں گرفتار ہو جائے تو اہل مغرب پر اس خاتون کو رہا کرانا واجب ہو جاتا ہے۔"

ثالث الذکر امر مرتبہ جہاد اور فضائل مجاہدین ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہاد میں جس امر کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے اسے بھی متعین کر دیا گیا کہ اہل ایمان تو اللہ کی راہ میں ہی جہاد کرتے ہیں۔ ان کا مرنا، جینا راہ خدا میں ہوتا ہے۔ وہ رب کی خوشنودی کے لیے اپنی جان ہتھیلی پہ لیے پھر رہے ہیں۔ ان کا مطمح نظر جاگیر، دولت، عزت، شہرت، داد و تحسین کا حصول اور ناجائز رعب جمانا نہیں۔ نہ ہی ان کے پیش نظر حکومتوں کا حصول ہے۔ وہ تو صرف حکم الٰہی کے تحت ہی اس کے دشمنوں سے لڑتے ہیں۔ ان کی جنگ وجدل راہ حق سے اعراض کرنے والوں

سے ہے اور حق تعالیٰ کی خاطر نہ ذاتی عداوت، نہ نفسی انتقام، بس بغض فی اللہ کا اظہار اور حبّ فی اللہ پر عمل ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ جبکہ غیر مسلم و کفار راہ طاغوت میں لڑتے ہیں۔ ان کی پیش نظر طاغوت و شیطان کی خوشنودی اور طاغوتی نظام کی مضبوطی ہے۔ یہ مجاہد و محارب میں واضح فرق ہے۔ حضرات مفسرین نے طاغوت کی متعدد تفاسیر فرمائی ہیں:

۱)۔ طاغوت بت کو کہتے ہیں

۲)۔ طاغوت شیطان ہی کا نام ہے

۳)۔ اللہ کے سوا جس کسی کی بھی پوجا کی جائے وہ طاغوت ہے

خلاصہ سب تفاسیر کا ایک ہی ہے کہ طاغوت سے مراد باطل ہے۔ اہل کفر باطل کے لیے لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے ان دوستوں سے لڑو بھڑو۔ شیطان کے مکر و فریب کمزور ہیں، جو کبھی غالب نہیں آسکتے۔ باطل بھی ایک دن ختم ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ لہٰذا تم مردانگی کے ساتھ باطل کا مقابلہ کرو۔

دفعہ نمبر ۴: منافقین سے متعلق خصوصی ہدایات:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ج أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ○ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ○ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ○ سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ

يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوٓا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوٓا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوٓا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا۝ (النساء:۸۸-۹۱)

”پھر تمہیں کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟ حالانکہ انہوں نے جیسے کام کیے ہیں ان کی بنا پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے شخص کو ہدایت پر لاؤ جسے اللہ (اس کی خواہش کے مطابق) گمراہی میں مبتلا کر چکا؟ اور جسے اللہ گمراہی میں مبتلا کر دے، اس کے لیے تم ہرگز بھی کوئی بھلائی کا راستہ نہیں پا سکتے۔ یہ لوگ چاہتے یہ ہیں کہ جس طرح انہوں نے کفر کو اپنا لیا ہے، اسی طرح تم بھی کافر بن کر سب برابر ہو جاؤ۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم ان میں سے کسی کو اُس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کرلے۔ چنانچہ اگر وہ (ہجرت سے) اعراض کریں تو ان کو پکڑو، اور جہاں بھی انہیں پاؤ، انہیں قتل کر دو، اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ، نہ مددگار۔ ہاں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جن کے اور تمہارے درمیان کوئی (صلح کا) معاہدہ ہے، یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس طرح آئیں کہ ان کے دل تمہارے خلاف جنگ کرنے سے بیزار ہوں اور اپنی قوم کے خلاف جنگ کرنے سے بھی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا، تو وہ تم سے ضرور جنگ کرتے۔ چنانچہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرتے ہوئے تم سے جنگ نہ کریں، اور تم کو امن کی پیشکش کر دیں تو اللہ نے تم کو ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی حق نہیں دیا۔ (منافقین میں) کچھ دوسرے لوگ تمہیں ایسے ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ (مگر) جب بھی ان کو فتنے کی طرف واپس بلایا جائے، وہ اس میں اوندھے منہ جا گرتے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ لوگ تم سے (جنگ کرنے سے) علیحدگی اختیار نہ کریں، اور نہ تمہیں امن کی پیشکش کریں، اور نہ

اپنے ہاتھ روکیں، تو ان کو بھی پکڑو، اور جہاں کہیں انہیں پاؤ، انہیں قتل کرو۔
ایسے لوگوں کے خلاف اللہ نے تم کو کھلا کھلا اختیار دے دیا ہے۔

وہ منافق جو مدینہ سے باہر نکل گئے انہیں قتل کرو جو منافق معاہدہ کنندہ کفار کے ہاں رہائش پذیر ہیں انہیں قتل نہ کرو۔

منافق کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ جو شخص دل سے ایمان نہ لایا ہو، محض زبانی اظہارِ ایمان کر کے حصول مفادات کرتا ہو، لیکن یہاں منافقین کے مفہوم میں مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ وہ غیر مسلم بھی شامل ہیں جو دل و جان سے کفر کرتے تھے مگر مسلمانوں کے حملوں سے بچاؤ اور اپنی جان بخشی کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے میل جول رکھتے تھے۔ ایسے منافقین اور کفار کے بارے میں اہل ایمان کی دو جماعتیں ہو گئیں تھیں۔ ایک جماعت کا کہنا یہ تھا کہ ایسے لوگوں سے میل جول رکھا جائے۔ اُس جماعت کے پیش نظر ایسے غیر مسلموں کی ہدایت کی امید اور اصلاح کی توقع تھی۔ جبکہ دوسری جماعت کا موقف یہ تھا کہ ان لوگوں سے بالکل میل جول بند کر دینا چاہیے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں برتنی چاہیے۔ بعض مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ ان آیات کا نزول ان منافقین کے بارے میں ہوا جو غزوہ احد میں شرکت کے لیے چلے لیکن راستے سے واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں اختلاف کرنے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس اختلاف کرنے پر اہل ایمان کو تنبیہ بھی فرمائی کہ ان منافقین و کافرین کو اپنا خیر خواہ اور حمایتی مت سمجھو اور نہ ہی ان کے ایمان کی توقع رکھو۔ یہ تو الٹا تمہاری گمراہی کے درپے ہیں۔ ان کی بدعملیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ شخص کو بھلا تم کیسے ہدایت دے سکتے ہو؟ ایسے لوگوں کو تو جہاں پاؤ قتل کرو۔ نہ ہی انہیں اپنا دوست بناؤ اور نہ ہی ان کی کسی قسم کی مدد کرو۔ ہاں ان میں جو لوگ صحیح طور پر اسلام قبول کر لیں اور ہجرتِ مدینہ...... جو اُس وقت قبولِ اسلام کے لیے فرض کا درجہ رکھتی تھی...... کو اختیار کر لیں تو پھر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان پر دست درازی نہ کرو بصورت دیگر ان سے کوئی رعایت نہ ہو گی۔ البتہ دو قسم کے لوگوں سے تم تعرض نہ کرو۔

۱)۔ وہ منافق جو ایسے غیر مسلموں کے ہاں رہائش پذیر ہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے وہ

تمہارے عہد و پیمان میں ہونے کی وجہ سے امن میں ہیں، ایسے منافقوں کو سردست قتل نہ کرو کیونکہ یہ بھی بالواسطہ تمہاری پناہ میں آ گئے۔

۲)۔ ایسے لوگ جو نہ تو تم سے دست و گریبان ہونا چاہتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ وہ غیر جانبدار ہو کر تم سے صلح چاہتے ہیں اور اس صلح پر وہ قائم بھی ہیں تو انہیں بھی قتل نہ کرو بلکہ ان کی صلح جوئی کو اللہ تعالیٰ کا احسان جانو کہ اس نے تمہیں ان لوگوں سے بچا لیا۔ اگر رب چاہتا تو یہ بھی تم پر مسلط ہو جاتے۔ لہٰذا ان کی صلح سے فائدہ اٹھاؤ۔

مذکورہ بالا دو جماعتوں کے علاوہ ایک اور جماعت بھی ہے جو تم سے صلح کا عہد و پیمان کرتے ہیں لیکن جب اپنی قوم کا پلڑا بھاری دیکھتے ہیں تو عہد و میثاق کو توڑ کر اپنی قوم کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کوئی رعایت نہ دو بلکہ انہیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان لوگوں نے عہد شکنی سے خود ہی حجت قائم کر دی ہے۔

دفعہ نمبر ۶: خاص حالات میں ہجرت کی ترغیب:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّٰهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا۟ فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا۟ كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوٓا۟ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَٰسِعَةً فَتُهَاجِرُوا۟ فِيهَا فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ○ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَٰنِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ○ فَأُو۟لَٰٓئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ○ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَٰغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِنۢ بَيْتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُۥ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ (النساء: ۹۷ تا ۱۰۰)

"جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح

قبض کرنے آئے تو بولے ''تم کس حالت میں تھے؟'' وہ کہنے لگے ہم تو زمین میں بے بس بنادیے گئے تھے۔'' فرشتوں نے کہا'' کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟'' لہٰذا ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت برا انجام ہے۔ البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں) جو (ہجرت کی) کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ (نکلنے کا) کوئی راستہ پاتے ہیں۔ چنانچہ پوری امید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے، پھر اسے موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب اللہ کے پاس طے ہو چکا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے''۔

مذکورہ بالا آیت میں مکہ مکرمہ کے کلمہ گو باسیوں کو جانب مدینہ ہجرت کی ترغیب اور حکم دیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ فتح مکہ سے قبل اہل اسلام کے لیے مدینہ منورہ ہجرت کرنا فرض تھا۔ تارک ہجرت کا اسلام قبول نہ تھا، کیونکہ ایک طرف تو مکہ و گرد و نواح میں رہ کر احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا ممکن نہ تھا۔ دوسری جانب جمعیت کا استحکام اور اہل اسلام کی قوت کا اجتماع بھی ضروری تھا۔ اس بنا پر ہجرت لازم قرار دے دی گئی تھی۔ اسی لیے آیت میں تارکین ہجرت کو ظالم یعنی گناہگار قرار دے دیا گیا۔

قرآنی اصطلاح میں ہر گناہ ظلم اور گناہگار ظالم کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ ہر گناہ درحقیقت اپنے ساتھ ہی زیادتی ہے، گویا گناہگار اپنے اوپر ہی ظلم کرتا ہے۔ ایسے لوگ جنھوں نے ہجرت نہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا بوقت موت ان سے فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ وہ جواباً کہتے ہیں کہ ہم کمزور اور ضعیف تھے قوت ہجرت نہ رکھتے تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرتے؟ یہی لوگ دوزخی ہیں اور دوزخ برا انجام ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ آج بھی اگر کسی علاقے میں سکونت پذیر ہو کر احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے علاقے کو خیرباد کہہ کر کسی بھی ایسے علاقے کی جانب ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے جہاں آزادی کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل کیا جا سکے۔ ہجرت کبھی تو دارالکفر سے

دارالاسلام کی جانب ہوتی ہے جیسے عہد نبوت کے ابتدا میں مکہ دارالکفر تھا اور مدینہ دارالاسلام بن گیا چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی۔ کبھی ہجرت دارالفساد سے دارالامن کی جانب ہوا کرتی ہے، جیسے صحابہ کرام نے مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔

ترک ہجرت کی مذکورہ بالا وعیدان مسلمانوں کے لیے ہے جو قدرت کے باوجود تارک ہجرت ہوں۔ البتہ جو لوگ معذور و مجبور ہوں یا کمزور و ناتواں ہوں یا ایسی خواتین اور چھوٹے بچے جو ہجرت کی تدبیر نہ کر سکیں اور راستے سے واقف نہ ہوں یا دوسرے ملک میں ویزے وغیرہ کے مسائل ہوں تو ایسے لوگوں کو ہجرت کے حکم سے معافی اور استثنیٰ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف و درگزر فرمانے والے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۰ میں ہجرت کے لیے تین موانع کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ عموماً تین قسم کے خدشات کی وجہ سے ہجرت کو ترک کیا جاتا ہے:

۱)۔ جہاں ہجرت کر کے جائیں گے کیا معلوم وہاں سکونت ملے یا نہ ملے؟

۲)۔ نئی جگہ اور مقام پر روزگار کا کیا ہوگا؟

۳)۔ خدانخواستہ سفر ہجرت میں موت واقع ہو جائے تو گھر سے بھی گئے اور ہجرت کی تکمیل بھی نہ ہوئی۔ کہیں اجر سے محروم تو نہیں ہو گئے؟

حق تعالیٰ نے ان تینوں موانع اور رکاوٹوں کا ازالہ فرمایا ہے۔ پہلی رکاوٹ کے بارے میں فرمایا جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے زمین میں جگہ وٹھکانہ بھی عطا ہوگا اور سکونت و رہائش بھی۔ دوسرے خطرے کا ازالہ "سعة" کے لفظ سے فرمایا کہ ہجرت کرنے والے کو حق تعالیٰ کی جانب سے وسعت ورزق بھی عطا ہوگا۔ تیسرے خطرے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض راستے میں کسی کی موت واقع ہوگئی تو اگرچہ ہجرت کا عمل مکمل نہ ہوتا ہم اسے حق تعالیٰ پورے عمل ہجرت کا اجر وثواب عطا فرمائیں گے اور ساتھ مغفرت ورحمت سے بھی نوازیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج وعمرہ اور جہاد پر جانے والے ایسے عازمین...... جن کی راستے میں موت واقع ہو جائے...... ان کے لیے بھی حج وعمرہ اور جہاد کا پورا

پورا اجر ملنے کا اعلان فرمایا ہے۔

واضح ہو کہ ہجرت مدینہ کا حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ"

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔''

(صحیح بخاری:۱/۲۸)

ہجرت ظاہرہ یعنی ترک وطن کا حکم تو اب بوقت ضرورت ہو گا۔ البتہ ہجرت باطنہ یعنی ترک ذنوب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ

''مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منہیات کو ترک کردے۔''

(شعب الایمان للبیہقی:۷/۴۹۹)

ظاہر ہے کہ یہ حکم ہر مسلمان کے لیے ہر زمانہ میں ہر مقام پر قائم ہے۔ خلاصہ کلام اینکہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

۱)۔ ہجرت ظاہرہ: دین واسلام کی خاطر ترک وطن کرنا

۲)۔ ہجرت باطنہ: گناہ اور اللہ کی نافرمانی کو ترک کرنا

پہلا حکم بوقت ضرورت ہے۔ یعنی جب کسی مقام پر رہتے ہوئے شریعت پر عمل کرنا ممکن نہ ہو یا جان وایمان کا خطرہ ہو تب ترک وطن کرنا ہو گا۔ دوسرا حکم ہر مسلمان مرد وزن کے لیے ہمہ وقت ہے۔

دفعہ نمبر ۷: سفر اور خوف کی نماز کے احکام:

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ۝ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا

سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا
فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ
عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى
مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَنْ تَضَعُوْا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا
حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○ فَاِذَا قَضَيْتُمُ
الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا
اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ
فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (النساء: ۱۰۱۔۱۰۴)

''اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے، تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کر لو۔ یقیناً کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں (۱۰۱) اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ (تو دشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے، اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لے۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو آگے آجائے، اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے، اور اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان ہتھیار لے لے ۔کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں، اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو، ہاں اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو، بیشک اللہ نے کافروں کیلئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۱۰۲) پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت میں) یاد کرتے

رہو کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی، پھر جب تمہیں (دشمن کی طرف سے) اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قاعدے کے مطابق پڑھو بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے (۱۰۳) اور تم ان لوگوں (یعنی کافر دشمن) کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو انکو بھی اسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے تم کو تکلیف پہنچی، اور تم اللہ سے اس بات کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، اور حکمت کا بھی مالک ہے۔ (۱۰۴) سفر جہاد کا ہو یا غیر جہاد کا، بہر صورت سفر میں غیر معمولی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جہادی سفر میں یا میدانِ کارزار میں حالات خطرناک وخوفناک ہو جاتے ہیں، ایسے میں خاص طور پر نماز کی ادائیگی میں دو طرح سے تخفیف دی گئی۔

۱)۔ ہر وہ سفر جو تین منزل ہو یعنی اڑتالیس میل یا تقریباً 78 کلومیٹر کا ہو، اپنے شہر سے نکلتے ہی سفر کے آغاز سے واپس شہر آنے تک ظہر، عصر اور عشاء کی نماز بجائے چار رکعتوں کے دو رکعت فرض رہ جاتی ہے، اس تخفیف کو قصر کہا جاتا ہے، ایسے ہی اگر مذکورہ بالا مسافت پر کسی مقام میں پندرہ روز سے کم قیام کی نیت ہو تب بھی نماز میں یہ رعایت حاصل ہوتی ہے۔ ہر چند کہ یہ تخفیف ورعایت سفر کی مشقتوں اور صعوبتوں کی وجہ سے مرحمت فرمائی گئی تاہم اب یہ مشقت وصعوبت نہ ہونے کی صورت میں بھی ہمہ قسم زمینی، فضائی، بحری سفروں میں حاصل ہوگی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفری رعایتی نماز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدیہ اور گفٹ قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے ہدیے کو قبول کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ نماز کی اس تخفیف میں سنتیں نفل کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اگر سفر جاری ہو تو سنتیں ترک کی جا سکتی ہیں لیکن اگر سفر میں کہیں اقامت ہو تو فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق سنتیں ادا کر لینی چاہئیں۔

۲)۔ حالت جہاد میں اگر غیر معمولی حالات ہوں اور دشمن کا خوف زیادہ ہو جائے، ایک جماعت کے ساتھ اجتماعی طور پر نماز ادا کرنے میں دشمن کے حملہ کر دینے کا خوف

ہوتو اس حالت میں بھی نماز ترک نہ کی جائے اور نہ ہی جماعت چھوڑی جائے، بلکہ معمول کے طریقہ سے ہٹ کر مذکورہ بالا آیات اور احادیث نبویہ میں بتائے گئے طریقے سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی صورت حال غزوۃ ذات الرقاع میں پیش آئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صلوٰۃ الخوف پڑھائی، اس نماز کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے۔

> "حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب میں جہاد کیا ہم دشمن کے سامنے آکر صف آراء ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم فرمایا، ایک جماعت کو (نصف نماز) پڑھائی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل رہی، پہلی جماعت نصف نماز ادا کرنے کے بعد دشمن کے مقابل چلی گئی اور دوسری جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی نصف نماز پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا یہ لوگ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی نماز کی تکمیل کی اور دشمن کے مقابل چلے گئے، دوسری جماعت نے آکر اپنی نماز پوری کی۔"
>
> (صحیح البخاری: ۱/۲۰۰، ابواب صلاۃ الخوف۔ مکتبہ رحمانیہ)

مذکورہ بالا طریقہ کی جانب ہی آیت مذکورہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ علماء امت کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ صلوٰۃ الخوف اب بھی مشروع ہے۔ اور خوف کی حالت میں امیر لشکر یا اسکا قائمقام امام اس طرح نماز پڑھائے، اس طریقہ کے مطابق جماعت کے ساتھ سب شرکاء کی نماز بھی ہوجائیگی اور دشمن کو حملہ کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

حالت جہاد میں اہل اسلام کو خصوصی طور پر ذکر خداوندی کا بھی حکم دیا گیا، اس سلسلہ میں یہاں بھی ہدایت کی گئی کہ نماز سے فراغت پانے کے بعد بھی ہر حال میں یادِ خداوندی کا فریضہ سرانجام دیتے رہو۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے کسی حال میں ذکر اللہ سے غفلت نہ برتو۔

دفعہ نمبر ۸: شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کیجیے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لئے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے، اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو (۱۰۵) اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (۱۰۶) اور کسی تنازعے میں ان لوگوں کی وکالت نہ کرنا جو خود اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں۔ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا (۱۰۷) یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں، اور اللہ سے نہیں شرماتے، حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے پاس ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔ اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ نے اس سب کا احاطہ کر رکھا ہے (۱۰۸)

حق تعالیٰ نے آپ پر قرآن کریم اس لیے نازل کیا تاکہ آپ اللہ کے دیے ہوئے علم و بصیرت سے لوگوں کے باہمی تنازعات میں فیصلے فرمائیں اور کسی بھی دغاباز کی طرف سے آپ دفاع نہ فرمائیں اور اگر ایسی کوئی صورت پیدا ہوگئی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔ خیانت کرنے والوں کی جانب سے آپ مت جھگڑیے بلاشبہ اللہ خائن گناہگاروں کو پسند نہیں فرماتے۔

ان آیات کا نزول ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک عمر رسیدہ صحابی حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے ہاں رات کو چوری ہوگئی چور آٹے کا تھیلہ اور اسلحہ لے گیا۔ آٹا مدینہ منورہ میں ناپید تھا۔ اس صحابیؓ کے عمر کے تقاضے کی وجہ سے آٹا باہر منگوایا گیا تھا۔ چور "بشر" نامی ایک منافق تھا جو بظاہر کلمہ گو تھا۔ آٹے کے تھیلے میں سے آٹا راستہ میں گرتا گیا، منافق نے یہ آٹا اور اسلحہ ایک یہودی کے پاس رات کو ہی امانت رکھوا دیے، صبح ہوئی تو حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے کو اطلاع دی وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

موقر صحابی ہیں، چنانچہ جب کھوج لگایا گیا تو "بشر" کے گھر تک جا پہنچا لیکن تلاشی میں سامان نہ ملا، پوچھ گچھ پر منافق نے یہودی کا نام لے لیا اور سامان بھی یہودی کے گھر سے برآمد ہوا۔ اس بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال ہونے لگا کہ چور یہودی ہی ہے، دوسری جانب "بشر" نامی منافق کا قبیلہ "طعمہ بن ابیرق" کے لوگوں نے حرم نبوی میں آکر اپنے فرد "بشر" کی حمایت کی کہ "بشر" بے قصور اور یہودی قصوروار ہے لہٰذا سزا یہودی کو دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان بشر کی بے گناہی اور یہودی کے مجرم ہونے کی طرف ہو گیا تھا، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نتیجہ تک نہ پہنچے تھے کہ مذکورہ بالا آیات کا نزول ہوا جن میں ایک طرف تو "بشر" نامی منافق کا پردہ چاک کر دیا گیا اور یہودی کو بے گناہ قرار دینے کی جانب اشارہ ہوا، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ آپ حق تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ علم و دانش سے فیصلہ فرمایا کریں محض ظاہر اور عوامی رائے عامہ سے فیصلہ نہ کریں! اور نہ ہی کسی خائن کا دفاع کریں! اور اس کے ساتھ ہی "طعمہ بن ابیرق" کو تنبیہ کی گئی کہ محض قبائلی اور خاندانی اشتراک کی وجہ سے کسی کا دفاع کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی ایسے شخص (جو خیانت کا مرتکب ہوا ہے) کی وکالت کرنا روا ہے۔ چنانچہ "بشر" نامی چور پردہ چاک ہونے کے بعد سزا کے خوف سے مدینہ منورہ سے راہ فرار اختیار کر کے مکہ مکرمہ چلا گیا اور دل کے کفر کو زبان پہ لا کر اعلان ارتداد کیا اور وہیں حالت کفر میں مر گیا۔

مذکورہ بالا آیات سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

۱)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام اولی الامر کو پابند بنایا گیا ہے کہ لوگوں کے باہمی تنازعات اور جھگڑوں میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں، سنت و شریعت کا یہ فیصلہ دراصل قرآن ہی کا فیصلہ ہو گا اور نزول قرآن کی غرض اصلی یہ بھی ہے کہ قرآنی اصول و ضوابط اور سنت و شریعت کے مطابق نجی، انفرادی، اجتماعی، عدالتی، معاشی اور معاشرتی معاملات چلائے جائیں۔

۲)۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے ساتھ ایک خاص علم بھی عطاء فرمایا تھا جسے سنت و حدیث یا وحی غیر متلو سے تعبیر کرتے ہیں یہ حقیقت "بِمَآ اَرٰىكَ

اللہ" سے معلوم ہوتی ہے۔

۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص علوم عطا کیے گئے، بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اولین وآخرین کے علم سے زیادہ اور کامل ہے بایں ہمہ غیب دان ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے اگر کوئی دیگر شخصیت "عالم الغیب" ہوتی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان اس موقع پر "بشر" (جوظاہری طور پر مسلمان تھا) کی جانب قطعی طور پر نہ ہوتا۔

۴)۔ جس شخص کے متعلق یقین ہو کہ وہ مقدمہ میں ناحق ہے اس کی حمایت ووکالت جائز نہیں، اس ناجائز حمایت کے ساتھ ملزم کو دنیا میں فائدہ پہنچانے والا شخص آخرت میں خود مجرم بن کر عذابِ خداوندی سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، غلط جانتے ہوئے ملزم کو نفع پہنچانا اپنے لیے عذاب آخرت لینے کے مترادف ہوگا۔

سرگوشیوں سے متعلق ہدایت:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ (النساء:۱۱۴-۱۱۵)

"لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔ (۱۱۴) اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے"۔ (۱۱۵)

مذکورہ بالا آیات کا تعلق گذشتہ آیات میں مذکور واقعہ سے ہے کہ ایک منافق نے چوری کے جرم کا ارتکاب کیا اور ایک غیر مسلم کو ناجائز پھنسانے کی کوشش کی، نیز اپنی چرب لسانی، قوم وقبیلہ کے زور سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متاثر کرنے کی کوشش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی جانب سے فوراً تنبہ ہوا اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے اس کی حقیقت واضح ہوگئی۔ اس سارے عمل میں مجرم کی سرگوشیوں کا دخل تھا، نیز منافقین کی عام عادت تھی وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشیاں کرنے کی کوشش کرتے، آپس میں بھی کانا پھوسی کرتے اور دوسروں کو تشکیک وتشویش میں مبتلا کرتے۔ منافقین کی ان باہمی سرگوشیوں میں لوگوں کی غیبت، عیب جوئی، ناجائز شکایت شامل ہوتیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کر کے اپنا اعتماد لوگوں میں ظاہر کرتے۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی تقبیح ومذمت فرمائی کہ ان باہمی سرگوشیوں کے ذریعے باتوں کو بلا وجہ چھپانے میں کوئی بھلائی نہیں۔ سچی باتیں چھپائی نہیں جاتیں، انہیں تو کھولا اور بیان کیا جاتا ہے البتہ چھپانے کی تو درج ذیل اشیاء ہیں:

۱)۔ صدقہ وخیرات کی بات قابل اخفاء ہے تاکہ ضرورت مند کو شرمندگی اور ندامت نہ ہو، اس کی عزتِ نفس وخودداری کو متاثر کئے بغیر اس کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے۔

۲)۔ کسی ناواقف ونادان کو غلطی سے بچائے تو خاموشی کے ساتھ، تاکہ اسے کسی قسم کی ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ ایسے شخص کو شرمندگی سے بچانے کیلئے صحیح صورت حال سے آگاہ کردے، صحیح راہنمائی کرے یا غلطی کی درستگی کرادے۔

۳)۔ باہم متحارب ومتنازع فریقوں میں صلح کرانے کے لئے انہیں قریب لانے اور ان کی نفرتوں کو محبتوں میں بدلنے کے لئے فریقین سے الگ الگ خفیہ طور پر بات کرنا، انہیں سمجھانا بجھانا، ان کی نفرتوں کے خاتمے کے لئے توریہ تک کرنا جائز ہے، یہ سب امور اخفاء وپوشیدگی کے ساتھ سرانجام دیے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا امور جو شخص رضاء الٰہی کے لیے سرانجام دے گا اسے حق تعالیٰ اجر عظیم سے نوازیں گے، بشرطیکہ ان اعمال میں ریاکاری، شہرت یا دنیوی غرض کو دخل نہ ہو۔

امر حق کے واضح ہوجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کوئی معنی نہیں

رکھتی، جو شخص حق کھل جانے کے بعد اس معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے متفقہ راستے کو چھوڑ کر اپنی نئی راہ اپنائے اسے اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ گمراہ فرماتے ہیں بلکہ اسے دوزخ میں ڈالتے ہیں، اس کا مقام و مستقر نہایت ہی برا ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۱۱۵ سے دین کے چار اصولوں میں سے دو اصول واضح ہوئے:

۱)۔ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲)۔ اجماعِ اُمت

امت کے علماء کا جس مسئلہ پر اجماع واتفاق ہو جائے تو وہ امر حکمِ شرعی بن جاتا ہے، اس آیت کی رو سے اجماع سے روگردانی سنت سے روگردانی کی طرح راہِ جہنم اور ضلالت ہے۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ (صلى الله عليه وسلم) عَلَى ضَلَالَةٍ. وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ. وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ.

"بے شک اللہ میری امت یا فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے، اور جو کوئی الگ ہوا وہ الگ ہوا جہنم کی طرف"۔

(جامع ترمذی: ۲۱۶۷)

دین کے چار اصول میں قرآن کریم اور قیاس شرعی بھی اول وآخر اصول ہیں۔

مقتدر طبقات کے لیے زرّیں اصول

نعمت کی قدر دانی اور شکر:

يَا بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ○ (البقرۃ:۴۰)

”اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، تا کہ میں بھی تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں، اور تم (کسی اور سے نہیں، بلکہ) صرف مجھی سے ڈرو۔

آیت مذکورہ میں اصلاً خطاب بنی اسرائیل یعنی اولاد یعقوب علیہ السلام کو ہے جو مذہباً یہودی تھے، انہیں روحانی مادی ہمہ قسم انعامات سے مالا مال کیا گیا تھا، روحانی نعمت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ ان میں ہزاروں نبی مبعوث ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا عیسیٰ السلام تک جتنے بھی نبی زمین کے مختلف خطوں میں بھیجے گئے سبھی اسی خاندان یعقوب علیہ السلام سے تھے، مذہبی قیادت وسیادت ہزار سال تک بنی اسرائیل کے پاس رہی، اس مذہبی قیادت وسیادت کے ساتھ بادشاہت، حکمرانی بھی انہیں عطاء ہوئی، اقوام عالم پر بنی اسرائیل نے برسہا برس حکمرانی وشاہی سرانجام دی، ان مادی روحانی نعمتوں کے ساتھ عزت و عظمت رزق واولاد صحت وزندگی جیسی نعمتیں بھی ان کے پاس کم نہ تھیں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ○ (المائدۃ:۲۰)

"اور اس وقت کا دھیان کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے، کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے تمہیں حکمران بنایا اور تمہیں وہ کچھ عطاء کیا جو تم سے پہلے دنیا جہاں کے کسی فرد کو عطاء نہیں کیا تھا۔"

انہی نعمتوں اور احسانات خداوندی کی تذکیر کے ساتھ مدینہ منورہ کے گرد آباد یہود کے قدیمی پیشواؤں، نوابوں، سیاسی زعماء اور با اثر لوگوں کی اصلاح کے لیے زریں اصول بیان کیے گئے اس لیے کہ اشرافیہ اور مقتدر طبقات کی اصلاح کے ساتھ عوام الناس کی اصلاح آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ مقولہ مشہور ہے "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ "لوگ اپنے حکمرانوں کا طرز وطریق اختیار کرتے ہیں، سدھار کے یہی اصول تبعاً اس امت کے مقتدر طبقات کی اصلاح کیلئے بھی ذکر کر دیے گئے ہیں امت کا با اثر طبقہ تین طرح کا ہے:

۱)۔ حکمران، سیاست دان اور سرکاری افسران
۲)۔ علماء ومشائخ
۳)۔ صنعت کار، سرمایہ دار، جاگیر دار اور زمیندار

ان تینوں طبقات کے بگاڑ سے پورا معاشرہ بگڑ جاتا ہے اور اگر یہ تین طبقات درست ہو جائیں تو پورا معاشرہ نہ صرف درست رہتا ہے بلکہ مثالی اور پر امن وخوشحال بن جاتا ہے، آیت مذکورہ میں بارہ (۱۲) زریں اصول بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے آٹھ (۸) اوامر (احکام) چار (۴) نواہی (ممنوعات) ہیں، چنانچہ اول اوامر اور اس کے بعد نواہی اور آخر میں پھر اوامر کو بیان کیا جا رہا ہے۔

آٹھ اوامر:

۱)۔ اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد (اور دیگر لوگو!) میری نوازشات واحسانات کو یاد رکھو انہیں مت فراموش کرو، میں ہی تو ہوں جس میں تمہیں مذہبی قیادت سیاسی سیادت، مال ودولت جاہ وعزت، سرداری وحکمرانی، رعب ودبدبہ اور اقوام عالم پر تفوق وبڑائی عطاء کی تھی ایک عرصہ تک تم بلا شرکت غیر اللہ کی دھرتی کے رہبر وراہنما رہے تم پر من وسلوا نازل کیا، تمہارے لیے پتھر سے بارہ چشمے جاری کر کے تمہیں سیراب کیا، فرعون جیسے

ظالم حکمران کی غلامی سے نجات بخشی، یہ کوئی تمہارے ذاتی وکسبی کمالات تو نہ تھے، میں نے عطاء کیے تھے، اور آج جن لوگوں کو علم، زہد، تقویٰ، حکمرانی، منصب وعہدے، جاگیریں وصنعتیں، تجارت ومال داری رزق عزت عظمت زبان وقلم کی نعمتیں نصیب ہوئیں، سبھی میری عطاء کردہ ہیں سو میرا شکر بجالایا کرو میری حمایت کا دم بھرا کرو۔

ایفاءِ عہد، خوفِ خداوندی اور قرآن کریم پر ایمان:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡوَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ○ (البقرۃ:۴۱)

"اور جو کلام میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، جبکہ وہ اس کتاب (یعنی تورات) کی تصدیق بھی کر رہا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، اور (کسی اور کے بجائے) صرف میرا خوف دل میں رکھو۔

۲)۔ تم مجھ سے کیا ہوا اپنا عہد نبھاؤ، میں تم سے کیا گیا اپنا عہد نبھاؤں گا۔ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ کیا تھا؟ اس کے متعلق مفسرین نے درج ذیل آراء ذکر کی ہیں:

۱)۔ حضور علیہ السلام کی اتباع کا عہد

۲)۔ سورۃ مائدہ میں ذکر کردہ یہ عہد کہ "اگر تم نماز قائم کرو گے، زکوۃ دو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی نصرت کرو گے، اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو گے، تو میں تمہارے ساتھ ہوں گا، تم سے تمہارے گناہ دھو ڈالوں گا اور تمہیں اپنی جنتوں میں داخل کروں گا۔ [مائدہ: ۱۲]

۳)۔ توراۃ میں مذکور یہ عہد کہ بنی اسماعیل سے آنے والے عظیم المرتبت نبی آخر الزمان علیہ السلام کی اتباع کرو گے۔

۴)۔ اسلام کی پیروی کرو گے۔

اس عہد کی تکمیل کی صورت میں بھی حق تعالیٰ کی جانب سے وعدہ کیا گیا۔ اس عہد کے بارے میں بھی مفسرین نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں:

1)۔ میں تم سے وہ مشقت اور بوجھ اٹھالوں گا جو گناہوں کے سبب تمہاری گردنوں میں ڈال دیا گیا ہے

2)۔ اللہ کی معیت، گناہوں کی معافی اور جنت میں داخلے کا عہد پورا کروں گا

3)۔ حضور علیہ السلام کی اتباع پر گناہوں کی مغفرت اور ہر عمل پر دوہرے اجر کا عہد

4)۔ رضاء باری تعالیٰ اور جنت میں داخلے کا عہد......!!

3)۔ تم سب صرف مجھ ہی سے ڈرو کہ تم بھی میری پکڑ میں اس طرح آسکتے ہو جیسے تم سے پہلے لوگوں کو عذاب کی پکڑ میں لیا گیا، چنانچہ کچھ کی شکلیں بدل گئیں، انسانوں سے جانور بنادیے گئے، دیکھتے ہی دیکھتے کتوں، بندروں اور خنزیروں کی سی شکلیں ہوگئیں (العیاذ باللہ) کچھ پر پتھروں کی بارش ہوئی، تو کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ لہٰذا تمہیں میرا ہی پاس رکھنا ہوگا، گویا کہ پہلے جملے میں ترغیب اور اس جملے میں ترہیب کے ذریعے اسلام کی طرف دعوت دی جارہی ہے۔

4)۔ میری نازل کردہ کتاب "قرآن کریم" پر ایمان لاؤ، اسے دل وجان سے قبول کرو، اسی کو اپنی زندگی کا جز بناؤ اور اپنے نظام کا حصہ قرار دو کہ یہ کتاب تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب یعنی تورات کی تصدیق کنندہ ہے، اس کے مضامین بھی کتب سابقہ سے ملتے جلتے ہیں اور اس کا ذکر بھی تورات وانجیل میں موجود ہے، تو پھر اس کو نہ ماننے کی کیا وجہ باقی رہ جاتی ہے؟؟

چار کام ہرگز نہ کرو:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ○ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ: ۴۱۔۴۲)

"اور جو کلام میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، جبکہ وہ اس کتاب (یعنی تورات) کی تصدیق بھی کر رہا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور تم ہی سب سے

پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، اور (کسی اور کے بجائے) صرف میرا خوف دل میں رکھو (۴۱) اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ جبکہ (اصل حقیقت) تم اچھی طرح جانتے ہو (۴۲)۔

نہی اوّل:.......

قرآن کریم اور صاحب قرآن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر کے امت میں کافر اوّل نہ بنو، یہود اپنے عہد کے تعلیم یافتہ، باشعور اور آسمانی احکام سے باخبر سمجھے جاتے تھے جبکہ مشرکین مکہ اُمّی، بے خبر اور آسمانی تعلیمات سے نابلد اور جاہل و اَن پڑھ تھے۔ یہود تورات میں مذکور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں، آپ کے اوصاف و کمالات، آپ کی نبوت و رسالت سے خوب واقف تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وہ نہ صرف آپ کا تذکرہ کرتے بلکہ آپ کے واسطے سے دعائیں کرتے اور اپنے مخالفین کو عنقریب ظاہر ہونے والے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی دھمکیاں دیتے۔ اب جبکہ وہ نبی آچکے تو آپ کی تصدیق کی بجائے تکذیب کرنے لگے، اس لیے حق تعالیٰ نے ان مقتدر لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے باور کرایا کہ اگر تم جاننے کے باوجود نہ مانو گے تو تمہاری اولادیں نیز تم سے متاثر، دیگر لوگ تمہارے معتقدین و متوسلین سبھی کافر بنیں گے اور اس کے ذمہ دار تم ٹھہرو گے گویا کہ تم کافر اوّل قرار پاؤ گے...... ایسا نہ کرو!

نہی ثانی:.......

میری آیات جلیلہ کو دنیا و دولت کی لالچ میں نظرانداز نہ کرو، تمہیں شاید یہ خدشہ لگا ہوا ہے کہ پیغمبر اسلام کی تائید و تصدیق سے تمہیں حاصل مالی منفعت ختم ہو جائے گی نیز ہدایا و نذرانوں کا طویل سلسلہ بند ہو جائے گا، یوں روزی روٹی میں کمی ہوگی، اسی خدشہ کی وجہ سے دینِ حق سے اعراض کرنا دین فروشی اور زر پرستی ہے۔ یقیناً تم حقیر و ذلیل دنیا کے بدلے دین فروخت کر رہے ہو۔ پوری دنیا اللہ کی نظر میں مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ہے تو پھر کیونکر دین فروش بنتے ہو۔ حق تعالیٰ کو رزاق جانو، آگے بڑھو اور دوٹوک حق کا اعلان کر دو۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے دنیا کو لات مار

کر آخرت کو اپنالو تو بڑی کامیابی پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف وڈر کی ضرورت نہیں!!

نہی ثالث ورابع:

حق سے روکنے اور دور رکھنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔

۱)۔ حق وباطل کو خلط ملط کر کے حق کو مخفی کر دینا

۲)۔ حق کو چھپانا اور ظاہر نہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں طریقوں سے منع فرمایا کہ حق وباطل کو نہ ملاؤ جلاؤ بلکہ حق کو حق کہو باطل کو باطل کہو، حق وباطل میں تمیز کرو تا کہ لوگ حق کی اتباع کریں اور باطل سے اجتناب !اسی طرح حق کو کسی صورت نہ چھپاؤ بلکہ ظاہر کرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق پیشین گوئیاں توراۃ میں مذکور ہیں، مدینہ منورہ میں مقیم یہود کے مذہبی راہنما ان نشانیوں کو اپنے ذاتی اغراض وفوائد کے لیے یا تو چھپا لیتے اور ظاہر نہ کرتے، لوگوں کے پوچھنے پر انکار کر دیتے اور کبھی ان نشانیوں کو گڈ مڈ کر کے حق ظاہر نہ ہونے دیتے، یوں لوگوں کی گمراہی کا سبب اور ذریعہ بنتے تھے۔ اسی پس منظر میں مذکورہ بالا دونوں امور سے نہی کی گئی۔

بدنی ومالی عبادات بجالاؤ:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ○

(البقرۃ:۴۳)

"اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

امرِ خامس، سادس وسابع (۵، ۶، ۷):

۱)۔ مذکورہ بالا آیات میں پہلے چار اوامر پھر چار نواہی مذکور ہوئے، اسکے بعد پھر چار اوامر ذکر کئے جا رہے ہیں اس طرح کل آٹھ اوامر اور چار نواہی یعنی آٹھ ایجابی اور چار سلبی احکام ذکر کیے گئے۔ پانچویں حکم میں نماز قائم کرنے اور چھٹے حکم میں زکوۃ ادا کرنے کا حکم ہے اور ساتویں امر میں رکوع اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے حکم ہے۔

اقامتِ صلوٰۃ (نماز قائم کرنا) قرآن کریم کی ایک جامع اصطلاح ہے اس سے مراد نماز کو اس کے جمیع حقوق و آداب کے ساتھ ادا کرنا ہے، قرآن کریم نے نماز پڑھنے کا حکم قطعاً نہیں دیا بلکہ جہاں بھی نماز کا ذکر فرمایا وہاں نماز قائم کرنے کی تعبیر اختیار فرمائی۔ محققین نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کریم جامع کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی مراد ان احکام سے یہ ہے کہ بدنی و مالی عبادات بجالاؤ لیکن بدنی و مالی عبادات کی بہت سی اقسام کو ذکر کرنا جامعیت و اجمال کے خلاف تھا تو اس لیے حق تعالیٰ نے بدنی و مالی عبادات میں سے سب سے اہم و جامع ایک ایک عبادت کا ذکر فرما کر باقی سب کی جانب اشارہ فرما دیا، چنانچہ بدنی عبادات میں اہم نماز ہے اور مالی عبادت میں زکوٰۃ اس لیے بطور نمونے کے ان دو کا ذکر فرما کر باقی سب عبادات کی جانب اشارہ فرما دیا اس لیے اقیمو الصلوٰۃ میں نماز کے ساتھ روزہ، حج اور دیگر بدنی طاعات مثلاً تلاوتِ قرآن کریم، ذکر اللہ، دعا وغیرہ شامل ہیں، جبکہ اتوا الزکوٰۃ میں صدقہ فطر، قربانی، صدقات و خیرات، والدین، اہل و عیال، عزیز و اقارب اور مہمانوں وغیرہ پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ رہی بات نماز کے طریقے اور زکوٰۃ کے طریقوں کی یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مذکور ہے جسے فقہاء کرام نے ترتیب دے کر بیان فرما دیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، اس سے ایک تو اشارہ ہے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرو اور دوسرا یہ کہ رکوع والی نماز ادا کرو یعنی اسلامی طریقے کے مطابق نماز ادا کرو اس لیے کہ یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا تو تعریضاً یہود کے طریقے کے مطابق نہیں بلکہ اسلام کے طریقے کے مطابق نماز ادا کرو۔

علم پہ عمل کی تاکید اور حُبِّ جاہ و مال کا علاج:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ○ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ (البقرۃ: ۴۴۔۴۶)

"کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟

(۴۴) اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ نماز بھاری ضرور معلوم ہوتی ہے، مگر ان لوگوں کو نہیں جو خشوع (یعنی دھیان اور عاجزی) سے پڑھتے ہیں (۴۵) جو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، اور ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (۴۶)"

امر سابع) بے عمل عالم کو تنبیہ:

امر سابع میں بے عمل عالم کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ لوگوں کو نیکی کو حکم دیتے ہو اور خود کو فراموش کر دیتے ہو حالانکہ تم تورات کے ماننے والے ہو۔ یہ خطاب دراصل یہودِ مدینہ کو ہے، جو تورات پر ایمان لانے کے دعوے دار تھے۔ تورات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارات موجود تھیں۔ وہ لوگوں کو تو اتباعِ تورات کی دعوت و تلقین کرتے لیکن خود نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ان علماء یہود سے خلوت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرتا، تو یہ دبے دبے لفظوں میں کہا کرتے تھے کہ سچے نبی ہیں لیکن خود اپنے دنیوی مفادات کی وجہ سے ایمان نہ لاتے تھے۔ اس پر انہیں کہا گیا کہ عقل و سمجھ سے کام لو، ایسا نہ کرو۔ مذکورہ بالا آیات میں علماء کے لیے ہدایت ہے کہ وہ اپنے علم پر عمل کریں نیز اپنے وعظ و تبلیغ، تقریر و تحریر کی لاج رکھیں۔ احادیث طیبہ میں بے عمل عالم کے لیے سخت تنبیہات وارد ہوئی ہیں۔

امام طبرانیؒ نے اپنی معجم کبیر میں حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو عالم دوسروں کو اچھائی کی تعلیم دیتا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا، اس کی مثال اُس چراغ کی سی ہے جو دوسروں کو تو روشنی پہنچاتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلاتا ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مُسند میں حدیث ذکر کی ہے:

"شبِ معراج جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایسے لوگوں پر ہوا، جن کے ہونٹ دوزخ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطیب

> ہیں، جو دوسروں کو نیکی کا حکم کرتے اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے تھے، حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے تھے۔ کیا بھلا تم عقل نہیں رکھتے؟''

ابن عساکرؒ نے ولید بن عقبہؓ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''کچھ جنتی حضرات جھانک کر دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخیوں سے کہیں گے کہ تم دوزخ میں کیونکر داخل ہوئے؟ حالانکہ تمہاری تعلیمات کی وجہ سے تو ہم جنت میں آئے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم کہتے تو تھے، لیکن عمل نہیں کرتے تھے۔'' اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ امین

امرِ ثامن: علاجِ حُبِّ جاہ و مال:

اہل کتاب باوجود حق جاننے کے مانتے نہ تھے جیسا کہ آج بھی بہت سے لوگ حق جاننے کے باوجود حق تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے دو اسباب ہوتے ہیں:

۱)۔ حُبِّ جاہ......(مقام ومنصب کی محبت)

۲)۔ حُبِّ مال......(مال ودنیا کی محبت)

بلاشبہ یہ دونوں امراض روحانیہ ہیں اور نہایت ہی خطرناک امراض ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے ان دونوں امراض کے علاج تجویز فرمائے۔ حُبِّ جاہ کا علاج 'نماز' ہے۔ اس لیے کہ نماز سے عبودیت، عاجزی اور خشوع پیدا ہوگا اور اس سے حب جاہ کا خاتمہ ہوگا جبکہ صبر سے حب مال کا خاتمہ ہوگا۔ بلاشبہ یہ نماز وصبر کے ساتھ استعانت مشکل اور گراں ہیں، لیکن جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر ایمان ویقین ہے اور وہ حق تعالیٰ کی جانب پلٹ جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے صبر ونماز کے ساتھ استعانت کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

کرپشن......ایک ناسور

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

(آل عمران:۱۶۱)

''اور کسی نبی سے نہیں ہوسکتا کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے۔ اور جو کوئی خیانت کرے گا، وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اُس نے خیانت کر کے لی ہوگی۔ پھر ہر شخص کو اُس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔''

غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت سے ایک چادر کی گمشدگی پر ایک منافق نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام تراشی کی اور کہا: ''شاید چادر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو۔'' اس پر حق تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی کہ نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ خیانت اور کرپشن کے مرتکب ہوں۔ جو کوئی خیانت کرتا ہے، روزِ محشر خیانت شدہ مال کے ساتھ پیش ہوگا۔ پھر ہر ایک شخص کو اُس کی کمائی کا بدلہ ملے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب سے بڑی خیانت (کرپشن) ہے کہ کوئی شخص ایک گز زمین ناحق لے لے۔ تم دیکھتے ہو کہ دو آدمی ایک زمین یا ایک گھر میں پڑوسی ہیں لیکن پھر بھی ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے حصے میں سے ایک گز ظلماً لے لیتا ہے۔ ایسا کرنے والے کو قیامت کے دن ساتوں زمین سے اس حصے کا طوق بنا کر گلے میں پہنایا جائے گا۔''

(مسند احمد، حدیث نمبر:۲۱۸۲۶)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرپشن اور خیانت کی ایک حدیث میں حدود بھی متعین فرمادیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"جس شخص کو ہم نے سرکاری منصب عطا کیا اگر اُس کی رہائش گاہ نہ ہو تو وہ (باجازت) مکان لے سکتا ہے، شادی نہ ہو تو شادی کر سکتا ہے، خادم نہ ہو خادم بھی مقرر کر سکتا ہے، جانور نہ ہو جانور بھی رکھ سکتا ہے لیکن مذکورہ بالا امور کے علاوہ اس نے اپنے منصب کی وجہ سے نفع حاصل کیے وہ خائن اور کرپٹ ہے۔"

کرپشن بدترین جرم ہے۔ قرآن کریم نے سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی واقعہ ذکر فرمایا۔ اس کے ساتھ قوم کی ہلاکت کا سبب بھی بیان فرمایا کہ یہ قوم بددیانتی اور خیانت کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئی۔ کرپشن (خیانت) نہ صرف آخرت کی تباہی کا ذریعہ ہے بلکہ اس سے دنیا بھی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ خائن حکومت، خائن فرد نا قابلِ اعتبار ہوتے ہیں اور اللہ کی مخلوق اس سے بیزار ہوتی ہے نیز یہ ایک متعدی مرض ہے۔ ایک شخص کی کرپشن کا اثر اُس کے گرد و پیش کے لوگوں پر بھی پڑتا ہے۔

وطنِ عزیز کی موجودہ صورت حال نہایت پریشان کن اور افسوس ناک ہے۔ آج سے ایک دہائی قبل کرپشن چند ایک محکموں تک محدود تھی۔ اب ہر سرکاری و نجی ادارے، ہر سرکاری و پرائیوٹ ملازم، کاشت کار، دوکان دار اور کارخانہ دار تک جا پہنچی ہے، جس سے ملک کھوکھلا ہو کر رہ گیا ہے۔

کرپشن کے اخروی نقصانات پر ایک حدیث پیش خدمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں تم میں سے کسی کو روزِ محشر نہ پاؤں کہ اس کے کندھے پر چوری کی بکری ہو جو مِن مِن کر رہی ہو اور یہ شخص کہتا ہو: "یا محمد، یا محمد۔" میں کہوں گا: "میں اللہ تعالیٰ سے تمہیں بچا سکتا، میں تو پہنچا چکا۔" اور میں کسی کو نہ پاؤں کہ وہ روزِ محشر اونٹ اپنی گردن پر اُٹھائے آرہا ہو اور اونٹ بول رہا ہو اور اونٹ چور چیخ رہا ہو: "یا محمد، یا محمد۔" میں کہوں گا: "میں حق تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔" میں تو دنیا میں (درسِ امانت) پہنچا چکا۔ ایسے ہی گھوڑے چور اور باسی سالن کے چور کے بارے میں ارشاد فرمایا: "روزِ محشر میں نہیں بچا سکوں گا، میں تو پہنچا چکا۔"

کرپشن تھوڑی ہو زیادہ باعثِ ہلاکت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''خیانت سے لیا ہوا جوتے کا ایک تسمہ یا دو تسمے بھی دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔''

اس کے برعکس امانت و دیانت کو ایمان کی علامت اور مسلمان کی پہچان قرار دیا گیا۔ جبکہ خیانت اور بدعنوانی کو نفاق و کفر کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''جس میں امانت نہیں، اس میں ایمان نہیں۔''

جبکہ دوسری حدیث میں منافق کی تین علامات بیان کی گئی ہیں:

''۱)۔ جھوٹ بولنا

۲)۔ امانت میں خیانت کرنا

۳)۔ بدعہدی کرنا''

(صحیح بخاری، جلد اول صفحہ ۲۶، حدیث نمبر ۳۳)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانت و دیانت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

فوز و فلاح کے زریں اصول

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۝ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)

"اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ عبادت کرو اس کے سوا اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک اُن میں یا دونوں تو نہ کہہ اُن کو ہُوں اور نہ جھڑک اُن کو اور کہہ اُن سے بات ادب کی اور جھکا دے اُن کے آگے کندھے عاجزی و نیازمندی سے اور کہہ اے رب اُن پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔"

سورۃ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ اپنے درست تعلقات استوار کرنے کے اصول نیز معاشی، معاشرتی اور سماجی اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں۔ مجموعی طور پر ان آیات میں چھ احکام کا بیان ہے، جن میں سے کچھ احکام کی ذیلی شاخیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ مذکورہ بالا احکام پر عمل کرنے کی صورت میں یقیناً انسان کی دنیا و آخرت سنور جاتی ہے، انسان محبوبِ خدا ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کا بھی محبوب بن جاتا ہے۔ ان احکامات کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

۱)۔ شرک سے اجتناب:

پہلا حکم خالق و مالک کے حق سے متعلق ہے جو تنہا ساری کائنات کا خالق، رازق، پالنہار، محافظ، زندگی عطا کرنے والا اور معبود برحق ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی ذات اور صفات،

افعال واعمال میں یکتا ولاشریک ہے، اس کا حق ہے کہ اسی کو معبود کہا اور جانا جائے، اسی سے لو لگانی چاہیے، اسی کو مشکلات میں پکارا جائے، اسی کو کارخانہ کائنات کا کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، متصرف فی الامور، بگڑی بنانے والا جانا جائے، اشیاء کی حلت وحرمت کا حکم بھی محض اسی کے فیصلہ پر لگایا جائے جو جملہ اشیاء کا پیدا کرنے والا ہے۔ اپنی جانب سے یا کسی کے کہنے پر نہ تو اس کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور نہ حرام کردہ اشیاء کو حلال کیا جائے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی کے تقرب کے لیے مال خرچ کیا جائے نہ ہی غیر اللہ کو کارساز سمجھ کر ان کے نام کے چڑھاوے چڑھائے جائیں، اسی ایک ذات کے سامنے عبادت وریاضت کا دم بھرا جائے، یہ اللہ رب العزت کا حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی سے ہی خالق ومالک راضی ہوں گے، بصورتِ دیگر بندہ ''کھائے کسی کا اور گائے کسی کا'' کا مصداق بن کر اللہ تعالیٰ کا باغی اور مشرک کہلاتا ہے، جس کی معافی دربارِ حق سے قطعاً نہیں۔ دنیا وآخرت میں بغاوت کی سزا ملکوں کے باغیوں کی سزا پر قیاس کرلی جائے، جبکہ یہ مجازی اور عارضی سلطنتیں ہیں۔ حق تعالیٰ کا ملک حقیقی اور دائمی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ شرک کا غیر مرتکب ہوکر اس کی بغاوت سے بچا جائے۔

۲)۔ والدین سے حُسنِ سلوک:

حق تعالیٰ کے حق کے بعد مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی بابت تاکید کی گئی۔ مخلوقات میں انسان کے سب سے قریبی اور محسن والدین ہوا کرتے ہیں۔ والدین ہی کسی بھی شخص کے وجود وحیات کا سبب وذریعہ ہیں، مادی اور اسباب کی دنیا میں والدین سے بڑھ کر کون محسن ہوسکتا ہے؟ انسان کی رحمِ مادر میں تخلیق سے جوان ہوکر برسرِ روزگار ہونے تک کون سا دن اور دن کا کون سا لحظہ ایسا ہے جس میں ایک والد اور والدہ کے انسان پر احسانات نہ ہوں۔ انہی کی محنتوں، قربانیوں، مجاہدوں، تکلیفوں کے سبب سے ہی سبزہ انسان اپنی زندگی کے بااختیار وقت تک پہنچتا ہے، اس لیے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی اور اس حکم کو شق وار پانچ حصوں میں تقسیم کرکے الگ الگ بیان کیا گیا:

۱)۔ والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی عمر کو جا پہنچیں، ان کی طبیعت میں ضعف،

امراض وعوارض کی وجہ سے ان کی قوتِ برداشت بھی کمزور پڑ جائے جس کی وجہ سے وہ جذبات وغضب سے مغلوب ہو کر اظہارِ غیظ وغضب بھی کریں تب بھی انہیں ہر طرح سے ایذاء وتکلیف سے محفوظ رکھا جائے حتیٰ کہ انہیں اُف تک بھی نہ کہا جائے۔

۲)۔ ضعف وبڑھاپے کی اس حالت میں اگر ان کے تقاضے ومطالبے نامناسب بھی ہو جائیں اور وہ طرح طرح کی باتیں کرنے لگیں تو بھی انہیں ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے بلکہ اُن کے ساتھ حسنِ سلوک برقرار رکھا جائے۔

۳)۔ ایسے موقع پر والدین سے باسلیقہ اور محبت بھری گفتگو کی جائے۔ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں: ''خطاء کار غلام، ترش رو آقا سے جس طرح بات کرتا ہے اس انداز سے ماں باپ سے بات کی جائے۔'' حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: ''اگر وہ اپنی جسمانی کمزوری کی وجہ سے بول وبراز تک خطا کر بیٹھیں تو ان کے بول وبراز کو ایسے ہی خندہ روئی کے ساتھ صاف کیا جائے، جیسے بچپن میں وہ اپنی اولاد کا بول وبراز خندہ پیشانی کے ساتھ صاف کیا کرتے تھے۔''

۴)۔ ماں باپ سے تواضع، انکساری اور رحمت وشفقت سے لبریز رویہ اپنایا جائے اور ان کے ادب کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ ایک رعایا جیسے اپنے بادشاہ کی مؤدب ومطیع ہوتی ہے، اولاد اپنے والدین کی ایسے ہی مؤدب اور مطیع ہونی چاہیے۔

۵)۔ والدین کے اس مشکل وقت میں حق تعالیٰ کی نصرت اور ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کی مغفرت کے لیے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے اور یوں کہا جائے: ''اے میرے رب! میرے والدین پر ایسے ہی رحم فرمائیے، جیسے انہوں نے میرے بچپن میں رحم وکرم سے میری پرورش فرمائی۔'' حق تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ تفصیلی حکم ارشاد فرمانے کے بعد مزید تاکید کے لیے فرمایا: ''اگر تم والدین کی اطاعت کرو گے تو حق تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ تمہیں اس کا صلہ دے گا وہ فرماں برداروں کو نوازا کرتا ہے اور اگر والدین کی نافرمانی کا ارتکاب کرو گے تو حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں، وہ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہیں، ماں باپ کی گستاخ کے جرم

پر سزا دینے والے ہیں۔“

۳)۔ رشتہ داروں، غریبوں، مسافروں سے حُسنِ سلوک ــــ اور فضول خرچی سے ممانعت:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا○ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا○ (بنی اسرائیل:۲۶۔۲۸)

”اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو (اُن کا حق) اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اڑاؤ۔ یقین جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں مال اُڑاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اگر کبھی تمہیں ان (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) سے اس لئے منہ پھیرنا پڑے کہ تمہیں اللہ کی متوقع رحمت کا انتظار ہو تو ایسے میں اُن کے ساتھ نرمی سے بات کرلیا کرو۔“

گزشتہ آیات میں حقوق اللہ اور حقوق والدین کو بیان فرمایا، اب دیگر اقرباء یعنی رشتہ داروں اور مفلوک الحال طبقات مثلاً فقراء، مساکین، نادار اور مسافر حضرات کے حق کا بیان ہے۔

رشتہ دار کو اس کا حق ادا کیجئے والدین کے بعد جو جتنا قریبی رشتہ دار ہے، اس کا حق اتنا ہی زیادہ ہے۔ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی سے مراد ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، تعلقات کو درست رکھنا ان پر بقدر حاجت مال خرچ کرنا، اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہیں تو زکوٰۃ وصدقات واجبہ ان پر خرچ کرنا بصورت دیگر غیر زکوٰۃ سے ان کی ضروریات کی تکمیل کرنا، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اور ان سے محبت ومیل جول رکھنا ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کا مخاطب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دے کر آیت کا مفہوم یہ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابت داروں کا لحاظ فرمائیں اور اہل بیت کے حقوق کی ادائیگی کا لحاظ رکھا جائے۔ عام طور پر انسان کو اپنے قرابت داروں سے ٹھیس پہنچتی ہے، اس لیے دل میں ان کے ساتھ ایک طرح کی ناراضگی رہتی

ہے، جس کی وجہ سے انسان رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی بجائے دوسروں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں بطورِ خاص رشتہ داروں کے حقوق کا ذکر کیا گیا جبکہ احادیث میں بھی صلہ رحمی کے فضائل کثرت سے مذکور ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حدیث مذکور ہے:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ.

''جو شخص پسند کرتا ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر دراز ہو، اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔''

(صحیح البخاری: جلد دوم، رقم حدیث: ۵۹۸۵)

۴)۔ مسکین/ نادار کا حق:

رشتہ داروں کے حقوق کے بیان کے بعد مسکین یعنی نادار کے حق کو بیان کیا گیا۔ مسکین کی بھی مالی اعانت کی جائے، مسکین پر زکوٰۃ بھی خرچ ہوسکتی ہے اور نفلی صدقہ بھی۔ یاد رہے کہ مسکین اُس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور جس کے پاس کچھ ہو لیکن بقدرِ ضرورت نہ ہو اُسے ''فقیر'' کہا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے تعریف اس کے برعکس بھی کی ہے۔ یہاں حق سے مراد مالی حق ہے۔

۵)۔ ابن سبیل یعنی مسافر کا حق:

ابن سبیل یعنی مسافر کی مالی اعانت کا بھی حکم ہے۔ مسافر اگرچہ اپنے وطن میں مال دار ہو لیکن بوجہ سفر اُسے ناداری لاحق ہوگئی ہو اور وہ زکوٰۃ کا مستحق بن چکا ہو تو زکوٰۃ سے اور اگر مستحقِ زکوٰۃ نہ ہو تو نفلی صدقات سے مسافر کی اعانت و مدد کی جائے تاکہ یہ شخص اپنی منزل اور ٹھکانے تک پہنچ سکے یا اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر خود کفیل ہو جائے۔ یقیناً یہ احکام معاشرہ کے مفلوک الحال افراد کے قیام اور استحکام کا ذریعہ ہیں۔ اے کاش! امتِ مسلمہ ان احکام کو اپنا لے تو اسلامی معاشرہ فلاحی معاشرہ بن جائے اور معاشرہ میں خوشحالی پیدا ہو۔

۶)۔ فضول خرچی سے اجتناب:

مذکورہ بالا پانچ احکام خرچ کرنے سے متعلق تھے، اس لیے خرچ کے سلسلہ میں اعتدال

کی راہ بتائی جا رہی ہے۔ فضول خرچی سے اجتناب کیجئے بلاشبہ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔ اس آیت میں مالی اسراف سے منع کیا گیا۔ مال حق تعالیٰ کی عطا و نعمت ہے اسے صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے، اسے ناجائز جگہوں میں خرچ کر کے شیطان کی اخوت سے اجتناب کیا جائے۔ یہی حکم سورۃ الفرقان کی آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝ (الفرقان: ۶۷)

"اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ اُن کا طریقہ اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال کا طریقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ تبذیر (فضول خرچی) ناحق مال خرچ کرنے کا نام ہے۔ اگر حق مال خرچ کیا جائے خواہ سارا ہی خرچ کر دیا جائے تو وہ تبذیر نہیں۔ آج کل معاملہ بالکل برعکس ہو کر رہ گیا ہے۔ صحیح مصرف میں مال خرچ کرنے سے ہاتھ روکا جاتا ہے نہ تو والدین کی خدمت کی جاتی ہے نہ ہی رشتہ داروں، مساکین، فقراء، مساجد و مدارس پر خرچ کیا جاتا ہے بلکہ شادی بیاہ و دیگر تقریبات وغیرہ پر لاکھوں لٹا دیے جاتے ہیں، آیت میں اس سب سے منع کیا گیا ہے۔

۷)۔ سائلین سے نرمی کا حکم:

رشتہ دار، غرباء، مساکین، مسافر وغیرہ اگر تعاون کی درخواست کریں لیکن دینے والے کو سر دست استطاعت نہ ہو مالی حالات درست نہ ہوں بلکہ اللہ کی جانب سے انتظارِ رزق ہو ایسی صورت میں دینے والے کو چاہیے کہ سائلوں سے نرم لہجے میں گفتگو کرے، بہتر انداز میں معذرت کرے نیز ان کے لیے دعائیہ کلمات ادا کرے اور بوقت مالداری ان کے ساتھ تعاون کا وعدہ کرے۔ سائلین کے ساتھ ترش روئی، سخت گفتگو یا تکلیف دہ رویہ اپنانے سے گریز کرے۔

معاشیات کے دو بہترین اصول:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۹-۳۰)

''اور نہ تو (ایسے کنجوس بنو کہ) اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ کر رکھو، اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کے نتیجے میں تمہیں قابلِ ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا فرما دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی پیدا کر دیتا ہے۔ یقین رکھو! وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے، انہیں پوری طرح دیکھ رہا ہے۔''

گذشتہ بالا آیاتِ قرآنیہ میں والدین، اقارب، غرباء، مساکین، مسافروں اور راہِ خداوندی میں خرچ کرنے کا حکم، فضولی خرچی سے اجتناب اور وسعت نہ ہونے کی صورت میں مستحقین سے نرم خوئی کا حکم دیا گیا تھا۔ زیرِ نظر آیت میں معاشیات واقتصادیات کا زریں اصول بیان کیا گیا ہے۔ خوب صورت زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ مصارف واخراجات میں اعتدال اختیار کیا جائے نہ تو بخل وکنجوسی اختیار کی جائے اور نہ ہی اسراف وفضول خرچی کی جائے بلکہ میانہ روی اختیار کی جائے۔ بخل وکنجوسی کو اپنا ہاتھ گردن کے ساتھ بندھا ہونا سے تعبیر کیا گیا۔ یہ لطیف استعارہ ہے کہ مال خرچ کرنے میں ایک شخص اس قدر بخل برت رہا ہے کہ اپنا ہاتھ جیب اور وسائل تک آنے ہی نہیں دیتا۔

اہلِ علم کے نزدیک ضروری مال اور ضروری مقام پر خرچ نہ کرنا بخل ہے۔ اس معنیٰ میں زکوۃ، صدقات واجبہ (صدقہ فطر، قربانی) ادا نہ کرنا، وسعت کے باوجود والدین، اقرباء وغیرہ پر خرچ نہ کرنا سب بخل میں شامل ہے۔ احادیث شریفہ میں بخل کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں خرچ کرنے والے اور بخل کرنے والے کو ایسے دو شخصوں کی مانند قرار دیا گیا ہے، جن کے جسم پر لوہے کی قمیص ہیں۔ ایک کی قمیص خرچ کرنے کی وجہ سے کشادہ ہے، وہ اپنی چاہت کے مطابق خرچ کرتا ہے اور دوسرے کی قمیص نہایت تنگ ہے، یہ بخیل ہے جب خرچ کرنا چاہتا ہے تو کُرتا اُس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے خرچ کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ”ایسے ایسے اور ایسے خرچ کیا کرو، ہاتھ بند مت رکھو ورنہ اللہ بھی بند کر دے گا، جمع مت رکھو ورنہ خدا تعالیٰ بھی تم سے جمع کرے گا۔“

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں:

”شمار کر کے مت رکھو کہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دے گا۔“

(صحیح البخاری: جلد اول، حدیث نمبر: ۱۴۲۳)

”سیدنا ابو ہریرہ کی روایت میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ہر صبح آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں: ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے سے اپنی عطا روک لے۔“

(صحیح بخاری و مسلم)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور خرچ کرنے والے کو حق تعالیٰ عزت سے نوازتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرے، حق تعالیٰ اُسے بلندیاں عطا فرماتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی ہے: ”خرچ کرو، میں تم پر خرچ کروں گا۔“

(صحیح مسلم)

جبکہ بیہقی کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ، تم سے پہلے بخل کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔“

(سنن ابی داؤد، جلد ۱ حدیث نمبر ۱۶۹۸)

اقتصادیات کی بدحالی کے دو پہلوؤں میں دوسرا پہلو اسراف و فضول خرچی ہے، اس سے بھی منع کیا گیا۔ نیز فضول خرچی کو یوں تعبیر کیا گیا: ”ہاتھ پورا پورا مت پھیلا دو کہ تھک ہار کے بیٹھ جاؤ“ یعنی بے دریغ مال خرچ نہ کرو ورنہ مال ختم ہو جائے گا اور ملامت زدہ تھکے ہارے بیٹھے رہو گے بلکہ میانہ روی اختیار کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”جس شخص نے میانہ روی اختیار کی، وہ فقیر نہیں ہوگا۔“

آخر میں ارشاد فرمایا:

"رزق کی وسعت و تنگی کا مالک حق تعالیٰ ہے، وہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے اور جاننے والا ہے۔ جس کے لیے وسعت موزوں ہوتی ہے، وہ اسے وسعت عطا کر دیتا ہے۔ جس کے لیے اس کی حکمت میں تنگ دستی موزوں ہو، اُسے تنگ دست بنا دیتا ہے۔"

قتلِ اولاد کی ممانعت:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۱)

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ یقین جان لو! ان کو قتل کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔"

۸)۔ زمانہ جاہلیت کی غلط فہمیاں:

زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی بچیوں کو خوف، فقر اور تنگیٔ معیشت کے خطرہ کے پیش نظر قتل کر دیا کرتے تھے، بالکل ایسے جیسے زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی بچیوں کو وراثت سے محروم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے نہی فرمائی، نیز اس جرم کے ارتکاب کے سبب کا بھی ازالہ فرمایا۔ وہ سبب یہ تھا کہ لوگ اپنی اولاد کے رزق، معیشت کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے اور یہ خیال کرتے کہ پہلے سے معاشی حالات درست نہیں، تنگی کے ساتھ وقت صرف ہو رہا ہے، اگر افرادِ خانہ میں اضافہ ہوا تو وسائل مزید تقسیم ہو کر کم پڑ جائیں گے، نوبت فقر و فاقہ تک جا پہنچے گی کیوں نہ اس نوبت کو پہنچنے سے پہلے نومولود کا خاتمہ کر دیا جائے، وقتی پریشانی مستقبل کی پریشانی سے بہتر ہے۔

حق تعالیٰ نے اس بنیادی غلطی کا ازالہ فرمایا کہ والدین اپنی اولادوں کا اپنے آپ کو روزی رساں مت خیال کریں، تمہارا اور تمہاری اولادوں کا روزی رساں، ضروریات کی کفالت کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، جس رب نے تمہیں رزق دیا ہے وہی تمہارے بچوں کو بھی رزق عطاء کرے گا۔ بعض نکتہ دان مفسرین نے ارشاد فرمایا ہے: "آیت میں "ھم" کو مقدم فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ ان بچوں کی وجہ سے ہی تم بڑوں کو رزق عطاء ہوتا ہے۔" ایک

حدیث میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ ...الخ (مشکوۃ)

''تمہیں رزق اور تمہاری نصرت تمہارے کمزوروں کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان بچوں کو قتل کر کے جرم عظیم کا ارتکاب مت کرو''۔

(مسند احمد: ۲۲۰۷۴)

اولاد کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔

صحیحین میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا گناہ سب سے خطرناک ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا حالانکہ اُسی نے پیدا کیا''۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر دینا کہ وہ آپ کے کھانے کا شریک ہوگا''۔ میں نے سوال کیا پھر کون سا گناہ سب سے خطرناک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے پڑوسی کی اہلیہ کے ساتھ بدکاری کرنا''۔

(سنن نسائی جلد دوم: حدیث نمبر: ۴۰۱۳)

سورۃ الانعام میں زمانہ جاہلیت کی رسمِ بد قتل اولاد کی یوں اصلاح کی گئی:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○

(الانعام: ۱۴۰)

''حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی علمی وجہ کے بغیر محض حماقت سے قتل کیا ہے اور اللہ نے جو رزق اُن کو دیا تھا اُسے اللہ پر بہتان باندھ کر حرام کر لیا ہے۔ وہ بری طرح گمراہ ہو گئے ہیں اور کبھی ہدایت پر آئے ہی نہیں۔''

مفسرین کے بقول اس آیت کریمہ اور اس جیسی دیگر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت و شفقت حقیقی والدین سے بھی بڑھ کر ہے، اس لیے کہ حقیقی ماں باپ اپنی بچیوں کو وراثت

سے محروم کرنے اور افلاس کے خطرہ کے پیشِ نظر اپنی اولاد کے قتل کے مرتکب ہوئے۔ آج بھی معاشرہ میں بہت سے بدنصیب لوگ اپنی اولادوں کو وراثت سے محروم کرنے کے ساتھ اولاد کے قتل کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کو انسانوں کی اپنی اولاد کے ساتھ ان کے والدین کی جانب سے یہ ناروا سلوک گوارا نہیں، اس لیے اولاد کو مالی حقوق کے ساتھ زندگی کا حق بھی اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا۔

امام رازیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''تفسیر کبیر'' میں اسی مقام پر ارشاد فرمایا کہ اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق بیان فرمائے۔ والدین کے حقوق کے بعد اب اولاد کے حقوق کو اس لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر والدین کی جانب سے اولاد کے ساتھ حسن سلوک ہوگا تو یقیناً اولاد کی جانب سے بھی والدین کی اطاعت، فرمانبرداری، احترام اور تعمیل ارشاد کا معاملہ ہوگا اور معاشرہ میں امن وسکون قائم رہے گا۔ اگر والدین اور اولاد کا ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ نہ ہو تو اس سے عالم جہاں کی خرابی پیدا ہوگی۔ والدین اولاد کو عموماً دو وجوہ یعنی خوفِ فقر یا غیرت کی بناء پر قتل کرتے ہیں۔ خوفِ فقر کی وجہ سے قتل اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی اور غیرت کی وجہ سے قتل کرنا زمین میں فساد اور عدم شفقت کا موجب ہے اور یہ دونوں مذموم چیزیں ہیں۔

۹)۔ زناء اور دواعی زناء کے نقصانات:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل: ۳۲)

''اور زنا کے پاس نہ پھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔''

آیتِ مذکورہ میں زناء، اسبابِ زناء اور دواعی زناء کی ممانعت وحرمت کا بیان ہے۔ زناء سے روکنے کے لئے حق تعالیٰ نے نہایت ہی بلیغانہ اسلوب اختیار فرمایا کہ زناء کے قریب تک نہ جاؤ، بلاشبہ زناء جرمِ عظیم اور بُری راہ ہے۔ امام طبریؒ کے بقول اس نہی کا تعلق بھی شرک کی نہی سے ہے گویا معنیٰ یہ ہوا کہ تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ زناء کے قریب مت جاؤ، بلاشبہ زناء بڑا گناہ اور بُرا راستہ ہے، یعنی حق تعالیٰ کی نافرمانی اور دوزخ میں لے جانے والا راستہ ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں امام احمدؒ کے حوالہ سے ایک حدیث ذکر کی ہے: ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور زناء کی اجازت چاہی، لوگوں نے اس کی

ڈانٹ ڈپٹ کی اور اُسے خاموش رہنے کی تلقین کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کو میرے قریب لاؤ، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگیا، آپ نے اسے بیٹھ جانے کا حکم دیا پھر گویا ہوئے:

"کیا تم زناء اپنی ماں کے لئے پسند کروگے؟

سائل: "نہیں، قسم بخدا! میں آپ پر قربان جاؤں، لوگ اسے کبھی پسند نہیں کرتے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "کیا تم اپنی بیٹی کے لئے زناء پسند کروگے۔"

سائل: "نہیں، قسم بخدا! میں آپ پر قربان، ایسا تو کوئی بھی اپنی بیٹی کے لئے پسند نہیں کرتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "کیا تم اپنی بہن کے لئے زناء کو پسند کروگے؟"

سائل: "نہیں، کبھی نہیں! ایسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا، میرے آقا اللہ مجھے آپ پر فدا کردے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "کیا تم اپنی پھوپھی کے ساتھ یہ معاملہ پسند کروگے؟

سائل: "کبھی نہیں، یارسول اللہ! اسے بھی لوگ پسند نہیں کرتے۔"

ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے متعلق سوال کیا اور اس شخص نے اپنا جواب دہرایا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس اُس شخص پر رکھا اور یہ دُعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَهٗ.

"اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کے کردار کی حفاظت فرما۔"

(مسند احمد بن حنبل۔ حدیث نمبر: ۲۲۵۶۴)

اس کا اثر ہوا کہ یہ نوجوان پھر کبھی اس برائی کی جانب متوجہ نہ ہوا۔

امام رازیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر "تفسیر کبیر" میں زناء کے چند دنیوی نقصانات تحریر کیے ہیں، جو پیشِ خدمت ہیں:

۱)۔ اختلاطِ انساب:

زناء کی وجہ سے انسانی نسب میں اختلاط اور شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ کس کا ہے؟ اس خاتون کے شوہر سے ہے یا غیر سے، اسی طرح نہ تو اس بچہ کی تربیت کی جاتی ہے اور نہ ہی مشکوک بچے کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح بچوں کے ضیاع اور نسلِ انسانی کے انقطاع اور عالم کی خرابی کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۲)۔ قتل وغارت گری:

زناء کی وجہ سے معاشرہ میں قتل وغارت گری پیدا ہوتی ہے۔ جب کوئی کسی کی عزت ریزی کرتا ہے تو غیرت مند شوہر یا محرم ایسے مرد وزن کو غیرت کی وجہ سے اس کے مٹانے کی تدبیریں کرتے ہیں، جیسا کہ معاشرہ میں غیرت کے نام پر قتل کے آئے روز واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

۳)۔ خانہ بربادی اور تنفر:

بدکارہ خاتون سے ذوقِ سلیم رکھنے والے لوگ نفرت کرتے ہیں، بدکاری کے سبب باہمی الفت، محبت ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور بدنام خواتین کو نہ کوئی گھر میں بساتا ہے اور نہ ہی اُس کا کوئی رشتہ قبول کرتا ہے۔ نتیجتاً ایسے لوگ باعثِ نفرت بن کر رہ جاتے ہیں۔

۴)۔ بہیمیت وحیوانیت:

اگر زناء عام ہوجائے، ہر مرد ہر عورت کے ساتھ اور ہر عورت ہر مرد کے ساتھ خواہشات کی تکمیل کرتے پھریں، تو انسانوں اور جانوروں میں فرق ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ جانور بھی کسی قاعدے، قانون، ضابطے کے پابند نہیں حتیٰ کہ جانوروں میں ماں، بہن کی کوئی تمیز نہیں ہوتی، یہی حال اُن معاشروں کا ہوتا ہے جہاں زناء عام ہوجائے۔

۵)۔ مقصدِ تخلیق سے انحراف:

خواتین کی خلقت صرف خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں ہوئی بلکہ حق تعالیٰ نے خواتین کو دنیوی طور پر اس غرض کے لئے پیدا فرمایا کہ وہ مرد کے ساتھ مل کر اپنا گھر ترتیب دے،

امورِ خانہ اپنے گھر کے مردوں کے ساتھ مل کر سرانجام دے، گھر کی مالکہ ومحافظہ بنے، بچوں کے معاملات دیکھے۔ یہ سب کچھ تبھی ممکن ہے جب اس کا تعلق صرف شوہر کے ساتھ ہو اور یہ مقصود زناء پر پابندی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

امام رازیؒ کے ارشاد کے مطابق "اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا"۔ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ زناء فسادِ انساب، فسادِ عالم اور قتل وغارت گری کی وجہ سے فاحشہ ہے۔ اسی طرح باعثِ نفرت ہونے کی وجہ سے "مَقْتًا"، انسانوں اور جانوروں میں عدمِ امتیاز کی وجہ سے سَآءَ سَبِيْلًا یعنی بری راہ ہے۔

ایک روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"زانی جب زناء کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ ایمان کی حالت میں نہیں ہوتا، مال چھیننے والا جب مال چھینتا ہے تو وہ حالت ایمان میں نہیں ہوتا بلکہ ایمان اس سے نکل کر الگ ہو جاتا ہے۔ جب وہ مذکورہ گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر ایمان واپس لوٹتا ہے۔"

(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۹۳۶)

۱۰)۔ قتلِ ناحق کی حرمت:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۳)

"اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اُسے قتل نہ کرو، الا یہ کہ تمہیں (شرعاً) اُس کا حق پہنچتا ہو۔ اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہو جائے تو ہم نے اُس کے ولی کو (قصاص) کا اختیار دیا ہے۔ چنانچہ اس پر لازم ہے کہ وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ یقیناً وہ اس لائق ہے کہ اُس کی مدد کی جائے۔"

مذکورہ آیت مکی ہے اور قتل کے سلسلہ میں نازل ہونے والی پہلی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ

کے اس حکم میں کسی بھی انسانی جان کو ناحق قتل کرنے سے روکا گیا۔ انسانی جان حق تعالیٰ کے نزدیک دنیا بھر سے زیادہ قیمتی اور اہم ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

لَزَوَالُ الدُّنْيَا عِنْدَ اللهِ أَهْوَنُ مِنْ قَتْلِ مُسْلِمٍ...

"دنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے غیر اہم ہے۔"

(سنن نسائی جلد دوم: حدیث نمبر: ۳۹۸۷)

سورۃ المائدہ میں ارشادِ ربانی ہے:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ... (المائدۃ:۳۲)

"اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اُس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اُس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔"

آیتِ بالا میں ایک شخص کے قتل کو پوری نسلِ انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا۔ زنا کی حرمت کے بعد قتل کی حرمت میں اشارہ ہے کہ زنا ناجائز وجود کا سبب ہے، اسی لئے زنا حرام ہے اور قتل ناجائز طریقے سے وجود سے عدم میں جانے کا ذریعہ ہے، اس لئے یہ بھی منع ہے۔ قتل کی حرمت کی عقلی وجوہ بھی واضح ہیں، مثلاً:

۱)۔ قتل باعثِ ضرر ہے اور ضرر کو شریعت نے حرام قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ.. (الحج:۷۸)

"اس نے تمہیں (اپنے دین کے لئے) منتخب کر لیا ہے، اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔"

۲)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کلام میں انسان کو حق تعالیٰ کی تعمیر کردہ عمارت قرار دیا گیا ہے اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

مَلْعُوْنٌ مَنْ هَدَمَ بُنْيَانَ اللهِ.

''جو شخص حق تعالیٰ کی عمارت کو گرائے (کسی نفس کو ناحق قتل کرے) وہ شخص لعنتی ہے۔''

(لسان العرب لابن منظور الافریقی: ۱۴/ ۹۵۔ ط: دار صادر، بیروت)

۳)۔ انسان کی خلقت عبادت کے لئے ہے اور قتل کی وجہ سے سلسلۂ عبادت منقطع ہو جاتا ہے۔

۴)۔ قتل ذریعۂ فساد ہے، اس لئے بھی قتل کو حرام قرار دیا گیا۔

قتل کے مسئلہ میں عمومی و اکثری حکم حرمت کا ہے، اس لئے اول حرمتِ قتل کو بیان فرمایا اور اس کے بعد جن لوگوں کا قتل ایک مخصوص طریقے سے جائز ہے، اُن کا استثناء فرمادیا ''اِلَّا بِالْحَقِّ''، اور قتلِ حق سے مراد تین طرح کے لوگوں کا قتل ہے۔ جو شرعاً ثابت ہے۔

* ۔ قاتل کا قصاصاً قتل
* ۔ شادی شدہ شخص کا زنا کرنا اور اس کا بطورِ سزا قتل
* ۔ کوئی شخص ترکِ اسلام کرکے اِرتداد اختیار کرے اور باوجود سمجھانے اور تشفی و تسلی کروانے کے مسلمان نہ ہو۔

مذکورہ بالا تینوں لوگوں کو صرف حکومت یا اس کی قائم کردہ اتھارٹی قتل کرواسکتی ہے، جس شخص کو ناحق قتل کروایا گیا، اُس کے ورثاء کے لئے حق تعالیٰ کی جانب سے دیت یا قصاص کا حق ہے، اس لئے مقتول کے ورثاء اپنا حق استعمال کریں، وہ قتل میں اسراف اور زیادتی نہ کریں، حق تعالیٰ کی جانب سے ان مظلوموں کی نصرت ہوگی۔

قتل میں زیادتی سے نہی کا معنی یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء یہ چاہیں کہ قاتل کی جگہ کسی دوسری شخصیت کو یا ایک کے بدلہ ایک سے زیادہ کو یا ناحق کسی کو مقدمۂ قتل میں پھنسادیں یا قاتل کا مثلہ چاہیں تو اس کی قطعاً اجازت نہیں، انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

۱۱)۔ مالِ یتیم کی حفاظت اور ایفاءِ عہد:

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ
وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ○ (بنی اسرائیل:۳۴)

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ بھٹکو مگر ایسے طریقے سے جو (اس کے حق میں) بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو، یقین جانو! کہ عہد کے بارے میں (تمہاری) باز پرس ہونے والی ہے۔"

گزشتہ آیت میں جان کی ہلاکت سے منع کیا گیا، اس آیت میں تلفِ مال کی ممانعت ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا حکم مالِ یتیم سے متعلق ہے۔ یتیم دنیوی لحاظ سے بے سہارا اور شفقتِ والد سے محروم ہے۔ یہ بچہ اپنے حقوق کی حفاظت ودفاع کی قدرت نہیں رکھتا، اس لئے بطورِ خاص اہلِ اسلام کو یتیم کے حقوق مرحمت فرمائے گئے۔ اس سلسلہ میں حکم دیا گیا کہ یتیم کا مال ہڑپ نہ کر جاؤ لیکن بطورِ تاکید کے اسے یوں تعبیر کیا گیا کہ یتیم کے مال کے قریب تک نہ جاؤ۔ ہاں یتیم کے مال کی بہتری، حفاظت ودیکھ بال اس کے سمجھداری کی عمر تک کرو، جب یتیم جوان وسمجھدار ہو جائے تو اس کی امانت اُس کے حوالہ کردو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ یتیم سے متعلق سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا:

"اے ابوذر! میں آپ کو کمزور تصور کرتا ہوں اور مَیں آپ کے لئے وہ پسند کرتا ہوں، جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ (اس لئے دو کاموں کی نصیحت کرتا ہوں)

۱)۔ دو لوگوں پر بھی امیر نہ بننا
۲)۔ یتیم کے مال کا متولی ونگران نہ بننا۔

(تفسیر ابنِ کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ سورۃ بنی اسرائیل)

*۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر یتیم سے متعلق آیات ارشاد فرمائی ہیں۔ سورۃ الانعام میں بھی اس سے ملتا جلتا حکم ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ...الخ (الانعام: ۱۵۲)

"اور یتیم جب تک پختگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے اُس وقت تک اُس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اس کے حق میں) بہترین ہو اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو۔"

*۔ سورۃ الضحیٰ میں ارشاد فرمایا:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ (الضحیٰ:۹)

"اب جو یتیم ہے تم اس پر سختی مت کرنا۔"

*۔ سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا:

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ (النساء:۶)

"اور یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائے، اگر تم یہ محسوس کرو کہ اُن میں سمجھداری آچکی ہے تو اُن کے مال اُنھی کے حوالہ کردو اور یہ مال فضول خرچی کر کے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مالدار ہو تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے۔ ہاں! اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریقِ کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے، پھر جب تم اُن کے مال انہیں دو، تو ان پر گواہ بنالو، اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔"

یتیم سے متعلق احکام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کے مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ ۱۱ مقامات پر یتامیٰ کا ذکر ہے۔

آیت میں دوسرا حکم ایفائے عہد سے متعلق ہے۔ روزِ محشر عہد سے متعلق سوال کیا

جائے گا، لہٰذا لوگوں سے کئے گئے عہد نبھاؤ۔ ایفائے عہد کے حکم میں حق تعالیٰ سے کئے گئے عہد، مختلف افراد، اداروں، محکموں، حکومتوں اور اہل خانہ سے کئے گئے عہد بھی شامل ہیں، روزِ محشر ان سب کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کی ایک صفت ایفائے عہد کے ساتھ بھی بیان کی گئی:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۔۔ الخ (البقرۃ:۱۷۷)

"اور جب کوئی عہد کرلیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں۔"

اور ایفائے عہد کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا، سورۃ الفتح میں ارشاد باری ہے:

وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا○

(الفتح:۱۰)

"اور جو کوئی اُس عہد کو پورا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ اُس کو زبردست ثواب عطا کرے گا۔"

سیدنا اسماعیلؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ز اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا○ (مریم:۵۴)

"اور اس کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو، بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول و نبی تھے۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد شکنی کو منافق کی علامت قرار دیا۔ قرآن کریم میں عہد توڑنے والے کو موجب لعنت بھی قرار دیا گیا، چنانچہ فرمایا:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ○ (المائدۃ:۱۳)

"پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کیا اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں۔"

۱۲)۔ وزن اور ذمہ داریوں میں فرائض کی ادائیگی:

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ○ (بنی اسرائیل: ۳۵)

''اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو اور تولنے کے لئے صحیح ترازو استعمال کرو۔ یہی طریقہ درست ہے اور اسی کا انجام بہتر ہے۔''

ناپ تول پورا کرو:

اس سلسلہ میں عدل وانصاف سے کام لو، یہ بہت بہتر اور دینوی واخروی انجام کے لحاظ سے نہایت ہی مستحسن ہے۔ آیتِ مذکورہ میں اگرچہ کیل اور وزن کا ذکر ہے، تاہم اس سے مراد ہر ذمہ داری کا نبھانا اور مسئولیت کا صحیح سرانجام دینا ہے۔ اگر کوئی چیز تول کر دینی ہے تو پیمانہ درست ہو، باٹ درست ہوں، وزن درست ہو۔ اگر کوئی چیز ناپ کر دینی ہے تو پیمانہ ٹھیک ہو، پیمانہ کے ساتھ ناپ یا بھرتی وغیرہ بھی پوری ہو۔ اگر کوئی فریضہ، ملازمت، نوکری یا دیگر کوئی ذمہ داری ہے تو اوقات پورے دیے جائیں، اپنے فرائض منصبی کو صحیح معنوں میں نبھایا جائے۔ اگر کوئی شخص مذکورہ اشیاء میں کمی کرتا ہے یا اپنے فرائضِ منصبی کو صحیح معنوں میں سرانجام نہیں دیتا تو شریعت کی اصطلاح میں اُسے 'مطفف'' کہتے ہیں۔

*۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم کا ارشادِ گرامی ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ○ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ○ (المطففین: ۱۔۳)

''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں۔ اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔''

*۔ قرآن کریم نے اس حکم کو دوسرے انداز میں یوں بھی بیان فرمایا:

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ○ (الرحمٰن: ۹)

''اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو۔''

٭۔ ناپ تول میں کمی، بددیانتی اور خیانت کو اللہ تعالیٰ نے فساد فی الارض یا دہشت گردی کے برابر ذکر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (ھود:۸۵)

''اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔''

قرآنی معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ امم سابقہ میں سے سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اس وجہ سے ہلاک ہوئی کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے اور نبی وقت کے سمجھانے کے باوجود وہ باز نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی وجہ سے انہیں ہلاک کر ڈالا۔ اس بناء پر سیدنا عبداللہ بن عباس نے ارشاد فرمایا: ''اے ذمہ داران! تم دو ایسے حکموں کے مکلف بنائے گئے ہو، جن کی وجہ سے گذشتہ لوگ ہلاک ہوئے: (۱) ناپ (۲) تول۔'' ارشاد فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''جو شخص حرام فعل کے ارتکاب کی طاقت رکھتا ہو، پھر خوفِ خدا کی وجہ سے ارتکاب حرام سے باز رہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہی اس فعل سے صلہ و بدلہ عطا فرمائیں گے۔''

(تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۵۵۰ سورۃ ہود)

اللہ تعالیٰ نے ناپ تول پورا کرنے کو بہترین عمل اور انجام کے لحاظ سے خوب صورت قرار دیا۔ آخرت کے لحاظ سے یہ عمل حسین ہونا تو واضح ہے کہ اس پر اجر عظیم نصیب ہوگا۔ دنیا کے لحاظ سے بھی یہ عمل نہایت خوب صورت ہے، ایسے امانت دار شخص کی جانب لوگوں کا میلان اور رجوع زیادہ ہوتا ہے۔ خلقِ خدا ایسے شخص پر اعتماد کرتی ہے نیز ایسے شخص کی محبت اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں پیوست ہو جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں ایسے شخص کے کاروبار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

حفاظتِ جان وایمان کا عمل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۝ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۝ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ (الفلق)

کہو: "میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے، اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ پھیل جائے، اور اُن جانوں کے شر سے جو (گنڈے کی) گرہوں میں پھونک مارتی ہیں، اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِکِ النَّاسِ ۝ اِلٰہِ النَّاسِ ۝ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ۝ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ۝ (الناس)

"فرمادیجئے میں پناہ لیتا ہوں تمام لوگوں کے رب کی، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی، اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے، جو کہ وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں، وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو۔

ربط:

سورۃ الکوثر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انعاماتِ خداوندی اور آپ کے دشمن کی ناکامی کا بیان ہے، سورۃ الکافرون میں دشمنانِ خدا اور رسول اللہ سے اظہارِ برأت،

سورۃ النصر میں نصرتِ خداوندی فتح مکہ کی بشارت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قربِ وفات کی جانب اشارہ ہے۔ سورۃ اللھب میں دشمنِ رسول کی تباہی کا ایک نمونہ مذکور ہے، سورۃ الاخلاص میں مقصد رسالت یعنی توحید باری تعالیٰ کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا۔ اعلانِ توحید پر دشمنانِ توحید کی جانب سے لاحق خطرات کے پیشِ نظر سورۃ الفلق میں جان اور سورۃ الناس میں ایمان کی حفاظت کا عمل ذکر کیا گیا۔

صحیح بخاری کتاب الطب میں مذکور ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرایا گیا تھا۔ اس جادو کا اثر اگرچہ دینی امور میں نہیں ہوا تاہم دنیوی امور میں یوں ظاہر ہوتا کہ آپ کوئی دنیاوی کام فرماتے تو بھول جاتے کہ یہ کام کیا ہے یا نہیں، مثلاً ازواجِ مطہرات کا حقِ زوجیت ادا فرماتے تو خیال نہ رہتا کہ حق ادا ہوا یا نہیں۔ یہ جادو کی اقسام میں سے بدترین جادو تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: ”عائشہ تم جانتی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میرے استفسار کرنے پر مجھے سب کچھ بتادیا، میرے پاس دو شخص آئے (خواب میں) ایک سرہانے اور دوسرا پائنتی کی جانب بیٹھ گیا۔ سر کی جانب بیٹھے شخص نے پاؤں کی جانب بیٹھے شخص سے سوال کیا: ”صاحب کو کیا ہے؟“ اُس نے کہا: ”کہ مبتلاءِ جادو ہیں۔“ اُس شخص نے سوال کیا: ”کس نے جادو کیا۔“ دوسرے نے کہا: ”لبید بن اعصم نامی شخص قبیلہ بنی زریق کے فرد یہود کے حلیف نے جادو کیا یہ شخص منافق تھا۔“ اُس شخص نے دوسرے سے پھر سوال کیا: ”کس چیز پر جادو کیا۔“ دوسرے نے جواب دیا: ”کنگھے میں جسم کے گرے ہوئے بالوں پر جادو کیا ہے۔“ اُس نے پوچھا: ”کس چیز پر عمل ہوا۔“ دوسرے نے جواب دیا: ”نر کھجور کے خوشے پر ازروان کے کنویں میں چٹان کے نیچے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنویں پر تشریف لائے، اُس کنویں سے مذکورہ اشیاء کو نکالا اور فرمایا: ”یہ وہی کنواں ہے، جو مجھے خواب میں دکھایا گیا گویا کہ کنویں کا پانی مہندی کے پتوں کا جوس ہے۔“

(ابن کثیر)

اس موقع پر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا نزول ہوا کنگھے میں بالوں پر 11 گرہیں تھیں ان دو سورتوں کی گیارہ آیتوں کا نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک آیت کی تلاوت

فرماتے اور ایک ایک گرہ کھولتے جاتے یوں ساری گرہیں کھل گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے شفایاب فرمایا ہے۔'' جن بالوں پر جادو کیا گیا تھا یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال تھے جو یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک یہودی غلام کے ذریعے حاصل کیے تھے۔

ان آیات کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رات کو سوتے ہوئے آخری تینوں سورتوں کی تلاوت فرما کر اپنے ہاتھوں پر دم فرماتے اور ہاتھ پورے جسم پر پھیر لیتے تھے۔ اسی طرح نمازوں کے بعد بھی مذکورہ سورتوں کو پڑھنے کا معمول بھی تھا۔ مرض الوفات میں بوجہ ضعف ونقاہت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معمول کو خود جاری نہ رکھ سکے تو سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مذکورہ بالا سورتیں تلاوت فرما کر اپنے ہاتھ پر دم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر پر پھیر دیتیں۔

مذکورہ بالا سورتیں دفعِ آسیب اور تکالیف ومصائب سے نجات میں مجرب ہیں۔ اگر یہ سورتیں سوتے ہوئے اور نماز کے بعد پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا جائے تو ان شاء اللہ جادو، ٹونہ، آسیب وجنات سے حفاظت رہے گی۔

لفظ جاہلیت کا قرآنی استعمال

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ○ (آل عمران: ۱۵۴)

''پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانیت نازل کی، ایک اونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی اور ایک گروہ وہ تھا، جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسا گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ: ''کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے'' کہہ دو کہ اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔''

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ○ (المائدہ: ۵۰)

''بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں، ان کیلئے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔''

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○

(الاحزاب۔ ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو اور بناؤ سنگھار دیکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور

اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو، اے نبی کے اہل بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے، جو ہر طرح مکمل ہو۔"

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

(الفتح۔۲۶)

"جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں اس حمیت کو جگہ دی، جو جاہلیت کی حمیت تھی، تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں پر سکینت نازل فرمائی۔"

جاہلیت ایک معیوب اور ناپسندیدہ وصف ہے۔ رحمت دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے جاہلیت کا خاتمہ اور ازالہ ہوا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآنی کریم کے زمانہ سے قبل کے زمانہ کو "زمانہ جاہلیت" کہتے ہیں۔ یہ جاہلیت انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ تھی۔ زمانہ جاہلت میں انسانیت مردہ اور حیوانیت بلکہ سبعیت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ جاہلیت ہی کا نتیجہ تھا کہ کفر و شرک، بداعتقادی، فساد، قتل و غارت گری، معاشی استحصال، توہینِ انسانیت، توہینِ نسوانیت، شراب نوشی، قمار بازی، بدکرداری، قومی، نسلی، لسانی تعصبات، جنگ وجدال عام تھا۔ والدین کے قلوب اولاد کی محبت سے عاری تھے۔ جس کی وجہ سے قتلِ اولاد کا رواج تھا۔ جبکہ اولاد والدین کے احترام سے کوسوں دور تھی۔ بدگمانی، ناانصافی، دوسروں کی تذلیل و توہین، عریانیت و فحاشی کا دور دورہ تھا۔ الغرض انسانیت سوز، حیاسوز، غیر منصفانہ اور غیر شریفانہ اعمال جاہلیت کا لازمہ تھے۔ قرآن کریم نے لفظ جاہلیت کا چار مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ ہر مرتبہ لفظِ جاہلیت کا استعمال الگ معنیٰ ہیں۔

۱)۔ مذکورہ بالا آیت میں لفظ جاہلیت...... غیر عادلانہ نظام اور ناانصافی

۲)۔ ثانی الذکر آیت میں لفظ جاہلیت...... قلوب اور باطن کے فساد

۳)۔ ثالث الذکر آیت میں لفظ جاہلیت...... خواتین کے لباس کے فساد

۴)۔ رابع الذکر آیت میں لفظ جاہلیت...... قومی، لسانی، علاقائی تعصبات

جبکہ ثانی الذکر آیت میں اشارہ ہے کہ گزشتہ جاہلیت جو جاہلیتِ اُولیٰ تھی، پھر عود کرے گی۔ اُولیٰ کا مقابل آخرہ سے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ پھر ایک زمانہ جاہلیت دوبارہ بھی نمودار ہوگا۔ جس میں مذکورہ بالا چاروں آثار جاہلیت ظاہر ہوں گے۔ ہم اگر موجودہ حالات کا جائزہ لیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت پھر سے شروع ہوگیا ہے۔ لوگ ایک بار پھر اعمال جاہلیت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

۱)۔ غیر شرعی اور غیر منصفانہ نظام:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ...

''کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟''

جاہلیت کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت اس سے سابق آیت یعنی سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۱۹ میں کردی گی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق فیصلے کیے جائیں، خواہشات کی اتباع نہ کی جائے۔ نیز اس بات سے احتیاط برتی جائے کہ غیر مسلم قومیں تمہیں قرآنی احکام سے دور نہ کردیں۔ سو اگر کچھ لوگ احکامِ خداوندی سے روگردانی اختیار کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے سبب سے انہیں عذاب میں مبتلا کریں گے۔ بلاشبہ لوگوں کی اکثریت تو حق تعالیٰ کے نافرمانوں کی ہے۔

آیت کا سیاق بتا رہا ہے کہ احکام خداوندی سے روگردانی کر کے فیصلے کرنا حکمِ جاہلیت اور عملِ جاہلیت ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ جاہلیت کے پلٹ کر آنے سے پیدا ہونے والے فساد کے خاتمہ کے لیے انفرادی، اجتماعی، قومی، ملی طور پر احکامِ خداوندی کی تنفیذ کی جائے۔ اس کی ابتداء اپنی ذات، اپنے گھرانے، اپنے دفتر سے ہی کی جائے۔ اس بات کا انتظار نہ کیا جائے کہ ملکی نظام، نظامِ عدل میں بدلے گا، تو ہم بھی بدل جائیں گے۔ بلکہ انفرادی سطح پر ہم جاہلیت کے فساد سے احتراز کرتے ہوئے قرآنی احکام کو اختیار کریں، تو ان شاء اللہ اجتماعی اور

قومی سطح پر ہمیں یہ دولت نصیب ہوگی۔

۲)۔ فسادِ قلوب:

ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ○ (آل عمران:۱۵۴)

"پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانینت نازل کی، ایک اونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی اور ایک گروہ وہ تھا، جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسا گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ: "کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے" کہہ دو کہ اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔"

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ○ (المائدہ:۵۰)

"بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں، ان کیلئے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔"

يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ..... (آل عمران۔ ۱۵۴)

"وہ اللہ کے ساتھ ناحق یعنی جاہلیت والے گمان کرتے تھے۔"

ظنِ جاہلیت اللہ کے ساتھ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دلوں کے فساد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی کا معاملہ اختیار کرتے ہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے ساتھ بھی ان کا معاملہ بدگمانی اور نفاق کا ہوتا ہے۔ ظنِ جاہلیت کا مفہوم ذہن نشین کرنے کے لیے پوری آیت کا مفہوم پیشِ خدمت ہے۔ مذکورہ بالا آیت کا نزول غزوہ اُحد کے سلسلہ میں ہوا۔ غزوۂ اُحد میں ایک طرف تو منافقین نے بے وفائی کی اور یہ عذر کر کے وہ جنگ سے الگ ہو گئے کہ جنگ کے طریق کار کے سلسلے میں ہماری رائے پر عمل نہیں کیا گیا۔ دوسری

طرف اہلِ اسلام کی چند لغزشوں کی وجہ سے فتح شکست میں بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سانحات کا نہ صرف قرآن کریم میں ذکر کیا۔ بلکہ شکستِ غزوہ احد کے تفصیلی اسباب و وجوہات کو بھی بیان فرمایا۔

اس پس منظر میں ارشاد فرمایا کہ دوران جنگ شکست وریخت، جانی نقصان کے غم و افسوس کے بعد حق تعالیٰ نے اونگھ کی صورت میں اطمینان وسکون نازل فرمایا۔ اس کی صورت یوں تھی کہ سبھی مسلمان اونگھنے لگے۔ پس اس معمولی اونگھ سے سبھی کی پریشانی وتھکن دور ہوگئی۔ جملہ لشکرِ اسلام مطمئن وتازہ دم ہوگیا۔ جبکہ ایک جماعت منافقین کی تھی، جس کو اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے ناحق گمان کر رہے تھے، جو سراسر جہالت پر مبنی تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے لیے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوا یعنی ہماری تو بات سنی تک نہ گئی اور نہ ہی مانی گئی۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں جاہلیت کا لفظ دلوں کی خرابی یعنی فسادِ قلوب پر بولا گیا ہے فسادِ قلوب ذریعہ بنتا ہے۔ پورے جسم کے فساد کا گویا جاہلیت سے فساد لازم آتا ہے۔

۳)۔ بے پردگی:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ...

سورۃ احزاب کی اس آیت میں بھی لفظ جاہلیت کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ''جاہلیت'' بے پردگی، عریانی، نیم برہنہ لباس وغیرہ کو قرار دیا گیا ہے۔ یہاں جاہلیت کے ساتھ لفظ ''اُولیٰ'' لگا کر اشارہ کیا گیا کہ ماضی میں ایسا ہوتا رہا کہ خواتین لباس وحجاب کی قید سے آزاد ہوتیں اور یہ عمل جاہلیت کا نتیجہ تھا، اب دور جاہلیت کا خاتمہ ہوگیا۔ لہٰذا اب یہ اعمالِ بد اور افعالِ جاہلیت ترک کر دیے جائیں۔ خواتین لباس وحجاب کی پابندی فرمائیں۔ نیز لفظ ''اُولیٰ'' نے یہ بھی بتایا کہ جاہلیت کا دورِ آخر میں آئے گا، جس میں ایک بار دوبارہ لباس وحجاب کی پابندیاں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ خواتین بے پردہ اور بے لباس یا نیم عریاں لباس زیب تن کریں گی۔ جو حقیقی جہالت ہوگی اور ایسا دور خواہ شرح خواندگی کے لحاظ سے ترقی یافتہ ہو، حقیقت میں جاہلیت کا دور ہوگا۔

۴)۔ ہمہ قسم تعصب:

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ط وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○

(الفتح۔۲۶)

"جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں اس حمیت کو جگہ دی، جو جاہلیت کی حمیت تھی، تو اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں پر سکینت نازل فرمائی"۔

يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ.... (آل عمرآن: ۵۴)

"وہ اللہ کے ساتھ ناحق یعنی جاہلیت والے گمان کرتے تھے۔"

آیت مبارکہ میں ارشاد خداوندی ہے: "کافروں نے اپنے دلوں میں اس حمیت کو جگہ دی، جو جاہلیت کی حمیت تھی یعنی عصبیت کو جگہ دی۔" عصبیت اور تعصب، دینی، ملکی اور قومی وحدت کو پاش پاش کر کے لوگوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے باہم دست و گریباں کر دیتی ہے۔ معاشرے میں عصبیتوں کی وجہ سے کشت و خون ہونے لگتا ہے۔

چنانچہ وطن عزیز پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک کی حالت زار پر اگر نظر ڈالی جائے، تو علاقائی، لسانی، قومی اور فرقہ وارانہ نفرتوں نے دنیا میں آگ لگا دی ہے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدبودار قرار دے کر مسترد فرمایا تھا۔

ایک موقع پر انصار و مہاجرین میں باہم چپقلش پیدا ہونے لگی۔ ایک طرف سے یا للمہاجر اور دوسری طرف سے یا للانصار کی صدائیں بلند ہوئی۔ یہ آواز جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب ناک ہو کر ارشاد فرمایا:

"دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ.

"اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔"

(صحیح بخاری۔ ص:۴۹۰۵)

رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کوایک لڑی میں پروکر ارشاد فرمایا:

"تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔"

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"کسی عربی کو عجمی پر، کسی گورے کو کالے پر سوائے تقویٰ کے کوئی فضیلت وبرتری حاصل نہیں۔"

(مسند احمد: حدیث نمبر ۲۲۳۹۵)

قرآن کریم نے بھی جملہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا۔ نیز کسی بھی انسان کو دوسرے کا تمسخر اڑانے، بُرے نام رکھنے اور بُرائی کے ساتھ یاد کرنے سے منع فرمایا ہے۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم نے یہی درد لیے فرمایا تھا۔

کہیں فرقہ بندی ہے کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

قصہ مختصر یہ ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ہمہ قسم عصبیت بھی جاہلیت کے زمرے میں آتی ہے۔ خواہ وہ عصبیت برادری کے نام پہ ہو، علاقہ کے نام پر، زبان کے نام پہ یا فرقہ بندی کے نام پر...... سبھی قابل نفرت ہیں۔ جن سے چھٹکارا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس جاہلیت سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

فسادیوں کا انجام!

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ج وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ج وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ (البقرۃ:۲۰۴۔۲۰۶)

”اور لوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے کہ دُنیوی زندگی کے بارے میں اُس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ اور جب اُٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اُس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کرا تو نخوت اُس کو گناہ پر اور آمادہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تو جہنم ہی راس آئے گی، اور یقین کرو! وہ بہت بُرا بچھونا ہے۔“

مذکورہ بالا آیات اور اس کے سیاق وسباق میں چار قسم کے لوگوں اور اُن کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے:

۱)۔ کچھ لوگ حق تعالیٰ سے صرف دنیا طلب کرتے ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر آخرت نہیں، بلکہ دنیا اور دنیا کا مفاد ہوتا ہے۔ اُن کے متعلق ارشادِ ربانی ہے: ”انہیں آخرت میں کچھ بھی نہیں ملے گا، اُن کے پیشِ نظر دنیا ہے انہیں مشیتِ ایزدی کے مطابق دنیا کا کچھ حصہ مل جائے گا اور بس۔“

۲)۔ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت کا سوال اور دونوں جہانوں میں بھلائی نیز عذابِ آخرت سے حفاظت طلب کرتے ہوئے یوں دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ (البقرۃ:۲۰۱)

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

......اللہ تعالیٰ اُنھیں اِن کی محنت کا صلہ عطا فرمائیں گے۔

۳)۔ کچھ لوگوں کا ظاہر نہایت دل فریب اور خوش کن ہوتا ہے، لیکن اُن کے اخلاق واعمال نہایت بد اور فساد پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ طبیعت کے لحاظ سے سخت جھگڑالو اور فطرتاً فسادی ہوتے ہیں۔ جب موقع ملے تو لوگوں کے مال وجان نیز کھیت کھلیان اور جانوروں تک کو ہلاک کردیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فساد کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جب خوفِ خدا دلایا جائے تو وہ غضب ناک ہوکر گناہ کی غیرت میں آجاتے ہیں۔ حقیقت میں اُن کے لئے جہنم بطورِ سزا کے کافی ہے۔

دراصل مذکورہ بالا آیات کا نزول اَخنس بن شُریق نامی ایک منافق کے بارے میں ہوا۔ یہ شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور گویا ہوا: ''میں بغرضِ اسلام آپ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوا ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اپنے ارادہ میں سچا ہوں۔'' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی گفتگو بہت پسند آئی اور آپ اس پر خوش ہوئے، لیکن واپس جاتے ہوئے اس شخص نے راستہ میں واقع مسلمانوں کے کھیت جلا ڈالے اور مسلمانوں کے جانوروں کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اس پر مذکورہ آیت کا نزول ہوا۔ آیت نمبر 204 میں ایسے فسادی کی خوش کن باتوں اور فساد پر مبنی عمل کو ذکر کرکے اسے "اَلَدُّ الْخِصَامِ" ''سخت جھگڑالو'' قرار دیا گیا۔ "اَلَدُّ الْخِصَامِ" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بات بات پر لوگوں سے جھگڑا کرتا ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا: ''جو ناحق کی خاطر لوگوں سے لڑائی جھگڑا کرتا ہو وہ "اَلَدُّ

الْخِصَامِ" ہے، ایسے شخص کے بارے میں احادیث میں سخت وعیدیں منقول ہیں۔
سیدنا حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی پر یہ وحی فرمائی:

"آپ کی قوم کی کیا حالت ہے کہ وہ بھیڑ کے چمڑے کا لباس پہنتے ہیں۔ بزرگوں جیسی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اُن کی باتیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں اور اُن کے دل سخت کڑوے ہیں۔ کیا میرے ساتھ دھوکہ کھاتے ہیں یا میرے نام پر دھوکہ دیتے ہیں؟ مجھے میری عزت کی قسم! میں اُن کے علماء کو حیران کر ڈالوں گا۔ وہ شخص میرا نہیں جو کہانت اختیار کرے یا اُس کے لئے کہانت (نجومی پن) اختیار کیا جائے یا وہ شخص جو جادو کرے یا اُس کے لئے جادو کیا جائے۔ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے، وہ میری پیروی کرے اور جو مجھ پر ایمان نہ رکھتا ہو، وہ میرے علاوہ کی اتباع کرے۔"

(مسند احمد بحوالہ درِ منثور)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اُن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جن کا ظاہر باطن سے مختلف ہے، جو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے دین کا لبادہ اوڑھتے ہیں اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں حالانکہ اُن کے دلوں میں سخت نفرتیں ہوتی ہیں۔

٭۔ آیت نمبر 206 میں فرمایا کہ اس شخص کو جب یہ کہا جاتا ہے کہ خوفِ خدا کرو اور ایسے اعمال نہ کرو تو اُسے غصہ آجاتا ہے۔ وہ غضب ناک ہو کر گناہوں پر آمادہ ہو جاتا ہے یعنی مارنے اور مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بے حد مہربان ہے، وہ اپنے بندوں کی خود حفاظت کرتا ہے۔

۴)۔ کچھ لوگوں کا ظاہر و باطن ایک جیسا صاف ہوتا ہے۔ وہ رضائے الٰہی کے طالب رہتے ہیں نیز اسی مقصد کے لئے مال و دولت، گھر بار سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، مفسرین نے اس کا پہلا مصداق حضرت صہیب رضی اللہ عنہ رومی کو قرار دیا ہے۔

اِنتخابِ حکمران کے زریں اصول

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ج قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ ج إِنَّهٗ رَبِّيْٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ ج إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ○ (یوسف:۲۳)

''اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو ورغلانے کو کوشش کی، اور سارے دروازوں کو بند کر دیا، اور کہنے لگی: ''آ بھی جاؤ!'' یوسفؑ نے کہا: ''اللہ کی پناہ! وہ میرا آقا ہے، اُس نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ ظلم کرتے ہیں، انہیں فلاح حاصل نہیں ہوتی۔''

شیخ التفسیر امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے مذکورہ بالا آیت سے اِنتخاب وتقررِ حکمران کے لئے پہلی شرط کا استنباط کیا ہے۔ حضرت کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اِنتخابِ امیر کے لئے دو شرائط کا بنیادی طور پر پایا جانا ضروری ہے:

۱)۔ امانت ودیانت

۲)۔ فراست وتدبیر

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت، حکمت کے ساتھ اقتدار و حکومت کا منصب بھی عطا کرنا تھا، اِس لئے پہلے مذکورہ بالا معیار پر پورے اُترنے یا نہ اُترنے کے لئے مراحلِ امتحان سے گذارا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام مذکورہ بالا مراحل سے نہ صرف کامیاب ہو کر گذرے بلکہ آپ کی نمایاں دیانت و امانت، صلاحیت وتدبیر، فراست وذکاوت ظاہر ہونے سے دنیا عش عش کر اٹھی، تب حضرت یوسف علیہ السلام کو منصب اقتدار پر فائز کیا گیا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام جب منصب وزارت اور پھر منصب امامت پر فائز ہوئے تو آپ کی عہد مبارک میں خلقِ خدا کی خوش حالی، ملک کی ترقی، عوام کی بہبود اور انسانی عظمت کا ناقابلِ

مثال مظاہرہ ہوا۔

ایک حکمران کو منصبِ حکومت سونپنے سے پہلے مذکورہ بالا دونوں شرائط کی کسوٹی پر تولنا ضروری ہے۔ انتخابِ امیر کا یہ قرآنی معیار حکومتوں کی کامیابی کی کلید و بنیاد ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو اِس معیار کی کسوٹی پر کیسے تولا گیا، آیئے! اس کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱)۔ امانت و دیانت:

حکمرانوں کیلئے اہم ترین شرط ہے، اِس کے بغیر کوئی بھی شخص ذمہ داری سونپے جانے کے قابل نہیں۔ بددیانت اور خائن شخص ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ ایسا شخص وطن، ملک و ملت سبھی کیلئے نہ صرف خطرناک ہوتا ہے بلکہ ننگِ دین و ملت بھی بن جاتا ہے۔ اہلِ عقل و دانش جانتے ہیں کہ خیانت کی اقسام میں سے سب سے بدتر خیانت ''کردار و اخلاق'' کی خیانت ہوتی ہے، اسے آج کل کی اصطلاح میں (Sexul cruption) کہتے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا زمانۂ شباب میں کردار و اخلاق کی دیانت و امانت کا امتحان ہوا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک نوجوان حسینہ و جمیلہ، گھرانے کی مدبرہ خاتون نے اپنے ہی گھرانے میں گھر کے سب دروازے بند کر کے سیدنا یوسف علیہ السلام کو دعوتِ گناہ دی۔ اس موقع پر گناہ کے تمام اسباب جمع تھے اور گناہ سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف گناہ کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا بلکہ گناہ سے دور بھاگتے ہوئے باہر کی جانب دوڑ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دست گیری فرمائی اور کونڈیاں، تالے کھول دیے لیکن دعوتِ گناہ دینے والی خاتون نے اپنے شوہر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام پر جھوٹا الزام لگا کر آپ علیہ السلام کی عصمت، امانت و دیانت کو داغ دار کرنا چاہا، جس کا جواب حق تعالیٰ نے ایک بچے کی شہادت سے دلوایا۔ شیر خوار بچے کی شہادت بھی عقلی اصول پر مبنی تھی۔ تاہم معاشرہ میں بدنامی کے اندیشے کے پیشِ نظر سیدنا یوسف کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ وہ برسہا برس تک جیل میں رہے اور رہائی سے انکار کرتے ہوئے اپنی صفائی کے بارے میں اعلانیہ وضاحت طلب فرمائی، جس پر حکومتی طور پر سیدنا یوسف علیہ السلام کی صفائی کا باقاعدہ اعلان ہوا، یوں حضرت یوسف

علیہ السلام میں پہلی شرط خوب نمایاں ہو کر سامنے آئی۔

۲)۔ فراست وتدبیر:

حکمرانی کیلئے دوسری شرط فراست، ذکاوت اور حسنِ تدبیر ہے۔ حکمران اگر سمجھدار نہ ہوں اور اُن میں انتظامی صلاحیتوں کا فقدان ہو، منصوبہ بندی اور حکمت عملی نہ پائی جاتی ہو تو نظامِ مملکت کبھی درست نہیں رہ سکتا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام میں بھی مذکورہ بالا اشیاء کا امتحان لے کر اِن صلاحیتوں کو نمایاں کیا گیا۔ امتحان کی صورت یہ ہوئی کہ بادشاہ نے خواب دیکھا اور گویا ہوا:

> ’’میں (خواب میں) دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں جنہیں سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں، نیز سات خوشے ہرے بھرے ہیں، اور سات اور ہیں جو سوکھے ہوئے ہیں۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کا مطلب بتاؤ۔‘‘ (یوسف: ۴۳)

اِس پر بادشاہ کے ایک ملازم نے حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب راہنمائی کی اور اُن سے خواب کی تعبیر دریافت کرنے کا مشورہ دیا۔ بادشاہ کی اجازت سے مذکورہ شخص حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کی تعبیر دریافت کی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف خواب کی تعبیر بتائی بلکہ تعبیر کے ساتھ تدبیر اور انتظامات کی بھی تعلیم دی۔ حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا: ’’شروع کے سات سال خوش حالی کے ہوں گے، خوب فصلیں اُگیں گی لہٰذا غلہ کی حفاظت کے لئے غلہ خوشوں میں ہی رہنے دو تا کہ اسے نقصان نہ پہنچے۔ اور پھر سات سال قحط کے آئیں گے جس میں پہلے سات سال کا غلہ استعمال ہو جائے گا......‘‘

بادشاہ تک خواب کی تعبیر پہنچی اور ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی حسنِ تدبیر اور اِنتظامی مشورے پہنچے تو وہ متاثر ہوا اور حضرت یوسفؑ کو رہائی دے کر وزارتِ خزانہ کا قلم دان اِن کے سپرد کر دیا اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے حاکم بن گئے اور مثالی حکومت فرمائی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی یہ حکومت مذکورہ بالا دونوں خصوصیات کا ثمر تھی۔

دشمنانِ اسلام کے مکروفریب سے بچاؤ کی تدابیر

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ○ (آل عمران:۱۲۰)

''اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو اُن کو برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو یہ اُس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو اُن کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا ئیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں، وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے۔''

مذکورہ بالا آیت کے آغاز میں منافقین اور دشمنانِ اسلام کی فطرت وسرشت کو بیان کیا گیا۔ یہ لوگ اہل اسلام اور اسلام کی ترقی، خوشحالی، کامیابی وکامرانی پر دِل گرفتہ اور پریشان ہوتے ہیں۔ اُنہیں یہ سب کچھ برا لگتا ہے، یہ کبھی نہیں چاہتے کہ تم نفع مند ہو جاؤ۔ دوسری جانب ان لوگوں کو اہل اسلام کی تکلیف ومصیبت، پریشانی اور حوادث اچھے لگتے ہیں، یہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش وخرم ہو جاتے ہیں۔ گویا منافقین، اِسلام اور اہل اِسلام کے سخت ترین دشمن اور متعصب ترین مخالف ہیں۔ آیت میں دشمنانِ اسلام کے مکروفریب سے حفاظت کا طریقہ کار بھی بتایا جا رہا ہے۔

آج بھی اسلام اور اہل اسلام دشمنان اِسلام کے نرغے میں ہیں۔ دنیا بھر میں اِسلام دشمن قوتیں اہل اسلام پر عسکری، معاشی، اقتصادی، سیاسی اور تہذیبی جنگ مسلط کئے ہوئے ہیں۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو، ایمان وعمل، تہذیب وتمدن سبھی خطرہ میں ہیں۔

ایک جانب اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، دوسری جانب اِن کو معاشی طور پر کمزور کیا جا رہا ہے، اِن کے وسائل ختم یا محدود کئے جا رہے ہیں نیز اِن

کے وسائل کو بے وقعت بھی بنایا جارہا ہے، مشرق وسطیٰ کی صورتِ حال سب کے سامنے ہے۔ تیسری جانب اِسلامی ممالک کی سرحدوں کو کمزور، اُنھیں فرقہ وارانہ، علاقائی، لسانی، قومی تنازعات میں اُلجھا کران ممالک میں دہشت گردی کو پروان چڑھا کر اُنہیں تقسیم کرنے اور توڑنے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔ چوتھی جانب اِسلام کے عقائد واحکام کے خلاف منظم تحریک چلاکر مسلمانوں کے بچوں کو گمراہ کرنے اور مرتد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ احکام اسلام پر اعتراضاتِ فاسدہ کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں تشکیک پیدا کی جارہی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی توہین وتنقیص کے ذریعے ایمانوں پر حملے کیے جارہے ہیں۔ پانچویں جانب اِسلامی تہذیب واقدار کا خون کرتے ہوئے حیاباختہ عادات، رسوم ورواج، فحاشی، عریانی، بے راہ روی اور غیر اِسلامی تہذیب وثقافت کو فروغ دیا جارہا ہے۔

*۔ اللہ تعالیٰ نے کفار ومنافقین کی ان ریشہ دوانیوں سے حفاظت کے لیے دو چیزوں کا اُمر فرمایا:

۱)۔ صبر کا دامن تھام لو

۲)۔ تقویٰ اختیار کرو

مذکورہ دونوں صفات کے ساتھ دشمن کا مکروفریب کافور ہوجائے گا اور مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ صبر سے مراد: اِسلام اور اَحکام شریعت پر چلتے رہنا، کسی بھی صورت اپنے دین ومذہب سے روگردانی، پسپائی نہ اختیار کرنا بلکہ اسلام پر پوری قوت کے ساتھ ڈٹ جانا ہے۔

*۔ اہل علم نے صبر کے تین درجے بیان کیے ہیں:

۱)۔ صبر علی الطاعات:

اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور طاعات وفرماں برداری کرتے رہنے اور ترک نہ کرنا۔

۲)۔ صبر علی المعاصی:

گناہوں، حق تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اجتناب کرتے رہنا اور پرہیز کرنا۔

۳)۔ صبر علی المصائب:

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے اگر مشکلات درپیش ہوں نیز تکالیف کا سامنا کرنا پڑے، تو ایسی تکالیف اور مشکلات کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنا۔

*۔ ذکر کردہ آیت میں دوسرا حکم ”تَتَّقُوْا“ یعنی ”تقویٰ“ اختیار کرنے کا ہے۔ تقویٰ کا معنی ”پرہیز اور بچاؤ“ کے آتے ہیں۔ قرآن کریم اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں تقویٰ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اَشیاء سے اِجتناب کا نام ہے۔ تقویٰ میں کفر وشرک، گناہ کبیرہ، گناہ صغیرہ اور مشتبہ ومشکوک اشیاء سے مجتنب ہونا بھی شامل ہیں۔

تقویٰ قرآن کریم کا ایک جامع لفظ ہے، جو بہت سے پرہیزوں اور احتیاطوں کو شامل ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کثرت سے تقویٰ کا حکم بھی دیا ہے اور تقویٰ کے ثمرات وبرکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ تقویٰ کے حصول کی جانب متوجہ کرنے کے ساتھ اُن اَعمال کی بھی نشاندہی فرمائی، جو تقویٰ کے حصول کا ذریعہ ہیں نیز متقین کے اَنجام کار اور کامیابیوں کا بھی ذکر فرمایا۔

تقویٰ کے فوائد میں ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ تقویٰ کی برکت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حفاظت ونصرت کے مستحق بن جاتے ہیں، اُن کے دشمن اُن کے خلاف کاروائیاں کر کے بھی ناکام ہوتے ہیں۔ اس کا عملی نمونہ غزوہ بدر اور صحابہ کرام کی دیگر مہموں کی صورت میں عیاں ہے اور تقویٰ میں کمی کے باعث اللہ تعالیٰ کی نصرت وحفاظت کا رُک جانا بھی کسی سے مخفی نہیں۔

اِستقامت کی اعلیٰ ترین مثال

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًاۚ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ (الاحزاب:۹۔۱۰)

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ نے اُس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اور تم جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اُس کو دیکھ رہا تھا۔ یاد کرو جب وہ تم پر تمہارے اُوپر سے بھی چڑھ آئے تھے اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے۔"

یہودی قبیلہ بنی نضیر کے پے در پے عہد شکنیوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کو جلاوطن فرما دیا۔ اِس پر اس قبیلہ کے سردار حیی بن اخطب نے اہل اسلام کے خلاف ایک وسیع تر علاقائی اتحاد بنا کر ریاست مدینہ پر حملہ آور ہونے اور مسلمانوں کو بالکلیہ ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں کے قدیمی حریف مشرکین مکہ کے پاس جا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ اسی طرح کنانہ بن ربیع نے عرب کے معروف جنگجو قبیلہ بنی غطفان کو خیبر کی کھجوروں کی سالانہ نصف پیداوار کا لالچ دے کر مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ بیرونی حملہ کے منصوبوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی مقامی آبادی میں یہود کے قبیلہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے ملاقات کی اور اس قبیلہ کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ ریاستِ مدینہ کو

اندرونی و بیرونی خطرات لاحق ہو گئے۔ دشمن کا منصوبہ مسلمانوں کو بالکل ختم کر دینے کا بن گیا۔
(البدایہ والنہایہ فصل فی غزوہ بنی قریظہ: ۴/۱۲۰، مکتبہ المعارف)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تب خبر پہنچی، جب یہ سب لوگ حملہ آور ہونے کے لیے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اطلاع ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر آپ نے عرب میں دفاع کی ایک نئی صنف جاری کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے مدینہ منورہ کی اُس جانب جس جانب سے حملہ کا خطرہ تھا، خندقیں کھودنے کا فیصلہ فرمایا اور دس دس صحابہ کرام کی جماعتیں بنا کر خود لکیریں کھینچ کر خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ اتنی گہری خندقیں کھودی گئیں کہ زمین کے نیچے سے تری نکل آئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس بھی کدال ہاتھ میں لے کر خندق کھود رہے تھے بلکہ خندق کھودنے کی ابتداء بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور ساتھ ساتھ آپ کی زبان پر یہ الفاظ بھی جاری تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِهٖ هُدَيْنَا

"ہم اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں اور اسی کی طرف سے ہمیں ہدایت ملی ہے"

وَلَوْ عَبَدْنَا غَيْرَهٗ لَشَقِيْنَا

"بالفرض ہم نے غیر اللہ کی عبادت کی، تو ہم بدنصیب ہوں گے۔"

يَا حَبَّذَا رَبًّا وَ حَبَّذَا دِيْنًا

"کیا ہی اچھا رب ہے اور کیا ہی اچھا دین ہے"۔

سخت سردی کے موسم میں فاقہ کے ساتھ جماعتِ صحابہ دفاعِ اسلام کے لیے شب و روز محنت کر رہی تھی اور زبان پر یہ ترانہ جاری تھا۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

"ہم ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر زندگی بھر کے جہاد کی بیعت کی ہے"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارشاد فرما رہے تھے۔

وَاللّٰهِ لَوْ لَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

''قسم بخدا! اگر ہدایتِ ربانی نہ ہوتی تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے، نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز ادا کرتے۔''

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

''اے اللہ! ہم پر سکینہ نازل فرما، اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رکھنا''

اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

''اُن لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے، اور اگر وہ فتنہ کے طالب ہیں تو ہم فتنہ سے انکاری ہیں''۔

خندق کھودنے سے فراغت ہوئی تو مشرکین کا لشکر بھی آ پہنچا۔ مشرکینِ مکہ قبائل بنی عطفان اور دیگر قبائل ۱۰ ہزار اور ایک روایت کے مطابق ۱۲ ہزار کی تعداد میں آ دھمکے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ ہزار کی جمعیت لے کر کوہِ سلع کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ مشرکین کی اتنی بڑی تعداد تھی کہ مدینہ کی کل آبادی سے بھی اُن کی تعداد زیادہ تھی، لیکن ان کے درمیان اور اُن کے ہدف کے درمیان خندق حائل تھی۔ اس خندق کو دیکھ کر یہ حیران و پریشان ہو گئے بالآخر محاصرہ کر لیا۔ پندرہ روزہ محاصرہ میں ہر لحہ خوف و خطر پریشانی کا تھا، حتیٰ کہ ایک روز تو اِس قدر تیر اندازی ہوئی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کی چار نمازیں بھی قضا ہو گئیں، اسی منظر کو آیاتِ بالا میں ذکر کیا گیا۔ پندرہ دن بعد تیز ترین آندھی چلی جس کی وجہ سے مشرکینِ مکہ کے خیمے، دیگیں سب اُلٹ گئے، مجبوراً ناکام و نامراد ہو کر انہیں واپس جانا پڑا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس استقامت کی برکت سے حق تعالیٰ نے دشمن کا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور کامیابی عطا فرمائی۔

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، جلد ۵ / ۱۵۰، سورۃ الاحزاب، آیات ۹-۱۰)

اللہ تعالیٰ کی نظر میں فساد والے اعمال

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ
إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الاعراف:۵۶)

''اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو، اور اُس کی عبادت اس طرح کرو کہ دِل میں خوف بھی ہو اور اُمید بھی۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے۔''

لفظ ''فساد'' اردو میں مستعمل ہے اور قرآن کریم میں بھی یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اسی مصدر کے متعدد صیغے بھی کثرت سے قرآن کریم میں مستعمل ہیں۔ آج کی مجلس میں لفظ ''فساد'' کے لغوی اور قرآنی معانی پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ لفظ وسعت اور کثرت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، اس لیے کسی ایک شرعی معنی میں یہ لفظ نہیں بولا گیا، بلکہ ہر مقام پر لفظ فساد کا مفہوم سیاق وسباق کے ساتھ متعین کیا جائے گا۔ ذیل میں فساد کے چند قرآنی مفہوم ذکر کئے جا رہے ہیں۔

۱)۔ خلافِ شرع امور:

خلافِ شرع امور اور آسمانی تعلیمات سے انحراف کو فساد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں فساد اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نیز ذیل میں مذکور آیات میں بھی اس معنی میں مستعمل ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ
وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (القصص:۸۳)

''وہ آخرت والا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں نہ تو

بڑائی چاہتے ہیں، اور نہ فساد، اور آخری انجام پرہیزگاروں کے حق میں ہوگا۔"

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (النمل:۱۴)

"تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ کی ہر نافرمانی اور معصیت فساد ہے۔"

۲)۔ اللہ والوں کے اعمال پر کفار کی طرف سے "فساد" کا اطلاق:

لفظ "فساد" دشمنانِ دین، مخالفین انبیاء علیہم السلام کی جانب سے انبیاء علیہم السلام، صالحین اور اولیاء اللہ کے اعمال و افعال پر بھی بولا گیا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے مخالفین، نبیوں اور ولیوں کے اعمال صالحہ، تحریکات دینیہ، حق گوئی، دعوت توحید، دعوت تعلق باللہ کو (العیاذ باللہ) فساد کہتے تھے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱)۔ فرعون اور اس کے حواریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دینی تحریک کو فساد اور دہشت گردی سے تعبیر کیا تھا، ملاحظہ ہو۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۲۷)

"اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: "کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو کھلا چھوڑ رہے ہیں، تاکہ وہ زمین میں فساد مچائیں، اور آپ اور آپ کے خداؤں کو پس پشت ڈال دیں؟" وہ بولا: "ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِىْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ (المؤمن:۲۶)

"اور فرعون نے کہا: "لاؤ، میں موسیٰ کو قتل ہی کر ڈالوں، اور اسے چاہئے کہ اپنے رب کو پکار لے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا، یا زمین میں فساد

برپا کردے گا۔"

مذکورہ بالا دونوں مقامات میں فرعون اور فرعون کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت، دینی تحریک اور اصلاح کی کاوشوں کو فساد یا تخریب کاری سے تعبیر کیا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ ماضی میں بھی معصوم و بے ضرر، پرامن جدوجہد کرنے والی مقدس شخصیات پر اُن کے دور کے حکمرانوں کی جانب سے فساد کے الزامات لگائے گئے اور ان کی دینی جدوجہد کو فساد سے تعبیر کیا گیا۔ دورِ حاضر میں اگر پرامن، آئین وقانون کے دائرہ میں رہ کر کام کرنے والے اداروں، جماعتوں، شخصیات اور افراد پر فساد اور دہشت گردی کا الزام لگایا جارہا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ قبل ازیں انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا رہا ہے۔ حقیقت میں ان انبیاء علیہم السلام کی دینی کاوشوں کو فساد کہنا غلط بیانی اور الزام تراشی تھی۔ حقیقت میں الزام لگانے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے اس الزام کے حقیقی مستحق تھے، لیکن یہ فسادی اپنے آپ کو فسادی کہنے کی بجائے مجسمہ صلاح و فلاح اور مقدس شخصیات کو فسادی کہتے تھے۔ آج بھی دنیا کے فسادی جو حقیقت میں لاکھوں انسانوں کے قاتل ہیں اس الزام کو قبول کرنے کی بجائے امت مسلمہ کو فسادی اور دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ دراصل یہ بھی تاریخ کا ایک سبق ہے۔

حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو دعوت اسلام اور استیلام دی تو اس نے جواب میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر مذکورہ بالا الزام لگایا۔

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝ (النمل:۳۴)

ملکہ بولی: "حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اُسے خراب کرڈالتے ہیں، اور اس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں، اور یہی کچھ یہ لوگ بھی کریں گے"۔

قرآن کریم میں تقریباً چالیس مرتبہ فساد فی الارض کا ذکر ہے۔ کہیں فساد فی الارض سے نہیں ہے، کہیں فساد فی الارض کے مرتکبین کا ذکر ہے، کہیں فساد فی الارض کی پیشین گوئی ہے۔

فسادکوالارض کے ساتھ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ فساد کا معنی وسیع اور اس کا محل پوری زمین ہے۔فساد کے اثرات پوری زمین پر پڑتے ہیں۔گذشتہ شمارہ میں فساد کے چند معانی ذکر کئے گئے تھے اب مزید چند معانی پیش خدمت ہیں۔

۳)۔ بدکاری اور غیر فطری عمل:

حضرت سیدنا لوط علیہ السلام کے مہمان جو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ان کے پاس آئے، وہ حقیقت میں فرشتے تھے، ان پر قوم بدکاری کی نیت سے حملہ آور ہوئی، تو سیدنا لوط علیہ السلام نے نہ صرف ان کو اس فعل بد سے منع کیا، بلکہ اول تو انہیں سمجھایا اور جب انہوں نے بات نہ مانی تو حق تعالیٰ سے دعا فرمائی:

رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ۝ (العنکبوت:۳۰)

”میرے پروردگار! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرمایئے“۔

سیدنا لوط علیہ السلام نے اس غیر فطری عمل یعنی جنس پرستی کے عمل کو فساد سے تعبیر فرمایا اور بلاشبہ یہ عمل فساد ہے، اس عمل کے فساد ہونے کا مظاہرہ مغربی ممالک اور مغرب کی تہذیب کے دلدادہ لوگوں میں کیا جاسکتا ہے۔

۴)۔ کرپشن اور بدعنوانی:

قرآن کریم نے کرپشن، خیانت اور بدعنوانی پر بھی فساد کا اطلاق کیا ہے، حضرت سیدنا شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو بددیانتی، خیانت کے خلاف جو فصیحانہ خطبہ ارشاد فرمایا قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۝ (هود:۸۵)

”اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو، اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔“

سیدنا شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کو فسادی سے تعبیر فرمایا، بلاشبہ کرپشن

یعنی بد دیانتی وخیانت ملک وملت میں فساد کا ذریعہ ہوتی ہے۔

۵)۔ بدامنی:

بدامنی، فتنہ، معصوم لوگوں کی جان ومال سے تعرض بھی فساد کہلاتا ہے۔قرآن کریم نے مذکورہ معانی پر بھی لفظ فساد کا اطلاق کیا ہے۔

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ج وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (البقرۃ:۲۰۵)

''اور جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا''۔

میں یہی معنی مراد ہیں۔

۶)۔ نقض عہد:

وعدہ، عہد، میثاق، انفرادی ہو یا اجتماعی، داخلی ہو یا خارجی، قومی ہو یا علاقائی، نجی سطح پر ہو یا سرکاری سطح پر، ملکی ہو یا بین الاقوامی، اس کا پورا کرنا لازمی ہے ایفاء عہد مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی فریضہ ہے اسلام نے بھی میثاق کو پختہ رکھنے، عہد کو نبھانے کا حکم دیا ہے۔قرآن کریم نے عہد شکنی کو بھی فساد سے تعبیر کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ج إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ○ (الانفال:۷۲۔۷۳)

ہاں اگر دین کی وجہ سے وہ تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے، سوائے اس صورت کے جبکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف ہو جس کے ساتھ

تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے اچھی طرح دیکھتا ہے۔
اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے والی وارث ہیں، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔
مذکورہ بالا آیات میں مواثیق اور عہود سے نکلنے کو فساد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۷)۔ یہود فسادی قوم ہے:

قرآن کریم نے یہودیوں کے فساد کی مذمت فرمائی، گذشتہ اقوام میں یہودی شرارتی طبقوں اور ان کے فتنہ وفساد کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ○ (المائدہ:۶۴)

”اور ہم نے ان کے درمیاں قیامت کے دن تک کے لئے عداوت اور بغض پیدا کردیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھادیتا ہے، اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جبکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا“۔

باب دوم

خدماتِ دینی مدارس

دینی مدارس کی خدمات

اور وزیر اعظم پاکستان کا اعترافِ حقیقت

وفاق المدارس العربیہ پاکستان اہلِ حق علماء و مشائخ کے مدارس و جامعات کا متفقہ نمائندہ ادارہ ہے، جس کے صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ اور ناظم اعلیٰ متکلم اسلام حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ العالی ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان بحمد اللہ چودہ ہزار سے زائد دینی مدارس و جامعات کی نمائندگی کرنے والا پاکستان کا سب سے بڑا تعلیمی بورڈ ہے۔ ان مدارس میں تقریباً بیس لاکھ طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان بیس لاکھ طلباء و طالبات کی ہمہ قسم کفالت خورد و نوش، قیام و طعام، علاج و معالجہ بھی ان مدارس و جامعات کے ذمہ ہے، یوں یہ مدارس خدمتِ علمی کے ساتھ خدمتِ انسانیت کا فریضہ بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

ان مدارس کو بجا طور پر دنیا کی سب سے بڑے خدمت کے ادارے قرار دیا گیا ہے۔

یہ مدارس...... جو اسلامیانِ پاکستان کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مسلمانوں کو مفت تعلیم، مفت رہائش اور مفت خوراک فراہم کرتے ہیں...... نہ تو کسی قسم کی سرکاری گرانٹ قبول کر رہے ہیں اور نہ ہی غیر ملکی امداد، بلکہ اپنے محدود وسائل کو جمع کر کے یہ خدمتِ دین و علم سرانجام دے رہے ہیں۔ ان مدارس میں طلباء (میل) کے ساتھ ساتھ طالبات (فی میل) بھی تعلیم حاصل کر رہی ہیں، بلکہ طالبات کے مدارس کی تعداد طلباء کے مدارس سے زیادہ ہو چکی ہے۔ یوں یہ مدارس عورتوں میں شرح خواندگی کے اضافہ کا بڑا ذریعہ ہے اور شاید پرائیویٹ سیکٹر میں مفت تعلیم دینے میں مدارس دینیہ سب سے سابق و فائق ہیں۔

ان مدارس کی بدولت بحمد اللہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی دینی ضرورت بھی پوری کی جا رہی ہے، دنیا بھر میں مفتیانِ کرام، خطباء، اسلامی سکالرز، آئمہ مساجد، ماہرین اسلامی معیشت،

ماہرین اسلامی قانون (شریعت) یہی مدارس فراہم کر رہے ہیں۔اس سب کے ساتھ مستزاد یہ کہ اسلام، قرآن، حدیث، سنت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و سیرت کی حفاظت کا سہرا صرف اور صرف مدارس کے سر ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان انہی مدارس کا ترجمان ادارہ ہے۔راقم الحروف نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحان منعقدہ مورخہ ۲ رجولائی ۲۰۱۱ء تا ۷ رجولائی ۲۰۱۱ء کے دوران وفاق کی کارکردگی اور نظمِ امتحان سے متعلق جلال پور پیروالا ضلع ملتان میں علماء، سیاسی زعماء، وکلاء، تاجروں اور صحافیوں کو امتحانی سینٹر کا معائنہ کرانے کے بعد ایک پریس کانفرنس کی جس کا متن حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پریس کانفرنس

از (مولانا) زبیر احمد صدیقی

مدیر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد و مسئول و منتظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان حلقہ جنوبی ملتان مع علماء و مشائخ جلال پور پیروالہ

محترم معزز حضرات .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

”میں (مولانا) زبیر احمد صدیقی مدیر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد مسئول و منتظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان مع مہتممین مدارس، علماء و مشائخ جلال پور پیروالا ضلع ملتان سب سے پہلے آپ جیسی محترم شخصیات کا تہہ دل سے شکر گذار ہیں کہ آپ نے اپنے قیمتی لمحات میں سے کچھ وقت نکالا، اور ہماری دعوت پر جامعہ رحمۃ اللعالمین جلال پور پیروالا تشریف لائے۔

پاکستان میں دینی مدارس کی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں اور واضح ہیں۔ مصور پاکستان، شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ سے لے کر قدرت اللہ شہاب تک ہر منصف مزاج دانشور کی طرف سے، قائد اعظم محمد علی جناح سے سابق صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف اور موجودہ وزیر اعظم جناب یوسف رضا

گیلانی تک ہر دور میں بڑے بڑے فورموں پر مدارس کی اہمیت اور خدمات کو تسلیم کیا گیا۔

یہ دینی مدارس ملک میں جہالت کے خاتمے، تعلیم کے فروغ اور شرح خواندگی میں اضافے کی سب سے بڑی تحریک ہیں، کسی سرکاری گرانٹ اور بیرونی امداد کے بغیر 25 سے 30 لاکھ افراد کی کفالت کرنے والی دنیا کی سب سے بڑی NGO ہیں۔یہی مدارس ہیں جو پوری دنیا کے مسلمانوں کی مذہبی ضروریات فراہم کرتے ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان دنیا کا عظیم ترین تعلیمی بورڈ ہے، جس کے تحت چودہ ہزار سات سو مدارس و جامعات میں بیس لاکھ کے قریب طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ان طلباء وطالبات کو دینی علوم کے ساتھ میٹرک تک عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔امسال 2011ء (۱۴۳۲ھ) میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت دو لاکھ اکیس ہزار دو سو بائیس (222,21,2) طلباء وطالبات امتحان دے رہے ہیں ان میں ایک لاکھ چودہ ہزار سات سو طلباء (700,14,1) (میل) اور ستانوے ہزار چار سو بائیس (422,97) طالبات (فی میل) امتحان دے رہی ہیں۔یوں وفاق المدارس العربیہ پاکستان مردوں اور عورتوں میں شرح خواندگی میں اضافہ کی سب سے بڑی تحریک کے طور پر مصروف عمل ہے۔امسال 2011ء میں تقریباً ستاون ہزار تین سو انہتر (369,57) حفاظ و حافظات کامیاب ہونے کی صورت میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی سند کے مستحق ٹھہریں گے۔جبکہ ستر ہزار پانچ سو اکاسی (581,70) طلباء (میل) اور چوراسی ہزار ایک سو بہتر (172,84) طالبات (فی میل) 2-جولائی 2011ء سے 7 جولائی 2011ء تک تحریری امتحان دے رہے ہیں۔

ان طلباء وطالبات کے لئے ملک بھر میں 1260 مراکز امتحان قائم کئے گئے ہیں جن میں سے 414 طلباء (میل) اور 846 طالبات (فی میل) کے لئے

ہیں۔ان مراکز امتحان میں 1260 افراد پر مشتمل نگران اعلیٰ اور 6190 افراد پر مشتمل معاون نگران مرد وخواتین طلباء وطالبات کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانی نظم کا کمال یہ ہے کہ دو لاکھ سے زائد طلباء وطالبات کا امتحان خیبر سے کراچی تک چاروں صوبوں، آزاد کشمیر، گلگت، بلتستان میں ایک ہی تاریخوں اور ایک ہی وقت میں شروع اور ختم ہوتا ہے۔

ملک بھر میں تمام مراکز امتحان میں سیل بند سوالیہ پرچہ جات آٹھ بجے صبح پہنچائے جاتے ہیں، اور یہ پرچہ جات امیدواروں کے سامنے کھولے جاتے ہیں، بارہ بجے پرچے کا وقت ختم ہوتا ہے، اور جوابی کاپی جات کو سنٹر میں سیل کر کے اسی روز دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو پارسل کر دیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے نہ دفعہ 144 کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ ہی پولیس طلب کرنا پڑتی ہے، نہ دنگا وفساد ہوتا ہے اور نہ ہی نقل بوٹی کا تصور ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا یہ نظام امتحان عصری تعلیمی اداروں کے لئے مثال اور لائق تقلید ہے۔

قابل فخر بات یہ ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت ان جوابی پرچہ جات پر فرضی رول نمبر لگا کر پندرہ یوم میں ملک بھر سے قابل ترین ممتحنین کی کھیپ جمع کر کے ایک ہی مرکز میں مارکنگ کرائی جاتی ہے، اور مارکنگ کا یہ نظام تین مختلف مرحلوں سے گذر کر مکمل ہوتا ہے، انعقاد امتحان کے ایک ماہ بعد شفاف طریقے سے نتیجہ تیار ہوتا ہے یہ نتیجہ ہر طالب علم اپنے موبائل فون کے ذریعہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے کمپیوٹرائزخود کار نظام سے یا دفتر وفاق اور اپنے متعلقہ مدرسہ سے معلوم کر سکتا ہے۔

ضلع ملتان میں طلباء وطالبات کے لئے 21 امتحانی سنٹر قائم کئے گئے ہیں جس میں 1441 طلباء وطالبات امتحان دے رہے ہیں۔ جلال پور پیر والا میں 2 امتحانی مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ طلباء کے امتحان کا مرکز جامعہ رحمۃ اللعالمین اور طالبات کا امتحانی مرکز جامعہ رحمانیہ میں قائم کیا گیا ہے۔

معزز مہمانانِ گرامی......! آج آپ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ایک امتحانی مرکز کا معائنہ کرتے ہوئے یقیناً دیانت، امانت اور امن و سکون کی لذت محسوس کر رہے ہوں گے، یہ سب کچھ مدارس کی کاوشوں کی برکت ہے۔

اس موقع پر ملک کے بگڑتے ہوئے حالات اور دگرگوں صورت حال میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نمائندہ اور مسئول ہونے کی حیثیت سے یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ دینی مدارس کا دہشت گردی سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ برِ صغیر میں دینی مدارس کی تاریخ دو سو سال سے بھی قدیم ہے، مگر دہشتگردی 9/11 اور 7/7 کے بعد رونما ہوئی۔ دہشت گردی کے ساتھ مدارس کو جوڑنا انتہائی افسوسناک ہے۔ یہ پروپیگنڈہ ایک سازش ہے، جس کا مقصد مدارس سے متعلق کئی ملین باصلاحیت افراد کو بیکار، بے روزگار کرنا اور ملک کو کمزور کرنا ہے۔

جنوبی پنجاب میں مدارس کے حوالے سے بے بنیاد خبریں اسی سازش کا حصہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ پرامن مقدس تعلیمی اداروں پر چھاپے مار کر خوف و ہراس پھیلانے کے ساتھ قرآنی درسگاہوں، مذہبی اداروں اور مدارس کے تقدس کو پامال کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات طالبات کے مدارس میں دراندازی کر کے چادر، چار دیواری کا تقدس پامال کیا جاتا ہے۔ آئے روز مختلف ایجنسیوں کے اہلکار مدارس کے اساتذہ، طلباء اور انتظامیہ کو ناجائز طریقے سے پریشان کرتے رہتے ہیں۔ نوبت بایں جارسید خواتین اساتذہ کے نام و پتہ جات دینے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ بایں ہمہ بحمداللہ ان سرچ آپریشنز اور تحقیقات کے نتیجہ میں مدارس بے داغ ثابت ہو رہے ہیں۔ اور اب تک کوئی مدرسہ ملک دشمن سرگرمی میں ملوث نہیں پایا گیا، جو ہمارے موقف کی بڑی دلیل ہے۔

میں بحیثیت نمائندہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، مدارس پر حکومتی اداروں کی یلغار کی مذمت کرتا ہوں، اور فی الفور یہ سلسلہ بند کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں۔

یہ حقیقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت ہمارا ملک عزیز "اسلامی جمہوریہ پاکستان" اپنے دور کے انتہائی پرکٹھن اور نازک ایام سے گذر رہا ہے،

چشم بد دور ملک دشمن بلکہ اسلام دشمن قوتیں اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجانے اور بخیے اُدھیڑنے کا پورا سامان تیار کر چکے ہیں، جو الزامات کل تک مدارس پر لگائے جا رہے تھے آج ملکی اداروں پر لگائے جا رہے ہیں۔

محترم حضرات!

غور طلب امر یہ ہے کہ دینی مدارس نسل نو کی تربیت جن خطوط پر کرتے ہیں ان میں یہ بات اولیت رکھتی ہے کہ ان مدارس سے ایسے افراد پیدا ہوتے ہیں جو اس نظریہ کی حفاظت جزوایمان گردانتے ہیں جس نظریہ پر علامہ اقبال اور قائداعظم نے اس ملک کی بنیاد رکھی تھی، مدارس سے نکلنے والے یہ باعمل مسلمان باکردار پاکستانی، باحوصلہ انسان، وطن عزیز کی سلامتی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں، یہ ایسی ناقابل تردید حقیقتیں ہیں جنہیں صیہونی آلہ کار میڈیا کے زور پر پروپیگنڈہ کے گرد میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہی ملک دشمن اور اسلام دشمن قوتیں ہیں جو دہشتگردی کا ناطہ اسلام اور مدارس کے بعد اب افواج پاکستان اور آئی ایس آئی سے جوڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں، تاکہ اساس پاکستان، مقصد پاکستان اور نظریہ پاکستان کو کمزور سے کمزور کیا جا سکے۔

میرے محترم دوستو! میں یہ حقیقت واشگاف الفاظ میں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ملک پر خدانخواستہ کبھی کوئی مشکل وقت آیا، تو مدارس کے علماء اور طلباء پاکستان کے سپاہی بن کر اس کے چپہ چپہ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔"

مدارسِ دینیہ کی یہ عظیم خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں لیکن بعض دین دشمن قوتیں وقتاً فوقتاً مدارس کو بدنام کرنے اور جھوٹے الزامات عائد کرنے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، کبھی دہشت گردی کا الزام عائد کیا جاتا ہے تو کبھی انتہاپسندی اور قدامت پرستی کا، جنوبی پنجاب مذہبی علاقہ ہے اور یہاں بحمد اللہ مساجد و مدارس کثرت سے ہیں، ان مساجد، مدارس، خانقاہوں اور تبلیغی مراکز کی وجہ سے دین کی بہاریں ورونقیں بھی ہر خاص وعام محسوس کرتا ہے۔

اس لئے اس خطہ کو خاص طور پر ٹارگٹ کیا جاتا ہے۔ نیز اس خطہ میں آپریشن کی باتیں کر کے مغربی آقاؤں کی بولی بولی جاتی ہے۔ ان حالات میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہٗ نے جناب وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی سے جنوبی پنجاب کے مشائخ وعلماء کے وفد کے ساتھ ملاقات کا فیصلہ کیا۔

مورخہ ۵/جون ۲۰۱۱ء کو جنوبی پنجاب سے تعلق رکھنے والے مشائخ اور علماء کرام نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سیکرٹری جنرل حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ کی قیادت میں وزیراعظم پاکستان سے سرکٹ ہاؤس ملتان میں ملاقات کی، شرکاء وفد کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱)۔ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب (مہتمم جامعہ خیر المدارس، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

۲)۔ حضرت مولانا نجم الحق صاحب (ناظم اعلیٰ جامعہ خیر المدارس ملتان)

۳)۔ حضرت مولانا محمد نواز صاحب (مہتمم جامعہ قادریہ حنفیہ ملتان)

۴)۔ حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب (مہتمم جامعہ دار العلوم کبیروالا)

۵)۔ راقم الحروف زبیر احمد صدیقی (مہتمم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد)

۶)۔ حضرت مولانا عبد الحق مجاہد صاحب (مہتمم جامعہ انوار الاسلام ملتان)

۷)۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب حنفی صاحب (مہتمم جامعہ حنفیہ بورے والا)

۸)۔ حضرت مولانا قاری محمد میاں صاحب (مہتمم جامعہ سراج العلوم لودھراں)

۹)۔ حضرت مولانا عبد الرحمن جامی صاحب (مہتمم جامعہ حفصہ للبنات مظفر گڑھ)

۱۰)۔ حضرت مولانا پروفیسر محمد مکی صاحب (مہتمم جامعہ حبیب المدارس یاکی والا علی پور

۱۱)۔ حضرت مولانا عبد المجید قاسمی صاحب (مہتمم جامعہ شرف الاسلام چوک سرور شہید مظفر گڑھ)

۱۲)۔ حضرت مولانا مفتی خالد محمود صاحب (مہتمم جامعہ قاسمیہ ڈیرہ غازی خان)

۱۳)۔ حضرت مولانا مفتی محمد مظہر شاہ صاحب (مہتمم جامعہ اسعد بن زرارہ بہاولپور)

۱۴)۔ حضرت مولانا خلیل الرحمن درخواستی صاحب (مہتمم جامعہ مخزن العلوم خان پور)

۱۵)۔ حضرت مولانا عامر فاروق صاحب (جامعہ رحیمیہ رحیم یار خان)

۱۶)۔ جناب قاری امان اللہ صاحب (مدرسہ فاطمۃ الزہرئی ملتان)

اس ملاقات میں ان علماء و مشائخ نے وزیر اعظم کو زبانی زمینی حقائق بتانے کے ساتھ ایک تحریری یادداشت بھی پیش کی، یہ یادداشت درج ذیل تھی:

''عزت مآب جناب سید یوسف رضا گیلانی صاحب!

وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سب سے پہلے تو ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکالا اور ہمیں مدارسِ دینیہ اور دینی تعلیم و تربیت کے اہم ترین موضوع پر اپنی معروضات پیش کرنے کا موقع دیا۔

جناب وزیر اعظم! تقریباً ہر حکومت کے ساتھ ہمیں دینی مدارس کے امور پر بات چیت کرنے کا موقع ملا لیکن آپ کے سامنے مدارسِ دینیہ کا مقدمہ پیش کرتے ہوئے ہم جو اپنائیت محسوس کرتے ہیں وہ آج تک ہم نے کسی حکمران سے گفتگو کرتے ہوئے محسوس نہیں کی بلکہ آپ کے دینی، مذہبی، روحانی اور نسبی پس منظر اور آپ کی شخصی خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مدارس کا مقدمہ ہمیں آپ کے سامنے نہیں پیش کرنا چاہئے بلکہ آپ کو ازخود مدارس کا مقدمہ دنیا کے سامنے پیش بھی کرنا چاہئے اور مدارس دینیہ کو درپیش مسائل و مشکلات کو ازخود حل کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے دورِ حکومت میں جس دانشمندی اور بصیرت کے ساتھ مختلف اہم امور اور بحرانوں کو نمٹایا بالخصوص تحفظ ناموسِ رسالت کے معاملے میں آپ نے جس دانش مندی اور حکمت عملی سے کام لیا وہ بلاشبہ قابل تحسین ہے۔ آپ کے اسی طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے اربابِ مدارس آپ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ مدارس کے معاملے پر بھی خصوصی توجہ فرمائیں گے اور

برسوں سے دانستہ طور پر اُلجھائے گئے اس معاملے کو سلجھانے میں بھی اپنا کردار ادا کریں گے۔

جناب وزیر اعظم! آج کی ملاقات کے اس اہم موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ہم آپ کی خدمت میں اپنے چند مطالبات پیش کرنا چاہتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ آپ ذاتی دلچسپی لے کر ان مسائل کو حل کروائیں گے۔

☆۔ دینی مدارس کے بارے میں حکومتی پالیسیوں کو صحیح ٹریک پر لایا جائے۔ان پالیسیوں کو مذہبی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور ان میں مفاہمت، خیر خواہی اور گفت وشنید کا عنصر شامل کیا جائے کیونکہ بعض اوقات اہلِ مدارس یہ محسوس کرتے ہیں کہ مدارس کے بارے میں حکومتی پالیسیاں یا تو بیرونی ہدایات وخواہشات کے زیر اثر ہیں یا پھر مخالفت ومخاصمت پر مبنی ہیں۔ یہ پالیسیاں اہلِ مدارس کے ساتھ امتیازی سلوک اور دھونس ودباؤ کے گرد گھومتی ہیں حالانکہ آپ کی حکومت اور آپ کی پارٹی کی جو قومی مفاہمت کی پالیسی ہے اس کے تحت بھی یہ لازمی امر ہے کہ مدارسِ دینیہ اور مدارس سے منسلک مذہبی طبقے کے ساتھ بھی وہی مفاہمانہ رویہ روا رکھا جائے۔

☆۔ دینی مدارس چونکہ تعلیمی ادارے ہیں اس لئے مدارس کے معاملات اور پانچوں مکاتب فکر کے مدارس کی نمائندہ تنظیموں پر مشتمل اتحاد کے مذاکرات وغیرہ کے امور وزارتِ داخلہ یا کسی اور وزارت کی بجائے وزارتِ تعلیم کے سپرد کیے جائیں۔

☆۔ اب تک وزارت داخلہ اور دیگر حکومتی اداروں کے ساتھ ہونے والے مذاکرات اور معاہدات پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔

☆۔ مدارس کو خود مختار امتحانی بورڈ قرار دینے کے جس فیصلے پر حکومت اور مدارس کی قیادت کے مابین اتفاق ہو چکا ہے، اس پر قانون سازی کا عمل فی الفور شروع کیا جائے۔

☆۔ ایسے غیر ملکی طلباء جن کے پاس این او سی اور دیگر جملہ مطلوبہ دستاویزات موجود ہوں ان کی مدارس میں داخلوں اور پاکستان آمد میں

رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔

☆۔ طے شدہ معاہدوں کے تحت مدارس پر بلاوجہ چھاپوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بے جا آمدورفت بند کی جائے۔ اگر کسی مدرسہ کے کوائف مطلوب ہوں یا کسی مدرسہ کی انتظامیہ یا طلباء میں سے کسی کے بارے میں کوئی شکایت ہو تو ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ وفاق المدارس سے رجوع کیا جائے۔ براہ راست اور بلاوجہ کے چھاپوں، آئے روز کی کوائف طلبی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بے مداخلت کی وجہ سے باہمی اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے اور حکومت اور مذہبی طبقے کے درمیان محاذ آرائی کی فضا بھی پیدا ہوتی ہے جو اس نازک دور میں بہت تشویشناک اور خطرناک ہے۔

☆۔ ملک بھر میں اہل مدارس قیام امن اور استحکام پاکستان کے لئے قانون نافذ کرنے والے اداروں سے ہر ممکن تعاون کر رہے ہیں بالخصوص شورش زدہ علاقوں میں مدارس کی انتظامیہ کا تعاون مثالی ہے۔ اس لئے آپریشن سے متاثرہ اضلاع میں طلباء کے تعلیمی سلسلے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور نہ ہی اقامتی مدارس کو ختم کرنے کے احکامات جاری کیے جائیں۔

☆۔ بعض یونیورسٹیاں اور دیگر سرکاری ادارے مدارس کی شہادۃ العالمیہ (مساوی ایم اے) کی ایچ ای سی سے منظور شدہ سند کو عملاً تسلیم نہیں کرتے اور مدارس کے طلباء کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہوئے مدارس کے فضلاء کے لئے تعلیم اور ملازمت کے دروازے بند کر دیتے ہیں، اس صورتحال کا نوٹس لیا جائے اور سند کی تسلیم شدہ حیثیت کو عملاً بھی منوایا جائے۔

☆۔ طالبات کی عالمیہ کی سند کو بھی طلباء کی طرح ایم۔اے کے مساوی تسلیم کیا جائے۔

☆۔ دینی مدارس کے خلاف میڈیا کے پروپیگنڈے کا نوٹس لیا جائے بالخصوص جنوبی پنجاب سے تعلق اور یہاں کے حالات اور کلچر سے اچھی طرح آگاہی کی بناء پر اس خطے کے مدارس کے بارے میں بے بنیاد میڈیا مہم کے

اثرات زائل کرنے کے لئے اقدامات کیے جائیں۔ خصوصی طور پر ایسے ڈراموں، فلموں، رپورٹوں، ٹاک شوز اور دیگر نشریاتی مواد پر پابندی عائد کی جائے جو مدارس کے بارے میں بے بنیاد مفروضوں، غلط اطلاعات اور جھوٹے الزامات پر مبنی ہوں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ان امور میں مدارس اور اہلِ مدارس کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں گے۔

والسلام

(مولانا) محمد حنیف جالندھری

سیکرٹری جنرل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

واراکین وفد

5/جولائی 2011ء"

علاوہ ازیں وفد کے سربراہ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے بڑے ہی جامع انداز میں مدارس کی ترجمانی کرتے ہوئے مدارس میں چھاپوں اور ایجنٹوں کی مداخلت پر بھرپور احتجاج کیا اور وزیر اعظم کو ان کے خاندانی پس منظر میں مدارس سے متعلق ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔

وزیر اعظم صاحب نے جواباً وفد کے علماء کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ واشگاف اعلان کیا کہ مدارس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اچھی طرح ادراک رکھتے ہیں کہ ملک میں حالات کی خرابی کے ذمہ دار علماء یا مدارس نہیں بلکہ بیرونی ایجنسیاں ہیں، جنہوں نے ہمارے ملک کو اپنا آلۂ کار بنایا ہوا ہے۔

انہوں نے وفد کو بتایا کہ مدارس کی کارکردگی اور ثمرات صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں نمایاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے لندن کے دینی مدارس کا معائنہ کیا ہے، وہاں بھی نصاب تعلیم وہی ہے جو پاکستان کے مدارس میں ہے، لیکن نا جانے کہ دنیا کو وہاں کے مدارس پر اعتراض کوئی نہیں صرف پاکستان کے مدارس پر اعتراض کیوں ہے؟ وزیر اعظم نے کہا کہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیم کے میدان میں آپ سے بہتر کوئی نہیں ہے۔

انہوں نے کہا کہ علماء کرام کی بھی ذمہ داری ہے وہ ملک دشمن عناصر پر نظر رکھیں، انہوں نے کہا کہ ہمیں خود اپنا احتساب کرنا چاہئے۔ دنیا کو یہ حق نہیں کہ وہ ہماری اصلاح کرے۔ انہوں نے علماء کرام سے کہا کہ ہمیں آپ کی راہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔

جہاں تک مدارس کے مطالبات کا تعلق ہے تو انہوں نے کہا کہ میں وزیر داخلہ کو ہدایت جاری کرتا ہوں کہ وہ فوری طور پر وفاق المدارس کی قیادت سے رابطہ کر کے مدارس کے مسائل حل کریں۔

وزیر اعظم پاکستان نے مدارس سے متعلق جن جذبات کا اظہار کیا ہے مدارس اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وزیر اعظم صاحب کے ان خیالات میں اور حکومتی رویہ میں تضاد کیوں کر ہے؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ جناب وزیر اعظم پاکستان اپنے انہی جذبات اور وعدوں کو پوری حکومتی مشینری اور میڈیا میں بھی منتقل فرمائیں، تاکہ مدارس کے حسن کارکردگی اور حب الوطنی کو جو لوگ گدلا اور پیلا کر رہے ہیں ان کی حوصلہ شکنی ہو اور یوں عوامی خدمت کے یہ عظیم ادارے پورے اطمینان کے ساتھ کام کر سکیں۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" شعبان، رمضان ۱۴۳۲ھ / جون، جولائی 2011ء)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے تجدید الحاق!

کیوں اور کیسے؟ (شبہات کا ازالہ)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان اہلسنت والجماعت کے ہزاروں مدارس و جامعات کا تعلیمی، امتحانی، تربیتی اور محافظ ادارہ ہے، اس ادارے کی بنیاد حضرت اقدس مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر نے 1959ء میں رکھی۔ اس ادارہ کے اہداف واغراض میں یہ بات شامل ہے کہ یہ ادارہ مدارس کے نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم، نظامِ امتحانات فراہم کرے، متعین درجات کے امتحانات ایک مربوط ومضبوط نظم کے ساتھ لے کر کامیاب طلباء وطالبات کو اسناد جاری کرے، نیز ان اسناد کی حیثیت مختلف تعلیمی اور حکومتی اداروں سے تسلیم کرائے، مدارس کی سالمیت، حریت اور بقاء کا تحفظ کرے اور پاکستان بھر کے وفاق سے ملحق اداروں کو متحد ومنظم رکھے۔ انہیں اہداف کے تحت وفاق المدارس العربیہ پاکستان مدارس کا الحاق کرتا ہے۔ وفاق سے ملحق مدارس وجامعات وفاق کے دیے گئے نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم اور نظامِ امتحانات کے تحت اپنا علمی وتربیتی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ادارہ اپنے قیام سے لے کر آج تک بحمد اللہ اہلسنت والجماعت کے ہزاروں مدارس وجامعات کو ایک لڑی میں پرو کر خوبصورت مالا بنائے ہوئے ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے مدارس کے تحفظ وبقاء کے لیے بھی روزِ اول سے اب تک مسلسل خدمات پیش کی ہیں۔ اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج تک بین الاقوامی

اور ملکی حکومتوں کے دباؤ کے باوجود نہ تو نصاب تعلیم کی ایک سطر نصاب سے نکالی گئی ہے، نہ دینی علوم کی روح کو متاثر ہونے دیا گیا اور نہ ہی دینی مدارس کی خودمختاری پر آنچ آنے دی گئی۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اکابرین وفاق اور علماء کرام کی کاوشوں کی بدولت مدارس وجامعات اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اپنا علمی وتربیتی اور رفاہی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں البتہ اکابرینِ وفاق نے بدلتے ہوئے حالات اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر اکابر علماء کی رائے اور مشورہ سے حسب ضرورت نصاب میں ترمیم کی، جو بحمد اللہ دینی مدارس کی روح کے دائرہ کار میں ہوئی۔ اس سے مدارس کے کام میں بحمد اللہ ترقی واضافہ ہوا نہ کہ نقصان۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ ملحق اداروں کا یہ تعلیمی سفر برسہا برس کا ہے۔ بعض مدارس کا الحاق اس کی سن تاسیس میں، بعض کا سن تاسیس سے اگلے چند برسوں میں اور بعض ماضی بعید وبعض ماضی قریب میں ملحق ہوئے۔ ان اداروں کے احوال وحالات وقت الحاق کے بعد بدل گئے۔ بعض مدارس بحمد اللہ ترقی کر کے جامعات کی شکل اختیار کر گئے، بعض کی شاخیں قائم ہوگئیں، بعض ختم ہوئے تو بعض کمزور پڑ گئے۔ اس لیے ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مدارس وجامعات کا ایک مرتبہ تفصیلی معائنہ کر کے تازہ ترین معلومات جمع کی جائیں، تاکہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اپنے ملحقہ اداروں سے دیگر اداروں کے لیے خدمات لے سکے۔ نیز ہر ادارہ کے صحیح کوائف معلوم ہوں اور بوقت ضرورت ان سے رابطہ کرنا آسان ہو۔

عرصہ دراز سے اسلام دشمن قوتیں مدارس وجامعات کے خلاف مصروف عمل ہیں، خصوصاً 16 دسمبر 2014ء کے بعد مدارس دشمن عناصر اور غیر ملکی قوتوں کے آلہ کاروں کو مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ اور منفی تاثر قائم کرنے کا زریں موقع ہاتھ آیا۔ یہ عناصر جہاں حکومت پر اثر انداز ہوئے، وہاں ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعے مدارس کے خلاف دن رات زہر افشانی میں مصروف ہوگئے۔ اس مقصد کے لیے بے دریغ وسائل کا استعمال کیا گیا اور تا حال کیا جارہا ہے۔ مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ میں جہاں مدارس پر من گھڑت جھوٹے الزامات اور

غلط رپوٹنگ شامل تھیں، وہاں بعض مدارس کی جزوی کمزوریوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا رہا۔ اس پروپیگنڈہ کا اثر حکومتوں نے بھی لیا اور عوام میں سے بھی خالی الذہن لوگ جن کا علماء و مدارس سے رابطہ کمزور اور میڈیا سے رابطہ مضبوط تر ہے، اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوتے ہوئے نظر آئے، دوسری جانب ملک بھر بالخصوص پنجاب میں علماء کرام کو فورتھ شیڈول، بلا جواز گرفتاریاں، مدارس کے سرچ آپریشن، مدارس کو قربانی کی کھالیں جمع کرنے سے روکنے جیسے اقدامات کر کے مدارس پر شب خون مارا گیا۔ ان حالات میں اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ جہاں مدارس و علماء کے تحفظ کے لیے مؤثر جدوجہد کا وسیع لائحہ عمل بنایا جائے، وہاں مدارس و جامعات کی بھی تنظیم نو کی جائے تا کہ مدارس و جامعات پہلے سے زیادہ منظم انداز میں کام کریں اور ان میں کسی قسم کی کمزوری نہ پائی جائے، تا کہ ہر طرح مدارس محفوظ ہو جائیں۔

اس مقصد کے لیے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ و مجلس شوری نے اپنے الگ الگ اجلاسوں منعقدہ مورخہ 23 رجب المرجب 1436ھ میں نیا الحاق فارم منظور کر کے ملک بھر کے مدارس و جامعات کے الحاق کی تجدید کا فیصلہ کیا۔ واضح رہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ و مجلس شوری میں ملک بھر کے ممتاز مدارس و جامعات کے جید علماء و مشائخ موجود ہیں۔ مجلس شوری کے ارکان کا تقرر مدارس و جامعات کی کارکردگی کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے، اور مجلس عاملہ کا انتخاب مجلس شوری سے ہی کیا جاتا ہے، یوں یہ الحاق فارم ملک بھر کے بڑے بڑے مدارس و جامعات کی تائید سے مرتب ہوا۔

امسال وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ مؤرخہ یکم و دو صفر الخیر 1437ھ میں اس الحاق فارم کے مطابق مدارس کی تجدید الحاق کا فیصلہ ہوا، جس کے بعد یہ فارم مدارس و جامعات کو ارسال کر دیے گئے۔ فارم الحاق قدرے تفصیلی اور متعدد معلومات پر مشتمل ہے، اس لیے بعض علماء و ذمہ داران مدارس کو فارم کے بعض مندرجات پر اشکالات پیش آ رہے ہیں، اس لیے ان اشکالات کی وضاحت ضروری ہے۔ جو اشکالات اب تک سامنے آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الحاق فارم میں مدارس کے فون نمبر، فیکس نمبر اور ای میل ایڈریس پوچھے گئے ہیں، جبکہ بہت سے مدارس میں یہ سہولیات میسر ہی نہیں۔

مدارس وجامعات کے رقبہ واراضی کا دستاویزی ثبوت مانگا گیا ہے، جبکہ بعض مدارس تو قیامِ پاکستان سے پہلے اور بعض قیامِ پاکستان کے بعد قائم ہوئے، لیکن ان کی اراضی کی دستاویز موجود ہی نہیں ہیں، نیز مہتمم مدرسہ کا اکاؤنٹ نمبر دریافت کیا گیا ہے، جبکہ بہت سے مہتممین سفید پوش ہیں، ان کا اکاؤنٹ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اسی طرح تعمیر مدرسہ کی کارپوریشن سے منظوری کی شرط کو پورا کرنا بھی عملاً متعذر رہے۔

مدارس وجامعات کے کمروں کی تعداد، نیز کھیل کے میدان سے متعلق بھی سوالات کیے گئے ہیں، اگر یہ سہولت متعلقہ مدرسہ میں نہ ہو، تو کیا اس مدرسہ کا الحاق نہ ہوگا؟

فارم الحاق میں رجسٹریشن اور آڈٹ رپورٹ کا تقاضا کیا گیا ہے، جبکہ بہت سے مدارس یا تو رجسٹرڈ نہیں یا حکومت انہیں رجسٹرڈ نہیں کرتی۔ اسی طرح بہت سے مدارس حساب و کتاب کا آڈٹ نہیں کرواتے، بعض مدارس کے مصارف فردِ واحد یا مہتممِ مدرسہ خود برداشت کررہا ہے، تو ایسے مدارس کا آڈٹ کیسے کرایا جائے؟

جہاں تک پہلے سوالوں کا تعلق ہے کہ فارم میں پوچھی گئیں، ایسی چیزیں جو مدرسہ میں سرے سے موجود ہی نہیں، تو ان کے نمبر کے آگے ''کراس'' کا نشان لگا دیا جائے گا۔ یہ سوالات الحاق کی شرائط میں داخل نہیں۔ اگر کسی مدرسہ میں فون نمبر، فیکس، ای میل، کھیل کے میدان یا کارپوریشن سے منظوری اور مہتمم کا اکاؤنٹ نہیں، تو اس وجہ سے مدرسہ کا الحاق نہیں رکے گا۔ یہ چیزیں صرف حصولِ معلومات کے لیے ہیں، شرائط کے درجہ میں نہیں۔ لہٰذا مدارس ان اشیاء کی عدم موجودگی پر بلا جھجک ''کراس'' کا نشان لگا دیں۔ اکثر مدارس کی اراضی کے ثبوت موجود ہیں، تاہم اگر کسی مدرسہ کا بوجوہ ریکارڈ دستیاب نہیں تو بھی الحاق فارم وصول کیا جائے گا۔

رجسٹریشن قانونی طور پر ہر ادارہ کے لیے ضروری ہے، اس کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، وفاق المدارس العربیہ پاکستان بھی اس سلسلہ میں اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے،

ان شاء اللہ جلد یہ معاملہ حل ہو جائے گا۔ اگر کہیں رجسٹریشن میں رکاوٹ ہے اور مدرسہ رجسٹرڈ نہیں، تو ادارہ کا الحاق نہیں رکے گا۔ البتہ حساب وکتاب کا آڈٹ مدارس کی اپنی ضرورت ہے، جو مدارس کے مالی نظم کی شفافیت کا ایک طرح سے شہادت نامہ ہے۔ نیز مدارس کی رجسٹریشن کی تجدید کے لیے بھی آڈٹ رپورٹ ضروری ہے، اس لیے ہر مدرسہ کو آڈٹ ضرور کرانا چاہیے۔ وفاق المدارس نے مدارس کے تعلیمی نظم کے ساتھ مالی نظم میں بھی بہتری لانے کے لیے اس رپورٹ کا تقاضا کیا ہے اور یہ عمل کوئی مشکل بھی نہیں۔

☆۔ اپنے مدرسہ کے درج شدہ حساب وکتاب یعنی آمد وخرچ کو کسی بھی حکومتی سند یافتہ ادارہ سے چیک کروا کر درستگی حساب کی شہادت کا نام "آڈٹ" ہے۔ اس عمل میں حکومت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ تاہم اگر کسی مدرسہ کا آڈٹ نہیں ہوتا، تو اس کا الحاق فارم بھی وصول کیا جائے گا۔ لیکن سند الحاق تب جاری ہوگی، جب آڈٹ رپورٹ دفتر وفاق کو موصول ہو جائے گی۔ اسی طرح شخصی اخراجات سے چلنے والے ادارے بھی آڈٹ کی طرف متوجہ ہوں، تاہم ایسے مدارس کی نشاندہی کر دی جائے تو الگ سے غور کر لیا جائے گا۔ ایک ابہام یہ بھی پایا جاتا ہے کہ شاید وفاق طالبات ومعلمات کے نام کا بھی تقاضا کر رہا ہے، تو وضاحتاً عرض ہے کہ مدرسہ کے عملہ تدریسی، غیر تدریسی اور طلباء کے نام مطلوب ہیں معلمات وطالبات کے نہیں۔

☆۔ فارم کے متعلق ایک اشکال یہ بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ مہتمم مدرسہ کا متبع شریعت ودین دار ہونا ضروری ہے، جبکہ بہت سے مدارس کو ایسے کاروباری حضرات چلا رہے ہیں، جو ظاہری وضع قطع موافق شرع نہیں رکھتے۔ نیز انہیں نصاب مدرسہ کے بارے میں بھی آگاہی نہیں، تو کیا ایسے مدارس کا الحاق نہیں کیا جائے گا؟

☆۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مہتمم مدرسہ کے لیے عالم دین، قاری وحافظ قرآن ہونا ضروری نہیں۔ البتہ دین دار ہونا ضروری ہے، ایک دینی ادارہ کا ذمہ دار اس کو ہونا چاہیے جو دین دار ہو۔ اسی طرح اسے اپنے مدرسہ میں پڑھائے جانے والے نصاب کے متعلق بھی ضروری معلومات ہوں، تا کہ وہ اہتمام کے فرائض درست

سرانجام دے سکے، البتہ اگر کسی معتمد عالم دین کے ذریعے انتظام وانصرام چلائے۔ تب بھی یہ شرط پوری ہوجائے گی۔ ایک اشکال یہ بھی ہے کہ مدارس دراسات اور ناظرہ کے مدارس کا الحاق کس درجہ میں ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ ایسے مدارس مکتب کے زمرہ میں آتے ہیں۔

☆۔ حقیقت میں تجدید الحاق حصولِ معلومات کے ساتھ مدارس کے نظم وضبط کی جانب ایک قدم ہے، جس کا حقیقی فائدہ مدارس کو ہوگا۔ علاوہ ازیں وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے مدارس کے تحفظ وبقاء کے لیے ہمہ جہتی اقدامات اٹھانے کا فیصلہ بھی کیا ہے، ان اقدامات میں مدارس کی خدمات کو اجاگر کرنے اور مدارس پر لگائے جانے والے غلط الزامات کے ازالہ کے لیے چاروں صوبائی دارالحکومتوں اور اسلام آباد میں میڈیا سیل، نیز وفاق المدارس کے دفاتر کے قیام کا فیصلہ، سیاسی جماعتوں، میڈیا کے نمائندوں سے روابط، قانونی چارہ جوئی کے لیے وکلاء کا پینل تشکیل دینے، مدارس کے باہمی رابطہ اور تنظیم کے لیے مدارس کے ذمہ داران کے اجتماعات، نیز عوامی اجتماعات بالخصوص 20 مارچ 2016ء کو مینار پاکستان پر عظیم الشان اجتماع کا انعقاد بھی شامل ہے۔

دینی مدارس وجامعات کیسے چلتے ہیں؟

دنیا بھر بالخصوص برِ صغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش میں اہل اسلام کو دینی علوم وفیوض سے روشناس کرانے اور اسلامی تہذیب واقدار کو زندہ رکھنے والے اداروں کو دینی مدارس کہا جاتا ہے، یہ دینی مدارس عموماً اصلاً قرآن وسنت اور دیگر دینی علوم اور تبعاً ضروری عصری تعلیم بلا معاوضہ اور مفت فراہم کرتے ہیں، ان مدارس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ اور کیا ہونا چاہیے؟ یہ موضوع وقتاً فوقتاً زیرِ بحث رہتا ہے۔ ماضی میں تو مدارس پر یہ الزام بھی لگتا رہا کہ یہ غیر ملکی آمدنی سے چلتے ہیں، لیکن حکومتی تحقیقات اور حالات نے اس الزام کی تکذیب کردی۔ حال میں بعض طبقات کی جانب سے مدارس کو کاروبار کرنے اور اس کی کمائی مدارس پر خرچ کرنے کے مشورے بھی دیے جارہے ہیں، بعض طبقات کی جانب سے مدارس کو چندوں پر چلانے کی شدید مخالفت بھی کی جاتی ہے، دینی مدارس کے طلباء اور اساتذہ کو معاشرہ پر بوجھ کے طعنے بھی دیے جاتے ہیں، دینی مدارس اپنے آغاز سے کس نہج پر کام کرتے رہے، ماضی میں ان کا ذریعہ آمدنی کیا تھا، کیا زکوۃ وصدقات مدارس پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آیئے! دلائل کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں:

دینی مدارس کا آغاز وافتتاح جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود فرمایا، مکہ مکرمہ میں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو مدرسہ کی حیثیت دی گئی تھی، جبکہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے متصل ایک چبوترہ بنایا گیا، جہاں دین کی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء شب وروز قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تعلیم حاصل کرتے رہتے، ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہوتا، بلکہ اہل اسلام کے تبرعات سے ہی ان کا گزر بسر ہوتا۔

> ”چنانچہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں اپنے بیٹے کی جانب سے عقیقہ کروں؟ تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں، بلکہ اس کے سر کے بال مونڈ کر بالوں کے برابر چاندی اصحابِ صفہ اور غرباء و مساکین پر صدقہ کر دیں"۔ چنانچہ سیدہ فاطمہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل فرمائی، پھر جب حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی، تب بھی سیدہ فاطمہؓ نے اسی طرح فرمایا۔"

(مسند احمد: ۲۷۱۸۳)

نوٹ: روایات میں صراحت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمینؓ کی جانب سے خود عقیقہ فرمایا تھا۔

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ اصحابِ صفہ پر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرنے کی باقاعدہ ترغیب دیتے اور صحابہ کرام کو اصحابِ صفہ پر صدقہ و خیرات کرنے کے سلسلہ میں خوب ابھارتے تھے۔

"ایک حدیث میں آتا ہے "جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کا سامان آتا تو آپ اصحابِ صفہ کے پاس بھیج دیتے تھے اور خود اس میں سے کچھ بھی استعمال نہ فرماتے اور جب ہدیہ کی کوئی چیز آتی تو اصحابِ صفہ کو بلا کر انہیں کھلاتے اور خود بھی تناول فرماتے۔"

(مسند احمد: ۱۰۶۷۹)

"صحابہ کرام میں سے تاجر طبقہ قریش کا تھا، قریش کے مالدار حضرات بطورِ خاص اصحابِ صفہ کے لیے کھانا بھیجتے۔"

(حلیۃ الاولیا: ۱/ ۳۷۸)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کو ہم اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لے آتے اور ان طلباء کو صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیتے تھے، ایک صحابی ایک سے تین طالب علموں کو کھانے کے لیے گھر لے جاتا، زیادہ سے زیادہ ایک آدمی دس طالب علموں کو ساتھ لے جاتا، البتہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہر رات اسی اصحابِ صفہ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کھانا کھلاتے۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۶۲۲)

اس سلسلہ میں صحیح بخاری میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تین طلباء کو اپنے گھر لے جانے اور کھانے میں برکت ہو جانے کا دلچسپ واقعہ بھی مذکور ہے۔

''حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ تیسرا ان میں سے لے جائے اور جس کے پاس چار افراد کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے شخص کو ساتھ لے جائے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمی لے گئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تین آدمی گھر لے گئے، اس طرح صحابہ کرام اپنی وسعت کے مطابق ساتھ لے گئے...... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مہمانوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا شروع کیا تو کھانے میں کافی برکت ہو گئی، (فرماتے ہیں) ہم جیسے لقمہ اٹھاتے تو نیچے سے کھانے میں اضافہ ہو جاتا، اس طرح سارے لوگ کھا کر شکم سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھانے کو دیکھ کر اپنی اہلیہ سے فرمایا: اے بنو فراس کی بہن یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم، کھانا تو پہلے سے تین گنا زیادہ معلوم ہوتا ہے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ کھانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صبح تک یہ کھانا موجود رہا، آپ کے اور آپ کی قوم کے درمیان معاہدہ تھا، جس کی مدت کی تکمیل ہو چکی تھی، آپ کے پاس کچھ لوگ آئے ہوئے تھے، آپ نے انہیں بارہ حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصہ میں شریک لوگوں کی تعداد معلوم نہیں، ان سب نے یہ کھانا تناول فرمایا۔''

(صحیح بخاری: ۶۰۲)

مندرجہ بالا روایت سے طلباء کرام کو کھانے کھلانے سے رزق اور کھانے میں ظاہری برکت کو واضح انداز میں بیان کیا گیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب صفہ یعنی مدرسہ کے طلباء کی فکر اپنی لخت جگر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی بڑھ کر رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کتب احادیث و تاریخ

میں منقول ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چکی سے آٹا پیسنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی غلام آئے ہیں، تم بھی جاؤ اور ایک غلام مانگ کر لاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر نہیں ملے، سیدہ فاطمہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنے کا مقصد بیان کر دیا اور واپس چلی گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات ہی کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

وَاللهِ لَا أُعْطِيكُمْ وَاَدَعُ اَهْلَ الصُّفَّةِ تَطْوِيْ بُطُوْنُهُمْ مِّنَ الْجُوْعِ وَلَا أَجِدُ مَا أُنْفِقُ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ اَبِيْعُهُمْ وَاُنْفِقُ عَلَيْهِمْ اَثْمَانَهُمْ

(فتح الباری بحوالہ مسند احمد: ۶/ ۱۵۱)

’’قسم بخدا! میں تمہیں غلام نہیں دوں گا جبکہ صفہ والے بھوک سے نڈھال ہیں اور میرے پاس ان پر خرچ کرنے کو کچھ نہیں، لیکن میں انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت اصحابِ صفہ پر خرچ کروں گا۔‘‘

(صحیح بخاری باب الدلیل علی ان الخمس لنوائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، و فتح الباری)

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ کے طلباء کو بقدرِ سدِ رمق مشکل سے کھانا نصیب ہوتا، اس لیے بسا اوقات بعض طلباء شدتِ بھوک سے نمازوں میں گر جاتے، بعض اوقات بے ہوشی طاری ہو جاتی، بعض کو پہننے کے پورے کپڑے بھی میسر نہ آتے، رمضان المبارک میں اصحابِ صفہ روزہ رکھتے، بسا وقات انہیں افطاری کے لیے کچھ بھی میسر نہ آتا۔

’’سیدنا محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تجویز پیش کی، کہ باغوں کے مسلمان مالکان سے کہا جائے وہ پکی ہوئی کھجوروں کے کچھ گچھے صفہ کے اصحاب کے لیے نکالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور مسجد نبوی کے دو ستونوں کے درمیان رسی بندھوائی، انصارِ مدینہ اپنے باغات سے پکی ہوئی کھجوروں کے

خوشے لاکر اس رسی سے باندھنے اور لٹکانے لگے۔"

(وفاء الوفاء:۱/ ۳۲۲)

"روایات سے معلوم ہوتا ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھجوروں سے صدقہ نکالنے کا حکم دیا گیا تھا، تا کہ اس صدقہ کی برکت سے باغات آفات اور بلاؤں سے محفوظ رہیں (یہ بھی ممکن ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے باغات کے عشران طلباء پر خرچ کرتے ہوں) علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں مسجد میں کھجور کے خوشے لٹکانے کا معمول دوسری صدی تک باقی رہا۔"

(وفاء الوفاء:۱/ ۳۲۴)

مذکورہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت اور عہدِ نبوت کے بعد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ کے طلباء پر صدقات وغیرہ خرچ کیے جاتے تھے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اصحابِ صفہ کے متعلق آیت بھی نازل فرمائی:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ○ (البقرۃ:۲۷۳)

"(مالی امداد کے بطورِ خاص) مستحق وہ فقرا ہیں، جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ (معاش کی تلاش کے لیے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ اتنے پاک دامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے، اس لیے ناواقف آدمی انھیں مال دار سمجھتا ہے، تم ان کے چہرے کی علامتوں سے ان (کی اندرونی حالت) کو پہچان سکتے ہو (مگر) وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے"

آیت کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اور جاننا چاہیے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ

حضرات ہیں جو علومِ دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں، پس اس بناء پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور ان پر جو بعض ناتجربہ کاروں کا یہ طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا، اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کرسکتا، جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کو علمِ دین کا کچھ مذاق ہوگا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے، کہ اس میں غایت مشغولی وانہماک کی حاجت ہے، اس لیے اس کے ساتھ اکتسابِ مال کا شغل جمع نہیں ہوسکتا اور اس کے کرنے سے علمِ دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے، چنانچہ ہزاروں نظائر پیشِ نظر ہیں"۔

(بیان القرآن ج ۱/ ۱۸۹،۱۸۸ تفسیر آیت بالا)

مذکورہ بالا حوالہ جات اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی چشم کشا تحریر سے چند چیزیں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں:

۱)۔ دینی مدارس کا آغاز عہدِ نبوت سے ہوا۔

۲)۔ دینی مدارس کا ذریعۂ آمدنی ہر دور میں تبرعات یعنی مسلمانوں کے صدقات، زکوۃ یا وقف شدہ جائیدادیں رہیں، اجناس کا عشر و صدقہ بھی طلباء پر خرچ ہوتا رہا۔

۳)۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلباءِ دین کے طعام وضروریات کی خود کفالت فرماتے اور صحابۂ کرام کو ان کی کفالت کی ترغیب دیتے۔

۴)۔ اہلِ اسلام بالخصوص صحابۂ کرام ان طلباء پر صدقات صرف کر کے اپنے اموال و کاروبار کو بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رکھتے۔

۵)۔ ان طلباء پر خرچ کرنے سے مال اور کھانے میں برکت صحابۂ کرام نے برکت کا مشاہدہ بھی کیا۔

۶)۔ سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت کا نزول، صدقات وتبرعات، اصحابِ صفہ اور دینی علوم کے طلبہ پر خرچ کرنے کی فضیلت کے سلسلہ میں ہوا۔

۷)۔ دیگر مصارف سے دینی علوم کے طلبہ پر خرچ کرنا زیادہ باعثِ اجر وثواب اور باعث

فضیلت ہے۔

۸)۔ مذکورہ آیت میں حق تعالیٰ نے دینی علوم میں مشغول حضرات کے کاروبار نہ کرنے اور دیگر ذرائع روزگار اختیار نہ کرنے کا خود عذر بیان فرمادیا، یہ لوگ اپنے علمی انہماک کی وجہ سے دوسرا کوئی کام نہیں کرسکتے، کسی مشغلہ کو پیشہ بنانے کی صورت میں ان کے علمی کام کے زیاں کا خطرہ ہے۔

۹)۔ دینی مدارس پر زکوٰۃ وصدقات خرچ کرنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ عام حالات میں افضل ہے۔

۱۰)۔ علمی مشغلہ میں منہمک حضرات کے حالات سے باخبر لوگ انہیں مالدار سمجھ کر ان سے اعراض کرتے ہیں، اس مغالطہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے، تاہم ان کے حالات سے باخبر جانتے ہیں، یہ سفید پوش مستحقِ زکوٰۃ وصدقات ہیں۔

چنانچہ دینی مدارس عہدِ نبوت سے ہی توکلاً علی اللہ چل رہے ہیں، البتہ اسلامی عہدِ حکومت میں بعض نیک دل مسلمانوں اور حکومتوں نے دینی مدارس کے لیے اپنی جائیدادیں وقف کیں، جن کی آمدنی سے بھی مدارس چلتے رہے ہیں۔

برِصغیر میں انگریز کے اقتدار سے پہلے بہت سے مدارس کا ذریعہ آمدنی وقف املاک بھی رہیں، لیکن انگریز نے ان املاک کو ضبط کرکے ان مدارس کو نہ صرف بند کردیا، بلکہ ہزاروں علماء کرام کو شہید اور جلاوطن کرکے مدارس کے متوازی نظامِ تعلیم لاکر مدارس کو بے اثر کرنے کی پوری سعی کی، انگریز کے اسلام دشمن منصوبہ کے خلاف 1868ء میں حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ مل کر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھ کر ایک بار پھر دینی مدارس کے احیاء کی تحریک کا آغاز فرمایا، جو دراصل برِصغیر میں اسلام اور اسلامی قدار کی بقاء کی تحریک تھی، امتِ مسلمہ کے نظریات وعقائد کی حفاظت کی جدوجہد تھی، تب سے مدارس کا ذریعۂ آمدنی عوامی تبرعات ٹھہرے اور مقصدِ اصلی دینی علوم کی حفاظت اور اہلِ اسلام کی دینی ضروریات مثلاً شرعی راہنمائی کے لیے مفتیانِ کرام، شرعی فیصلوں کے لیے قضاۃ، مساجد کے لیے ائمہ و

خطباء، دینی علوم کی بقاء واحیاء کے لیے مفسر، محدث، فقیہ اور ماہرین علوم نبویہ تیار کرنا ٹھہرا۔

حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے مدارس کے سلسلہ میں نشاۃ ثانیہ کے وقت دینی مدارس کے قیام وبقاء کے لیے برِ صغیر کے حالات کے مطابق آٹھ اصول مقرر فرمائے، جنہیں اصول ہشت گانہ کہا جاتا ہے، یہ اصول ہشت گانہ تسہیل کے ساتھ ”صدائے فاروقیہ کی خصوصی اشاعت شعبان رمضان ۱۴۳۵ھ بمطابق جون، جولائی 2015ء“ صفحہ نمبر ۶۸ پر شائع کیے گئے ہیں جنہیں من وعن نقل کیا جارہا ہے:

۱)۔ مدرسے کی انتظامیہ کو ہمیشہ چندے کی کثرت کی کوشش کرنا چاہیے۔ خود بھی یہ کاوش کریں اور دوسروں سے بھی یہی محنت کروائیں۔ مدرسہ کے ہر خیر اندیش کو یہ امر ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ مدرسہ کی تعمیر وترقی اور تعلیم وتعلم بغیر اسباب کے حصول کے جاری رکھنا ناممکن ہے۔ اسباب ووسائل مدرسہ کی بنیاد، عوامی اعانت اور چندہ ہے۔ لہٰذا جس قدر اسباب کے درجے میں وسائل زیادہ ہوں گے اس قدر مدرسہ ترقی کرے گا۔

۲)۔ طلبہ کرام کے کھانے کی بہتری اور یقینی فراہمی کے لیے مدرسہ کے خیر خواہان ہمیشہ کوشاں رہیں۔

۳)۔ مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان کے پیش نظر مدرسہ کی ترقی وبہتری ہی رہنی چاہیے۔ کسی بھی رکن کو اپنی رائے یا تجویز تھوپنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اگر بالفرض کبھی ایسا مرحلہ آیا کہ اراکین کو اپنی رائے کی قبولیت پر خوشی اور عدمِ قبولیت پر ناراضگی کا احساس ہونے لگے تو مدرسہ کی بنیاد ختم ہو کر رہ جائے گی۔ قصہ مختصر یہ کہ اہل مشورہ کو اخلاص کے ساتھ بلا تامل مشورہ دینا چاہیے، نیز یہ مشورہ بھی مدرسہ کی بہتری کے لیے ہو۔ محض سخن پروری کے لیے مشورہ نہ ہو۔ سامعین کو بھی مشورہ کھلے دل سے سننا چاہیے، اگرچہ ان کی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مشورہ دینے والے کا مشورہ مفادِ مدرسہ میں ہو تو سامعین کو اپنی رائے کے علی الرغم اسے قبول کرنا چاہیے۔ اہل مدرسہ کو بھی مشورہ کرتے رہنا چاہیے اور سبھی سے مشورہ کرنا چاہیے، خواہ وہ مستقل مجلس شوریٰ

کارکن ہو یا مدرسہ میں آنے جانے والے ہوں۔ بشرطیکہ وہ صاحبِ علم، صاحبِ دانش، مدرسہ کے خیر اندیش ان اور ذی رائے ہوں۔ اگر کسی مشورہ طلب معاملے میں مہتممِ مدرسہ نے معتد بہ لوگوں سے مشورہ کر کے کوئی کام کیا تو کسی کو اس لیے ناراض نہیں ہونا چاہیے کہ مجھ سے کیوں نہیں پوچھا گیا؟

۴)۔ نظامِ مدرسہ کے لیے یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ مدرسہ کے جملہ اساتذۂ کرام ہم خیال و ہم فکر ہوں اور اس زمانے کے علمائے سوء کی طرح اپنے آپ کو اعلیٰ جاننے اور دوسروں کی توہین کرنے والے نہ ہوں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو مدرسہ کی خیر نہیں ہوگی۔

۵)۔ مدرسہ کے نصاب کی مقدارِ خواندگی جو باہم مشورہ سے طے ہو چکی یا آئندہ طے ہوتی رہے گی، اس کی تکمیل ہونا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر اول تو مدرسہ ٹھیک طرح سے آباد نہ ہوگا اور اگر ہوا بھی تو مدرسہ کے ثمرات و فوائد حاصل نہیں ہوں گے۔

۶)۔ مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی یقینی سبیل نہ ہو اور اربابِ مدرسہ میں توجہ الی اللہ رہے، تب تک مدرسہ چلتا رہے گا۔ اگر کوئی آمدنی کی یقینی سبیل پیدا ہو گئی مثلاً مدرسہ کو کوئی جاگیر حاصل ہو گئی یا کارخانہ مل وغیرہ عطیہ ہو گیا، جس کی آمدنی سے مدرسہ کے اخراجات پورے کیے جا سکیں یا کسی پختہ عہد کے حامل صاحبِ حیثیت نے امداد کا مستقل وعدہ کر لیا تو اس سے توکل علی اللہ اور اعتماد علی اللہ جیسے سرمائے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ نظر اسباب پر رہنے لگے گی۔ غیبی امداد رک جائے گی۔ منتظمین میں اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں کسی حد تک بے سروسامانی کا پہلو باقی رہنا چاہیے۔

۷)۔ حکمرانوں اور حکومت کی مدرسہ میں امداد مضر معلوم ہوتی ہے اور ان کی شرکت و مداخلت نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس لیے حکمرانوں اور حکومت کی مالی امداد اور حکومتی شراکت سے مدارس کو اجتناب کرنا چاہیے۔

۸)۔ ایسے لوگوں سے چندہ و امداد کا حصول جو دکھلاوا اور نام و نمود کے طلب

گا نہیں باعث برکت ہوگا۔ بہر صورت چندہ دینے والوں کی نیت کا مدرسہ پر اثر ظاہر ہوتا ہے۔اس لیے مخلصین سے چندہ کے حصول کو ترجیح دی جائے۔

اسلامی ریاست کا فریضہ تھا کہ وہ دینی تعلیم کو حکومتی تعلیمی اداروں کا جز و نصاب بناتی اور اہل اسلام کی دینی ضروریات کی تکمیل کرتی، اگر ایسا ہوتا تو شاید پرائیویٹ سیکٹر میں زیادہ دینی مدارس کے قیام کی ضرورت نہ رہتی، لیکن افسوس کہ ریاست نے اپنے فریضہ سے کوتاہی برتی اور تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم کو شامل نہ ہونے دیا، نتیجتاً علماءِ امت نے امت کی یہ خدمت اپنے ذمہ لے لی اور اپنی مدد آپ اور عوامی تعاون سے مدارس کا ملک بھر میں جال بچھایا، ان مدارس نے بحمد اللہ! مسلمانوں کی دینی ضروریات کی بھرپور تکمیل کی اور ملک کے کسی بھی حصہ میں حفاظ، قراء، ائمہ کرام، خطباءِ عظام، مفتیانِ کرام اور شرعی راہنمائی کرنے والے افراد کی کمی نہ ہونے دی۔ آج دنیا بھر میں پاکستانی مدارس و جامعات کے فضلاء امت کی دینی و شرعی ضروریات کے کفیل ہیں۔

الحمد للہ! پاکستان کے دینی مدارس ہر قسم کی حکومتی امداد سے مبرا، سنت نبوی کے عین مطابق، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے طے کردہ اصولوں پر توکلا علی اللہ مصروف عمل ہیں اور یہی ان مدارس کی کامیابی کا راز ہے۔اس لیے دینی مدارس کا چلانے کا طریقہ کار نہایت موزوں اور درست ہے، خطرہ ان مدارس کا ہے جو بقول حضرت نانوتوی رحمہ اللہ مستقل آمدنیوں کی سبیل کر کے چلانا چاہتے ہیں، یہ طریقہ ہر مدرسہ کے لیے نامناسب اور غیر موزوں ہے، عوام کو چاہیے کہ وہ اپنے دینی مدارس کا بھرپور خیال فرمائیں اور ان مدارس کے تعاون کا سلسلہ نہ صرف جاری رکھیں، بلکہ اس میں اضافہ فرمائیں۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ/مئی 2021ء)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مجوزہ اجتماعات

سترہ ہزار مدارس وجامعات پر مشتمل، اہل السنت والجماعت اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سب سے بڑا تعلیمی، امتحانی ادارہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نہ صرف ایک امتحانی بورڈ ہے بلکہ مدارس وجامعات کے لیے نظریاتی، فکری اور تعلیمی اصولوں کا نگہبان اور محافظ بھی ہے۔ مدارس وجامعات کی حریت فکر آزادی، خودمختاری کا تحفظ، مدارس ودینی اداروں کی بقا و پاسبانی مدارس کے نظم تعلیم، نصاب تعلیم، نظام تربیت امتحانات اور اکابر کی علمی وراثت کی نسل نو کو صحیح معنوں میں منتقلی بھی وفاق کے فرائض میں شامل ہے۔

بحمد اللہ اکابرین وفاق نے ہمیشہ ہر سطح پر نہ صرف مدارس کی ترجمانی کی بلکہ مدارس پر لگنے والے جھوٹے الزامات، اعتراضات اور پروپیگنڈے کا مثبت، مدلل اور منہ توڑ جواب بھی دیا۔ جب بھی کسی مدرسہ پر افتاد پڑی، خطرات درپیش ہوئے یا مدارس میں مداخلت کی کوششیں ہوئیں تو اکابرین وفاق نے حتی المقدور اپنا کردار ادا کیا۔ مقامی، صوبائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی بساط کے مطابق مدارس کا مقدمہ لڑا اور مدارس کے موقف کو موثر انداز میں اجاگر کیا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق مدارس وجامعات کا فیض بحمد اللہ عرب وعجم، شرق وغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ وفاق کے فیض یافتگان کی تعداد بلاشبہ لاکھوں سے بھی متجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وفاق کو تبلیغی جماعت کی طرح انتشار وافتراق سے بھی محفوظ رکھا ہوا ہے۔ وفاق ہی وہ واحد چھتری ہے جس کے سائے تلے اہل السنت والجماعت کے تمام طبقات باوجود اختلاف مزاج اور اختلاف طریق کار کے یکجا ہو کر مشترکہ مقاصد واہداف میں ایک ہی پالیسی وضع فرمالیتے ہیں۔ الغرض اہل حق کا یہ عظیم ادارہ ہمہ جہت علمی ودینی خدمات میں مصروف عمل ہے۔

ایک عرصے سے کچھ قوتیں اسلام، مسلمانوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بالا صفات کو ہدف تنقید وتنقیص بنا رہی ہیں۔ ان کے مسلمان کہلانے والے کارندے بھی

مدارس، علماء اور مشائخ پر الزامات و بہتان کے تیر و تفنگ چلا رہے ہیں۔ ایک طرف تو دینی طبقہ بالخصوص مدارس پر شدت پسندی، تنگ نظری، فسطائیت، ملائیت، فرقہ واریت اور معاشرے سے الگ تھلگ طبقہ ہونے کے الزامات لگائے جا رہے ہیں، تو دوسری طرف ان مدارس میں حکومتی اور غیر ملکی مداخلت کی نت نئی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں۔ اسلامی تہذیب و اقدار کے احیاء و بقا کے امین، علوم نبوت کے ترجمان، مزاج سلف کے محافظ اور قوم کی حقیقی دینی رہنمائی کرنے والے مدارس کو طمع و لالچ اور دھمکیوں اور مرعوبیت سے سر کرنے کی سر توڑ کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔ ایک جانب این جی اوز اور غیر ملکی حکومتوں کے ذریعے دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ کو "جدید" بنانے، مغربی ثقافت کو ترویج دینے اور ان کی عملی صلاحیتوں کو سلب یا کمزور کرنے کے لیے پانچ ستاروں والے ہوٹلوں میں دلکش مراعات کے ساتھ مخلوط مختصر دورانیے کے پروگراموں میں شرکت کا جال پھیلا کر شکار کیا جا رہا ہے۔ دوسری جانب حکومتی کارندے مدارس کے نظام میں مداخلت کی نہ صرف کوششیں کرنے میں مصروف عمل ہیں بلکہ دھمکیوں اور سرچ آپریشن تک معاملہ چلا جاتا ہے۔

بعض حکومتی وزراء، سیاستدان، میڈیا کے بعض ذمہ داران اور ایک طبقہ مدارس کے خلاف وقتاً فوقتاً لب کشائیوں پر مامور ہے۔ وہ مدارس کو دباؤ میں لانے کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس سلسلے میں صوبہ پنجاب کے وزیر قانون کا غیر حقیقت پسندانہ بیان کچھ عرصہ قبل ذرائع ابلاغ کی زینت بنا، جبکہ موصوف خود ہی گذشتہ دور حکومت میں مدارس کے دفاع میں متعدد بار بیانات ارشاد فرما چکے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ طبقات کسی دباؤ میں بہر صورت مدارس و جامعات کے سلسلے میں اپنے مشن کو سرانجام دے رہے ہیں۔

حال ہی میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت نے قومی اسمبلی میں قومی سلامتی پالیسی کے عنوان سے حکومت کی تازہ ترین پالیسی پیش کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کی سلامتی اور وطن عزیز کا استحکام سب سے اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ دہشت گردی، بدامنی اور شدت پسندی نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ تاہم قومی پالیسی کی آڑ میں تعلیم اور شرح خواندگی کو فروغ دینے والے ہزاروں مدارس اور جامعات کے خلاف مجوزہ حکومتی اقدامات نے اہل مدارس کو

سر جوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ پر امن، منظم اور معاشرے کے صالح افراد تیار کرنے والے اپنی مدد آپ کے تحت ہر طرح کی حکومتی امداد سے مستغنی بے چارے مدارس کو قومی دھارے میں لانے کے خوش کن راگ اور لوری دراصل مدارس کے نظام و نصاب میں مداخلت کرنے کا ایک غیر ملکی منصوبہ ہے جس سے مدارس کسی صورت تحمل نہیں کر سکتے۔ ذمہ داران مدارس، علماء اور مشائخ مدارس کے نصاب میں وقتاً فوقتاً عصری تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تبدیلی کرتے رہتے ہیں اور تبدیلی کی یہ سوچ مدارس کے اہداف و اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے جاری رہتی ہے۔ بایں ہمہ حکومتی مداخلت اس نظام کے خلاف بھیانک سازش ہے۔ اس سازش کو ناکام کرنے کے لیے علماء اور مشائخ نے حجروں، خانقاہوں اور درسگاہوں سے نکل کر احتجاج کی راہ اپنانے کا فیصلہ کیا ہے۔

مدارس و جامعات کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے، ان کے ذمہ داران کو جہاں ان خطرات سے آگاہ کرنے، خبردار کرنے، ان کے شکار کے لیے لگائے گئے نئے نئے جالوں سے ہوشیار رکھنے کی ضرورت ہے وہاں مدارس کو موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں یکساں موقف اختیار کرنے اپنے مسلک کے مسلمہ بزرگوں سے رہنمائی لینے، ان کی ہدایت حاصل کرنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ دشمن کی چالوں میں یہ بھی شامل ہے کہ علمائے کرام میں باہم اعتماد و اتحاد کو مجروح کر کے انتشار پھیلا کر مقاصد حاصل کیے جائیں۔ اس پس منظر میں اہل مدارس کا ایک دوسرے سے رابطہ و تبادلۂ خیال بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے مدارس و جامعات کی اصل روح تعلیمی معیار ہے۔ بدقسمتی سے موجودہ دور میں مدارس کے تعلیمی معیار میں ضعف پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ معیار تعلیم کی بلندی و مضبوطی ہی مدارس کے بقا کی ضامن ہے چنانچہ وقتاً فوقتاً وفاق المدارس کی جانب سے اس سلسلے میں اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔ معیار تعلیم کی بلندی کے لیے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے مدارس و جامعات اور طلبہ وطالبات کے انعامات و اعزازات کے ذریعے حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے۔

مذکورہ بالا مقاصد کے تحت وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ نے اس سلسلے کے چھ اجتماعات کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔ صوبہ پنجاب کے مدارس و جامعات کا اجتماع انشاء اللہ

مؤرخہ 20 مارچ کو اسٹیڈیم قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں منعقد ہوگا۔ یہ اجتماع دو نشستوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلی نشست 9 بجے شروع ہوگی۔ جبکہ دوسری نشست بعد از ظہر تا نماز عصر ہوگی۔ اس اجتماع کو "تحفظ مدارس دینیہ واسلام کا پیغام امن" کا عنوان دیا گیا ہے۔ دوسرا اجتماع صوبہ سندھ کے مدارس کا ہے، جو انشاء اللہ مؤرخہ 23 مارچ کو جامعہ دارلعلوم کراچی میں، تیسرا اجتماع صوبہ بلوچستان کے مدارس کا مؤرخہ 25 مارچ کو جامعہ امدادیہ کوئٹہ میں اور چوتھا اجتماع صوبہ خیبر پختونخواہ کے مدارس کا مؤرخہ 27 مارچ کو جامعہ عثمانیہ جدید پشاور میں منعقد ہوگا۔ جبکہ گلگت، بلتستان، آزاد کشمیر کے مدارس کا اجتماع مورخہ 30 مارچ کو دارالعلوم اسلامیہ مظفر آباد میں اور مرکزی تقریب کونشن سنٹر اسلام آباد میں مورخہ 24 اپریل 2014ء کو منعقد ہوگی۔ یہ کانفرنس مدارس کی خدمات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ مدارس کے خلاف اٹھائے جانے والے اقدامات کا مسکت جواب ہوگا اور اس کے ساتھ اسلام کے پیغامِ امن کا پرچار کرکے ملک میں قیامِ امن کی راہ ہموار کی جائے گی۔ ان اجتماعات سے اکابرینِ وفاق المدارس، دینی جماعتوں کے قائدین، مشائخ، دانشور اور زعماء ملت خطاب کریں گے۔ یہ اجتماعات غیر سیاسی ہر قسم کی گروہ بندیوں سے مبراء ہوں گے۔ اجتماع میں ملک کی سول سوسائٹی اور مختلف طبقات فکر کے نمائندوں کو شرکت کی دعوت دی جائے گی۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی اولی ۱۴۳۵ھ/ مارچ 2014ء)

مدارس سے متعلق قومی اسمبلی کی قرارداد

قومی سلامتی پالیسی کے مدارس کش اقدامات اور

اسلامی نظریاتی کونسل سے متعلق سندھ اسمبلی کی قرارداد

مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسلامی تشخص کے خاتمے، ملک کو لامذہب ریاست بنانے، وطن عزیز سے دوقومی نظریے کی اساس کو اکھاڑنے اور غیرملکی ایجنڈے کے نفاذ کے لیے ہر حکومت سابقہ حکومت سے دو ہاتھ آگے جانے میں ہی اپنی کامیابی سمجھتی ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ جنرل (ر) پرویز مشرف کے عہد سیاہ سے تاہنوز شدومد کے ساتھ جاری وساری ہے۔ جنرل صاحب نے اسلام اور راسخ العقیدہ علما کو چرکا لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ''لال مسجد'' سے لے کر ''تحفظ نسواں بل'' تک ان کے جملہ اقدامات تاریخ کا سیاہ باب ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد غیرمبارک میں مدارس کو بھی آڑے ہاتھوں لیا۔ انہیں قومی دھارے میں لانے کا راگ الاپا، ماڈل مدرسوں کا تصور پیش کیا، مدارس کو کنٹرول کرنے کے لیے اپنے غیرملکی آقاؤں سے لاکھوں ڈالر کا نذرانہ وصول کیا۔ تاہم موصوف اہل مدارس کے باہمی اتحاد واتفاق کی بدولت اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ماڈل مدرسے نہ صرف بری طرح ناکام ہوئے، بلکہ بعض مقامات پر تعمیر شدہ حکومتی ماڈل مدرسے بھوتوں کا بسیرا اور جانوروں کی قیام گاہ بن کر اپنے بانی جنرل (ر) پرویز مشرف کی طرح تازیانہ عبرت بن چکے ہیں۔ جبکہ صدیوں سے قائم ہزاروں مدارس اپنی آب وتاب، نظام ونظم، تعداد اور معیار میں پہلے سے کئی گنا ترقی کرچکے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' سے ملحق تقریباً 18 ہزار مدارس وجامعات میں تقریباً بیس لاکھ طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ مدارس کی دیگر تنظیموں سے ملحق مدارس کی تعداد اور ان میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کی تعداد اس سے الگ ہے۔ ان طلبہ وطالبات

کو یہ مدارس بالکل مفت تعلیم، رہائش، خوردونوش، علاج معالجہ اور دیگر بہت سی سہولیات فراہم کر رہے ہیں۔ ان مدارس کا اصل ہدف دینی علوم اور مسلمان ہونے کی حفاظت، اہل اسلام کی دینی ضروریات کی تکمیل اور معاشرے کی صحیح اسلامی رہنمائی کے لیے رجال کار پیدا کرنا ہے۔ تاہم مدارس ضروری حد تک عصری تعلیم بھی اپنے اپنے متعلمین کو مفت فراہم کر رہے ہیں۔

مدارس کا مقصد نہ تو انجینئر پیدا کرنا ہے اور نہ ہی ڈاکٹر اور سائنسدان۔ بلاشبہ یہ بھی ایک اہم فریضہ اور ذمہ داری ہے۔ تاہم اس فریضہ کو حکومتی/غیر حکومتی عصری تعلیمی ادارے خوب خوب نبھا رہے ہیں۔ ان اداروں میں ضروری اصلاحات کے ساتھ ان کے نظام و معیار کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور موثر بنایا جاسکتا ہے۔ مدارس کا اصل ہدف معاشرے کی دینی ضروریات کی تکمیل کا فریضہ ہے۔ جس سے حکومت بالکل غافل اور پہلو تہی کر رہی ہے۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ معاشرے کو راسخ العلم مفتی فراہم کرنا، حفاظت قرآن و سنت کے لیے اچھے قاری، حافظ اور عالم تیار کرنا، حلال و حرام کے مسائل میں امت کی رہنمائی کرنا بھی تو ملک کی اہم ترین ضرورت ہے اور یہ ضرورت صرف اور صرف دینی مدارس پوری کر رہے ہیں۔ اگر تقسیم کار کے اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا جس کا حل نہ ہو۔ جب ایک سائنسدان کے لیے ڈاکٹر یا انجینئر ہونا ضروری نہیں، ایک ڈاکٹر کے لیے ماہر کمپیوٹر اور آئی ٹی کے شعبے کا ماہر ہونا ضروری نہیں، ایک اکاؤنٹینٹ کے لیے عالم دین ہونا ضروری نہیں تو یہ کونسا فلسفہ اور عقل و دانش ہے کہ مدرسہ کے ایک مولوی یا مسجد کے امام یا خطیب کے لیے ڈاکٹر اور انجینئر بنانے کی ضرورت کو اجاگر کیا جائے۔ ایک آدمی ایک شعبے میں ہی صحیح معنوں میں کام کرسکتا ہے، ہر شعبے میں ٹانگ اڑانا معاملہ بگاڑنے کے مترادف ہوتا ہے۔ ایک ہی شعبہ میں تقسیم کی ضرورت بھی مسلم ہے۔ آئی سپیشلسٹ ڈاکٹر گردہ و معدہ کا علاج کرنے کا حق نہیں رکھتا تو یہ کونسی منطق ہے کہ مولوی کو انجینئر و ڈاکٹر تیار کرنے کے مشورہ دیے جائیں اور انہیں قومی دھارے میں لانے کا راگ الاپا جائے۔ چنانچہ انگریز کے دور سے اب تک تجربہ شاہد ہے کہ جس مدرسہ نے بھی اپنے ہدف کو ترک کر کے عصری علوم کے امتزاج کی کوشش کی وہ مدرسہ اپنا وجود قائم نہ رکھ سکا اور بالآخر وہ کالج یا یونیورسٹی بن گیا۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کی خواہش پر قائم کردہ ''جامعہ ملیہ'' سے لے کر ''جامعہ عباسیہ

بہاولپور" تک کے ادارے ہمارے اس دعوے کے ٹھوس دلائل ہیں۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ حائل ہوا آمدم برسرِ مطلب۔ اللہ اللہ کر کے جنرل صاحب کے دورِ آمریت سے نجات ملی اور پیپلز پارٹی کا یادگار عہدِ جمہوریت شروع ہوا لیکن اسلام، مدارس اور دینی قوتوں کو معافی نہ مل سکی بلکہ طرح طرح سے اسلامائزیشن کے خلاف اقدامات جاری و ساری رہے۔ عہدِ جمہوریت کے پانچ سالوں میں دو وزرائے اعظم کا دور گزرا تو مسلم لیگ ــــ (ن) بھاری اکثریت لے کر لیلائے اقتدار کی گود میں آ کودی۔ لیکن غیر ملکی ایجنڈے کی تکمیل کا سلسلہ جاری رہا۔ گذشتہ مہینوں میں تحفظ پاکستان آرڈیننس، دینی قوتوں کے تحفظات، انسانی حقوق کی تنظیموں کے احتجاج اور بین الاقوامی ہیومن کی تنقید کے باوجود مسلط کر کے ہر ناجائز اقدام کو قانون کا خوبصورت کرتہ پہنا دیا گیا۔ اس کے بعد قومی سلامتی پالیسی کے نام سے نوے صفحات پر مشتمل ایک حصہ اسمبلی میں پیش کیا گیا اور دوسرا حصہ تا حال صیغہ راز میں رکھا گیا ہے۔ اس قومی سلامتی پالیسی میں ملک کے دفاع اور تحفظ کے ہر جائز اقدام کی حمایت کے ساتھ مدارس کش اقدامات کی اہل فکر و نظر بھرپور تردید کر رہے ہیں۔ چنانچہ مدارس سے متعلق درج ذیل تین دفعات اس میں مذکور ہیں۔

۱)۔ دفعہ نمبر ۲۵: دینی مدارس کی مرکزی قومی دھارے کے تعلیمی فریم ورک میں شمولیت کی بھی خواہش ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ادارے تکثیری معاشرے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ بات اہم ہے کہ ان اداروں کو ان کی انتظامیہ کی مدد کے ساتھ، ان کے مالیاتی آڈٹ اور ان کے تعلیمی نصاب کی منظوری کو بھی قومی تعلیمی نظام میں ضم کیا جائے۔ یہ چیز دوسرے پرائیویٹ تعلیمی اداروں پر بھی لاگو ہوگی۔

۲)۔ دفعہ نمبر ۲۷: قومی سلامتی پالیسی کے نفاذ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ لیگل فریم ورک کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔ یہ اصلاحی عمل مجرمانہ انصاف کی ضروریات کا بھی جواب دے گا۔ اور پاکستان کے شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کو بھی یقینی بنائے گا۔ مجرمانہ انصاف کی اصطلاحات کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ریاست کی ریگولیٹری صلاحیت کا جائزہ لیا جائے۔ جن کے تحت مساجد اور مدارس کام

کر رہے ہیں۔

۳)۔ دفعہ نمبر ۳۶: موجودہ، نئے اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی تعریفات وضع کرنے کے بعدان مساجد اور مدارس کو قومی اور صوبائی تعلیمی اداروں میں ضم کیا جائے۔

ان مدارس کش اقدامات پر ملک بھر میں اہل مدارس اوران سے محبت رکھنے والے لاکھوں عوام بھرپور احتجاج کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مورخہ 20 مارچ کو قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان، مورخہ 23 مارچ کو جامعہ دارالعلوم کراچی، مورخہ 25 مارچ کو جامعہ امدادیہ کوئٹہ، مورخہ 27 مارچ کو جامعہ عثمانیہ جدیدی پشاور اور مورخہ 31 مارچ کو مظفر آباد آزاد کشمیر میں لاکھوں لوگوں کے اجتماعات منعقد ہوئے۔ جن میں بنیادی فکری ہم آہنگی رکھنے والے مذہبی، دینی اور سیاسی جماعتوں نے ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے پلیٹ فارم پر ان اقدامات کو مسترد کر کیا ہے۔

ابھی اس احتجاج کا سلسلہ جاری تھا کہ مورخہ یکم اپریل کو ممبر قومی اسمبلی ڈاکٹر نفیسہ شاہ نے مدارس سے متعلق ایک قرارداد پیش کی جسے اپریل فول کا درجہ ملنا چاہیے تھا۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 2 اپریل کی یہ خبر ملاحظہ ہو:

> ''ڈاکٹر نفیسہ شاہ نے قرارداد پیش کی کہ حکومت مدرسہ تعلیم کو بہتر بنانے اور منضبط کرنے کے لیے اقدامات کرے۔ زیادہ مدارس غریب بچوں کو تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔ مدارس کو ملک کے دیگر تعلیمی نظام سے الگ نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کو قومی دھارے میں لانا ہوگا۔ مدارس کی رجسٹریشن ہونی چاہیے۔''

دوسری جانب وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے اس قرارداد کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ مدارس پہلے سے منضبط قانونی دائرے میں ہیں۔ ان کی رجسٹریشن کا قانون بھی موجود ہے۔ جسے مشرف دور میں بعض ضروری ترامیم کے ساتھ نافذ کیا گیا تھا۔ تاہم حکومت نے خود ہی یکطرفہ طور پر مدارس کی رجسٹریشن پر عملاً پابندی لگائی ہوئی ہے۔ مدارس اس قانون کے تحت ہر سال حکومت کو اپنا تعلیمی و مالیاتی محاسبہ پیش کر رہے ہیں۔ لہٰذا پہلے سے طے شدہ ایک معاملہ کو نا معلوم کیوں چھیڑا جا رہا ہے۔ حکومت اپنی کوتاہی کا ملبہ مدارس پر گرا رہی ہے جو

سراسر ناانصافی ہے۔

صوبہ سندھ کی صوبائی اسمبلی نے ''اسلامی نظریاتی کونسل'' جیسے اساسی اور آئینی ادارہ کو تحلیل کرنے کی قرارداد منظور کی ہے، یقیناً یہ قرارداد اسلام دشمنی اور مذہب بیزاری اور آئین سے انحراف ہے۔ جس آئین کے تحت قومی وصوبائی اسمبلیاں معرض وجود میں آئی ہیں، اسی آئین کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل فعال ہے۔ اس کونسل کا فریضہ ہے کہ وہ ریاست کی دینی رہنمائی کرے اور قرآن وسنت سے متصادم قوانین کے خاتمہ کی سفارشات مرتب کرے۔ ہر چند کہ تیس سال سے زائد کا عرصہ بیت گیا کونسل کی سفارشات کو سرد خانے میں ڈال کر مجرمانہ خاموشی برتی گئی۔ تاہم یہ کونسل جو ملک کے متعدد مسالک سے تعلق رکھنے والے جید علمائے کرام پر مشتمل ہے اپنا فرض بحسن وخوبی نبھارہی ہے۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ کونسل میں مکمل اتفاق واتحاد موجود ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کی فکری وحدت کا آئینہ دار یہ ادارہ ملکی یکجہتی کا ذریعہ بھی ہے اور صاف بات یہ ہے کہ ماہرین شریعت ہی جانتے ہیں کہ کونسا قانون خلاف شریعت ہے نہ کہ اراکین سندھ اسمبلی۔ ہم اس غیر آئینی قرارداد کی مذمت کرتے ہوئے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ سندھ اسمبلی کے نااہل اراکین کی رکنیت ختم کرکے اسمبلی تحلیل کردی جائے تاکہ آئین سے انحراف کی سزا سے اشرافیہ بھی نہ بچ سکیں۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ/ اپریل 2014ء)

مدارسِ اسلامیہ کے خلاف کریک ڈاؤن

اور مدارس کی سرخروئی

16 دسمبر 2014ء کے سانحہ پشاور کے بعد ملک سے بدامنی، انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے غیر معمولی اقدامات اٹھانے کا اعلان کیا گیا۔ ان اقدامات کے نتیجے میں قومی اسمبلی اور سینٹ سے اکیسویں آئینی ترمیم منظور کرائی گی۔ جس کے نتیجہ میں نیشنل ایکشن پلان میں جہاں دہشت گردی کے خلاف دیگر اقدامات اٹھانے کا ذکر کیا گیا، وہاں مدارس کی اصلاح کی بات بھی کی گئی۔ ہر چند کہ اکیسویں آئینی ترمیم پر مذہبی حلقوں کی جانب سے اس تشویش کا اظہار کیا جاتا رہا ہے کہ یہ ترمیم صرف مذہبی طبقات کے خلاف ہی اقدامات اٹھانے کا قدم ہے۔ نیز جو لوگ قوم، زبان، علاقہ کے نام پر دہشت گردی کے مرتکب ہیں، اکیسویں آئینی ترمیم کا اطلاق ان کے خلاف کاروائی پر نہ ہوگا۔

جبکہ ہمہ قسم دہشت گردی قابل گردن زنی ہے۔ خواہ وہ دہشت گردی زبان کے نام پہ ہو، علاقہ، مذہب، مسلک یا قومیت کے نام پر ہو۔ مذہبی طبقات کے اس متفقہ مطالبہ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے یہ ترمیم منظور کر لی گئی اور صوبوں کو ایکشن پلان پر عمل کرنے کی ہدایات جاری ہو ئیں۔ نیز ملک سے سزائے موت کی سزا جس پر عملاً پابندی تھی جاری کر دی گئی۔ ایکشن پلان کے نتیجے میں صوبوں نے شدت پسندی، فرقہ وارانہ منافرت اور دہشت گردی کے خلاف متعدد قوانین نافذ کیے۔ ایکشن پلان پر عمل کرنے اور خود آئینی ترمیم کی تنفیذ میں صوبہ پنجاب سب سے پیش پیش رہا ہے۔ پنجاب میں اب تک جو اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ ان کی جھلک درج ذیل ہے:

ا)۔ ایمپلی فائر ایکٹ میں ترمیم کرتے ہوئے ہزاروں لوگوں پر ایمپلی فائر ایکٹ کی خلاف ورزی کی ایف۔ آئی۔ آر درج کر کے گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ بلاشبہ

ان مقدمات کے حامل ہزاروں لوگوں میں بہت سے افراد قانون شکنی کے مرتکب بھی ہوئے۔ لیکن ان لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔ جنہیں غلط رپورٹوں، فائلوں کا پیٹ بھرنے، پہلے سے طے شدہ عدد پورا کرنے یا ذاتی وفرقہ وارانہ مخاصمت میں بطور انتقام کے اس قانون کا نشانہ بنایا گیا۔

۲)۔ وال چاکنگ پر پابندی لگائی گئی۔

۳)۔ جو لوگ پہلے سے فورتھ شیڈول کیے گئے تھے، انہیں ایک ماہ سے تین ماہ تک نظر بند کیا گیا۔ اس کے ساتھ بہت سے مزید حضرات کو فورتھ شیڈول میں ڈال دیا گیا۔ ایمپلی فائر ایکٹ کے مقدمات کی طرف فورتھ شیڈول میں ڈالے گئے حضرات میں بھی ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو ذاتی، مسلکی رنجشوں کا شکار ہوئے یا انہیں غلط رپورٹس کی بنیاد پر فورتھ شیڈول کر دیا گیا۔ حالانکہ ان شخصیات کا ماضی یا حال میں کسی تنظیم سے نہ تو تعلق رہا اور نہ ہی ان کی فرقہ وارانہ سرگرمی میں تلویث پائی گئی۔ بہت سے مدارس کے اساتذہ کرام، طلباء، مدرسین پر بھی غلط طور پر فورتھ شیڈول کی دفعہ لاگو کر دی گئی۔ نیز فورتھ شیڈول کے بارے میں احکامات مزید سخت کر دیے گئے اور ہدایات جاری ہوئیں کہ یہ لوگ نہ تو تقریر کر سکتے ہیں، نہ پریس کانفرنس کر سکتے ہیں، نہ ہی کسی ادارہ کے مہتمم یا استاد اور مسجد کے امام وخطیب بن سکتے ہیں اور نہ یہ کسی ایسی جگہ جا سکتے ہیں، جہاں چھوٹے بچے موجود ہوں۔ گویا کہ انہیں عملاً خطرناک ترین دہشت گرد قرار دیا گیا۔

افسوس کا عالم یہ ہے کہ دہشت گردی کے نام پر ستر سالہ علماء، مشائخ، بزرگان دین اور معاشرہ میں اصلاح وارشاد کا فریضہ سرانجام دینے والی مسلمہ شخصیات (جن کی امن کے لیے قربانیوں کا زمانہ معترف ہے) کی بھی پگڑیاں اچھال دی گئیں۔

۴)۔ مدارس، جامعاتِ اسلامیہ (جو معاشرہ میں خدائی خدمت گار بن کر تعلیم وتربیت، خدمتِ مذہب، خدمتِ خلق، ایثار وقربانی، ہمدردی وخیر خواہی کی تصویر بن کر فریضہ سرانجام دے رہے ہیں) کے خلاف منفی مہم چلائی گی اور پھر مورخہ ۸، ۹۔ اگست کو

صوبہ بھر کے صرف ایک مسلک (علمائے دیوبند) کے مدارس پر پولیس، C.T.D، خفیہ اہل کار نیز بعض مقامات پر میڈیا کے لوگوں کے ساتھ دشمن ملک کی طرح یلغار کرکے ان مقدس دینی اداروں کے نہ صرف تقدس کو پامال کیا گیا، بلکہ ان کے کونے کونے کو چھان کر طلباء کے بستر، الماریاں، صندوق، اساتذہ کے مکانات، کچن، مطبخ نیز قرآن کریم اور دینی کتب کے اوراق تک کی تلاشی لے کر ان کے خطرناک ترین ہونے کا تاثر دیا گیا۔

اس طرز و انداز کے ساتھ مدارس دشمن، اسلام دشمن اور ملک دشمن عناصر کی خوب حوصلہ افزائی کی گی۔ ظلم بالائے ظلم یہ کہ دین و مذہب سے نا آشنا اہل کاروں نے سب سے زیادہ مدارس وجامعات کے کتب خانوں کو کنگالا۔ مذہبی کتب سے نابلد ان اہل کاروں نے اپنی دانست میں جس کتاب/رسالہ کو فرقہ وارانہ تصور کیا، بس رپورٹ کر کے ایسے بعض مدارس کے ذمہ داروں کے خلاف دہشت گردی کے پرچے کاٹ دیے۔ یہاں تک کہ اس بات کا جائزہ لینا بھی گوارا نہ کیا گیا کہ یہ فرقہ وارانہ لٹریچر ہے یا تحقیقی لٹریچر و کتاب۔ دنیا کے مہذب معاشروں میں تقابل ادیان، تقابل مسالک کے مواد کو کوئی بھی شجرہ ممنوعہ قرار نہیں دیتا۔ اگر ایسا کر لیا جائے تو تحقیق و ریسرچ کے دروازوں پر تالا لگ جاتا ہے۔ بہت سی کتب بطور ریکارڈ اور تاریخ کے لائبریریوں میں رکھی جاتی ہیں۔ اس نکتہ کو نظر انداز کرتے ہوئے کاروائی عمل میں لائی گئی۔ ان سب امور کو نہ جانے حکومتی اہل کار کیوں نہیں سمجھ پا رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدارس کے خلاف کاروائی کا محض بہانہ ڈھونڈا جا رہا ہے۔ بحمد اللہ! ان اہل کاروں کو مدارس سے نہ اسلحہ مل سکا، نہ کوئی دہشت گرد، نہ کوئی مطلوب فرد اور نہ ہی غیر قانونی سرگرمی۔ تو محض لٹریچر پر کاروائی کو ضروری سمجھا گیا۔

راقم الحروف نے مورخہ ۷ راگست کو ان حالات میں ملتان پریس کلب میں صحافیوں اور میڈیا کے نمائندوں کی موجودگی میں ایک پریس کانفرنس کی جس کا متن پیش خدمت ہے:

پریس کانفرنس:

''میں مولانا زبیر احمد صدیقی ناظم وفاق المدارس پاکستان جنوبی پنجاب، ہمراہ

مولانا عبدالمجید ناظم مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان و دیگر علماء کرام، صحافی برادری کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت مرحمت فرمایا اور امید کرتا ہوں کہ پاکستان کے مقدس دینی، تعلیمی، رفاہی اداروں کا مؤقف عوام الناس اور حکمرانوں تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔ دینی مدارس و جامعات کی سکروٹنی کے نام پر دراندازی، تذلیل اور بے بنیاد الزامات کا سلسلہ بند کیا جائے۔ مدارس کے ساتھ اس امتیازی سلوک اور مقدس اداروں کی کردار کشی پر صدر، وزیر اعظم، چیف آف آرمی سٹاف اور چیف جسٹس نوٹس لیں۔

مدارس و جامعات کے خلاف دو روز سے پولیس، سی ٹی ڈی اور خفیہ اداروں کی مشترکہ کاروائیاں جاری ہیں۔ پنجاب بھر کے سینکڑوں مدارس کے چپہ چپہ کو چھان مارا گیا ہے۔ دفاتر سے لے کر ہاسٹلز تک اور سٹور سے لے کر باورچی خانہ تک کا پولیس معائنہ کر رہی ہے، اس عمل سے طلبہ و اساتذہ اور عوام الناس میں خوف و ہراس کی فضاء پھیلائی جا رہی ہے، مدارس کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ دینی علوم اور مذہبی تعلیمات کے خلاف منظم سازش کا حصہ ہے۔ ہم اپیل کرتے ہیں کہ اعلیٰ حکام اس صورتِ حال کا نوٹس لیں اور اس سلسلہ کو بند کروائیں۔ بعض مدارس سے ریکارڈ، کمپیوٹر وغیرہ پولیس لے گئی ہے جو قابلِ مذمت ہے۔

ان چھاپوں میں طلباء و طالبات کے سامان کی تلاشی بھی لی گئی۔ لیکن الحمد للہ! کسی بھی مدرسہ سے کوئی اسلحہ، بارود حتیٰ کہ ایک گولی بھی برآمد نہیں ہوئی اور نہ ہی کوئی غیر قانونی سرگرمی نوٹ کی گئی۔ مدارس کے سرچ آپریشن کے دوران طلباء و اساتذہ کے کوائف بھی چیک کیے گئے۔ لیکن کسی بھی مدرسہ میں کوئی مطلوب شخص بھی نہیں پایا گیا۔ اس قدر باریک بینی سے کیے گئے آپریشن میں مدارس کی برئیت کے بعد حکومت کا فرض ہے کہ دوٹوک اعلان کرے کہ مدارس کا کسی بھی غیر قانونی سرگرمی، دہشت گردی، فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں اور آئندہ کے لیے مدارس کا ٹرائل بند کیا جائے اور مدارس کے خلاف غلط رپورٹ کرنے

والے اہلکاروں کے خلاف سخت تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے۔
ہم سمجھتے ہیں کہ صرف مدارس وجامعات اور ایک مسلک کے اداروں کے خلاف کاروائی درحقیقت امتیازی سلوک، انتہاء پسندی اور فرقہ پرستی کو فروغ دینے کی کوشش ہے۔ ان دینی مدارس اور اداروں پر دشمن ملک کی طرح چڑھائی کر کے ان کے تقدس کو پامال کیا جارہا ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، اگر کاروائی کرنی ہو تو بلاتفریق ہونی چاہیے۔
بعض اضلاع کی انتظامیہ فرقہ واریت کو فروغ دینے میں ملوث ہے اور پرامن، غیر فرقہ وارانہ شخصیات کو فورتھ شیڈول میں ڈال کر انہیں مدارس کی تدریس و انتظام سے دور رکھا جارہا ہے۔ ہم ان سب کو مدارس کے خلاف عالمی ایجنڈا سمجھ کر مسترد کرتے ہیں۔ ہم اہلِ مدارس کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ صبر واستقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں، مدارس پرامن رہیں۔ ہم دلیل وآئین پر یقین رکھتے ہیں اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور امتیازی کارروائیوں کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ مدارس کا دفاع اور تحفظ ہر قیمت پر کیا جائے گا۔
اس سلسلہ میں صدر وفاق المدارس شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس مولانا محمد حنیف جالندھری نے اہم شخصیات سے رابطے شروع کردیے ہیں اور جلد ایک غیر معمولی اجلاس بلا کر ٹھوس لائحہ عمل کا اعلان کیا جائے گا۔
ایک سازش کے تحت مذہبی طبقہ اور دینی مدارس کو ہراساں کر کے شدت پسندی اور احتجاج کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ جبکہ ملک عزیز کسی ایسے اقدام کا متحمل نہیں ہے۔ پاکستان کے دفاع اور تحفظ کے لیے مدارس کے طلبہ وعلماء ہراول دستے کا کردار ادا کریں گے۔ تحریک پاکستان سے لے کر دفاع پاکستان تک اہل مدارس کی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مدارس کی تعلیمی، رفاہی خدمات کا بھی دنیا بھر میں کوئی جواب نہیں۔ لہٰذا فی الفور مدارس وجامعات کی قیادت کے ساتھ بات چیت کے ذریعے مسائل حل کیے جائیں۔ اگر کسی

مدرسے کا کوئی مسئلہ ہو تو ''وفاق المدارس'' کی قیادت کو آگاہ کیا جائے۔''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' قیام امن کے لیے ہمہ قسم تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔''

مدارس کے خلاف اس یلغار کے نتیجے میں بحمداللہ صوبہ بھر کے مدارس سرخرو ہوئے۔ مدارس دشمنوں کے حصہ میں خاک کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ جہاں تک لٹریچر کا معاملہ ہے اس کے متعلق ہمارا موقف یہ ہے:

۱)۔ جس لٹریچر کی بناء پر مقدمے بنائے گئے ہیں، اس میں قادیانیت کے خلاف تحقیقی کتب بھی ہیں۔ جبکہ قادیانی آئینِ پاکستان کی رو سے کافر ہیں۔ کیا ان کے متعلق قوم کو آگاہ کرنا بھی دہشت گردی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر دیگر مذاہب کے خلاف علمی و تحقیقی کتب بھی دہشت گردی کے زمرے میں آئیں گی؟ جبکہ قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث میں یہود ونصاریٰ، مجوس اور مشرکین کے خلاف جگہ جگہ نام لے کر ان کا رد کر رہے ہیں۔ خدانخواستہ ان کو بھی اسی زمرہ میں شامل کیا جائے گا؟ ہرگز ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسا کیا گیا تو خاکم بدہن یہ دہشت گردی کا خاتمہ نہیں بلکہ دہشت گردی کے فروغ کی ایک شکل ہوگی۔

۲)۔ مسلمان مسالک کے خلاف تحقیقی کتب جو بطور ریکارڈ لائبریریوں کا حصہ ہوں۔ ان کا مقصد نہ تو تقسیم وفروغ ہو اور نہ ہی فرقہ وارانہ سرگرمیاں ایسی کتب پر بھی دہشت گردی کا اطلاق کرنا ''محلِ نظر'' ہے۔ کتب خانوں میں تو بائبل بھی موجود ہوتی ہے۔ دین اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف لٹریچر بطور ریکارڈ اور تردید کے لیے اہل علم وفکر اپنے پاس رکھتے ہیں اور آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ دہشت گردی ہے۔

کیا سرکاری لائبریری، کالجز، یونیورسٹیز کی لائبریریاں ایسی تحقیقی کتب سے خالی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر مدارس پر یلغار کیوں؟ کیا دیگر مسالک کے مدارس کی لائبریریوں میں ان کے نقطہ نظر سے اختلاف رکھنے والے لوگوں کے خلاف زہریلی کتب موجود نہیں، ان پر گرفت کیوں

نہیں ہوتی؟ صرف ایک طبقہ کو آخر کیوں نشانہ بنایا جارہا ہے؟ کیا ملک کی ایسی سینکڑوں لائبریریاں نہیں ہیں، جہاں ایسی کتب موجود ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور فقہاء کرام کی توہین کی گئی ہے۔ کیا ایسا ذخیرہ ضبط کرلیا گیا یا ایسی لائبریریوں پر بھی یلغار کی گئی؟ اس لیے ہماری گذارش ہے کہ تحقیقی اور فرقہ وارانہ لٹریچر میں فرق کیا جائے۔ نیز ریکارڈ اور قابل اشاعت کتب میں بھی امتیاز رکھا جائے۔ دہشت گردی کے خلاف اقدامات میں جانب داری نہ برتی جائے۔

مزید براں کسی ایک مسلک یا ایک طرح کے اداروں کو نشانہ بنا کر ان اقدامات کو مشکوک نہ بنایا جائے۔ علماء کرام نہ صرف دہشت گردی کے خلاف حکومتی اقدامات کی تعریف وحمایت کرتے ہیں بلکہ حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ حکومت بھی اپنے رویے پر نظر ثانی کرے ایسے اقدامات کو روکے۔ نیز علماء و مذہبی طبقے کے خلاف غلط پرچوں کو خارج کرے، بے گناہ لوگوں کو فورتھ شیڈول سے نکال کر انصاف کے تقاضے پورے کرے۔ حکومت حالیہ سرچ آپریشن کے نتیجے میں آنے والی رپورٹس کے مطابق مدارس کی دہشت گردی سے برأت کا دوٹوک اعلان کرے۔ آئندہ کے لیے مدارس کے تقدس کا لحاظ رکھنے کا بھی اعلان کرے۔

(تاریخ اشاعت ”ماہنامہ صدائے فاروقیہ“ ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ اگست/ستمبر 2015ء)

پنجاب چیرٹی ایکٹ 2018ء

مدارس اور رفاہی اداروں کی بندش کا حکومتی حربہ

اسلامیان پاکستان خوب آگاہ ہیں کہ 11/9 (۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء) کے بعد مغرب وعالم کفر کی اسلام کے خلاف چوکھی لڑائی جاری ہے۔ مغرب بہر صورت اسلامی شناخت، اسلامی تہذیب، اسلامی اقدار وافکار اور اسلامی تعلیمات کا خاکم بدہن خاتمہ چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مغرب نے عالم اسلام پر دہشت گردی کے نام پر جنگ مسلط کر کے پورے عالم کا امن سبوتاژ کیا۔ لاکھوں افراد دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ گئے، اربوں ڈالر کے نقصانات ہوئے لیکن اس جبر وستم کے باوجود دین کی حقانیت کھل کر سامنے آئی اور یہ تیر وتفنگ، آتش وبارود، بری وبحری اور فضائی یلغار گوانتانامو، ابوغریب، بگرام ائربیس اور اس جیسی جیلیں بھی اسلام کو ختم نہ کر سکیں، بلکہ اسلام دنیا کا سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب بن کر سامنے آیا۔ دشمنانِ اسلام کی حسرت پوری نہ ہو سکی، افغانستان میں شکست فاش اور عراق میں ناکامی ان دشمنانِ اسلام کے منہ پر کالک بن کر نمایاں ہونے لگی، تو اب جنگ کا رخ تہذیب وکلچر، تعلیم، افکار ونظریات وغیرہ کی طرف پھیر دیا گیا۔ عالم اسلام میں تہذیبی جنگ کے بعد اب تعلیمی جنگ مسلط کی جارہی ہے، تہذیبی محاذ پر کامیابی کے حصول کے لیے پاکستان میں مغربی اثر ورسوخ سے میڈیا کو کنٹرول کر کے گزشتہ دو دہائیوں میں خوب فحاشی عریانی، بے راہ روی اور آوارگی کا کلچر متعارف کرایا گیا اور پھر مقننہ وعدلیہ کے ذریعے اس سب کو قانونی حیثیت دی گئی۔ عدالتوں میں سب سے زیادہ کیس خواتین کی جانب سے نام نہاد خلع کے دائر کیے جارہے ہیں۔ زوجین کے معاملے میں شوہر کو سنے بغیر نیز عدل وانصاف کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ عام تاثر قائم ہو گیا ہے کہ زوجین کے تنازع میں عدالتیں بیوی کو ہی سپورٹ کرتی ہیں، مشرف دور سے زنا

بالرضاء تو گویا جرم ہی نہیں رہا، اس محاذ پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد گزشتہ کئی سالوں سے مسلمانوں کو تعلیمی اور فکری محاذ پر چت کر کے انہیں دین سے برگشتہ کیا جارہا ہے، اس سلسلہ میں اسکول وکالج کے نصابوں کو مذہبی تعلیم وتربیت سے عاری کرنے کے بعد اب مدارس کی دینی تعلیم کو غیر مؤثر کرنے یا مدارس کو اسکول وکالج میں تبدیل کرنے کے ایجنڈے پر زوروشور سے کام جاری ہے، ہمارے حکمران مغربی دباؤ کے آگے فوراً چت ہوکر اپنے ملک، مذہب، تہذیب، تمدن، عوامی رائے عامہ، قیام پاکستان کے اغراض، ملکی آئین کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر جی حضوری کی دوڑ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ (ن) کی سابقہ وفاقی اور پنجاب حکومت نے مدارس، علماء اور مذہبی کارکنان پر قیامت ڈھائی، دینی مسلمہ ایشوز کو چھیڑنے کی کوششیں کیں، جن کا خمیازہ بھی انہیں الیکشن میں بھگتنا پڑا، ان کے جانے کے بعد نوقائم شدہ تحریک انصاف کی حکومت کے قائد نے آتے ہی مدارس وجامعات سے انجینئرز وسائنسدان نکالنے کی نوید سنا کر قوم کو مسحور کرنے کی کوشش کی، حالانکہ اس اعلان کا مقصد سوائے مدارس کی حریت کے خاتمہ کے اور کچھ بھی نہیں۔ اس موضوع پر تو ان شاء اللہ زندگی رہی تو کسی اور موقع پر جامع تبصرہ تحریر کیا جائے گا۔ سر دست میاں شہباز شریف کی حکومت کے منظور کردہ ''چیرٹی ایکٹ'' (منظور شدہ 28 فروری 2018ء جس پر گورنر نے 7 مارچ 2018ء کو دستخط کیے اور 8 مارچ 2018ء پنجاب گزٹ میں صفحہ نمبر 6329-36 پر نشر ہوا) کے خدوخال اس کے اثرات ومضمرات اور دینی اداروں کو پہنچنے والے نقصانات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ اس ایکٹ کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱)۔ چیرٹی یعنی جملہ خیراتی ادارے جو پہلے سے رجسٹرڈ ہیں، اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ان کی رجسٹریشن منسوخ متصور ہوگی اور انہیں اس نئے چیرٹی ایکٹ کے تحت دوبارہ رجسٹرڈ ہونا ہوگا۔

واضح رہے کہ جملہ دینی مدارس، مساجد، مذہبی انجمنیں، رفاہی ادارے چیرٹی کے ضمن میں آتے ہیں اور اس قانون کا اطلاق ان سب پر ہوگا، چنانچہ اس ایکٹ میں خیراتی مقاصد کو بھی متعین کیا گیا ہے، ایسے گیارہ مقاصد بیان کیے گئے ہیں جن میں تعلیم وتعلم

کا فروغ، غربت کی روک تھام، صحت و زندگی کے بچاؤ کی خدمت، کمیونٹی کی ترقی، فنی اور ثقافتی ورثہ کا فروغ، مطالعاتی سرگرمیاں، مذہبی و ملی ہم آہنگی کا فروغ، ماحولیات کا تحفظ، ضرورت مندوں کی مدد وغیرہ شامل ہیں۔

۲)۔ اس ایکٹ کے تحت اداروں کی رجسٹریشن کے لیے ضروری ہوگا کہ درج ذیل دستاویزات محکمہ کو جمع کروائے جائیں۔

۳)۔ رجسٹرڈ ادارہ کو ایک ڈیکلریشن تیار کرنا پڑے گا، جس میں درج ذیل امور کو بیان کرنا ضروری ہوگا۔

۱)۔ معاونین کے نام و پتے
۲)۔ عطیہ کی تجویز کردہ مقدار
۳)۔ فنڈ جمع کرنے والوں کے نام و پتے
۴)۔ فنڈ وصول کرنے والوں کے نام و پتے
۵)۔ فنڈ جمع کرنے کے اہداف
۶)۔ فنڈ رکھنے والے بینکوں یا افراد کے نام وغیرہ

۴)۔ اس مقصد کے لیے حکومت پنجاب ایک کمیشن تشکیل دے گی جو تین سے پانچ کمشنرز پر مشتمل ہوگا، اس میں چیئرمین شامل ہوگا جسے حکومت متعین کر سکتی ہے، اس مقصد کے لیے ریٹائرڈ و حاضر سروس سول سرونٹ یا ججوں یا پرائیویٹ افراد کو متعین قواعد و ضوابط یا حکومت کی جانب سے مقرر کردہ قوانین کے مطابق کمشنر مقرر کیا جا سکتا ہے، اس کمیشن کا چیئرمین ہوگا اور وہ انتظامی امور کے لیے چیف ایگزیکٹو مقرر کرے گا۔
کمیشن کی ذمہ داریاں درج ذیل ہوں گی۔

۱)۔ کمیشن ایکٹ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے افعال سرانجام دے گا۔
۲)۔ خیراتی اداروں پر عوامی اعتماد کو برقرار رکھے گا۔
۳)۔ ان اداروں کو رجسٹرڈ کرے گا۔
۴)۔ اس بات کو یقینی بنانا کہ چیرٹی اور خیراتی فنڈ کی انتظامیہ ان کے کنٹرول میں

قانون کے مطابق عمل کریں۔

۴)۔ چندہ وصول کرنے والوں کی کڑی نگرانی کرنا اور احتساب کے لیے طریقہ کار متعین کرنا۔

۵)۔ اگر ضروری ہو تو چیرٹی یا خیراتی فنڈ کے معاملات میں انکوائری کرنا۔

۶)۔ ڈپٹی کمشنر کے ذریعے منظور شدہ مجموعوں کو تبدیل یا منسوخ کرنا۔

۷)۔ ان اداروں کی سالانہ آڈٹ رپورٹ حاصل کر کے ان کی جانچ پڑتال کرنا۔

۸)۔ کسی بھی ادارہ کا خصوصی آڈٹ کرانا۔

۹)۔ ان اداروں کے لیے مناسب اکاؤنٹنگ کا انتظام اور استعمال کے لیے ہدایات جاری کرنا۔

۱۰)۔ کمیشن کسی بھی چیرٹی، چیرٹی ٹرسٹی، چیرٹی سے فائدہ حاصل کرنے والے، کسی خیراتی فنڈ یا کسی کاروباری ادارہ کی جانب سے چیرٹی پر کیے جانے والے اخراجات کا ریکارڈ، ڈیٹا یا اس سے متعلق معلومات طلب کرسکتا ہے۔

۱۱)۔ کمیشن مالیاتی اداروں سے مالیاتی ریکارڈوں کی توثیق کرسکتا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے۔

اداروں میں بے پناہ سرکاری مداخلت:

چیرٹی ایکٹ کی دفعہ نمبر ۸ کے تحت حکومت کی جانب سے مقرر کردہ کمیشن کسی ٹرسٹی (ادارہ کے عہدیدار یا رکن) یا کسی افسر (ناظم مالیات یا کوئی دیگر ملازم) یا کسی عہدیدار کا تقرر کرسکتا ہے، اگر چیرٹی کسی ٹرسٹی، افسر کو نکالنے میں اور اس کی جگہ کسی نئے کا تقرر کرنے میں ناکام ہو جہاں:

A۔ کسی ٹرسٹی یا افسر کو بداخلاق، بددیانتی اور دھوکہ دہی کے جرم میں مجرم قرار دیا گیا ہو یا

B۔ کوئی ٹرسٹی بینک دیوالیہ قرار دیا جاچکا ہو

C۔ کسی ٹرسٹی یا افسر کا غلط عمل جو چیرٹی کے مجموعی مفاد کو نقصان پہنچائے یا عدالت یا کمیشن کی جانب سے دیگر وجوہ کی بنیاد پر۔

دفعہ نمبر ۹ کے تحت تحریر ہے کہ:

۱)۔ کمیشن بذات خود یا حکومت کی طرف سے درخواست پر یا کسی فرد کی جانب سے آمدہ شکایت پر چیرٹی کے معاملات میں دخیل ہو کر انکوائری کرسکتا ہے، تاکہ تحقیق کی جائے کہ کہیں کوئی خیراتی فنڈ غلط جگہ یا غلط مد میں صرف نہیں ہو رہا یا ایسا کوئی عمل جس سے اعتماد کو نقصان نہیں پہنچ رہا۔

L۔ اگر ذیلی دفعہ نمبر ا کے تحت انکوائری کے نتیجے میں کمیشن کو پتہ چلے کہ کسی بھی قانون کے تحت کسی جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے یا کسی اعتماد کو ٹھیس پہنچائی گئی ہے، تو اسے قانون کے مطابق نمٹنے کے لیے حکومت کے پاس بطور حوالہ (ریفرنس) بھیجا جاسکتا ہے۔

رجسٹریشن اتھارٹی:

دفعہ نمبر ۱۲ کے تحت:

۱)۔ ہر چیرٹی کمیشن کے ساتھ حکومت کی جانب سے بذریعہ نوٹیفکیشن مقرر کردہ تاریخ کے اندر اندر اپنے آپ کو رجسٹرڈ کروائے گا۔

۲)۔ کوئی چیرٹی اس وقت تک خیراتی فنڈ اکٹھا کرنے کی کوشش نہیں کرسکتی، جب تک وہ اس ایکٹ کے تحت اپنے آپ کو رجسٹرڈ نہیں کرلیتی۔

دفعہ نمبر ۱۵ کے تحت اس ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہونے کے لیے ہر تنظیم کو رجسٹریشن اتھارٹی کو چیرٹی کے مقاصد، ذرائع آمدنی، اخراجات کی نوعیت یا کوئی دیگر معلومات یا دستاویز جو کمیشن بعد میں مقرر کرے، فراہم کرنا ضروری ہوں گے۔ نیز رجسٹریشن اتھارٹی معقول وجوہات تحریری طور پر لکھنے کے ساتھ کسی تنظیم کو رجسٹرڈ کرنے سے انکار کرسکتی ہے، اگر چیرٹی کے اپنے ڈیکلریشن میں بیان کردہ اہداف اس کے خیراتی مقاصد سے مطابقت نہ رکھتے ہوں یا کسی دوسری معقول وجہ سے۔

ادارہ کے نظام تک ہر ایک کی رسائی ہوگی:

دفعہ نمبر ۱۶ کے تحت:

۱)۔ چیریٹیز کا رجسٹر ایک عوامی دستاویز ہوگی جو کسی بھی معقول وقت میں عوامی انسپیکشن کے لیے کھولا جا سکتا ہے۔

کوئی بھی شخص چیریٹی کی جانب سے فراہم کردہ تمام دستاویزات/معلومات کمیشن کی جانب سے مقرر کردہ فیس کی ادائیگی کے بعد حاصل کر سکتا ہے۔

چندہ جمع کرنے پر پابندی:

ایکٹ کی دفعہ نمبر ۲۰ کے تحت طے ہے کہ:

۱)۔ کسی چیریٹی کا کوئی سفیر اس وقت تک نہ چندہ کرے گا اور نہ ہی اس کی اپیل کرے گا جب تک وہ مطلوبہ کلیکشن (جمع کرنے) سے قبل اس چندہ کے حوالے سے ایک اعلامیہ جاری اور اسے منظوری دینے والی اتھارٹی کے سامنے پیش نہ کرے اور منظوری دینے والی اتھارٹی اس چندہ کے حوالہ سے تحریری اجازت نہ دے دے۔

۲)۔ منظوری دینے والی اتھارٹی اس شق کے تحت کسی منظوری دینے سے انکار کر سکتی ہے، اگر چیریٹی کے سفیر یا چندہ اکٹھا کرنے والے افراد خلوص نیت کے حوالے سے مطمئن نہ کر سکیں یا منظوری دینے والوں کو خیراتی فنڈ کے تحفظ یا جس مقصد کے لیے فنڈ اکٹھے کیے جاتے ہیں، ان مقاصد میں انہیں لگانے کے حوالہ سے مطمئن نہ کیا جا سکے۔

۳)۔ منظوری دینے والی اتھارٹی منظوری کو ایسی شرائط سے معلق کر سکتی ہے، جس سے فنڈ کے مناسب تحفظ اپنے مطلوبہ مقاصد میں اس کے استعمال کو یقینی بنایا جا سکے۔

۴)۔ اگر منظوری دینے والی اتھارٹی چندہ کو جمع کرنے کی منظوری دیتی ہے، تو اس کو کسی خاص مدت کے لیے سفیر کے نام ایک سرٹیفکٹ جاری کرے گی جس سے وہ کمیشن کے مجوزہ قوانین کے مطابق مخصوص قابل شناخت چندہ اکٹھے کرنے والوں کے ذریعے مخصوص قابل شناخت رسیدوں کے ساتھ چندہ وصول کر سکیں گے۔

اداروں پر لاگو ہونے والی سزائیں:

دفعہ نمبر ۲۴ کے تحت درج ہے کہ:

۱)۔ جائزہ یا آڈٹ کے بعد اگر کمیشن کو یقین ہو جائے کہ چیرٹی ایکٹ کے تحت متعین کی گئی ذمہ داریوں پر عمل کرنے میں ناکام رہا ہے تو کمیشن حسب ذیل کارروائی کر سکتا ہے۔

A۔ رجسٹریشن کی معطلی یا منسوخی

B۔ چیرٹی یا تنظیم پر جرمانہ عائد کر سکتا ہے جسکی مالیت دس لاکھ روپے سے زائد نہ ہو

چندہ کو کاروبار اور انشورنس میں لگانا بھی متولی کی ذمہ داری ہوگی:

دفعہ نمبر ۲۷ کے تحت چیرٹی کے متولی کے ذمہ ہوگا۔

A۔ چیرٹی کے اثاثوں کا تحفظ

B۔ خیراتی فنڈ کا تحفظ، مناسب سرمایہ کاری اور استعمال

E۔ چیرٹی کی جائیداد کی خرید وفروخت، اجارہ یا انشورنس کے معاملات کو دیکھنا۔

آڈٹ ومعائنہ:

دفعہ نمبر ۳۰ کے تحت:

۱)۔ کمشنر یا منظوری دینے والی اتھارٹی کسی معقول وجہ پر کسی مخصوص آڈیٹر سے چیرٹی کے اکاؤنٹ کا آڈٹ یا ری آڈٹ (دوبارہ آڈٹ) کا حکم دے سکتے ہیں، جن کا خرچ چیرٹی یا وہ شخص ادا کرے گا جس نے چیرٹی کے خلاف خصوصی آڈٹ کرنے کی درخواست دی ہو۔

۲)۔ کمشنر یا منظوری دینے والی اتھارٹی اس ایکٹ یا اس کے کسی قانون کے تحت چلنے والے کسی بھی اکاؤنٹ کا معائنہ کر سکتی یا کروانے کا حکم دے سکتی ہے۔

سزا:

دفعہ نمبر ۳۲ کے تحت:

۱)۔ کوئی بھی شخص جو بے ایمانی، دھوکہ دہی یا فراڈ سے خیراتی فنڈ (جس پر اس ایکٹ کا

اطلاق ہے) کے جمع کرنے سے متعلق کسی بھی ریکارڈ کو چھپاتا ہے یا بددیانتی سے خراب کرتا ہے، تو وہ ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے والا (مجرم) متصور کیا جائے گا۔

۲)۔ کوئی شخص جو اس ایکٹ کی کسی شق اس یکٹ کے تحت بننے والے احکام یا ہدایات کی حکم عدولی کرے تو اسے سزا کے طور پر جرم کی نوعیت کے اعتبار سے چھ ماہ تک پابند سلاسل کیا جا سکتا ہے، مگر یہ قید کی سزا پندرہ روز سے کم نہ ہوگی مزید اسے جرمانہ کے طور پر پچیس ہزار سے ایک لاکھ تک کی رقم بھی ادا کرنا ہوگی۔

دفعہ نمبر ۳۵ کے تحت:

اس ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے والے فرد سے عدالت غلط طریقے سے اکٹھا کیا گیا فنڈ ضبط کر سکتی ہے یا غلط طریقے سے خرچ کیا گیا فنڈ واپس وصول کر سکتی ہے۔

قارئین کرام!! یہ ہے چیرٹی ایکٹ ۲۰۱۸ کا خلاصہ، ایکٹ کو تفصیلی طور پر پنجاب گزٹ صفحہ نمبر ۳۶ ۔ ۶۳۲۹ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا ایکٹ جیکلا کے احکامات کی روشنی میں پنجاب اسمبلی سے منظور ہو کر قانون کی شکل اختیار کر چکا ہے، جبکہ باقی تین صوبوں میں بھی یہ قانون آنے والا ہے۔

مذکورہ بالا قوانین سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ حکومت پاکستان اپنے غیر ملکی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے بہر صورت پر عزم ہے، ایسے قوانین جن میں اداروں میں کھلم کھلا مداخلت ہو، سرکاری اداروں کے لیے بھی نہیں چہ جائیکہ خالص رفاہی تعلیمی ادارے حکومت سے ایک پائی کی امداد لینے کی بجائے اربوں روپے حکومت کو ٹیکس، بجلی، گیس، فون کی مد میں ادا کرتے ہیں انہیں جکڑ لیا جائے۔

اگر مذکورہ قانون پر مکمل عملدرآمد ہو جاتا ہے جیسا کہ حکومتی مشن ہے تو آیئے دیکھتے ہیں اس سے کیا کیا نقصانات رونما ہوں گے۔

۱)۔ مدارس وخیراتی ادارے غیر اعلانیہ طور پر حکومتی تحویل میں چلے جائیں گے، ان کی آزادی فکر و عمل سلب ہو کر رہ جائے گی۔

۲)۔ ادارہ (مدرسہ/مسجد/ٹرسٹ/رفاہی تنظیم) کی محنت کو جب جو چاہے گا، کھلواڑ بنا کر رکھ

دے گا، حکومتی اہلکاروں کی مداخلت نہ صرف رشوت ستانی کا بازار گرم کرے گی، بلکہ بیرونی عناصر، حاسد طبقات، علاقائی مخالفین کسی بھی ادارہ کو کام نہیں کرنے دیں گے۔

۳)۔ حکومتوں کی ان اداروں میں معاونت تو نہ کبھی ہوتی ہے اور نہ ہوگی، الٹا ایک ایک کام میں مداخلت سے کام ٹھپ ہو کر رہ جائیں گے۔

۴)۔ قربانی کی کھالوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ کسی بھی فراہمی پر اعتراض لگایا جاسکتا ہے کہ یہ فراہمی حکومت سے منظوری کے بغیر ہوئی ہے، لہٰذا اس پر فوجداری مقدمات اور سزاؤں کا اہل مدارس کو سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ امسال بعض اہل مدارس کو بلا اجازت قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے پر ایک ایک سال سزا اور مبلغ پانچ پانچ لاکھ روپے جرمانہ کیا جارہا ہے۔

۵)۔ معاونین کے تفصیلی کوائف ایجنسیوں اور حکومتوں کی دسترس میں ہوں گے، جس کی وجہ سے غیر اعلانیہ طور پر انہیں تنگ کیا جائے گا، ان کی انکوائریاں ہوں گی، جیسا کہ پہلے خوف وہراس کا ماحول بنادیا گیا ہے، نتیجتاً بچے کھچے لوگ بھی اپنی عزت وقار کے تحفظ کے لیے مدارس، مساجد اور رفاہی اداروں کو چندہ دینا بند کردیں گے اور یہی اس چیرٹی ایکٹ کا مدعیٰ ومنشاء محسوس ہوتا ہے۔

۶)۔ اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد حکومتی مشنری اس قدر بااختیار ہوگی کہ وہ جائز ناجائز وجوہ کی بنیاد پر ادارہ کے عہدیداران مثلاً مہتمم/ نائب مہتمم/ ناظم اعلیٰ/ خزانچی یا دیگر کسی عہدیدار کو ازخود تبدیل کردیں یا مجاز افسر یعنی ادارہ میں کام کرنے والے اکاؤنٹنٹ/ ناظم/ محاسب وغیرہ کو بدل دیں یعنی حکومت کی جانب سے ادارہ میں افراد لاکر بٹھادیں یہ سب اس بل کی بدولت ممکن ہوگا۔

۷)۔ اس سب کے ساتھ ایک بڑا اندیشہ اس الزام کا بھی ہے کہ چندہ صحیح معنوں میں تعلیم وتعلم پر خرچ نہیں ہورہا، بلکہ ادارہ کی دیگر تبلیغی ضروریات مثلاً جلسہ جات، اشاعت کتب ورسالہ جات یا تبلیغی اجتماعات وغیرہ پر خرچ کرکے فرقہ واریت پھیلائی جارہی ہے یا یہ چندہ انتہاپسندی کو فروغ دے رہا ہے، اس سب پر چندہ کی ضبطی اور قانونی

کاروائی کی تلوار بھی سروں پر موجود رہے گی۔

۸)۔ مدارس کے وقف چندے جنہیں عام حالات میں کاروبار میں لگانا شرعاً ممنوع ہوتا ہے، بیوروکریسی کے ایما پر سرمایہ کاری بلکہ انشورنس تک میں لگا کر سود کا عنصر بھی مدارس اور اداروں کے ذرائع آمدن میں شامل کیا جائے گا۔

۹)۔ اب تک جملہ مدارس ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن ہوتے رہے اور یہ ایکٹ قدیمی موثر اور متفقہ تھا اس کا خاتمہ سمجھ سے بالا ہے۔ جبکہ ایسی مداخلت حکومت کی اپنی قائم کردہ یونیورسٹیوں، کالجز اور اداروں میں بھی نہیں چہ جائیکہ اپنی مدد آپ کے تحت چلنے والے اداروں میں یہ مداخلت ہو۔

۱۰)۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت مدارس کی معاشی رگ کو بند کر کے مدارس پر قبضہ کر کے انہیں کوئی اور رنگ دینا چاہتی ہے، جو کام صدیوں سے انگریز اور ان کی معنوی اولاد نہ کرسکی اب اس حربہ سے موجودہ حکومتیں کرگزرنا چاہتی ہیں اس لیے عوام وخواص علماء کرام، سیاسی زعماء، صحافی حضرات، وکلاء اور تاجران سبھی کا فریضہ ہے کہ اس ظالمانہ قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ عدالت، پارلیمنٹ کا دروازہ کھٹکھٹائیں، نیز پر امن عوامی احتجاج کا حق حاصل کریں۔ بصورت دیگر نہ صرف ملک سے دینی تعلیم کا خاتمہ ہوجائے گا، بلکہ دیگر رفاہی ادارے، ٹرسٹ، ہسپتال وغیرہ بھی بیوروکریسی کا کھیل بن جائیں گے۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' محرم الحرام ۱۴۴۰ھ/اکتوبر 2018ء)

نوٹ: حکومت اور اتحاد تنظیمات مدارس کے مابین معاہدہ مورخہ 29 اگست 2019ء کے بعد مدارس کو محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹرڈ کرانے کا پابند کردیا گیا ہے۔ تاہم رفاہی اداروں کے لیے یہ قانون موجود ہے۔

......☆......

دینی مدارس، علماء اور مشائخ کے ساتھ پنجاب حکومت کی زیادتیاں [2017ء]

ملک بھر میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً چند سالوں سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نظریاتی قلعے، ملک وملت کے معمار تعلیم ورفاہ کے علمبردار ادارے دینی مدارس وجامعات اوران سے وابستہ ہزاروں قابل قدر علماء کرام ومشائخ عظام کے ساتھ ناروا سلوک کا نہ صرف سلسلہ جاری ہے بلکہ روز بروز بڑھتا چلا جارہا ہے۔ مدارس کے خلاف میڈیا پروپیگنڈہ سے شروع ہونے والے اقدامات، رجسٹریشن کی بندش، مدارس کے بینک اکاؤنٹس کھلوانے پر غیر اعلانیہ پابندی، سرچ آپریشن کے نام پر پولیس یلغار، بے قصور علماء، مشائخ کو فورتھ شیڈول کرنے، قربانی کی کھالوں کے حصول پر پابندی، بیسیوں علماء وطلباء کی جبری گمشدگی اور مجوزہ چیریٹی بل تک جا پہنچے ہیں۔ علاوہ ازیں مساجد سے آذان وعربی خطبہ کے لیئے استعمال ہونے والے ایک سے زائد بیرونی لاؤڈ اسپیکر پر پابندی، ایمپلی فائر ایکٹ میں سزاؤں کا اضافہ اور ہزاروں خطباء وعلماء پر جھوٹے مقدمات، دینی اجتماعات پر اعلانیہ وغیر اعلانیہ پابندی جیسے غیر مذہبی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی اقدامات بھی جاری ہیں۔ یہ سب کچھ صرف پنجاب اور عملاً صرف ایک مسلک یعنی اہل السنت والجماعت حنفی دیوبندی کے ساتھ روا رکھا جارہا ہے اگر چہ ضمناً دیگر مسالک بھی ان اقدامات کی زد میں ہیں۔ ایک مسلک کو ٹارگٹ کرکے باقی مسالک کو دباؤ میں رکھا جارہا ہے۔ یوں ملک میں اکثریتی صوبہ پنجاب میں علماء، مشائخ پر زمین تنگ کی جارہی ہے۔ ان ظالمانہ اقدامات کی وجہ سے مذہبی طبقات میں نہ صرف مسلم لیگ نواز کی حکومت سے نفرت پیدا ہوگئی ہے بلکہ پنجاب ومرکز کی ظالمانہ پالیسیوں کی وجہ سے مسلم لیگی حکمرانوں کو بددعائیں دی جارہی

ہیں۔ بددعائیں دینے والوں میں مساجد کے نمازی، مشائخ کے مریدین اور لاکھوں طلباءِ دین بھی شامل ہیں۔

پنجاب کے حکمرانوں کو ان ظالمانہ اقدامات سے باز رکھنے کے لیئے علماء کرام نے متعدد کوششیں کیں اور انہیں سمجھایا، حکمرانوں نے اپنی پالیسیاں درست کرنے کے وعدے کے باوجود عملاً خلاف ورزی کی۔

مؤرخہ 16 اگست 2017 کو اس سلسلہ میں اتحاد تنظیمات مدارس کے قائدین اور جمعیت علماء اسلام کے راہنماؤں نے ایک میٹنگ زیر قیادت مولانا محمد حنیف جالندھری دامت برکاتھم ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان پنجاب کے اعلیٰ افسران بشمول چیف سیکریٹری، ہوم سیکریٹری، آئی جی پنجاب، مختلف انٹیلی جینس اداروں کے ذمہ داران اور متعدد محکموں کے سکریٹریز سے کی، ساڑھے تین گھنٹے تک جاری رہنے والی اس میٹنگ میں علماء، مشائخ اور دینی مدارس کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک پر احتجاج کیا گیا، جبکہ دوسرا اجلاس مذکورہ قائدین کا قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن دامت برکاتھم کی قیادت میں وزیر اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف اور دیگر حکومتی اہلکاروں کے ساتھ ہوا ان راہنماؤں میں مولانا محمد حنیف جالندھری، مولانا غلام محمد سیالوی، مولانا یاسین ظفر، حافظ ریاض حسین نجفی، مولانا امجد خان، مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی، مولانا عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا ارشاد احمد، مولانا ڈاکٹر عتیق الرحمن اور راقم الحروف زبیر احمد صدیقی شامل ہوئے۔

میٹنگ میں پنجاب کی اعلیٰ سطحی بیوروکریسی نے یقین دہانی کرائی کہ گزشتہ دو سالوں میں مدارس پر قربانی کی کھالوں کے حصول کی بندش صوبائی حکومت کے احکامات نہ تھے بلکہ ڈی سی صاحبان نے مدارس کو اجازت نہ دی جو سراسر زیادتی ہے، امسال اس زیادتی کا ازالہ کیا جائے گا، نہ صرف مدارس کو حصول چرم قربانی کی اجازت دی جائے گی بلکہ جن مدارس کے خلاف شکایت ہوگی انہیں صفائی کا موقع بھی دیا جائے گا، وہ ڈپٹی کمشنر کے پاس نظر ثانی اور کمشنر کے پاس اپیل کا حق رکھیں گے، اور یہ سارا عمل عشرہ ذی الحجہ کے اوائل میں مکمل ہوگا، مذکورہ بالا وعدوں کی نہ صرف خلاف ورزی ہوئی بلکہ دھجیاں بکھیری گئیں، اگر چہ چند اضلاع میں بروقت

اجازتیں دے دی گئیں لیکن بہت سے مدارس کو بے بنیاد الزامات کی وجہ سے کھالیں جمع کرنے سے روک دیا گیا، جبکہ پنجاب کے اکثر اضلاع میں معاملات کو چھٹیاں ہونے تک معلق رکھا گیا اور آخری ورکنگ ڈے میں بہت سے مدارس کو کھالیں جمع کرنے سے روک کر نہ تو انہیں اپیل کا حق دیا گیا نہ نظرِ ثانی کا، نتیجتاً سینکڑوں مدارس کا ذریعہ آمدنی محدود ہوکر رہ گیا۔

اس بنیاد پر بعض علاقوں میں بہانہ سازی کرتے ہوئے بغیر اجازت کھالیں جمع کرنے پر مقدمات قائم کرکے علماء کو گرفتار بھی کیا گیا۔ عید سے قبل حکمرانوں سے بار بار رابطہ کرکے انہیں ان کا وعدہ بھی یاد دلایا گیا، اس سلسلہ میں وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم مسلسل افسرانِ بالا سے رابطے میں رہے، احقر بھی ان ایام میں ہر ضلع سے پل پل کی خبریں لیتا رہا اور اکابرین تک پہنچاتا رہا، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم نے بھی وزیر اعلیٰ پنجاب کو فون فرمایا اور ذمہ داران سے مسلسل رابطے کرتے رہے، عید سے ایک روز قبل وزیر اعلیٰ پنجاب نے پابندی کی زد میں آنے والے مدارس کی فہرست بھی طلب کی، یہ فہرست بھی انہیں ارسال کردی گئی لیکن کسی قسم کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

پنجاب میں سینکڑوں علماء و مشائخ کو فورتھ شیڈول کرکے ان کے شناختی کارڈ منسوخ، بینک اکاؤنٹس منجمد، درس و تدریس، وعظ و ارشاد، امامت و خطابت اور ہر قسم کی نجی، سرکاری ملازمتوں سے محروم کردیا گیا، یہ سینکڑوں لوگ ملک میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں، شناختی کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے شہری حقوق معطل ہیں، ان کے بارے میں یقین دہانی کرائی گئی کہ اس سلسلے میں پہلے سے قائم کمیٹی کو فعال کرکے عید سے قبل اس کا اجلاس بلایا جائے گا اور بے قصور علماء مشائخ کو فارغ کیا جائیگا، لیکن تاحال اس سلسلہ میں کوئی کاروائی سامنے نہیں آئی اور نہ ہی اجلاس بلایا گیا۔

میاں شہباز شریف کے اجلاس میں مولانا فضل الرحمٰن نے فورتھ شیڈول کے اس قانون کو انسانیت سوز اور ذلت آمیز قرار دے کر اس کے خاتمے کا مطالبہ کیا جبکہ علماء کرام نے نقطہ اٹھایا کہ آج تک کسی سیاستدان، ٹی وی اینکر، وکیل یا کسی دیگر طبقہ کو فورتھ شیڈول کیوں نہیں کیا گیا؟

شنید ہے کہ حکومت پنجاب کی کابینہ چیریٹی بل کی منظوری دے چکی ہے اور اسے اسمبلی سے منظور کرانے کی تیاریاں کی جارہی ہیں، اس بل کی منظوری کے بعد نہ ہی کوئی شخص بلا اجازت حکومت زکوٰۃ دے سکے گا اور نہ ہی لے سکے گا، علماء ومشائخ اس بل کو دینی مدارس بند کرنیکی ایک سازش سمجھتے ہیں، یہ بل واپس لیا جائے! اجلاس میں یقین دہانی کرائی گئی کہ یہ بل علماء کو دیا جارہا ہے علماء اپنے تحفظات پیش کریں جن کا ازالہ کیا جائیگا، لیکن تاہنوز یہ بل علماء کرام کو نہیں دیا گیا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ حکومتِ پنجاب مدارس کے خلاف اقدام کرنے پر تلی ہوئی ہے اور اسے ہر صورت منظور کرانا چاہتی ہے۔

علاوہ ازیں مدارس کی رجسٹریشن، لاپتہ حضرات اور مدارس پر چھاپوں کے سلسلہ میں بھی مدارس کی مشکلات کے ازالہ کا مطالبہ کیا گیا، جس کے جواب میں حکومتی تسلیاں بظاہر طفل تسلیاں ہی لگتی ہیں۔ شاید علماء کرام کو بزور بازو اپنے حقوق حاصل کرنے پڑیں پنجاب کے حکمران دلیل کی زبان کے بجائے دھرنے اور احتجاج کی زبان سمجھتے ہیں۔

وقف اَملاک بل 2020ء

مساجد، مدارس اور وقف اداروں کی بندش کا منصوبہ

نائن الیون کے بعد شروع ہونے والی مغرب کی اسلام کے خلاف چوتھی جنگ ــــــ، عسکری میدان میں شکست فاش سے دوچار ہوئی اور افغانستان سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو ذلت آمیز طریقے سے فرار اختیار کرنا پڑا، لیکن اسلام کے خلاف یہ مبینہ صلیبی جنگ ــــــ کمزور، اسلامی ملکوں کے لاچار اور غلام ذہنیت کے حامل حکمرانوں کے ذریعے مختلف طریقے سے اسلامی ممالک کی سرزمین پر لڑی جارہی ہے، چنانچہ وطن عزیز پاکستان میں بھی مشرف دور سے اب تک ہر حکومت میں اسلامی اقدار، تہذیب وتمدن، عقائد ونظریات پر یلغار جاری ہے، ایک طرف میڈیا کا ہتھیار دوسری جانب مقبوضہ اور غلام پارلیمنٹ کا ہتھیار استعمال کرکے خوبصورت عنوانوں کے ساتھ اسلام مخالف قانون سازی کا سلسلہ جاری ہے، ان نئے بنائے جانے والے قوانین میں اسلام کے حسین خاندانی نظام، نظام عفت وحیا، نظام معیشت، علماء کرام اور مذہبی سوچ کے حامل مسلمانوں کے خلاف اور دہشت گردی کے نام پر دینی ذہن رکھنے والے سرکاری ملازمین اور عام شہریوں کے خلاف قوانین شامل ہیں، یہ سلسلہ دراز ہوتے ہوتے اب F.A.T.F نامی عالمی ادارے کے دباؤ پر فیٹف بل کے نام سے بننے والے قوانین جن میں اوقاف بل 2020ء شامل ہے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے منظور کروا کر مساجد، مدارس، وقف اداروں بشمول خانقاہوں، مزارات، یتیم خانے اور دیگر اداروں کے غیر اعلانیہ طور پر حکومتی تحویل میں لینے اور ان کی بندش کی تیاری کی جاچکی ہے۔

اوقاف بل نہایت عجلت میں بلا مشاورت اور بلا اطلاع دونوں ایوانوں سے جبری انداز میں اس طرح منظور کرالیا گیا کہ نہ کوئی بحث وتمحیث کا موقع دیا گیا نہ ہی ان قوانین کے

مثبت و منفی پہلوں کو اجاگر کرنے کی اجازت دی گئی، حیرت تو یہ ہے کہ حکومت اور اس کے اتحادی نیز اپوزیشن کی اکثر جماعتوں تک کو اس بل پر خاموش رہنے کے اشارے دیے گئے، میڈیا تو پہلے سے ہی کنٹرولڈ اور مذہب کے معاملات سے صرف لاتعلق ہی نہیں بلکہ مذہب دشمن اور مغرب کے کھلے آلہ کار کا کردار ادا کر رہا ہے، یوں کوشش جاری ہے کہ اس بل کو ٹھنڈے پیٹ ہضم کروا کر اگلے مرحلہ میں مذہب اور دین کو مغربی قبضہ میں دے کر آنے والی نسلوں کے دین و ایمان کا سودا کر دیا جائے، اور مذہب کے ان اعلیٰ مقدس اداروں سے من پسند نتائج حاصل کیے جائیں، مساجد میں حکومتی خطبے اور مدارس میں حکومتی نصاب مزارات پر حکومتی افسران بطور مجاور مقرر کر دیے جائیں اور یوں اسلام کو فتح کر کے نسلوں کو اسلام سے برگشتہ کر دیا جائے۔

قارئین! اس بل کی حساسیت کا اندازہ ذیل کی سطور میں لگائیں گے یہ کس قدر خطرناک بل ہے، اس کی جس قدر سنگینی ہے اس قدر اس پر خاموشی اور ردعمل نہ ہونے کے برابر ہے، جو چند شخصیات یا طبقات ردعمل دے رہے ہیں، ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مترادف ہے، اس بل پر عوامی ردعمل نہ ہونے کے برابر ہے، غیر مذہبی سیاسی جماعتیں مذہب سے غیر اعلانیہ طور پر بیزار ہو چکی ہیں، چنانچہ مذہب دشمنی میں پی ٹی آئی، پی پی پی کی تو باہم دوڑ ہے ہی، مسلم لیگ (ن) بھی ان سے پیچھے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اپوزیشن کی تحریک میں مذہب دشمن اقدامات کو غیر مذہبی سیاسی جماعتوں کی جانب سے ایجنڈے پر نہیں لانے دیا جاتا، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم مذہبی ایشوز پر اکیلے ہی بات کرتے ہیں، مذکورہ بل میں بھی جماعت اسلامی کے سینیٹر محمد مشتاق کی تجویز کردہ ترمیم کو اسپیکر نے نظر انداز کیا۔

اس لیے اسلامیان پاکستان کو اپنے مقدس اداروں کے تحفظ کے لیے میدان عمل میں اترنا ہوگا۔

ہر چند کہ اوقاف بل سر دست وفاقی دار الحکومت کے علاقوں کے لیے ہے، تاہم اس تجربہ کے بعد یہ باقی ملک میں بھی نافذ ہو جانا کوئی بعید نہیں۔ ذیل میں اس بل کا خلاصہ روزنامہ جنگ اسلام آباد مورخہ 13 ستمبر 2020ء کے مطابق پیش خدمت ہے:

۱)۔ اس قانون کے تحت کوئی بھی شخص یا کمیٹی اگر جائیداد وقف کرے گا تو اسے حکومت کے

مقرر کردہ ادارہ اور اس کے منتظم سے رجسٹرڈ کرانا ہوگا۔

۲)۔ مسجد/ مدرسہ/ قبرستان/ یتیم خانہ/ خانقاہ/ مسافر خانہ کوئی بھی وقف ہو، وقف کی اجازت اس سے مشروط ہوگی کہ وہ منی ٹریل دے یعنی یہ بتائے کہ اس کے پاس یہ جائیداد یا رقم یا مال کہاں سے آیا حکومتی اطمینان کے بعد واقف کو وقف کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ نہیں۔

قارئین! آپ اندازہ لگائیں کہ وقف کے لیے مذکورہ بالا دونوں شرطوں کا مطلب کیا ہے؟ نئی قائم ہونے والی مساجد، مدارس اور اداروں کے قیام کو روکنا ہے۔ یعنی نہ اجازت ملے گی اور نہ ہی آئندہ کوئی نئی مسجد/ مدرسہ/ قبرستان/ یتیم خانہ/ مسافر خانہ/ خانقاہ یا کوئی ہسپتال تعمیر ہو سکے گا، گویا کہ نئے مذہبی عبادت خانے اور فلاحی منصوبوں پر پابندی عائد کی جا رہی ہے، ظاہر ہے کہ نہ کوئی سرکاری دفاتر کے چکر کاٹے اور نہ ہی رقبہ وقف کرے اگر سرکاری اداروں میں جائے تو نہ منی ٹریل دے سکے اور نہ ہی اجازت ملے، الٹا حکومتی ادارے کے ہتھے چڑھ جائے کہ یہ رقبہ تم نے کہاں سے حاصل کیا؟

سوال یہ ہے کہ بینک میں رقم رکھتے ہوئے جائیداد خرید کرتے ہوئے کمپنی منظور کراتے ہوئے کاروبار شروع کرتے ہوئے منی ٹریل دینا ضروری نہیں، تو وقف کے لیے منی ٹریل دینا کیوں ضروری ہے؟

اگر ملک میں موجودہ وزیر اعظم منی ٹریل نہیں دے سکا اور سابقہ وزیر اعظم کی منی ٹریل قبول نہیں کی گئی تو بے چارہ سادہ مسلمان جو مسجد و مدرسہ کا قیام چاہتا ہے وہ کیونکر یہ اُلجھنیں اپنے سر لے سکے گا، جب فروختگی اور دیگر معاملات کے لیے منی ٹریل ضروری نہیں تو وقف کے لیے منی ٹریل کیوں ضروری ہے؟

صاف ظاہر ہے کہ اہل اسلام کے مذہبی معاملات میں رکاوٹ اور دینی تعلیم، عبادات اور رفاہی امور جن سے اہلیان پاکستان کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا ہے، سب کو روک کر مغربی ایجنڈا پورا کیا جا رہا ہے، ظاہر ہے یہ پابندی آئین و دین دونوں

کے خلاف ہے۔

۳)۔ وقف کے املاک کے لیے حکومت چیف کمشنر کے ذریعے منتظم اعلیٰ (سرکاری افسر) تعینات کرے گی۔

۴)۔ منتظم اعلیٰ کسی بھی خطاب، خطبے یا لیکچر کو روک سکے گا نیز کسی بھی قومی خودمختاری اور وحدت کو نقصان پہچانے والے معاملے کو بھی روک سکے گا۔

قارئین! مذکورہ بالا دونوں شقوں کا مطلب بھی آپ سمجھ چکے ہوں گے، پہلے سے وقف شدہ مساجد، مدارس خانقاہیں اور دیگر اداروں میں خطبات جمعہ، اصلاحی بیانات، تبلیغی سرگرمیاں، مدارس میں پڑھائے جانے والے اسباق کو جب چاہیں قومی وحدت کے خلاف قرار دے کر روک سکتے ہیں، ماضی کے چند سالوں کا تجربہ شاہد ہے کہ بین الاقوامی قوتوں کے نزدیک قرآن کریم بھی نعوذ باللہ وحدت کے خلاف کتاب ہے، جو معاذ اللہ شدت پسندی کو فروغ دیتی ہے اور ملکی ادارے تو دینی نصاب کو بھی فرقہ واریت کا باعث قرار دیتے رہے ہیں، گویا یہ سب بند کر دیا جائے گا۔ الغرض نئے ادارے بن نہیں سکیں گے اور پرانے ادارے کام سے روک دیے جائیں گے۔

۵)۔ وقف املاک پر قائم تعمیرات کی بھی منی ٹریل معلوم کرنے اور حکومت کو آڈٹ کا اختیار ہوگا۔

یہ شق مساجد اور دینی مدارس کی عمارتوں پر قبضے کے لیے لائی گئی ہے، اس شق کا مطلب واضح ہے کہ برسہا برس سے تعمیر شدہ ادارے یہ ثابت کریں کہ انہوں نے تعمیرات پر خرچ کردہ رقم کہاں سے حاصل کی تھی، اور کیسے خرچ کی تھی، اگر وہ جواب نہیں دے سکتے تو یہ سب کچھ حکومت کا ہو چکا ہے، وہ بے دخل کر دیے جائیں گے، اس شق میں اس کا بھی احتمال موجود ہے کہ دینی مدارس ومساجد اور وقف اداروں پر قبضہ کر کے انہیں دفاتر وغیرہ میں تبدیل کر دیا جائے۔ اسی طرح اخراجات کے لیے ادارے کو حاصل شدہ آمدنی کی بھی منی ٹریل حکومت کو دینی ہوگی، یہ رقم کہاں سے آئی اور کس نے دی تاکہ حکومت اور حکومتی اداروں کے خوف سے معاونین چندہ دینا بند

کردیں، اور نتیجتاً مدارس و مساجد بند ہو جائیں۔

۶)۔ بل کے مطابق وقف املاک پر قائم عمارت کے منتظم منی لانڈرنگ میں ملوث پائے گئے تو حکومت ان املاک کا انتظام سنبھال لے گی، اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اڑھائی کروڑ روپے جرمانہ اور پانچ سال تک سزا ہو سکے گی۔ اس شق کے تحت جدید و قدیم اداروں کے خاتمے کے ساتھ ان اداروں کی خدمت سے لوگوں کو روکنا ہے، تاکہ کوئی بھی شخص مارے ڈر کے مدرسہ کی انتظامیہ اور کمیٹی کا رکن نہ بنے، کہیں منی لانڈرنگ کے الزام کے تحت جیل اور بھاری جرمانے کا شکار نہ ہو جائے۔ اس بل کا حاصل نئے مذہبی اداروں، مساجد/مدارس وغیرہ کا قیام روکنا پہلے سے قائم اداروں پر قبضہ اور ان کی بندش اور مدارس و وقف اداروں کے معاونین و منتظمین کو تعاون و انتظام سے روکنے کے سوا کچھ نہیں۔

امید ہے کہ قارئین! کو اس بل کی حقیقت سمجھ آگئی ہوگی، اسلامیان پاکستان کو اگر اپنی عبادت، تعلیم اور مذہبی و سماجی اقدار بچانا ہے تو اس بل کے خاتمے کے لیے جد جہد کرنا ہوگی ورنہ جو نسلوں کا حال ہوگا اس کا ابھی تصور نہیں ہو سکتا۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ربیع الاول ۱۴۴۲ھ/نومبر 2020ء)

ملکی حالات اور علماء کرام کی ذمہ داریاں

برِ صغیر کے دینی مدارس وجامعات میں شوال المکرم تعلیمی سال کا پہلا اور رجب المرجب آخری مہینہ ہوتا ہے، ان دنوں ملک بھر کے جامعات ومدارس میں سال کے اختتامی اجتماعات انعقاد پذیر ہوتے ہیں، تقریباً ہر جامعہ میں صحیح بخاری کے اختتام کے موقع پر آخری حدیث کے درس کے ساتھ ساتھ سینکڑوں اور ہزاروں افراد کی موجودگی میں فضلاء کی دستار بندی کرائی جاتی ہے، یوں ان دنوں ملک بھر میں نوجوان فارغ التحصیل علماء سروں پر دستار فضیلت سجائے میدان عمل میں اترنے اور اپنے تعلیمی نصاب کے آخری امتحان کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں، امسال ۱۴۳۳ھ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت امتحانات دینے والے فضلاء کی تعداد 8 ہزار 82 اور فاضلات کی تعداد 14 ہزار 532 ہے، ان جدید وقدیم فضلاء کی ذمہ داریوں اور علماء کرام کے فرائض منصبی سے متعلق جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں نے فضلاء کنونشن منعقد کیا، اس کنونشن میں راقم الحروف کے ذمہ "موجودہ ملکی حالات اور علماء کرام کی ذمہ داریاں" کے موضوع پر معروضات پیش کرنا تھیں، جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

حضرات علماء کرام بلاشبہ انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں، انبیاء اپنی وراثت میں مال ودولت نہیں بلکہ علم، عمل اور اخلاق چھوڑ کے جاتے ہیں، اس لئے وراثت کا تقاضا ہے کہ وارثوں میں وہ تمام اچھائیاں اور اوصاف پائے جائیں جو وراثت چھوڑنے والے کے اندر تھیں، علماء کرام کو انبیاء علیہم السلام سے جس طرح علمی وراثت ملی اسی طرح یہ لوگ امت پر رحمت وشفقت اور خیر خواہی کرنے میں بھی انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کی دنیوی اور اخروی بہبود کے لیے زندگی بھر نہ صرف کوشاں رہے بلکہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ساری زندگی امت کے نام ہی وقف کی، چنانچہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی امتیازی وصف قرآن کریم میں یوں مذکور ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (التوبة :۱۲۸)

"(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لیے انتہائی شفیق نہایت مہربان ہے"۔

امت کی نجات کے لیے حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرب والم کو یوں بھی تعبیر فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ (الکهف:۶)

"اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں تو ایسا لگتا ہے جیسے تم افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کو گھلا بیٹھو گے"۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لیے نمازوں میں تخفیف کرانا، امت کی مغفرت کے لیے عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں دعاؤں کا اہتمام کرنا شفقت کی واضح مثالیں ہیں، چنانچہ وراثت کا تقاضا ہے کہ حضرات علماء کرام بھی امت کی خیرخواہی میں اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کا عملی وارث ثابت کریں، بدقسمتی سے بعض اہل علم کی فکر محدود اور جدوجہد کا دائرہ نہایت ہی مختصر سا رہ گیا ہے، کسی نے اپنی محنت کا میدان مدرسہ کی چاردیواری تک محدود کردیا ہے تو کسی نے صرف اپنی خانقاہ اور مسجد کے انتظام وانصرام کو اپنی کل ذمہ داری سمجھ لیا ہے، جبکہ وراثت کے صدقے ہمارے کندھوں پر پوری امت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، کامیاب دنیوی زندگی اور آخرت میں نجات دلانے والے راستے کی طرف صرف راہنمائی ہی نہیں بلکہ انسانیت کو اس راہ تک لانے کی ہر ممکن جدوجہد ہمارے ذمہ ہے، ہمیں بھی امت کے کفر، ارتداد اور بے دینی پر ویسے ہی کڑھن اور کرب ہونا چاہیے جیسے انبیا علیہم السلام کو کرب والم ہوا کرتا تھا، ہمیں بھی امت کی سربلندی کیلئے اتنا ہی گھلنا ہوگا جتنا انبیا علیہم السلام پگھلا کرتے تھے، سوزِ جگر اور دردِ دل خود ہی عمل کی راہیں متعین کرتا ہے، کام کے راستے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں، کچھ کر گذرنے کا جذبہ

اور محنت ہوتو ثمرہ ضرور سامنے آتا ہے۔

دائرہ عمل:

ہمیں اپنے دائرہ کار میں وسعت لانا ہوگی، ملک کے حالات بہت تیزی سے بدلے ہیں اور پہلے سے زیادہ برق رفتاری کے ساتھ بدل رہے ہیں، عوام الناس کی دینی زبوں حالی انتہاء کو پہنچ چکی ہے، فکری، اعتقادی اور عملی فساد راسخ ہو چکا ہے، اکثر لوگ دین کے بنیادی ارکان سے بھی ناواقف ہیں، ملک کا اکثریتی طبقہ بنیادی اسلامی عقائد نہیں جانتا، عبادات تک سے ناواقفیت ہے، معاملات کو تو گویا دین سے الگ ہی سمجھ لیا گیا ہے، حلال وحرام کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی ہے، کرپشن اور بدعنوانی معاشرہ کے رگ وریشہ میں پیوست ہو چکی ہے، شہوانیت اور بہیمیت نے انسانی حدود توڑ کر انسانوں کو جانور بنا دیا ہے، انسانی ہمدردی، محبت اور اُلفت کا نشان تک باقی نہیں رہا، قتل وغارت گری اور لوٹ مار فیشن بن چکا ہے، خود غرضی اور طمع ولالچ نے والدین اور اولاد تک میں تفریق پیدا کر دی ہے، ان حالات میں اہلِ علم کو عوام تک رسائی حاصل کرنا ہوگی، اصلاح کا بیڑہ اٹھانا ہوگا، لوگوں کو دین پر لانے کے لیے بہتر حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی، تقریر وتحریر کے ذریعے یہ کمزوریاں دور کرنی ہوں گی، ہمارے پاس مدارس میں جو طبقہ موجود ہے ان کی تعداد تقریباً بیس لاکھ ہے، گویا ہماری محنت کا میدان بیس لاکھ افراد ہیں جبکہ پاکستان کی کل آبادی سولہ کروڑ سے سترہ کروڑ کے درمیان ہے، باقی آبادی کی ہدایت کا فریضہ بھی علماء کرام کا ہے، اس لیے علماء کرام اس طبقہ کی ہدایت کے لیے موثر سعی فرمائیں۔

مغربی تہذیب کی یلغار کا مقابلہ:

امریکہ اور یورپ اسلامی ممالک پر بالخصوص اور دنیا بھر میں بالعموم اپنی تہذیب وثقافت مختلف طریقوں سے مسلط کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، معاشی لحاظ سے مستحکم یہ اقوام دیگر اقوام کو اپنے غلام سمجھ کر بزور بازو فکری، عسکری اور ثقافتی یلغار کیے ہوئے ہیں، اس مقصد کے لیے ان اقوام نے مسلم ممالک کے مقتدر طبقہ کو ہمنوا اور زیر اثر بنانے کے ساتھ ساتھ میڈیا کی طاقت بھی حاصل کی، ملٹی نیشنل کمپنیاں اور این جی اوز کو اپنا دست وبازو بنا کر مسلم معاشرہ پر یلغار کر

دی ہے، جسکے نتیجے میں فکری ارتداد، قادیانیت، عیسائیت، انکار حدیث اور الحاد فی الدین کے نظریات فروغ پا رہے ہیں، جنسی بے راہ روی نے ملک بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، حکومتوں کے ناجائز اقدامات نے یورپین وامریکی منصوبہ کو تقویت اور اسلامی ثقافت کو کمزور تر کر دیا ہے، نتیجتاً بے راہ روی کو قانونی تحفظ مل چکا ہے، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں شناسائی، غیر شرعی تعلقات اور بعد میں اسے قانونی تحفظ فراہم کرنے کیلئے کورٹ میرج معمول بنتا جا رہا ہے، جبکہ عدالت نہ تو اس جوڑے سے کفو وغیر کفو کے شرعی مسلمہ اصول کے بارے میں سوال کرتی ہے اور نہ ہی والدین کو طلب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح شادی شدہ خواتین دعویٰ تنسیخ عدالت میں دائر کرتی ہیں، اس دعویٰ پر عدالتیں بغیر شرعی تقاضے پورے کئے خلع ڈگری کر کے میاں بیوی میں نکاح فسخ کرواتی ہیں، جبکہ جمہور مفتیانِ کرام کے فتویٰ کے مطابق اس طرح نکاح فسخ نہیں ہوتا، یوں خواتین پہلے نکاح کے ہوتے ہوئے دوسری جگہ نکاح کر کے زندگی بھر گناہ میں مبتلا رہتی ہیں۔ معمولی معمولی جھگڑوں میں روزانہ بیسیوں بلکہ سینکڑوں لوگوں کو قتل کر دیا جاتا ہے، لسانی عصبیت کا جن بوتل سے باہر آ گیا ہے، عورتوں پر ناجائز تشدد اور تیزاب پھینکنے کے واقعات روز سننے کو ملتے ہیں۔

مغربی ثقافت کا ایک خاصہ خود غرضی اور طمع ولالچ بھی ہے، اس کا لازمی نتیجہ سود اور جوئے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس جوا اور سود ہی ہے، یہ بیماریاں ہمارے معاشرہ میں بھی ناسور کی طرح رچ بس گئی ہیں، شراب اور منشیات کا استعمال تو اب اس قدر کثرت سے ہونے لگا کہ اس جانب کسی کی توجہ ہی نہیں رہی، اہل علم وارثانِ نبیؐ ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے کافرانہ ثقافت، تمدن اور نظام کو توڑ کر نظام الٰہی نافذ کیا ہے، اس لیے علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نظام کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں اور اپنی تمام تر توانائیاں اس مقصد کے لیے صرف فرمائیں، عوام الناس کو مغربی ثقافت کے مضر اثرات سے آگاہ فرمائیں، اسلام کی صحیح روح اور شکل لوگوں کے سامنے ظاہر کریں، عوام کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اسلام کا آفاقی نظام کس قدر مبارک، مفید اور ہر زمانے اور معاشرے کے لئے راہنما ہے، جبکہ اس کے مقابلہ میں مغرب کے اس بے ہودہ طرز زندگی میں دنیا وآخرت کا کتنا نقصان ہے۔ اس سلسلہ میں اہل علم کے لیے کام کی چند صورتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

۱)۔ موثر ومفید خطبات:

ہمارے خطباء کرام عموماً اپنے جمعہ، عیدین اور عوامی خطبات میں جن موضوعات پر گفتگو فرماتے ہیں وہ چند مخصوص عنوانات ہیں، نئے فضلاء اپنے خطبات تیار کرنے کی بجائے پہلے سے شائع شدہ مواعظ وخطبات کے مطالعہ پر اکتفا کرتے ہیں، یہ خطبات بھی بہت مفید اور موثر ہیں لیکن ہر دور کے اپنے تقاضے اور ہر جگہ کا اپنا مقتضیٰ ہوتا ہے، اس لیے موجودہ حالات اور مقام کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر تقریریں کی جائیں، معروضی حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء کرام اپنے خطبات میں درجِ ذیل موضوعات کو بھی اہمیت سے اجاگر کریں:

۱)۔ سنت وبدعت۔ ۲)۔ اسلام وکفر کا باہمی موازنہ۔
۳)۔ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کے مسکت ومدلل جوابات
۴)۔ فتنۂ انکار حدیث اور انکار فقہ کا رد۔ ۵)۔ عفت وپاک دامنی کی اہمیت۔
۶)۔ اسلامی شکل وصورت اور وضع قطع کی اہمیت۔
۷)۔ رزق حلال کی برکات اور رشوت وبدعنوانی کے نقصانات۔
۸)۔ فحاشی وعریانی کی مذمت ونقصانات۔
۹)۔ حقوق العباد کی اہمیت۔ ۱۰)۔ اسلامی احکام کی پابندی کے ثمرات۔
۱۱)۔ قربِ قیامت میں ظاہر ہونے والے فتنوں کا تذکرہ اور ان سے بچاؤ کی تدابیر۔
۱۲)۔ قرآن وسنت کی اہمیت اور اعتماد علی الاسلاف کی ضرورت۔
۱۳)۔ حلال وحرام کا فرق۔ ۱۴)۔ تجارت کی جائز اور ناجائز صورتیں۔
۱۵)۔ اسلام میں خواتین کے حقوق۔ ۱۶)۔ خاندانی نظام سے متعلق اسلامی احکام
۱۷)۔ گھریلو ناچاقیوں کا شرعی حل۔ ۱۹)۔ نکاح اور طلاق کے احکامات۔
۲۰)۔ اختلافات اور جھگڑوں کی حدود۔

اس سلسلہ میں امم سابقہ کے واقعات، حضرات صحابۂ کرام اور اسلاف امت کی زندگیوں کے پاکیزہ واقعات سے مدد لی جاسکتی ہے، جمعہ وعیدین کا اجتماع اہل علم کے پاس

رائے عامہ کی درستگی اور فکری تربیت کے لیے بہترین ہتھیار ہے، خاص طور پر عیدین کے اجتماع میں ایسا طبقہ بھی ہمیں میسر ہوتا ہے جو سال بھر ہماری گفتگو نہیں سن پاتا، اس لیے جمعہ وعیدین کا خطبہ نہایت ہی جامع، مفید اور موثر ہونا ضروری ہے، اس میں معاشرتی مسائل اور سماجی برائیوں کے خاتمہ کے لیے قرآن وحدیث سے مدلل شستہ گفتگو بہت سوں کی ہدایت کا باعث بن سکتی ہے، کئی ایک لوگ گناہوں سے تائب ہو سکتے ہیں۔

۲)۔ قلمی جہاد:

فکری، اعتقادی، سماجی برائیوں کے خلاف قلم بھی بہترین ہتھیار ہے، اہل علم اپنی تحریروں میں مذکورہ بالا موضوعات کو اجاگر فرمائیں، اپنے مضامین اتنے مفید اور موثر بنائیں کہ قومی اخبارات میں انہیں جگہ مل سکے، علاوہ ازیں مشنری جذبہ کے ساتھ جرائد، رسائل اور کتب کاروباری سوچ کے بغیر عوام الناس تک پہنچائیں، جامعات ومدارس سے نکلنے والے رسائل و جرائد کو عوامی اور سلیس بنایا جائے تاکہ حق کا یہ پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے، اس مقصد کیلئے ابلاغ کے جدید ذرائع یعنی انٹرنٹ اور سوشل میڈیا کو بھی احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے، یہ رسائل وکتب عام لوگوں کو ای میل بھی کی جائیں، الغرض ہر ممکن طریقے سے اپنا پیغام عوام کو پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔

۳)۔ عصری تعلیمی اداروں سے تعلق:

عوام الناس کے بیشتر بچے سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز میں زیر تعلیم ہیں، یہی طبقہ ہے جو مستقبل میں ملک کی زمام انتظام واقتدار بھی سنبھالتا ہے اور مغربی تہذیب وافکار کا سب سے زیادہ شکار بھی یہی طبقہ ہے، اس طبقہ کو اس ذہنی غلامی سے نجات دلانا دراصل ایک بڑا کام ہے، اس لیے عصری تعلیمی اداروں تک اہل علم کی رسائی نہایت ہی ضروری ہے، اہل علم ان عصری تعلیمی اداروں میں اپنے اساتذہ وانتظامیہ کے ذریعے رسائی حاصل کرسکتے ہیں، اثر ورسوخ کے ذریعے اگر سکول کی اسمبلی میں روزانہ یا ہفتہ وار پانچ سے دس منٹ کی گفتگو کا موقع حاصل کرلیا جائے، یہ گفتگو بامقصد وباسلیقہ اور محنت ومطالعہ سے تیار کی گئی ہو تو اخلاص کے ساتھ کی جانے والی یہ محنت

ان شاء اللہ انقلاب انگیز ثابت ہوگی، سکولز و کالجز وغیرہ میں تدریس کرنے والے علماء کرام کے لیے تو کام کا بہت بڑا میدان ہے، وہ آسانی کے ساتھ اپنے ان تعلیمی اداروں میں اہداف حاصل کر سکتے ہیں، علماء کرام اپنی سرپرستی میں مدارس سے الگ عصری تعلیمی ادارے قائم کر کے اسلامی ثقافت کا احیاء بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ بہت سے علماء کرام نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے، انگلش میڈیم سکولز میں دینی ماحول پیدا کر کے تعلیم میں بھی نام پیدا کیا جا سکتا ہے اور دینی اہداف بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

مختلف دینی شعبہ جات کا باہمی ربط:

دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے حضرات ایک دوسرے کے ساتھ کام میں معاون ہوں تو اس کے بھی بہتر نتائج سامنے آ سکتے ہیں ولِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ (ہر کام کے مستقل لوگ ہوتے ہیں) کے مسلمہ اصول کے تحت ہر شعبہ میں کام کرنے والے حضرات تقسیم کار سمجھ کر اپنے اپنے شعبہ میں اخلاص کے ساتھ کام کریں، لیکن دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کے کام کی نفی نہ کریں، بلکہ حتی الامکان تعاون فرمائیں، تبلیغ دین، جہاد فی سبیل اللہ، تعلیم و تدریس، تزکیہ و اصلاح، اسلامی حکومت کے قیام کی جہد جہد، ردفرق باطلہ، احقاق حق و ابطال باطل دین کے مختلف شعبہ جات ہیں، ہر آدمی بیک وقت تمام شعبہ جات میں کام نہیں کر سکتا، اس لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک شعبہ میں مصروف عمل ہو اور اپنے شعبہ میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے، دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کا قلبی احترام کرے، ان کے لیے دعا گو ہو اور حتی الامکان ان کا ممد ثابت ہو، نقصان اس وقت ہوتا ہے جب ایک شعبہ کو پورا دین سمجھ لیا جاتا ہے اور دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں کے کام کی عدم ضرورت یا عدم اہمیت کو ظاہر کیا جاتا ہے، دین کے جملہ شعبہ جات کی مثال بدن کے مختلف اعضاء کی سی ہے، ایک جسم میں ہر عضو کی اپنی جگہ ایک حیثیت اور ضرورت ہے، کسی بھی عضو کے نقصان کی صورت میں پورے جسم کا نقصان ظاہر ہوتا ہے، دین کے ان شعبوں میں کام کرنے والوں کا باہمی ربط ان شاء اللہ اشاعت دین کا ذریعہ ہوگا۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ/ جولائی 2012ء)

اَکابر کا دورۂ تفسیر قرآن کریم

برِ صغیر کے مدارس و جامعات میں تعلیمی سال کا آغاز شوال المکرم اور اختتام رجب المرجب کے آخر میں ہوتا ہے، شعبان و رمضان میں تعطیلات ہوتی ہیں۔ اَیامِ تعطیلات میں اَساتذہ کرام اور طلباء عزیز کو اپنی ضروریات کی تکمیل، آرام، یا کسی دینی مشغولیت میں اشتغال کا اختیار ہوتا ہے۔ یہ اشتغال علمی ہو یا تربیتی، روحانی ہو یا تبلیغی تاہم ہمارے اکابر واسلاف کا ذوق وقت کو قیمتی بنانے دوسروں کی خیر خواہی اور اُمت کے دَرد کا تھا۔ اس لئے وہ طلباء کو بھی یہی مشورہ دیتے کہ اَیامِ تعطیلات میں اگر کوئی مجبوری یا معذوری نہ ہو تو ایسے امور بجالائے جائیں، جن سے یا تو علمی فائدہ ہو یا روحانی و عملی فائدہ۔ بیشتر مقامات پر اکابر ایسا طرز اختیار فرماتے جس سے مذکورہ بالا دونوں مقاصد حاصل ہو جاتے، دورہ ہائے تفسیر قرآن کریم بھی اسی تناظر میں پڑھائے جاتے تھے۔ اکابر کے اس سلسلہ سے مذکورہ بالا مقاصد کیسے حاصل ہوتے نیز دورہ تفسیر کیوں پڑھایا جاتا؟ اس پر احقر کی تقریباً پانچ سال پرانی تحریر اِفادۂ قارئین کے لئے پیشِ خدمت ہے۔

جامعات و مدارس کی سالانہ تعطیلات میں قرآنی علوم و معارف طلباء، علماء تک منتقل کرنے، طالبین قرآن کریم میں تفسیری ذوق بیدار کرنے اور فہم قرآن کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے دورہ ہائے تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ آج سے نہیں بلکہ برسہا برس سے چلا آرہا ہے۔ اکابرین اہل سنت والجماعت علماء دیوبند مختلف مقامات پر تعطیلات میں تفسیر قرآن کریم کے حلقے قائم فرماتے اور ان کے حلقہ درس میں سینکڑوں شائقینِ علوم قرآنیہ جوق در جوق شریک ہوتے۔ بالخصوص جامعات سے فارغ ہونے والے اور اپنے سروں پر دستارِ فضیلت سجانے والے علماء وفضلاء سے تاکید کی جاتی کہ وہ میدان عمل میں اُترنے سے قبل دورہ تفسیر قرآن کریم ضرور پڑھ لیں۔

ماضی میں جن اکابرین اہل حق کے حلقہ ہائے درس تفسیر قرآن کریم نمایاں تھے اُن

میں مفکرِ اسلام، محدث اعظم، مفسرِ اکبر حضرت امام شاہ ولی اللہؒ، رئیس الموحدین حضرت حسین علیؒ، تلمیذ رشید قطب الاقطاب حضرت گنگوہیؒ امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا حسین علیؒ کے اجل تلامذہ میں سے قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ شجاع آبادی، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ اور امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہم اللہ سرفہرست ہیں۔

دورۂ تفسیر قرآن کریم کی اہمیت اکابر کی نظر میں مسلمہ تھی، برِ صغیر کے ممتاز محدثین وفقہاء کرام اپنے فاضل تلامذہ کو دورۂ تفسیر پڑھنے کے لئے حلقہ ہائے تفسیر میں تاکید کے ساتھ بھیجتے۔ فضلاء دار العلوم دیو بند کو حضرت لاہوریؒ وغیرہ کی خدمت میں دورۂ تفسیر کے لئے بھیجا جاتا۔

جلالپور پیروالہ ضلع ملتان سے حضرت مولانا خان محمدؒ فاضل دیو بند ارشاد فرماتے ہیں:

> ”ہمیں حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے فراغت پر حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں دورۂ تفسیر پڑھنے کا حکم دیا۔“

شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ، حضرت لاہوریؒ کے درس دورۂ تفسیر زبدۃ القرآن کے صفحہ نمبر: ۱۳ پر رقم طراز ہیں:

> ”زبدۃ المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز کے روح طیب پر رب العالمین جل جلالہٗ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے کہ اُس نے مجھے اور اپنے خلف الرشید مولانا سمیع الحق صاحب کو قطب العالم، یگانہ روزگار، بقیۃ السلف الصالحین شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مضجعہٗ کی خدمت اقدس میں تفسیر پڑھنے کے لیے بھیجا اور تاکید فرمائی کہ حضرت لاہوری کے جملہ ارشادات وفرمودات کو حرف بحرف لکھ دیا کریں اور ان کے جملہ مجالس سے استفادہ کریں۔“

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ شجاع آبادی تاحیات درس تفسیر میں مصروف رہے۔ حضرت بہلویؒ نے جلالین وغیرہ کی تدریس کے بعد حضرت مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں حاضری دے کر دورۂ تفسیر پڑھا۔ حضرت بہلویؒ اپنی خودنوشت سوانح حیات ”فیض

روحانی رحمت صمدانی" میں ارشاد فرماتے ہیں:

> "دو چار مہینے کے بعد ایک عقدہ پیش آ گیا، جس کے حل کے لئے واں بچھراں غریب نواز حضرت مولانا حسین علی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا تو فرمایا: "جب تک میرے پاس قرآن مجید کا ترجمہ نہ پڑھو گے عقدہ حل نہیں ہو سکتا۔" حسبِ ارشاد ترجمہ پڑھا تو آنکھیں کھلیں کہ بلا شبہ اب تک جلالین وغیرہ پڑھاتے رہے، مگر یہ ترجمہ وتفسیر تو کوئی اور ہی چیز ہے، ہمیں تو اب تک قرآن مجید سے مس بھی نہیں ہوا۔"
>
> (بحوالہ معارف بہلوی: ۴۴ر۱)

واضح رہے کہ حضرت بہلویؒ نے جب دورۂ تفسیر پڑھا، اس وقت تفسیر کے مدرس بھی تھے اور حضرت مولانا فضل علی شاہ قریشیؒ، حضرت مولانا امیر علی گجراتیؒ، حضرت مولانا محمد عمر خیلویؒ وغیرہ کئی ایک مشائخ سے مجاز بھی تھے۔

ماضی کی جانب پلٹ کر دیکھیں تو مدارس میں جاری دورہ ہائے تفسیر کی برکت سے شرک وبدعت کے طوفان تھمے، توحید وسنت کی بہاریں چلیں اور ہزاروں افراد کو عقائد کی درستگی نصیب ہوئی، سینکڑوں فہم قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے، بیسیوں نے اس تفسیری ذوق کو اکابر سے جذب کر کے ترقی کی اور قرآن کریم کے زبردست مفسر بنے۔

شعبان ورمضان کی تعطیلات کا مصرف اشتغال بالقرآن سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا، جملہ علوم وفنون اور سارے دین...... اعتقادات، عبادات معاملات، اخلاقیات اور آداب کا ماخذ قرآنِ کریم ہے۔ بلا شبہ تمدن ومعاشرت کے جملہ پہلو، اصلاحِ فرد سے اصلاحِ خانہ تک اور اصلاحِ خانہ سے اصلاحِ قوم تک، تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل، سیاست ملک گیری، ملک داری کے قوانین، سیاست مدنیہ سبھی قرآن کریم کے علوم ہیں۔

قرآنِ کریم ہی سے سیرِ انبیاءؑ، تاریخِ اقوام، جغرافیۂ عالم، تکوینِ کائنات، وسعتِ عالم، مزاجِ اقوام، اقوام کا عروج وزوال اور اُس کے اسباب سمجھ میں آتے ہیں۔ تبلیغِ دین، جہادِ فی سبیل اللہ، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ قلب کے اسرار بھی درسِ قرآن ہی کا فیض ہیں۔ الغرض قرآن

ایک بحر بیکراں اور گوہر یکتا ہے۔ نہ کوئی اس کی بلندیوں کو چھو سکا اور نہ ہی اس کی وسعتوں کو پا سکا، لیکن ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق اس بحر علم وعمل میں غوطہ زن ہو کر اپنی اپنی جہد کے مطابق اپنے اپنے نصیب کے لعل وجواہر ضرور حاصل کیے ہیں۔

دورۂ تفسیر قرآن کریم کی بدولت مذکورہ بالا گوہر حاصل کر کے ذہنی وسعت نصیب ہوتی ہے۔ قرآنی بصیرت، قرآن فہمی اور تعلق بالقرآن نصیب ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے درسِ نظامی کے نصاب میں تفسیر قرآن کریم میں سے محض ترجمہ قرآن کریم، جلالین کی طائرانہ تدریس اور بیضاوی میں چند رکوعوں کی تعلیم پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جس سے کماحقہٗ ذوقِ قرآنی بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کمی کو مسلسل کئی سال تعطیلات میں محنت وتوجہ کے ساتھ دورۂ تفسیر کی تعلیم سے پورا کیا جا سکتا ہے۔

دورۂ تفسیر کی خصوصیات:

ذیل میں دورۂ تفسیر قرآن کریم کے تعلیمی نظم اور اندازِ تدریس کے متعلق چند گزارشات پیش کی جارہی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ اکابر کا جاری کردہ یہ نظام کتنا مفید، نافع، موثر اور مبارک ہے:

۱)۔ ترجمہ قرآن کریم سے قبل طلباء کو ایک مفید علمی مقدمہ پڑھایا جاتا ہے، جس میں قرآن کریم، تفسیر قرآن کریم سے متعلقہ مباحث مثلاً: تعریف، موضوع، غرض وغایت، مراتبِ تفسیر، تفسیر وتاویل میں فرق، تفسیر بالرائ، تحریف کی مباحث، اہم تفاسیر اور مفسرین کا تعارف، مختلف تفاسیر کی خصوصیات، جمع وتدوینِ قرآنِ کریم، مضامینِ قرآنِ کریم، اعجازِ قرآنِ کریم، وجوہِ اعجاز سمیت کئی ایک مفید مباحث پڑھائی جاتی ہیں۔

۲)۔ قرآن مجید کا لفظی اور بامحاورہ ترجمہ طلباء کو پڑھایا جاتا ہے۔

۳)۔ ہر سورۃ سے قبل سورۃ کا مضمون مختصر الفاظ میں تحریر کرایا جاتا ہے، جو تقریباً سورۃ کا مرکزی خیال ہوتا ہے۔

۴)۔ ہر سورۃ کا آسان اور جامع الفاظ میں خلاصہ تحریر کرایا جاتا ہے، جس سے سورۃ کو سمجھنا

آسان تر ہو جاتا ہے۔

۵)۔ ہر سورۃ کا ماقبل سورۃ کے ساتھ ربط پڑھایا اور لکھوایا جاتا ہے اور ربط کی مختلف تقریریں ذکر کی جاتی ہیں، مثلاً؛ سورۃ کی ابتداء کا گذشتہ سورۃ کی ابتدا کے ساتھ، اِنتہاء کا اِنتہاء کے ساتھ، آخر سورۃ کا اوّل سورۃ کے ساتھ، مضمون سورۃ کا گذشتہ سورۃ کے مضمون کے ساتھ اور الفاظ کا الفاظ کے ساتھ وغیرہ۔

۶)۔ مضامین قرآن کا سُوَر، رکوعات اور آیات پر انطباق، مضامین قرآن کی تفصیل، مختلف اکابر نے مختلف اندازوں سے فرمائی ہے، مثلاً؛

الف......سلاسلِ سبعہ:

قرآن کریم میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے سلاسل سبعہ ذکر فرمائے ہیں:

"۱)۔ دعوے......اصولِ اربعہ "توحید، رسالت، صداقت قرآن وقیامت" کو بطورِ دعویٰ پیش کیا جاتا ہے۔

۲)۔ دلائل......دلیل عقلی محض، دلیل عقلی مع اعتراف الخصم، دلیل نقلی، دلیلِ وَحی، پھر دلیل عقلی میں دلیل انفسی اور دلیل آفاقی اور دلیل نقلی کی سات اقسام

۳)۔ شکوہ جات......کہیں محض شکوہ اور کہیں جوابِ شکوہ بھی مذکور ہوتا ہے۔

۴)۔ تخویفات (انجامِ بد سے ڈرانا)......تخویف دنیوی، تخویف اخروی

۵)۔ تنبیہات......تنبیہِ انبیاء علیہم السلام، تنبیہِ مؤمنین، تنبیہِ منکرین

۶)۔ تسلیمات......تسلیٔ انبیاء کرام، تسلیٔ مومنین

۷)۔ ازالہ شبہات......مخالفین کے مذکور وغیرہ مذکور شبہات کے جوابات"

ب...... مضامینِ خمسہ:

اِمام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرآن مجید کے پانچ مقصودی مضامین

ذکر فرمائے ہیں:

۱)۔ علم المُخاصمہ......فرقِ باطلہ کے عقائد واعمال باطلہ پر رَد

۲)۔ علم الاحکام......اَوامر ونواہی (کرنے اور نہ کرنے کے کام)

۳)۔ التذکیر بآلاءِ اللہ......اِنعاماتِ خداوندی کا تذکرہ

۴)۔ التذکیر بایّام اللہ......سابقہ اُمتوں کے حالات

۵)۔ التذکیر بما بعد الموت......بعد از موت پیش آنے والے حالات

ج......علومِ اربعہ:

حضرت امام غزالیؒ نے مضامینِ قرآن کا احاطہ چار چیزوں میں فرمایا ہے:

۱)۔ علم الاصول......توحید رسالت اور قیامت سے متعلق گفتگو

۲)۔ علم الاحکام......اوامر ونواہی (کرنے اور نہ کرنے والے کاموں کا تذکرہ)

۳)۔ علم القصص......سابقہ نبیوں اور اُمتوں کا تذکرہ

۴)۔ علم السلوک......اعتماد علی اللہ

د......حصصِ اربعہ:

رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علیؒ کے نزدیک مضامین کے اعتبار سے قرآن مجید کے چار حصے ہیں۔ ہر حصہ کی ابتداء الحمدللہ سے ہوتی ہے۔

پہلا حصہ: سورۃ فاتحہ سے سورۃ مائدہ کے آخر تک ہے، اس میں باری تعالیٰ کی "خالقیت" کو کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا حصہ: سورۃ انعام سے سورۃ بنی اسرائیل کے آخر تک ہے، اس حصہ کا مرکزی مضمون "ربوبیتِ باری تعالیٰ" ہے۔

تیسرا حصہ: سورۃ کہف سے سورۃ احزاب تک ہے، اس میں اکثر "تصرفِ باری تعالیٰ" کا بیان ہے۔

چوتھا حصہ: سورۃ سبا سے آخرِ قرآن تک ہے، اس میں زیادہ "مالکیتِ باری تعالیٰ" اور "نفی شفاعتِ قہری" (یعنی اللہ کے دربار میں سفارش کر کے زبردستی بات منوانے کی نفی) کا بیان ہے۔

۷)۔ ہر رکوع کا موضوع اور خلاصہ آسان اور اِصطلاحی الفاظ میں تحریر کرایا جاتا ہے۔

۸)۔ ہر رکوع کا ماقبل رکوع سے ربط بھی بیان کیا جاتا ہے۔

۹)۔ ہر آیت کا ترجمہ کروانے کے بعد اس آیت کی غرض وخلاصہ صرف ایک جملہ میں بیان کر دیا جاتا ہے، اِس سے با آسانی پوری آیت کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ مثلاً: "الم۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ" کا خلاصہ "صداقتِ قرآن"، هُدًى لِلْمُتَّقِينَ کی غرض "اوصافِ قرآن"، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ میں "اوصافِ مستفیدین من القرآن" کا بیان وغیرہ، إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا...... "غیر مستفیدین من القرآن"، خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ میں "علت عدمِ اِستفادہ کا بیان" ہے۔

۱۰)۔ سُوَر ورکوعات کے خلاصہ میں اکابر کا ذوق بھی پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب کا ذوق اثباتِ توحید، حضرت لاہوریؒ کا ذوق تدبیرِ نظام کائنات اور اصلاح وتزکیہ کا ہے۔ سلف واکابر کی تحقیقات سے طلباء حضرات محظوظ ہوتے ہیں، مثلاً: حضرت لاہوریؒ کے ذوق کے مطابق سورۃ بقرہ کا خلاصہ اِس طرح ہے: "الم سے دوسرے پارے کے پہلے دو رکوعوں میں "مناظرہ بالیہود" کا بیان ہوگا، پھر پانچ امور کا بیان ہوگا۔

۱۔ تہذیب اخلاق...... فرد کی اصلاح

۲۔ تدبیر منزل...... گھر کی اصلاح

۳۔ سیاست مدنیہ...... ملک وقوم کی اصلاح، سیاست مدنیہ کے دو حصے ہیں: ملک گیری، ملک داری، اس کے بعد خلافت کبریٰ کا بیان ہوگا۔

چنانچہ رکوع نمبر: ۱۹ میں تہذیب اخلاق، رکوع نمبر: ۲۰ میں تدبیرِ منزل، کمانے کے اصول، رکوع نمبر: ۲۱ میں خرچ کرنے کے اصول، رکوع نمبر: ۲۲ میں نظام فوج داری

ونظامِ دیوانی، رکوع نمبر: ۲۳ میں اشاعتِ تعلیم نیز تدبیر منزل کا تتمہ اور اس کے ساتھ اصلاحِ معاملات وسیاستِ مدنیہ، رکوع نمبر: ۲۴ میں نظام فوج داری نظام دیوانی، رکوع نمبر: ۲۳ میں اشاعت تعلیم نیز تدبیر منزل کے تتمہ کے ساتھ اصلاح معاملات وسیاست مدنیہ، رکوع نمبر: ۲۴ میں ملک گیری، رکوع نمبر: ۲۵ میں تتماتِ ملک گیری واقسام الحجاج، رکوع نمبر: ۲۶ میں ملک گیری، تمہید قتال کے بعد اعادہ حکمِ قتال، رکوع نمبر: ۲۷ میں مسائل متفرقہ متعلقہ قتال نیز ملک داری، پھر رکوع نمبر: ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ میں بھی ملک داری کا بیان ہے۔ رکوع نمبر: ۳۲ میں اقدامِ عمل، انتخابِ امیر، رکوع نمبر: ۳۳ میں فرائضِ امیر کا بیان ہے، نیز رکوع نمبر: ۳۳ میں ضرورتِ خلافت، رکوع نمبر: ۳۴ فرائض خلیفہ، رکوع نمبر: ۳۵ میں واقعات، رکوع نمبر: ۳۶ میں فرائض معاونین خلیفہ، رکوع نمبر: ۳۷ میں فرض انفاق کی شرط، رکوع نمبر: ۳۸ میں انفاق فی سبیل اللہ کی ضد سود کی ممانعت، رکوع نمبر: ۳۹ میں قانون دین کے احکام اور رکوع نمبر: ۴۰ میں مجلس شوریٰ کے تعلق مع اللہ کا بیان ہے۔

۱۱)۔ مختلف تفسیری احتمالات میں سے راجح تفسیر اور مرجوح تفسیر کو ذکر کر کے وجوہ ترجیح پیش کی جاتی ہے۔

۱۲)۔ طلباء کی اخلاقی تربیت، ذہن سازی سمیت دیگر بہت سے فوائد ۴۰ روزہ دورہ سے نصیب ہوتے ہیں۔

(تاریخ اشاعت ”ماہنامہ صدائے فاروقیہ“ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ/ جون 2011ء)

دورۂ حدیث شریف

[تقریبات اختتام صحیح بخاری شریف]

افادات: حکیم العصر حضرت اقدس مولانا عبد المجید لدھیانویؒ

دینی مدارس وجامعات کے نظام ونصاب میں علومِ نبوت کی اشاعت وحفاظت، شریعتِ محمدی کی بقاوترویج، اسلامی ثقافت وتمدن کا استحکام اور خدمتِ دین کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ مدارس میں پڑھنے والے طلبہ کو زہدوتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت اور قناعت وتوکل کو نصب العین بنانے کی تعلیم اور تربیت فراہم کی جاتی ہے۔ مدارس کے نظامِ تعلیم میں آغازِ تعلیم شوال المکرم اور اختتامِ تعلیم رجب المرجب میں ہوتا ہے۔ ان مدارس وجامعات سے ہر سال ہزاروں طلباء و طالبات حفظ قرآن کریم، قرأت وتجوید، حدیث وتفسیر، فقہ وادب وغیرہ علوم کی تحصیل کر کے سند فراغ حاصل کرتے ہیں۔ اختتامِ سال کے موقع پر تقریباً ہر ادارہ سالانہ تقریب منعقد کر کے اپنی کارکردگی عوام الناس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ جن مدارس وجامعات میں دورۂ حدیث شریف تک تعلیم دی جاتی ہے وہ عموماً "تقریب اختتام صحیح بخاری شریف" کے عنوان سے اجتماع کا انعقاد کر کے صحیح بخاری کی آخری حدیث کے درس میں عوام الناس کو بھی شامل کر لیتے ہیں، یوں عام لوگ بھی ایک گونہ حدیث کی تعلیم کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔

"دورۂ حدیث شریف"...... (جو مدارس کی تعلیم کے آخری سال کرایا جاتا ہے) میں کتب احادیث بالخصوص صحاح ستہ کی تدریس میں ضروری مباحث کے بیان کے ساتھ اساتذۂ کرام حدیث کی کتابوں کی مکمل تلاوت کرتے یا طلباء سے کرواتے ہیں۔

بہت سے حضرات کو حدیث کی عبارت کی تلاوت دہرائی اور کچھ حضرات کو صحیح بخاری

کے ختم پر تحفظات پیدا ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر میرے شیخ و مرشد حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ نے 2011ء میں ختم بخاری کی ایک تقریب میں سیر حاصل بیان فرمایا، احقر بھی اس تقریب میں بطور مہمان موجود تھا۔ اسی موقع پر حضرت کے بیان کا خلاصہ قلم بند کر دیا تھا، جو کہ ماہ نامہ الفاروقیہ، جلد نمبر 3 شمارہ نمبر 7 میں اولاً شائع بھی کیا گیا تھا، جسے بطور قندِ مکرر قارئین کی خدمت میں دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے۔

دورہ حدیث شریف کا آغاز:

''برِ صغیر پاک و ہند میں دورہ حدیث شریف کا آغاز کرنے والی شخصیت عارف باللہ، حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اس سے قبل اس خطہ میں باقاعدہ دورہ حدیث کا معمول نہیں تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہاں باقاعدہ یہ سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ دورہ حدیث شریف سے ایک سال قبل مشکوٰۃ المصابیح با تفصیل پڑھاتے۔ درسِ مشکوٰۃ میں حدیث کا ترجمہ، لغوی، اصطلاحی معانی، فقہی اور فنی مباحث پڑھائی جاتیں نیز ''طیبی'' شرح مشکوٰۃ (جو صاحبِ مشکوٰۃ کے استاذِ محترم کی شرح ہے) باقاعدہ طلباء میں پڑھ کر سناتے۔ مشکوٰۃ کے بعد آئندہ سال دورہ حدیث شریف پڑھاتے''۔

دورہ حدیث شریف کی وجہ تسمیہ اور غرض:

''دورہ'' ''دار، یدور، دوراً'' سے مشتق ہے۔ دور کا معنی ہوتا ہے گھومنا، پھرنا، یہ لفظ ہمارے عرف میں بھی استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے ''فلاں صاحب فلاں ملک کے دورے پر ہیں'' یعنی فلاں ملک میں گھومنے گئے ہیں۔ تعطیلات میں دورہ جات کا رواج ہے۔ فلاں مدرسہ میں ''دورہ صرف'' ہے، ''دورہ نحو'' ہے، ''دورہ تفسیر'' ہے، ''دورہ میراث'' ہے، مطلب یہ ہے کہ جو صرف سارا سال پڑھائی گئی اسے ایک ماہ یا کم و بیش میں دہرایا جائے گا۔ نحو کے دورہ کا معنی یہ ہے کہ نحو کی دہرائی ہوگی، نحو کے مسائل کو گھمایا جائے گا۔ تفسیر کا دورہ یہ ہے کہ مخصوص مدت میں تفسیر قرآن کریم کی دہرائی ہوگی۔ یہی معنی دورہ حدیث شریف کا ہے کہ ایک سال میں صحاح ستہ، موطین، طحاوی وغیرہ کی احادیث کو دہرایا جائے گا۔ یہ احادیث تلاوت کی جائیں گی۔ حضرت

شاہ ولی اللہ کی غرض اجراءِ دورہ حدیث شریف سے یہ تھی کہ چونکہ مشکوٰۃ میں احادیث کی اسناد موجود نہیں...... اگرچہ مباحثِ حدیث مشکوٰۃ المصابیح میں پڑھا دی گئیں...... اس لئے دورۂ حدیث کے ذریعے ہر حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے۔ اس غرض سے کتب ستہ اور دیگر کتب کی تلاوت کروائی جاتی تھی، دورہ حدیث کے سال حضرت شاہ ولی اللہؒ مباحث نہیں پڑھاتے تھے صرف احادیث کی تلاوت ہی کرواتے، چونکہ سارے سال تلاوت حدیث ہی ہوتی تو اس لیے اس سال کا نام دورہ حدیث شریف کا سال پڑ گیا"۔

دورہ حدیث کا اصل مقصد:

"سال کے آخر میں مدارس میں احادیث کی عمومی طور پر تلاوت ہی کروائی جاتی ہے، مباحث نہ ہونے کے برابر پڑھائی جاتی ہیں۔ عموماً طلبا اسے عبث کام سمجھتے ہیں، حالانکہ دورہ کا اصل مقصد ہی تلاوت حدیث ہے۔ تلاوتِ حدیث ہی سے طلباء کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہو سکتی ہے۔ معانی، مطالب اور تشریح تو ہمارے الفاظ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے ہم دورہ حدیث میں جو مباحث بیان کرتے ہیں یہ اضافی کام ہے۔ اصل کام تلاوت حدیث ہے جس کی تین صورتیں ہیں:

۱)۔ استاذ پڑھے شاگرد سنے

۲)۔ شاگرد پڑھے استاذ سنے

۳)۔ ایک شاگرد پڑھے باقی شاگرد سنیں اور استاد بھی سنیں

امام نسائی اپنی سنن میں فرماتے ہیں:

"قرئ علیہ وانا اسمع"

"میرے استاد کے سامنے حدیث پڑھی جا رہی تھی اور میں سن رہا تھا۔"

جو طلبا مجلس حدیث میں شریک ہو کر عبارتِ حدیث کی تلاوت نہیں کرتے، یا انہیں سنتے ان کی سند ان احادیث میں جو اُن کی عدم موجودگی میں تلاوت کی گئیں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل نہیں ہوئیں۔ اگرچہ اساتذۂ کرام کی جانب سے انہیں اجازتِ حدیث

ہو جاتی ہے، تاہم اجازت کا درجہ کم تر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تلاوتِ الفاظِ حدیث ہی دورہ حدیث کا اصل مقصد ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں "تلاوت" الفاظِ قرآن کی ہی تلاوت ہے، معانی سمجھ میں آئیں یا نہ، الفاظ کی تلاوت ہی اصل ہے۔ آج جب آخری حدیث کی تلاوت کی گئی تو تلاوت سے ہی بخاری شریف ختم ہوئی جو کچھ اوپر بیان کیا گیا یہ ایک اضافی شئی ہے"۔

ختمِ بخاری کی برکات:

"اکابر و سلف سے ختمِ بخاری کے موقع پر دعائیں مانگنا کثرت سے منقول ہے اور ان دعاؤں کی قبولیت کی تاثیر بھی سلف سے منقول ہے۔ سلف میں سے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ آفات و بلایا میں صحیح بخاری کا ختم دفعِ بلا و آفت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے شرحِ بخاری میں بخاری کی خصوصیات میں یہی مضمون ذکر فرمایا ہے۔ جب سے صحیح بخاری لکھی گئی ہے اب تک امت میں یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ بخاری کا ختم کر کے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اب تو مدارس میں تلاوت بخاری اور ختم بخاری کا رواج نہیں رہا، ہم نے اپنے زمانہ طالب علمی میں مدارس میں مشکلات کے وقت باقاعدہ اس کے اجزاء تقسیم کر کے ایک دن میں پوری صحیح بخاری کی تلاوت اور ختم ہونے پر دعا کا معمول دیکھا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ جامعہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ بانی دارالعلوم کبیر والہ، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی موجودگی میں بخاری کا ختم کروایا۔ مدارس میں لوگوں کی جانب سے درخواست بھیجی جاتی تھی کہ فلاں پریشانی ہے، بخاری شریف کا ختم کروا کر دعا کرا دیں۔ بعض گھروں میں بھی بخاری کا ختم کروایا جاتا تھا"۔

ختمِ بخاری کی شرعی حیثیت:

"آفات و بلایا کے دفع کے لیے بخاری کا ختم منصوص نہیں محض ایک تجربہ ہے، اس تجربے کی بنیاد پر سلف نے یہ معمول شروع کیا۔ ختم بخاری کے لیے نہ تو دن متعین ہوتا ہے اور نہ ہی

تاریخ متعین ہوتی ہے۔ چنانچہ ختم بخاری کی تقریبات جمادی الثانی میں بھی ہو رہی ہیں، رجب میں بھی ہوں گی، اور شعبان میں بھی ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ تاریخ متعین نہیں ہے اور وقت بھی متعین نہیں ہے دن، رات، صبح شام تقریبات ہوتی رہتی ہیں، نیز ختم بخاری نہ کرنے والوں پر ہم طعن بھی نہیں کرتے، اس لیے یہ کسی صورت بھی بدعت نہیں ہے، محض ایک مجلس درس ہے، جس میں سبق پڑھا جاتا ہے، لوگوں کو وعظ و نصیحت کی جاتی ہے۔ یہی حقیقت ان تقریبات کی ہے"۔

ختم بخاری ہی کیوں، ختم قرآن کیوں نہیں......؟

"کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدارس میں اہتمام کے ساتھ ختم بخاری کی تقریب منعقد کی جاتی ہے، ختم قرآن کی تقریب کیوں منعقد نہیں کی جاتی؟ کیا بخاری شریف کا درجہ قرآن کریم سے زیادہ ہے؟......

جواب یہ ہے کہ قرآن کریم تو کلام اللہ ہے:

فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلَى الْخَلْقِ۔

"اللہ کے کلام کو باقی کلاموں پر اتنی ہی فضیلت حاصل ہے جتنی اللہ کو اپنی مخلوق پر......"

حدیث کلام رسول ہے، کلام رسول تو کلام اللہ سے افضل نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ کلام اللہ ہی افضل ہے۔ لیکن مدارس میں بحمد اللہ کوئی بھی ایسا ہفتہ نہیں کہ ختم قرآن نہ ہو رہا ہو، ہر ہفتہ ہی کسی بچہ کا ختم ہوتا ہے تو اساتذہ کرام چند حضرات کو بلا کر دعا کروا دیا کرتے ہیں...... جبکہ بخاری شریف کا ختم تو سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ اس لیے صحیح بخاری کے ختم پر تقریبات منعقد کر کے لوگوں کو اس برکت و دعا میں شریک کرلیا جاتا ہے"۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی الاخریٰ ۱۴۳۶ھ/اپریل 2015ء)

دینی مدارس پر امریکی الزام اور اصل حقیقت

دنیا کی مضبوط ترین مملکت ریاستہائے متحدہ امریکہ ۲۰۰۱ء سے اب تک دنیا کی مضبوط ترین ریاستوں کی طاقتور افواج، جدید ترین ٹیکنالوجی، مہلک ترین اسلحہ، بے تحاشا مال و دولت اور ہمہ قسم دنیوی ساز و سامان کے ساتھ افغانستان پر بقول اس کے دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ یہ عالمی اتحاد اپنے مقصد کے حصول کے لیے فضائی، بری اور بحری وسائل اس جنگ میں جھونک چکا ہے، افغانستان میں اپنی پسند کی حکومت کی تشکیل اور اس کی عملداری کو موثر بنانے کے لیے افغان فوج کی تنظیم اور اداروں کے قیام پر کروڑوں ڈالر خرچ کیے جا چکے ہیں۔ جنگی اخراجات کا تخمینہ تو اربوں ڈالر کا ہے، علاوہ ازیں افغان عوام کی حمایت کے حصول کے لیے افغانستان کی تعمیر و ترقی کے نام پر اٹھائے جانے والے مصارف کا بجٹ بھی اربوں کا ہے، تابڑتوڑ فضائی اور بری حملے، بے تحاشا اسلحہ کا استعمال، جدید ترین جاسوسی کے آلات، پانی سے بھی زیادہ بہایا جانے والا پیسہ اور دنیا بھر کے ممالک کی جانب سے امریکہ کو حاصل ہونے والی حمایت کے باوجود بھی امریکہ مٹھی بھر مسلمانوں کو فتح نہ کر سکا، بلکہ خود امریکہ کے بقول طالبان کی قوت، صلاحیت اور تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے، نیز طالبان مزاحمتی تحریک پہلے سے کہیں زیادہ منظم ہو چکی ہے۔ حقیقت میں امریکہ اور اس کے اتحادی پسپائی پر مجبور اور باعزت واپسی کے راستوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں، امریکی صدر مسٹر بارک اوباما کابل کا خفیہ دورہ فرما کر اپنے فوجیوں کو یہ طفل تسلی دے کر خوش کر گئے ہیں کہ ۲۰۱۴ء میں امریکہ افغانستان سے واپس چلا جائے گا۔ امریکی صدر کا یہ بیان شکست خوردہ امریکی افواج کے لیے وقتی آکسیجن تو ہو سکتا ہے لیکن شکستہ اور گرتی عمارت کے لیے پشتا اور سہارا نہیں۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق امریکی اور اتحادی فوجی افغانستان میں نہ صرف پریشان اور مایوس ہیں بلکہ ان میں سے ایک بڑی تعداد نفسیاتی امراض کا شکار ہو چکی ہے، دوسری جانب امریکہ میں افغان جنگ کے خاتمہ کے لیے

مظاہرے کیے جارہے ہیں، ان حالات میں یہ عالمی اتحاد یقیناً ایک دلدل میں پھنس چکا ہے۔ واپسی کی صورت میں نیو ورلڈ آرڈر سے انحراف اور بکی جبکہ افغانستان میں رہنے کی صورت میں اندرونی و بیرونی ہمہ قسم مزاحمت کا اندیشہ ہے۔

زمینی حقائق یہ ہیں کہ افغانستان میں اگرچہ نام کی حکومت تو امریکہ نواز حامد کرزئی اور ان کی کابینہ کی قائم ہے لیکن حقیقت میں عملاً آج بھی طالبان کی عدالتیں متحرک اور فعال ہیں، لوگ اپنے فیصلے طالبان قاضیوں سے کراتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق سرکاری ملازمین بھی سرکاری عدالتوں کا رخ کرنے کی بجائے عوامی اور شرعی عدالتوں سے ہی فیصلے کرواتے ہیں، کرزئی اور امریکی عملداری کابل کے چند مخصوص حصوں، افغانستان کے چند ائرپورٹس اور فوجی چھاؤنیوں تک محدود رہ گئی ہے۔ طالبان کی پذیرائی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ احمد شاہ مسعود اور رشید دوستم کے علاقوں میں بھی اب طالبان کا اثر و نفوذ پیدا ہو گیا ہے اور طالبان کی مخالف سابقہ مزاحمتی قوتیں منتشر یا ختم ہو چکی ہیں، امریکی اور اتحادی فوجیں بلا منصوبہ بندی اور بغیر کانوائے بنائے افغانستان کے کسی بھی شہر میں سفر نہیں کر سکتے، کوئی غیر ملکی فوجی یا افسر چھاؤنی سے نکل کر بازار میں سودا سلف تک خریدنے نہیں جاسکتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ طالبان چند جنگجوؤں کا نام نہیں رہا بلکہ افغانستان کے شہری ہی طالبان ہیں، گویا دنیا ایک ملک کے مسلم عوام بلکہ افغان عوام سے نبرد آزما ہے، ہماری شنید کے مطابق افغان عوام مسلم، غیر مسلم حتیٰ کہ عیسائی، سکھ تک طالبان کو پسند کرتے ہیں۔

دنیا کو افغانستان کی اس زمینی صورت حال سے صرف نظر کرنے سے کبھی بھی مقصد میں کامیابی نہیں ہوگی بلکہ ناکامیوں کا سامنا ہوگا، اس طویل ترین جنگ میں امریکہ نے کیا کھویا کیا پایا اس کا اندازہ عام شہری آدمی بھی لگا سکتا ہے، افغان جنگ کی وجہ سے دہشت گردی کا جن جو کبھی بوتل میں بند تھا اب باہر آگیا ہے اور امریکہ جسے دہشت گردی کہتا ہے وہ پہلے سے کہیں زیادہ نظر آتی ہے، ایک اخباری رپورٹ کے مطابق اس جنگ میں اب تک امریکہ کے ۱۴۸۳ فوجی قتل ہو چکے ہیں، گذشتہ چار سال میں قتل ہونے والے افغانوں کی تعداد ۱۱۸۷۴ ہے، باوثوق ذرائع کے مطابق یہ تعداد نہایت ہی کم ظاہر کی گئی ہے حقیقت میں ہزاروں اتحادی اور

امریکی فوجی اور بے شمار افغان شہری اس جنگ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، مالی نقصان کا تو حد و حساب کوئی نہیں، امریکہ اب بھی اپنی اس ہاری ہوئی جنگ کا ملبہ کبھی تو پاکستانی خفیہ اداروں پر ڈالتا ہے، کبھی پاکستان حکومت پر تو کبھی پاکستانی تنظیموں پر، اب امریکا کو نیا انکشاف یہ بھی ہوا ہے کہ پاکستان کے دینی مدارس طالبان کو جنگجو فراہم کر رہے ہیں، روزنامہ اسلام مورخہ ۸ مئی کی خبر ملاحظہ ہو:

> ”طالبان پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئے، امریکی انٹیلی جنس: پاکستان کے مدارس افغانستان میں شورش کے لیے نئے جنگجو فراہم کر رہے ہیں، شمالی وزیرستان میں طالبان کے محفوظ ٹھکانے ہیں، سربراہان سینیٹ و کانگریس کمیٹیاں:“
>
> ”واشنگٹن، امریکی سینیٹ اور کانگریس کی انٹیلی جنس کمیٹیوں کے سربراہان نے کہا ہے کہ افغانستان میں طالبان پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئے ہیں جبکہ پاکستان میں انتہا پسند مدارس بھرتیاں کر کے نئے جنگجو فراہم کر رہے ہیں اور یہ ایک بغاوت ہے جو ایک خاص مدت کے بعد یا تو دم توڑ جائے گی یا شدت اختیار کر لے گی۔ امریکن سینیٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی کی چیئر پرسن ڈیانا فینس نے کانگریس کمیٹی کے چیئرمین مائیک روجر کے ہمراہ دیے گئے انٹرویو میں کہا کہ افغانستان میں امریکی فوجیوں میں اضافے کے باوجود طالبان پہلے سے زیادہ مضبوط ہوئے ہیں، انہوں نے کہا کہ پاکستان میں انتہا پسند مدارس افغانستان میں شورش کے لیے بھرتیاں کر کے نئے جنگجو فراہم کر رہے ہیں۔ کانگریس میں انٹیلی جنس کمیٹی کے چیئرمین مائیک روجر نے کہا کہ امریکا کی پہلی ترجیح طالبان کو اسٹریٹیجک شکست دینا ہے اس کے لیے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں طالبان کے محفوظ ٹھکانوں کو تباہ کرنا ہوگا، طالبان اب تک تقریباً ۵۰۰ امریکی فوجیوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور ان کے محفوظ ٹھکانے شمالی وزیرستان کے علاقے میران شاہ میں ہیں۔“

پاکستان کے مدارس کو موردِ الزام ٹھہرانا سراسر امریکی بوکھلاہٹ اور عقل و انصاف کے

خلاف ہے، پاکستان کے دینی مدارس خالصتاً تعلیمی امور سرانجام دے رہے ہیں، بار بار کی تحقیق و تفتیش سے عالمی اور پاکستانی انٹیلی جنس ادارے کسی بھی مدرسہ کو دہشت گردی میں ملوث قرار نہیں دے سکے اور نہ ہی کسی مدرسہ میں کوئی اسلحہ یا ٹریننگ سنٹر دریافت ہوا۔ اگر پاکستان کے دینی مدارس اپنے طلباء کو جنگی مقاصد کے لیے استعمال کرتے تو مدارس کے خلاف عوامی ردعمل ضرور سامنے آتا۔ مدارس میں لوگ اپنے بچوں کو داخل نہ کرواتے، جبکہ مدارس میں تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، طلباء کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے، لوگوں میں مدارس کی جانب رغبت بڑھ رہی ہے، پڑھے لکھے لوگ حتیٰ کہ وکلاء، ججز اور افسران بھی اپنی اولاد کو دینی تعلیم کے لیے مدارس میں بھیج رہے ہیں، جنگی مہموں کی صورت میں یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے؟

امریکہ اور اتحادی افواج جدید ترین جاسوسی آلات کے ساتھ پاک افغان سرحد پر موجود ہیں، انھیں زمین پر رینگنے والی چیونٹی بھی نظر آ جاتی ہے، وہ بند مکانوں میں چھپے اپنے دشمنوں پر ڈرون حملہ کر کے انہیں ختم کر دیتے ہیں تو یہ لوگ پاکستان سے افغانستان جانے والے ان طلباء کو کیوں نہیں دیکھ پاتے آخر دراندازی کرنے والے یہ طلباء جن تو نہیں جنہیں امریکی کیمرے، سیٹلائٹ اور جاسوس آلات واچ نہ کر سکتے ہوں۔

سطورِ بالا میں ہم اندرونِ افغانستان کے چشم کشا حالات تحریر کر چکے ہیں کیا یہ مدارس کے طلباء ہیں جو امریکہ بہادر کے مسلح فوجیوں کو بازار میں اور سڑک پر آزادی سے نہیں گھومنے دیتے؟ حقیقت میں امریکی شکست کا سبب امریکہ کی جارحانہ، غاصبانہ پالیسیاں اور ظلم و ستم ہے، پاکستانی مدارس نہیں۔ پاکستانی مدارس تو الحمدللہ مفت تعلیم دینے کے پرامن رفاہی ادارے ہیں، امریکہ کو اپنی پالیسیاں درست کر کے صورت حال کو قابو میں لانا چاہیے، اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار کسی اور کو ٹھہرانا سراسر زیادتی ہے۔

جامعہ فاروقیہ کراچی پر حملہ،

نیز مدارسِ دینیہ پر میڈیا کی یلغار

مورخہ ۲۱ دسمبر بروز بدھ ملک کے معروف مرکزی تعلیمی دینی ادارہ، جامعہ فاروقیہ کراچی پر ایک فریق نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انتظامیہ اور پولیس اہل کاروں کی موجودگی میں اچانک شب خون مارا، اور طلباء کو اغواء کر کے لے گئے، ان طلباء پر بہیمانہ تشدد کیا گیا جسکے نتیجے میں کئی طلباء زخمی اور ایک طالب علم شہید ہو گیا۔ اطلاعات کے مطابق اس طالب علم پر بے تحاشہ تشدد کیا گیا، جس کے نتیجے میں اس طالب علم کی ہڈیاں تک ٹوٹ گئیں اور چہرہ مسخ ہو گیا اس واقعہ کے بعد سے تادم تحریر علماء کرام اور اہلِ مدارس ملک بھر میں سراپا احتجاج ہیں اور اس کھلی جارحیت کے مرتکبین کو کیفر کردار تک پہنچانے کا جائز مطالبہ کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں مختلف مذاہب، مسالک اور مکاتب فکر کے لوگ آباد ہیں اور سبھی کو اپنے اپنے مذہبی طور طریق سے عبادت و مذہبی رسوم کی ادائیگی کا حق حاصل ہے، تاہم ایسا طریق عبادت کہ جس میں دوسروں کی دل آزاری ہو، اہل اسلام کے متفقہ بزرگوں کی شان میں تنقیص کی جائے یا دوسروں کے جذبات کو مشتعل کیا جائے قانون شکنی کی جائے، دوسرے مسالک کے لوگوں پر حملے کیے جائیں یقیناً ناقابلِ قبول اور ناقابلِ برداشت ہے۔

بدقسمتی سے ملک میں ایک اقلیتی فرقہ حکومتی سرپرستی میں ملک کے مختلف مقامات پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین اور ملک کی اکثریاتی آبادی اہلِ سنت والجماعت کی دلآزاری کا مرتکب ہو رہا ہے، جس سے خونریز تصادم تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ جامعہ فاروقیہ کراچی بین الاقوامی تعلیمی درس گاہ ہے، جس میں ہزاروں طلباء زیر تعلیم ہیں، جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ العالی نہ صرف وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امیر اور ملک

میں قائم چودہ ہزار سے زائد مدارس کے سرپرست ہیں، بلکہ انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کی سرپرستی میں تمام مسالک کے مدارس کی تنظیموں کے ذمہ داران مشترکہ اہداف پر متفق ہیں۔ ان کی شخصیت دنیا بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، ان کے ادارہ پر حملہ اور بے گناہ طالب علم پر اس طرح تشدد اور اس کی شہادت پورے ملک میں فرقہ واریت کی آگ بھڑکانے کی سازش محسوس ہوتی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس سازش کو بھانپ کر اسے ناکام بنائے اور ذمہ داروں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

مدارس دینیہ کے خلاف میڈیا کی پروپیگنڈہ مہم:

مورخہ ۱۳ دسمبر ۲۰۱۱ء کو ملک بھر کے ٹی وی چینلز پر اور اگلے روز اخبارات کی شہ سرخیوں میں یہ خبر زینت بنی کہ کراچی میں میڈیا کے نمائندوں کے ہمراہ پولیس نے ایک مدرسہ پر چھاپہ مار کر زنجیروں میں قید لوگوں کو رہائی دلائی، تہہ خانے میں محصور اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے ۱۰ سال سے ۴۵ سال کی عمر کے افراد تھے۔ اس خبر کو چینلز پہ اس رنگ میں نشر کیا گیا کہ گویا مدارس عقوبت خانے ہیں جہاں طلباء سے غیر انسانی سلوک ہوتا ہے، زنجیروں سے طلباء کو جکڑ کے رکھا جاتا ہے۔ اس خبر کے نشر ہوتے ہی بعض قوتوں کی طرف سے مدارس کے خلاف کاروائی کے مطالبات دہرائے جانے لگے اور یوں منظم انداز میں مدارس کی کردار کشی شروع ہوگئی۔

اس واقعہ کے چند روز بعد وزیر داخلہ عبدالرحمن ملک کی پریس کانفرنس اخبارات کی زینت بنی کہ یکم جنوری ۲۰۱۲ء کے بعد غیر رجسٹرڈ مدارس مسمار کر دیے جائیں گے۔ جہاں تک زنجیروں میں جکڑے ہوئے افراد کا تعلق ہے اس کی حقیقت بھی طشت ازبام ہو چکی ہے کہ یہ لوگ نہ تو مدرسہ کے طلباء تھے اور نہ ہی یہ مقام مدرسہ تھا، دینی مدارس میں نہ تو یہ غیر مہذب طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور نہ ہی ۴۵ سال کی عمر کے لوگ مدارس میں زیر تعلیم ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ انسداد منشیات کا ایک سینٹر تھا، جہاں نشے کے عادی ایسے مجرم (جو آئے روز چوری، ڈکیتی، لوٹ مار اور چھینا جھپٹی جیسے جرائم کے مرتکب ہو کر والدین، اعزہ واقارب اور اہلِ محلہ کے لیے دردِ سر اور عذاب بن جاتے ہیں) کو ان کے اعزہ واقارب اصلاح وعلاج کے لیے داخل کرواجاتے اور اس

سینٹر کے منتظمین کچھ ایسے لوگوں کو جو اپنا علاج نہیں کرانا چاہتے ان کے والدین کے مشورہ سے انہیں ان جرائم سے باز رکھنے کے لیے زنجیروں میں باندھ کر رکھتے، البتہ اس علاج کے ساتھ ساتھ انہیں دین کے بارہ میں آگاہی بھی دی جاتی۔

یہ کام صرف یہیں نہیں ہوتا بلکہ بہت سے ہسپتال بھی ایسا ہی کرتے ہیں جو انسدادِ منشیات کے لیے قائم کئے گئے ہیں، ذمہ دار والدین بھی اپنے بچوں کے شر سے عوام الناس کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسا ہی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کتنا بڑا بہتان اور افتراء ہے کہ ایک علاج گاہ کو مدرسہ کا نام دے دیا گیا اور اس مفروضہ کی بنیاد پر مدارس کے خلاف کاروائی کا مطالبہ شروع کر دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ "جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے" اس جھوٹ کو مدارس کے سر تھوپنے سے قبل کم از کم بڑی عمر کے لوگوں کو تو کیمرے کی آنکھ سے دور کر لیا جاتا۔ انٹرویوز لیتے ہوئے ایسے انٹرویوز حذف کر دیے جاتے جن میں یہ مجرم خود اقرار کر رہے تھے کہ ہمیں والدین نے یہاں اس مقصد کے لیے داخل کرایا ہے۔

کیا اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے کسی بھی فرد کے لواحقین کو میڈیا کے سامنے یا تھانہ میں پیش کیا جا سکا؟ جس نے اس ہونے والے ظلم پر احتجاج کیا ہو؟ کیا اس طرح کی رپورٹنگ دین و وطن کی خدمت کہلاتی ہے؟ سوال یہ ہے کہ میڈیا کس کے اشارہ پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ قرار دے رہا ہے؟ کیا ہم سب نے مرنا نہیں؟ اللہ کے حضور پیش نہیں ہونا؟ کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے راز افشانہ ہوں گے؟ اے کاش! دین و وطن کے خلاف استعمال ہونے والے یہ عناصر اپنی قبر، حشر اور آخرت کو بھی پیش نظر رکھیں۔ جہاں تک وزیر داخلہ عبدالرحمن ملک کی پریس کانفرنس کا تعلق ہے، اگرچہ انہوں نے وضاحت میں یہ فرمایا کہ میں نے ان مدارس کے خلاف کاروائی کی بات کی ہے جو پانچ وفاق ہائے مدارس میں سے کسی بھی وفاق سے ملحق نہیں تاہم وزیر داخلہ سے ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ:

۱)۔ کیا ملک میں قائم تمام پلازے، ٹاؤنز، کالونیاں اور مارکیٹیں رجسٹرڈ ہیں؟ اگر ایسا نہیں تو وزیر داخلہ ان پلازوں ٹاؤنز، کالونیوں اور مارکیٹوں کو مسمار کرنے کا حکم صادر

کرنے کی جسارت کریں گے؟

۲)۔ کیا ملک میں قائم ہزاروں غیر قانونی کلب، شراب خانے، فحاشی وعریانی کے مراکز موجود نہیں؟ کیا ''غوث الاعظم'' کے جانشین ہمارے سید زادہ وزیر اعظم صاحب کی حکومت انہیں مسمار کرنے کی جرأت کرے گی؟

۳)۔ محکمہ ریلوے، محکمہ انہار، محکمہ اوقاف سمیت کئی ایک محکموں کی اراضی پر ناجائز قابضین گھر، دفتر اور بہت سی تعمیرات کر چکے ہیں، کیا روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرہ کی موجد پارٹی کی حکومت یہ ہمت کرے گی کہ یہ اراضی واگزار کرالے؟ اگر جواب نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر نزلہ بر عضو ضعیف کیوں؟ قرآن وسنت کے مراکز ہی کیوں گرائے جائیں گے؟ حکومت دین دشمنی میں اتنا آگے نہ چلی جائے کہ کل کو عوام میں ندامت کا سامنا کرنا پڑے اور آخرت میں ربِ ذوالجلال کی عدالت میں قہر خداوندی کا سامنا ہو۔

حقیقت میں مدارسِ دینیہ ملک وملت، دین وعلم کے رضا کار اور خادم ہیں جو بغیر حکومتی تعاون کے ملک کے ۲۰ لاکھ سے زائد افراد کے لیے ''روٹی، کپڑا اور مکان'' فراہم کیے ہوئے ہیں، انکی بقاء سے ملک وملت اور دین ومذہب کی بقاء ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر شر سے محفوظ رکھے اور دین کے ان اداروں کے دشمنوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ (آمین)

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' صفر المظفر ۱۴۳۳ھ/ جنوری 2012ء)

جید علمائے کرام کے قاتلوں کی گرفتاری

اور حکومت کی ذمہ داری

ایک عرصے سے ملک بھر بالخصوص کراچی میں جبالِ علم، وارثانِ نبوت اور حاملانِ کتاب وسنت کا کشت وخون جاری وساری ہے۔ نہایت ہی سفاکانہ، ظالمانہ طور وطریق سے ان مبارک شخصیات کے پاکیزہ خون سے ارض پاک کی زمین کو لہولہان کیا جارہا ہے۔ یہ سلسلہ رکنے کا نام لیتا ہے نہ ہی تھمنے کا۔ آئے روز ایک سے بڑھ کر ایک عالم دین کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ گویا قتل و غارت گری معمول بن گئی ہے۔ بہت سے بندگانِ خدا جامِ شہادت نوش کر چکے اور بہت سے اپنی باری کے انتظار میں امیدِ شہادت لگائے بیٹھے ہیں۔ "مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ"۔

حالیہ اطلاعات کے مطابق فرقہ وارانہ فسادات بپا کرنے کے لیے ملک بھر میں مقتدر علمائے کرام اور مذہبی شخصیات کی لسٹیں تیار کرلی گئی ہیں۔ گذشتہ ہفتہ سیکورٹی آفیسر کے ذریعے احقر کو CPO ملتان کا ایک اہم پیغام...... جو ذیلی افسران کو لکھے گئے لیٹر کی شکل میں تھا...... پہنچایا گیا کہ آپ ضلع ملتان کی چند مقتدر شخصیات کی طرح دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ پر ہیں۔ لہٰذا احتیاطی تدابیر اختیار کریں اور سیکورٹی کے اقدامات اٹھائیں۔ ہر چند کہ حکومت اور انتظامیہ کا فریضہ ہے کہ ایسے علمائے کرام کو سیکورٹی فراہم کرے جن کی جان کو دشمنوں کی جانب سے خطرات لاحق ہیں، تاہم ملتان کی انتظامیہ نے اپنے اس فرضِ منصبی کو نبھانے کے بجائے علما کو دہشت گردوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر محض اطلاع دینے کو ہی اپنا فرض جانا۔ جبکہ بہت سی سیاسی اور فرقہ پرست شخصیات ایسی ہیں جنہیں غیر معمولی سیکورٹی دی جارہی ہے۔

گذشتہ سالوں میں کراچی میں شہید ہونے والے جید علمائے کرام اور مشائخ عظام

بالخصوص مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری، صدر مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اوران کے رفقا کے قاتلوں کی گرفتاری کی خبر اخبارات کی زینت بنی اوراس کے ساتھ قاتلوں سے حاصل ہونے والی سنسنی خیز معلومات اور چونکا دینے والے انکشافات بھی اخبارات میں شائع ہوئے۔ کراچی کے مشہور اخبار ''روزنامہ امت'' میں مورخہ 26 جنوری 2014ء بروز اتوار اس خبر اور انکشافات کو شائع کیا گیا:

''سی آئی ڈی پولیس نے عباس ٹاؤن میں کارروائی کرتے ہوئے کالعدم سپاہ محمد کے 2 خطرناک ٹارگٹ کلرز کو گرفتار کرلیا۔ ملزمان نے جید علمائے کرام سمیت 60 سے زائد افراد کو فرقہ وارانہ دہشتگردی کا نشانہ بنانے کا اعتراف کیا ہے۔ دیگر علاقوں سے بھی ایک ٹارگٹ کلر سمیت 2، جبکہ میٹروول میں رینجرز کے ٹارگٹڈ آپریشن کے دوران 22 ملزمان پکڑے گئے، جن میں کالعدم تنظیموں کے 6 کارکن شامل ہیں۔ سی آئی ڈی آفیسر راجہ عمر خطاب نے کہا کہ عباس ٹاؤن سے گرفتار ملزمان نے دوران تفتیش انکشاف کیا ہے کہ ان کا منظم گروہ کراچی میں موجود ہے، جنھیں ایک پڑوسی اسلامی ملک میں ٹریننگ دی جاتی ہے۔ 2011ء میں بھی 7 ایسے دہشت گرد گرفتار ہوئے جن کا تعلق سپاہ محمد سے تھا، ان ملزمان کی گرفتاری میں پہلی بار اس بات کا انکشاف ہوا کہ یہ تمام ملزمان بیرون ملک (ایک پڑوسی اسلامی ملک) سے باقاعدہ تربیت یافتہ ہیں، جنھیں نہ صرف ٹریننگ دی گئی ہے، بلکہ دہشت گردی کی تربیت کے دوران 15 ہزار روپے ماہوار وظیفہ بھی دیا جاتا رہا ہے اور یہ گروپ 8 / 7 دہشت گردوں پر مشتمل ہوتا ہے، جس کی کمانڈ ایک نامعلوم شخص سرغنہ (ماسٹر مائنڈ) کرتا ہے۔ گرفتار ملزمان پر 27 لاکھ روپے انعام بھی مقرر ہے اور تقریباً 2 درجن فرقہ وارانہ قتل کی وارداتوں میں انھیں چالان کیا گیا تھا، جن میں وہ ضمانتیں لے کر روپوش ہوچکے تھے''۔

اسی روز امت اخبار نے اپنی اشاعت میں گرفتار شدہ دہشت گردوں کے حوالے سے رپورٹ شائع کی، جس سے واضح ہوتا ہے کہ فرقہ پرست جنونی نہ صرف مولانا مفتی

عبدالمجید دین پوری شہیدؒ اور ان کے رفقائے کرام کے قتل کا اعتراف کر چکے ہیں بلکہ یہ فرقہ پرست جنونی مزید بہت سے بے گناہ علمائے کرام کے خون کے پیاسے بھی ہیں۔ انھیں اس مقصد کے لیے خطیر رقم کے علاوہ باقاعدہ ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ علمائے کرام کے قتل کے لیے دہشت گردوں کو ایک پڑوسی اسلامی ملک سے باقاعدہ تربیت اور رقم فراہم کی جاتی ہے اور ان کی سرپرستی بھی مذکورہ بالا پڑوسی ملک میں ہی ہوتی ہے۔ ایک عرصے سے دردمند شہری، محب وطن صحافی، ملک دوست ریٹائرڈ افسران اس حقیقت کو طشت از بام کر رہے ہیں کہ ملک میں جاری ہمہ قسم دہشت گردی میں غیر ملکی عناصر ملوث ہیں۔ ریمنڈ ڈیوس اور ڈاکٹر شکیل آفریدی سے لے کر دہشت گرد ارشاد حسین اور جوہر حسین تک گرفتار ہونے والے انتہا پسند اس کا بین ثبوت ہیں۔ لیکن شومیٔ قسمت حکومت پاکستان اپنی سیاسی، معاشی اور دیگر کمزوریوں کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ دہشت گردوں کو گرفتار کر کے سزا نہیں دیتی، بلکہ حکومت پاکستان کے امن کو سبوتاژ کرنے والے دوست نما دشمن ملکوں کا نام بھی زیر لب لاتے ہوئے خوف زدہ اور لرزاں ہے۔ آج تک اس غیر ملکی مداخلت کو نہ تو حکومت نے روکا اور نہ ہی اس کے خلاف موثر اقدامات کیے۔

فرقہ وارانہ قتل و غارت گری کے علاوہ ملک میں قومی، لسانی اور دہشت گردی کے بہت سے دیگر واقعات میں بھی غیر ملکی ہاتھ ہونے کی وقتاً فوقتاً نشان دہی کی جاتی ہے۔ ”بلیک واٹر“، ”موساد“ اور ”را“ جیسی خطرناک ایجنسیوں کے علاوہ ہمارے بعض دوست ممالک کی خفیہ ایجنسیاں بھی آمدہ اطلاعات کے مطابق پاکستان میں سرگرم ہیں۔ پڑوسی ملک کی پاکستان میں مداخلت اور غارت گری کی رپورٹ بھی سامنے آ چکی ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کی معاشی کمزوری اور خارجہ پالیسی کی ناکامی کی وجہ سے ہر کس و ناکس پاکستان میں زور آزمائی کر رہا ہے۔ حکومت بہت کچھ جاننے کے باوجود بے بس نظر آتی ہے۔ شہری چکی میں پس کر ہلاک ہو رہے ہیں۔ دہشت گردی کا عفریت عوام و خواص کو کھائے جا رہا ہے۔ وطن عزیز پاکستان کی سالمیت کو شدید ترین خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔ غیر ملکی فنڈنگ کے ذریعے بغاوت ابھاری جا رہی ہے، نہ جانے یہ سلسلہ کب تھمے گا؟ دور دراز تک اس کی امید نظر نہیں آ رہی۔ اس کے برعکس

امریکا، ہندوستان اور ایران سمیت کسی بھی ملک میں اگر کوئی پاکستانی اپنے طور پر بھی کسی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث ہو بلکہ ملوث ہونے کا صرف شائبہ ہو تو نہ صرف یہ کہ اسے منظر عام پر لا کر پاکستان کو بدنام کیا جاتا ہے بلکہ پاکستان کو ملوث کر کے عالمی طور پر دہشت گردی میں ملوث کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

نہ جانے حکومت پاکستان کی کون سی رحم دلی پر مشتمل پالیسی ہے کہ غیر ملکی ایجنٹوں کو رعایت دے کر نہ صرف رہا کر دیا جاتا ہے بلکہ انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ ملک سے چلے جانے کا پورا پورا موقع بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ تصویر کا اگر دوسرا رخ دیکھیں تو بہت سے پاکستانی اپنے ہی وطن میں غیر قانونی سرگرمیوں کے شبہ کی وجہ سے لاپتہ کر دیے جاتے ہیں، لیکن ان غیر ملکی دہشت گردوں کو کوئی پوچھنے کے لیے تیار نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو سزا نہ ملے تو اس کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے جرائم میں اضافہ کر دیتا ہے۔

علمائے کرام کے ان قاتلوں کی گرفتاری کراچی کی سی۔ آئی۔ ڈی پولیس کی یقیناً بڑی کامیابی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ درج ذیل اقدامات اٹھائے۔

۱)۔ تمام غیر ملکی دہشت گردوں سے مکمل تحقیقات کر کے ثبوت کے ساتھ ان کی سرگرمیوں سے عوام کو آگاہ کرے تاکہ عوام ایسے عناصر سے ہوشیار رہیں۔

۲)۔ حکومت باقاعدہ سفارتی سطح پر ایسے ممالک سے احتجاج کرے اور اپنے وطن کی سالمیت کے حوالے سے سخت سے سخت پیغامات دے۔

۳)۔ ایسے ملزمان کو قانون کے شکنجے میں مضبوطی سے کس کر کیفر کردار تک پہنچائے اور دیگر مجرموں کے لیے انہیں نشانِ عبرت بنا دے۔

۴)۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ مدارس، مساجد اور علمائے کرام کی سیکورٹی کو یقینی بنائے اور جن علمائے کرام کو خطرات لاحق ہیں ان کی حفاظت کے خصوصی اقدامات کیے جائیں۔

۵)۔ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے حکومت فوری اور مثبت اقدامات کرے۔

۶)۔ مسلکی اختلافات کے خاتمے کے لیے ماضی میں بنائی گئی کمیٹیوں کی رپورٹس اور

سفارشات کو قانونی شکل دے کر ان پر فی الفور عمل کرے۔ اس سلسلے میں تین کمیٹیوں کی سفارشات اہم ہیں۔

الف)۔ مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم کی سربراہی میں قائم کی گئی ملی یکجہتی کونسل کی سفارشات

ب)۔ میاں نواز شریف کی سابقہ حکومت میں مولانا عبدالستار خان نیازی مرحوم کی سربراہی میں قائم کی گئی کمیٹی کی سفارشات

ج)۔ سابق چیف جسٹس سید سجاد علی شاہ کی سفارشات

یہ وہ سفارشات ہیں جن پر ماضی میں کافی زیادہ تحقیق وتدقیق اور محنت وکاوش ہو چکی ہے۔ ان سفارشات کو تمام مکاتب فکر کی تائید بھی حاصل ہے اور تقریباً تمام مکاتب فکر ان سفارشات کے عملی نفاذ کا مطالبہ بھی کر چکے ہیں۔ لیکن حکومت کو نہ جانے فرقہ واریت کے خلاف قانون سازی میں کیا رکاوٹیں اور دشواریاں درپیش ہیں؟ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ فوری طور پر مسلکی جنگوں کی روک تھام کے لیے قانون سازی کی جائے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ/ فروری 2014ء)

فضلاءِ جامعات کی خدمت میں

چند ضروری گزارشات

[برائے مدرسین]

پاکستان کے دینی مدارس وجامعات ہر سال ہزاروں طلباء وطالبات کو اپنا مقررہ و متعینہ نصاب پڑھا کر سند فراغ دیتے ہیں، گزشتہ رجب المرجب میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان (جسے مدارس کا سب سے بڑا بورڈ ہونے کا شرف حاصل ہے) سے امتحان دینے والے فضلاء وفاضلات کی تعداد تقریباً انتیس ہزار 29000 ہے، ان میں سے تقریباً سات ہزار طلباء اور بائیس ہزار طالبات ہیں۔ ان فضلاء وفاضلات میں دیگر مدارس کے وفاقوں کے فضلاء وفاضلات، رائیونڈ اور دیگر غیر ملحق مدارس وجامعات کے فضلاء کی تعداد بھی شامل کر لی جائے تو ان کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان فضلاء وفاضلات میں سے مستقبل میں کام کے میدان کا تعین، کام کے طریقے اور کام کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور دشواریوں کے حل سے ناواقفیت کی وجہ سے ایک بہت بڑی تعداد فضلاء وفاضلات کی نہ صرف ضائع ہو جاتی ہے بلکہ اپنے شعبہ سے ہٹ کر اپنے کام کو بھی چھوڑ بیٹھتی ہے، نتیجتاً یہ لوگ اپنے خاندان کے لیے نہ صرف بوجھ بلکہ باعث وبال بن جاتے ہیں۔ ذیل میں مذکورہ بالا عنوانات پر چند ضروری گزارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

۱)۔ اصلاح وتزکیہ:

علوم نبوت سے فراغت پر سب سے پہلے ہر عالم وفاضل کو اپنی اصلاح وتزکیہ کی فکر کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ علم برائے عمل ہی مقصود ومطلوب ہے بلا عمل تو وبالِ جان ہے جبکہ علم و

عمل کا اجتماع ہی کمال ہے۔

سلف کے علم وعمل میں نہ صرف امتزاج تھا بلکہ حصول علم کے بعد کسی باکمال شخصیت کی صحبت کے التزام اور کم از کم ایک سال خانقاہی سلسلہ میں جڑنے کا معمول تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عالم محض ہونے کے بجائے عالم وعارف ہوا کرتے تھے، وہ ایک طرف باعمل عالم تو دوسری طرف شیخ طریقت ہوتے تھے ان کے علم وعمل کا امتزاج اور اللہ والوں کی صحبت انھیں حب دنیا، زر پرستی، کبر، ریا، عجب وخود بینی، خودستائی، قہر وغضب، قطع رحمی، بدنظری، بدعملی وغیرہ سے محفوظ رکھتی تھی، تو دوسری جانب ان میں تعلق باللہ، اخلاص، تواضع، عجز وانکساری، توکل علی اللہ، زہد عن الدنیا، حفاظتِ علم وعمل، غضِ بصر اور خدمت خلق جیسی طاعات بھی نصیب ہوتیں۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ علماء کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں:

۱)۔ علماء خیر۔ ۲)۔ علماء سُوء۔

علماء سُوء کی نہ صرف مذمت کی گئی بلکہ ان کو فتنہ انگیز اور فتنہ پرداز بھی قرار دیا گیا۔ بغیر تزکیہ واصلاح کے عالم سُوء بننے کا اندیشہ غالب رہتا ہے۔ بنابریں ضروری ہے کہ فضلاءِ کرام میدانِ عمل میں اترنے سے قبل اپنی اصلاح وتربیت کے لیے کسی شیخ کامل کی صحبت، کسی خانقاہ سے تعلق یا پھر تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک دفعہ وقت ضرور گزار لیں تاکہ تزکیہ کی راہ پر گامزن ہوا جا سکے۔

۲)۔ علمی استعداد وعلمی ذوق کے مطابق مستقبل کا تعین:

فضلاء کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سولہ سالہ نصاب تعلیم کے ذریعہ حاصل کردہ علمی استعداد وعلمی ذوق کی حفاظت کے لیے اپنے مستقبل کو علم یا کم از کم دین سے ضرور وابستہ کریں۔ فضلاء کرام پورے اخلاص وہمت کے ساتھ اگر علم یا دین سے وابستہ ہونگے تو ان شاء اللہ ان کے دنیا کے مسائل کے حل کے لیے حق تعالیٰ کوئی سبیل ضرور نکال دیں گے۔

عموماً یہ دیکھنے میں آیا کہ فضلاء کرام کو اپنی معاشی ضروریات ومشکلات کی فکر دامن گیر ہوتی ہے، ان معاشی مشکلات وضروریات کے پیش نظر وہ دینی وابستگی کو ترک کر کے دنیا میں

مستغرق ہو کر اپنی ساری محنت کو ضائع کر دیتے ہیں، ان فضلاء کرام کو یہ ضرور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ دین سے بیزاری اور دنیا میں انہماک معاشی عُسر کے ازالہ کی چابی نہیں ہے، گردو پیش میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ لاکھوں لوگ دنیوی معاش اختیار کرنے کے باوجود عُسر میں مبتلا ہیں اور بیسیوں خدمت دین میں منہمک ہونے کے باوجود یُسر اور تنعّم میں ہیں۔ فضلاء کرام کو اپنے اسلاف و اکابر کے کردار و عمل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ مشکلات کے ازالہ اور عُسر کی دوری کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے، راتوں رات امیر بننے کا خواب اور جملہ خواہشات کی تکمیل کا خواب انسان کو اس کے مقصد سے دور کر دیتا ہے نیز ہر مشکل آسانی اور عُسر یُسر کا پیش خیمہ ہوتا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○ (الانشراح:۵)

"چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔"

ان فضلاء کے اساتذہ و مشائخ ان کے اکابر و اسلاف حتیٰ کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ابتدائی زندگی کا عُسر موجودہ فضلاء کے عُسر سے بہت زیادہ تھا لیکن ایک عرصہ کے بعد انہیں یُسر و فتوحات کی دولت نصیب ہوئی، اخلاص و محنت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و منزلت ہے، جو رب حشرات الارض حیوانات جیسی مخلوقات کی ضروریات کی تکمیل کر رہا ہے، یقیناً وہ اپنے دین کے خدمت گاروں کی بھی ضروریات کی تکمیل کرے گا۔

فضلاءِ کرام کو یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ مساجد و مدارس کا متعین کردہ وظیفہ اگرچہ بظاہر کم محسوس ہوتا ہے حقیقت میں اس وظیفہ کے حاصل ہونے والی برکات و ثمرات بہت زیادہ ہوتے ہیں اگر ان ثمرات و برکات کا معاوضہ و قیمت بنائی جائے اور اسے اصل مشاہرہ کا حصہ بنایا جائے تو یہ مشاہرہ کسی بھی طرح عام ادارہ کے مشاہرہ سے کم نہیں ہوتا۔ مثلاً:

۱)۔ مدرس، خطیب، امام اور دینی شعبہ جات سے منسلک حضرات کی خدمت کرنا، ہدایا دینا اور کھانا کھلانا لوگ سعادت سمجھتے ہیں۔ عوام الناس حسنِ اعتقاد کی بنیاد پر علماء کرام کی جو خدمت کرتے ہیں یہ نعمت غیر دینی شعبہ سے منسلک حضرات کو کہاں

نصیب ہوتی ہے۔

۲)۔ مدارس کے اساتذۂ کرام کو دو وقت کا تازہ معیاری کھانا نصیب ہوتا ہے جبکہ عام آدمی کو روزانہ تازہ کھانا بنانے کے لیے کتنے وسائل جمع کرنے پڑتے ہیں؟ ہم لوگ ــــ بحمد اللہ مدارس میں روزانہ گوشت روٹی کھاتے ہیں، عام آدمی کو روزانہ گوشت کی نعمت کہاں میسر ہے؟ جبکہ بہت سے لوگ تو ایسے ہیں جو معقول آمدنی کے حامل ہونے کے باوجود عیدَین یا کم وبیش مواقع پر یہ نعمت حاصل کر پاتے ہیں۔

۳)۔ دینی شعبہ جات سے منسلک حضرات کی ہر قسم خدمت طلباء ومعتقدین باعث برکت وخیر سمجھتے ہیں، چنانچہ بازار سے سودا سلف خریدنا، کپڑے دھو کر دینا، کپڑے استری کر دینا، بوقت ضرورت کام کاج کے لیے حاضر ہو جانا، بڑے سے بڑے تاجر و صنعکار کو بھی بلا اُجرت ــــ یہ میسر نہیں ہوتیں، اگر ان امور کا معاوضہ بنایا جائے تو ہزاروں بنتا ہے۔ جو فضلاء یہ کہتے ہیں کہ مدارس کا مشاہرہ کم ہوتا ہے ہم انہیں مدارس سے حاصل ہونے والے مفادات کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں تا کہ ان کی غلط فہمی دور ہو جائے:

۱)	نقد مشاہرہ کم از کم:	7000/-
۲)	کھانا کم از کم:	1000/-
۳)	رہائشی مکان از مدرسہ:	3000/-
۴)	مدرسہ سے حاصل شدہ بجلی کم از کم:	1500/-
۵)	مختلف قسم کی خدمات جو وقتاً فوقتاً طلباء سے حاصل ہوتی ہیں، مثلاً: کپڑے دھلانا، استری کرانا، بازار سے سودا سلف منگوانا وغیرہ کی کم از کم اُجرت:	5000/-
	میزان:	17،500/-

یہ تو کم از کم میزانیہ ہے جو حساب میں آیا ہوا ہے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنی جگہ

موجود ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ○ (الطلاق:۲،۳)

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔''

بے گمان رزق تو غیر متوقع ہوتا ہے۔ بیمار ہونے کی صورت میں علاج معالجہ کے اسباب دیگر ضروریات کی تکمیل حق تعالیٰ خزانہ غیب سے کرا دیتے ہیں۔ اسی لیے فضلاء کرام کو محض دنیا کی وجہ سے دینی شعبہ جات نہیں ترک کرنے چاہئیں۔ بلکہ دینی شعبہ جات کے ساتھ منسلک رہنے کو ترجیح دینی چاہیے۔

۳)۔ سرپرست و مشیر کا تعین:

ہر فاضل کو اپنے جملہ امور کے سرانجام دینے کے لیے اپنے کسی بزرگ، زیرک، تجربہ کار اور مخلص استاذ کو اپنا سرپرست و مشیر بنانا بھی ضروری ہے۔ فضلاء عموماً اپنے طور پر فیصلے کرتے ہوئے راہ صواب سے عدول کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانا پڑتا ہے ،بڑوں کی راہنمائی بہت سی گمراہیوں، پریشانیوں اور ٹھوکروں سے بچا لیتی ہے۔ دنیا اور گھریلو امور میں والدین پر اعتماد کیا جاتا ہے اور دینی و بیرونی امور میں اپنے مشائخ و اکابر پر اعتماد ضروری ہے۔ سلف نے ہمیشہ اپنا علمی و دینی سرپرست اپنے اساتذہ کرام کو بنایا اور ترقی کرتے چلے گئے۔ تنہا پروازی، اعجاب رائی اور خودستائی انسان کو گمراہ کرتی ہے اپنے اکابر پر اعتماد انسان کو شرمندگیوں اور رسوائیوں سے بچا لیتا ہے۔

جملہ فضلاء و علماء کو ملک میں پیش آنے والی آئے روز صورت حال اور پیش آمدہ حالات میں بھی اپنے اکابر و مشائخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ملک کے مقتدر علماء و مشائخ کی رائے پر اعتماد کرنا چاہیے، اپنے اساتذہ و اکابر کی تغلیط و تکذیب علمی دیانت و وجاہت کے تحت

خلاف ہے۔ جن لوگوں نے اپنے اساتذہ ومشائخ سے اعراض کیا اپنے طور پر فیصلے کیے انھیں اپنے شذوذ کی وجہ سے ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل پیرا رہنا ضروری ہے۔

يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ (الحديث)

"اللہ کی مدد جماعت پر ہوتی ہے، اور جو اس سے الگ رہے گا الگ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔"

(سنن الترمذی 2167)

اپنے اکابر کے فیصلوں اور امور سے باخبر رہنے اور علم سے منسلک رہنے کے لیے ضروری ہے کہ مدارس وجامعات اور وفاق المدارس کی جانب سے جاری کردہ ماہنامے اور جرائد کا پابندی سے مطالعہ کیا جائے۔ اگر اپنے جامعہ کا کوئی ترجمان جریدہ/اخبار/رسالہ شائع ہوتا ہو تو اس کا ضرور خریدار بننا چاہیے، اس سے اپنے مادر علمی اور مشائخ سے رابطہ استوار رہے گا۔

۴)۔ تعلیم جاری رکھنے کے لیے ماہرینِ فن سے مشاورت:

مزید تعلیم جاری رکھنے والے فضلاء کے لیے ضروری ہے کہ تخصصات اور دیگر علوم کے حصول کے لیے ماہرینِ فن اساتذۂ کرام سے مشاورت کریں یہ مشاورت بالمشافہ بھی ہوسکتی ہے اور بذریعہ مکاتبت (خط وکتابت) بھی ہوسکتی ہے، مزید تعلیم جاری رکھنے کے لیے مدارس وجامعات یا تعلیمی اداروں کے انتخاب میں اداروں کے علمی اور عملی ماحول کو ضرور پیش نظر رکھیں اور اس اثر کو ملحوظ رکھیں:

إِنَّ الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ

"بے شک یہ علم دین ہے، تو غور سے دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو"

(صحیح مسلم 1/ 14)

بہت سے فضلاء ایسے ماحول میں چلے جاتے ہیں جہاں سے اساتذہ کی علمی ثقاہت مجروح ہوتی ہے ان کے نظریات وافکار جمہور اُمت اور مسلک کے نظریات سے متصادم ہوتے ہیں ان سے متاثر ہو کر یہ فضلاء بھی غلط راہ پر چل پڑتے ہیں۔ ایسے ہی بعض عصری اداروں میں

داخل ہوکر فضلاء اپنی شرعی وضع قطع بدل ڈالتے ہیں نمازیں تک ضائع ہوجاتی ہیں۔ حُبِّ دُنیا، حُبِّ جاہ اور سرکاری ملازمتیں وعہدے دلوں میں پیوست ہوجاتے ہیں جس سے دین تک ضائع ہوجاتا ہے۔ الغرض نجات اساتذہ ومشائخ کے مشوروں اور راہنمائیوں میں ہی ہے۔

۵)۔ مدارس سے منسلک فضلاء کے لیے گزارشات:

مدارس سے منسلک فضلاء کی خدمت میں بھی چند گزارشات پیش کرنا ضروری ہیں۔

۱)۔ شعبہ کتب کی تدریس کا ذوق رکھنے والے فضلاء وفاضلات اپنی علمی استعداد بالخصوص صرف ونحو کی استعداد کا جائزہ لیں، یقیناً صرف ونحو پڑھے طویل عرصہ گزر جانے کی وجہ سے استعداد کمزور ہوچکی ہوتی ہے، صیغہ وتعین اعراب تک سے بسا اوقات جہالت ہوتی ہے اس لیے تدریس شروع کرنے سے پہلے قواعد صرف ونحو کی دہرائی اور کسی ماہر استاذ سے وقت لے کر چند دن قواعد کا اجراء ضرور کرلیا جائے بصورت دیگر تدریس میں مشکل پیش آئیگی۔

۲)۔ تدریس میں پورے اخلاص اور ہمت کے ساتھ لگنے سے ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے، سبق کا گہرا مطالعہ، مطالعہ کے حاصل کا ذہن میں استحضار، تقریر درس کی پہلے سے تیاری، اندازِ تفہیم، صحیح عبارت، درست ترجمہ کی تیاری ہی تدریس کی کامیابی کی چابی ہے۔ طلباء کے ساتھ شفقت، سبق کا سننا، عبارت پڑھوانا، عبارت کی تمرین، ترجمہ کی تمرین کروانا اور پھر ہفت روزہ مقدار خواندگی کا طلباء سے سنتے رہنا کامیاب مدرس کی نشانیاں ہیں، طلباء سے جسمانی خدمت نہ لینا، چھوٹے طلباء سے خلوت میں ملنے سے احتراز کرنا، نماز، تہجد، تلاوت اور معمولات کی پابندی، ذکر اللہ اور دعا کی کثرت مدرس کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔ دوران تدریس دوسرے اساتذہ کا احترام، ان کی تردید ومخالفت سے احتراز، انتظامی معاملات میں عدم مداخلت بھی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ سب سے اہم بات مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسباق میں اور اساتذہ وطلباء کی مجالس میں شخصیات، اساتذہ، طلباء، انتظامیہ کے

فیصلوں پر تبصرہ بازی، فقرے کسنا وغیرہ امور سے باز رہے ایسا مدرس کبھی کامیاب نہیں ہوتا جو نظام مدرسہ میں مداخلت کرے یا پھر معاون بننے کے بجائے مزاحم بنے۔ مشورہ میں اپنی رائے ضرور پیش کردینی چاہیے لیکن اپنی رائے پر اصرار کرنا اور اجتماعی فیصلوں سے انحراف کرنا قطعاً خطرناک ہے۔ مزید ہدایات کے لیے آداب المعلمین اور راہنمائے اساتذہ جیسی کتب کا مطالعہ مفید ہے۔

۳)۔ شعبہ حفظ و ناظرہ کی تدریس سے منسلک ہونے والے اساتذۂ کرام کی خدمت میں مذکورہ بالا گزارشات کے ساتھ اہم گزارش یہ ہے کہ طلباء کی مار پیٹ سے اجتناب کیا جائے تدریس کے لیے جدید طریقوں کی جستجو کی جائے اور کوشش کی جائے کہ بغیر مار پیٹ کے طلباء کو شفقت سے پڑھانا انہیں نماز و معمولات کا پابند بنانا، ان کی ابتدائی زندگی میں ہی ان بچوں کو پاکیزہ ماحول فراہم کرنا اور انہیں ایک نظام الاوقات کے تحت تعلیم، کھیل، آرام اور طعام کا پابند بنانا آپکی بڑی کامیابی ہوگی۔ کوشش کی جائے کہ شفقت کے ساتھ طلباء کو پڑھایا جائے نیز اُن کے وقت کو ضائع نہ ہونے دیا جائے، دیکھنے میں آیا ہے کہ طلباء کی زندگی کا بہت سارا حصہ حفظ قرآن میں لگ جاتا ہے برس ہا برس گزر جانے کے باوجود انکے حفظ قرآن کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔ تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی فکری ذہن سازی حکمت و بصیرت کے ساتھ ان کے عقائد کی اصلاح بھی اساتذۂ کرام کے ذمہ ہے، اگر کوئی طالب علم حافظ قرآن بن کر عالم بن جائے یا حفظ مکمل نہ کرسکے اور مدرسہ چھوڑ دے تو وہ دین دار اور صحیح العقیدہ بن چکا ہو۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ صرف حفظ کی تعلیم پر زور دینے کی وجہ سے اور فکری ذہن سازی نہ کرنے کی وجہ سے مدرس سے حفظ کر لینے کے باوجود بہت سے حفاظ اعمال و عقائدِ صحیحہ سے بیزار ہوتے ہیں۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ جون/جولائی 2015ء)

فضلاءِ جامعات کی خدمت میں

چند ضروری گزارشات

[برائے ائمہ وخطباءِ کرام]

وہ فضلاءِ کرام جو خطابت وامامت کے میدان میں خدمت کرنا چاہتے ہیں یا کر رہے ہیں، ان کی خدمت میں درج ذیل گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

۱)۔ امامت ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے تمام لوگوں کی نمازوں کا بوجھ روزِ محشر مؤذن اور امام کے کندھوں پر پڑتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ امامت کے جملہ مسائلِ شرعیہ کا استحضار ہو۔ بلاشبہ نماز کے مسائل کی جزئیات نہایت دقیق اور کثیر ہیں، اس لیے مختلف فتاویٰ جات، مسائل نماز کی کتب کا مطالعہ رہنا چاہیے تاکہ پیش آنے والے مسائل میں مشکل نہ ہو۔

۲)۔ نماز کے فرائض، سنن، آداب ومستحبات کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ امام صاحب اگر نماز میں سستی وکوتاہی یا غلطیاں کریں گے، تو یہ نہ صرف باعثِ فتنہ ہوگا بلکہ باعث نفرت بھی ہوگا۔

۳)۔ امام صاحب کو نمازوں کی مسنون قرأت کا معلوم ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ نمازِ جمعہ، نمازِ فجر، نمازِ عیدین اور دیگر جہری نمازوں میں بھی مسنون قرأت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۴)۔ ائمہ کرام کو چاہیے کہ وہ اپنی وضع قطع سنت کے موافق بنانے کا اہتمام فرمائیں۔ مسنون لباس، مسنون شکل وصورت، سر پر عمامہ پہننا بلاشبہ بہت بڑی فضیلت کی

بات ہے۔ ائمہ کرام کی شکل وصورت، وضع قطع کا نمازیوں پر اثر ہوتا ہے، اہل علاقہ ومحلہ امام کا اثر قبول کرتے ہیں۔ جس قدر لوگوں کا امام کے بارے میں حسنِ ظن ہوگا، اسی قدر لوگوں میں دین داری آئے گی۔

۵)۔ ائمہ کرام کو حتیٰ الامکان خواتین اور بے ریش لڑکوں سے خلوت میں ملاقات ومیل جول اور اختلاط سے محفوظ رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ امام کے لیے باعثِ فتنہ اور بدنامی کا سبب ہے، موضعِ تہمت اور شیطان کے حملہ کا موقع بھی ہے۔ خدانخواستہ بدنامی یا بدکرداری کی صورت میں پورا دینی طبقہ بدنام ہوجاتا ہے اور موجودہ صیہونی طبقہ اسے میڈیا پر اچھالتا ہے۔

۶)۔ ائمہ کرام کا عوام الناس، مقتدیوں سے بلا تکلف ہوجانا، گھروں، ہوٹلوں، دکانوں اور گلیوں میں جا کر بیٹھنا، لوگوں کے دلوں سے امام کی عقیدت ومحبت نکال دیتا ہے۔ جس سے امام کی بے عزتی، بے توقیری اور بعض صورتوں میں بدنامی بھی ہوجاتی ہے۔ ائمہ کرام کو لوگوں کے کاروبار میں مداخلت کرنا یا شریک ہونا بھی نامناسب ہے۔

۷)۔ ماضی قریب میں بعض علاقوں میں ائمہ کرام نے مضاربہ کمپنیوں میں ترغیب کے ذریعے مقتدیوں کو کاروبار میں شریک کرایا اور رقوم دوسروں کو دلوائیں۔ کچھ عرصہ تک ائمہ کرام اور لوگ منافعوں کے ذریعے لطف اندوز ہوتے رہے۔ لیکن ان کمپنیوں کے ڈوب جانے یا فرار ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رقوم ضائع ہوئی، تو ائمہ کرام اور علماء کرام کی خوب بدنامی ہوئی۔ اس لیے علماء کرام اور آئمہ کرام کو کاروباری کمپنیوں یا اداروں کی نمائندگی کرنا، ایجنٹ بنتا بھی لوگوں کے دین سے بیزاری ودوری کا ذریعہ بنتا ہے۔ بسا اوقات علماء کرام اور ائمہ کرام دوسروں کے کاروبار میں ضامن بن جاتے ہیں، لیکن لوگوں کے وعدوں پر پورا نہیں اترپاتے، جس سے علماء کرام اور آئمہ کرام کی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے۔

۸)۔ آئمہ کرام کو چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات اور تقاضوں کے لیے مقتدیوں سے سوال کرنے سے پرہیز کریں۔ بلاشبہ اپنی ذات کے متعلق سوال کرنا علماء کی شان اور

استغناء، خودداری کے منافی ہے۔ اکابر نے صعوبتوں اور فاقوں کے ساتھ زندگیاں تو گزاری ہیں، لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ مقتدیوں سے سوال کر کے اپنا معیار زندگی بڑھانا، دنیا داروں کی طرح شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے دین کی خدمت رخصت ہو جاتی ہے۔ ہمارے بعض اکابر کا ملفوظ ہے: ’’جس قوم کے علماء کرام سرمایہ دار ہو جائیں، وہ قوم گمراہ ہو جایا کرتی ہے۔‘‘ ہم علماء کرام کو ہمیشہ یہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ ہمارے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکنت کو پسند فرمایا ہے اور فقر کو اپنا فخر قرار دیا ہے۔ ایک عالم دین کا معیار زندگی عام آدمی کے برابر ہونا چاہیے، خصوصاً دوسروں کے چندوں سے معیار زندگی بہتر بنانا نہایت ہی خطرناک ہے۔ اس لیے خودداری اور استغناء کو ہمیشہ اپنائے رکھے نیز اپنے متعلقین میں سے حلال کاروبار والے مخلصین کا ہدیہ قبول کرنے پہ اکتفاء کرے۔

۹)۔ ائمہ کرام اور علماء دین کا فریضہ ہے کہ وہ معاشرہ میں موجود منکرات اور رسومات کے خلاف عوام الناس کی ذہن سازی حکمت وبصیرت سے کریں۔ خود بھی منکرات سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، خود بھی اتباعِ سنت کا اہتمام کریں اور دوسروں کو بھی اتباعِ سنت کی ترغیب دیں۔ معاشرہ میں جو بھی خلافِ شریعت باتیں دیکھیں، اس کے خاتمہ کی حکمت وبصیرت سے سعی کریں۔ اس مقصد کے لیے کسی ایک نماز کے بعد بالترتیب مختصر درسِ قرآن اور درس حدیث کا سلسلہ جاری کریں۔ ہمارے جملہ اکابر کا معمول تھا کہ وہ عوام الناس کو روزانہ یا ہفتہ وار درس قرآن ارشاد فرماتے تھے۔ اس کی برکت سے قرآن اور تفاسیر کے مطالعہ کی نعمت نصیب ہوگی، علم وعمل میں اضافہ ہوگا اور قرآن وحدیث کی تلاوت سے برکت بھی نصیب ہوگی۔ جبکہ درس حدیث میں فضائل کی احادیث کے بیان سے لوگوں میں اعمال کی رغبت بڑھے گی۔

۱۰)۔ ائمہ کرام کو موجودہ حالات کے تناظر میں بہت محتاط اور ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ہماری جانب سے ملکی قوانین کی پاسداری ہو اور کسی قسم کی قانون شکنی نہ ہونے پائے اور مسجد، ادارہ، مؤذن، امام، خطیب، کمیٹی کے کسی فرد کی

جانب سے ملکی استحکام وسالمیت کے خلاف کسی قسم کی کاروائی میں تلویث یا معاونت نہ ہو۔ بہت سے ایسے لوگ جو حکومت کو مطلوب ہوتے ہیں، ان کی کمین گاہ مسجد یا مدرسہ نہ ہو اور نہ ہی کسی اجنبی کو ٹھہرنے دیا جائے بلکہ معقول تعارف کے بعد مسجد میں اقامت کی اجازت دی جائے، تا کہ مستقبل میں کسی قسم کی پریشانی لاحق نہ ہو۔

وہ فضلاء کرام جو خطابت وتبلیغ کے میدان میں اپنی خدمات سرانجام دینا چاہتے ہیں، ان کے لیے بھی بطور تذکیر کے چند امور پیش خدمت ہیں۔

۱)۔ کسی ایک مقام و مسجد کو جمعہ کے لیے مقرر کرلیا جائے۔ کبھی کہیں اور کبھی کہیں جمعہ پڑھانا نئے فاضل کے لیے مفید نہیں ہوتا، ایک مقام پر جمعہ پڑھانے سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً ہر جمعہ الگ بیان کرنے کے لیے مطالعہ کا موقع فراہم ہوتا ہے، اس کے ساتھ مستقل حلقہ بھی بن جاتا ہے اور یہی حلقہ پھر محنت کا میدان بن جاتا ہے۔ اسی پر محنت کر کے انہیں نظریاتی اور عملی طور پر تیار کیا جاسکتا ہے۔

۲)۔ جمعۃ المبارک، دروس کی تیاری کے لیے مطالعہ کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔ فضلاء کرام کو تفسیر، حدیث، سیرۃ، تاریخ، سوانح، قصص الانبیاء و اکابر کی اصلاحی کتب و ملفوظات، اکابر کے خطبات و مواعظ، کتب فتاویٰ، کتبِ عقائد و تقابلِ ادیان و مسالک وغیرہ پر مشتمل مختصر لائبریری بنانی چاہیے تا کہ حسبِ ضرورت جمعہ اور بیان کا مواد تیار کیا جاسکے۔ بغیر مطالعہ اور تیاری کے بیان کرنا نہایت ہی خطرناک، باعثِ خیانت اور شرمندگی کا سبب ہوتا ہے۔

۳)۔ خطباء کرام کو بیان وتقریر میں موضوع کے انتخاب کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ علماء و خطباء کرام امت کے لیے بمنزل حکیم و طبیب کے ہیں۔ ان کے خطبات و بیانات امراض روحانیہ کا علاج ہوتے ہیں، اس لیے علاج مریض کے مطابق ہونا چاہیے۔ یعنی معاشرہ کی ضرورت کے مطابق بیان کا موضوع و عنوان منتخب کیا جائے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ خطباء کرام چند ری موضوعات کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں،

جو عموماً نامور خطباء کے موضوعات ہوتے ہیں اور جس کی عموماً ہر جگہ ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے حالات، مقام اور ضرورت کے پیشِ نظر موضوع کا انتخاب کیا جائے۔ دورِ حاضر کے چند سلگتے ہوئے مسائل کی نشاندہی ذیل میں کی جا رہی ہے۔ ان موضوعات پر بیانات ضروری ہیں۔

☆۔ دین و مذہب کی ضرورت۔	☆۔ تعلق باللہ۔
☆۔ حقوقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم۔	☆۔ حقوقِ قرآن کریم
☆۔ ضرورت محنت۔	☆۔ کسبِ حلال۔
☆۔ تجارت کے فضائل و مسائل۔	☆۔ نکاح کی ترغیب۔
☆۔ زنا و بدکاری کا انجام۔	☆۔ سود کی حرمت۔
☆۔ جوئے کی حرمت و مذمت۔	☆۔ صلہ رحمی کی ضرورت۔
☆۔ پاک دامنی کی ضرورت و اہمیت۔	☆۔ حقوقِ والدین حقوقِ اولاد
☆۔ اسلام میں امن و سلامتی کی اہمیت۔	☆۔ قطع رحمی کے نقصانات۔
☆۔ قتل و فساد کے نقصانات۔	☆۔ علاماتِ قیامت۔
☆۔ موت کے وقت پیش آمدہ حالات	☆۔ جنت و جہنم کے مناظر۔
☆۔ حشر و آخرت کے احوال۔	☆۔ امانت و دیانت کی اہمیت۔
☆۔ کرپشن و خیانت کے نقصانات۔	☆۔ عدالتِ صحابہ کرامؓ
☆۔ صحابہ و اہلبیتؓ کا باہمی اعتماد و تعلق۔	☆۔ طہارت اہلبیتؓ۔
☆۔ مدارس کی اہمیت و ضرورت۔	☆۔ صحبت صالحین کے فوائد۔
☆۔ تحریک آزادی میں علماء کا کردار۔	☆۔ اولیاء اللہ کا تذکرہ۔
☆۔ کبیرہ گناہ اور ان کے نقصانات۔	☆۔ حب الوطنی۔

☆۔ نیکی اور اس کے ثمرات و برکات۔

☆۔ سنت کی اہمیت اور بدعت کے نقصانات۔

☆۔ تحریک پاکستان میں علماء کرام کے کارنامے۔

☆۔ مدارس پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات۔

درج بالا عنوانات جیسے مضامین کا بیان معاشرہ میں مثبت کردار ادا کرسکتا ہے۔ جبکہ دین کے بنیادی عقائد و احکام مثلاً توحید باری تعالیٰ، رسالت، صداقتِ قرآن، قیامت، نماز، رمضان کے روزے، حج، زکوٰۃ، وغیرہ موضوعات تو علماء و خطباء اہمیت کے ساتھ بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ خلفاء راشدین، غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیت بالخصوص سیدنا حضرت حسنؓ و حسینؓ کا تذکرہ کرنا بھی وقتاً فوقتاً ضروری ہے۔

۴)۔ خطباء کرام کو اندازِ بیان شستہ و مہذب اختیار کرنا چاہیے۔ آدابِ تبلیغ کی پوری رعایت رکھی جائے، نیز گفتگو میں صرف جذبات کا اظہار یا حصول واہ واہ کی بجائے اُمت کی خیر خواہی اور جذبہ رضائے حق تعالیٰ کا ہونا چاہیے۔

۵)۔ اگر بیان میں کسی کی تنقید بھی مقصود ہو تو وہ بھی حدود کے دائرے میں بغیر کسی کا نام لیے مہذب انداز سے ہو۔ ایسی گفتگو جس میں گالم گلوچ یا جملے بازی ہو، قطعاً ناپسندیدہ ہے۔ ہمیشہ گفتگو ذہنی سطح کے مطابق ہو، نیز گفتگو میں سامعین کی دل چسپی اور اُکتاہٹ کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ ہمارے آقا ونامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو میں صحابہ کرامؓ کی اکتاہٹ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" شوال المکرم ۱۴۳۶ھ جولائی/اگست 2015ء)

ہدایات برائے فضلاءِ کرام

برِ صغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش کے ہزاروں مدارس وجامعات میں تعلیمی سال کا اختتام شعبان المعظم پر جبکہ یورپین، عرب اور بعض دیگر ایشیائی ممالک میں مختلف مہینوں میں تعلیمی سال کا اختتام ہوتا ہے۔ ان جامعات ومدارس سے ہر سال ہزاروں طلباء اپنا تعلیمی دورانیہ پورا کر کے سن فراغت حاصل کرتے ہیں۔ اکابر ومشائخ، علماء صلحاء ان کے سروں پر عمامہ بندی کر کے ان پر اظہارِ اعتماد کرتے ہیں۔ حقیقت میں ان فضلاء کے اساتذۂ کرام علومِ نبوت کی وہ وراثت وامانت جو انہوں نے اپنے اپنے مشائخ واساتذہ سے حاصل کی تھی اور اس ''بار امانت'' کو اگلی نسل تک پہنچانے کا جو عہد وپیمان اپنے رب اور اپنے اساتذہ ومشائخ عظام سے کیا تھا، اُس عہد وپیمان کا ایفاء کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اُن کے نوخیز فضلاء وتلامذہ اس ''بار امانت'' کو اپنے اپنے کندھوں پر لادے اپنے اکابر کا عہد وپیمان اپنے ذمہ لے کر عملی میدان میں اُترے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر انہیں احساس ذمہ داری دلانا اور ان کی راہنمائی کرنا، اُن کا حق اور اُساتذہ کا فرض ہوتا ہے، اس لیے تعلیم کے آخری ایام میں بیشتر مدارس وجامعات میں فضلاء کے لئے خصوصی تقاریب کا انعقاد ہوتا ہے اور بعض حضرات تحریری طور پر فضلاء کرام کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند گذارشات پیشِ خدمت ہیں:

جامعات ومدارس کے فضلاء کو اجازتِ حدیث، سندِ فراغ یا اُن کے مبارک سروں پر عمامہ بندی، اُن پر اہلِ علم اور اساتذۂ کرام کے اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ اعتماد اِس بنیاد پر ہوتا ہے کہ فراغت کے بعد سند یافتہ فاضل اپنا تعلق علم وعمل سے اِستوار رکھ کر علمی وعملی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتا رہے گا۔ نیز وہ برابر محنت وکاوش کرتے ہوئے علمی ودینی مشاغل کو جاری رکھتے ہوئے اپنی علمی استعداد کو مضبوط کرے گا۔ ظاہر ہے کہ مشاغلِ علمیہ کے ساتھ روز بروز علمی ترقی نصیب

ہوتی ہے اور مذکورہ فاضل اپنے مشائخ کے اعتماد پر پورا اُترتے ہوئے اپنا اور اپنے مشائخ کا نام بلند کرتا ہے۔ لیکن اگر مذکورہ فاضل علمی مشغلہ ترک کردے اور علمی وروحانی سلسلہ سے نکل جائے تو نہ ہی ایسے شخص کی علمی شناخت باقی رہتی ہے اور نہ ہی سندِ فراغ کا وقار یا اساتذہ ومشائخ کا اعتماد باقی رہتا ہے۔ ایسے شخص پر نہ تو مشائخ اعتماد کرتے ہیں اور نہ ہی عوام الناس کا اعتماد برقرار رہتا ہے۔ اس لئے اکابر ومشائخ کے اعتماد کو برقرار رکھنے کے لئے درج ذیل اُمور کی فضلاء کو رعایت رکھنا از حد ضروری ہے:

۱)۔ اپنے اوقات کو کلی طور پر اشاعتِ دین، خدمتِ علم میں صرف کرے خواہ اس کی مشکل تدریس کتبِ دینیہ کی ہو یا تدریسِ قرآن کریم، امامت وخطابت کی ہو یا تبلیغ وتقریر کی، تصنیف وتالیف کی ہو یا اصلاح وسلوک کی۔ اگر کلی اوقات اِن مقاصد میں صرف کرنا ممکن نہ ہو تو اپنے اوقات کا جزوی حصہ اِن مقاصد میں استعمال کرے، یہ علم کی زکوٰۃ بھی ہے اور قرضِ علم کی ادائیگی بھی۔ اس سے نہ صرف علم میں اضافہ ہوگا بلکہ حاصل شدہ علم بھی محفوظ ومضبوط ہوگا۔ اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ تدریس وتبلیغ گناہوں سے مانع ہوتی ہے اور اِن اعمال کے ساتھ تو جناب انبیاء علیہم السلام اور مقربینِ خدا سے نسبت قائم ہوجاتی ہے۔ نیز آخرت میں نیک نامی اور صدقہ جاری کا سامان نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں "وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ" کا مصداق بھی عطا ہوتا ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اگر دینی وعلمی مشغلہ نہ اختیار کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ مدارس کی ۱۶ سالہ محنت کا ضیاع ہوجاتا ہے بلکہ "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن کر گرد وپیش کے ماحول میں تحلیل ہوکر اپنی علمی ودینی شناخت کھو بیٹھتا ہے۔ حقیقت میں فضلاء نے اپنے مشائخ سے جو علمی میراث حاصل کی، اُسے اگلی نسل تک پہنچانا اِن کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری پر کوتاہی روزِ محشر باز پرس کا ذریعہ ہوگی۔

۲)۔ اپنی اصلاح وروحانی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ کسی متبعِ سنت شیخ سے اصلاحی تعلق قائم کرکے باقاعدہ اُن کی صحبت اختیار کی جائے۔ صحبت کی برکت سے

اخلاص وللّٰہیت، ادب واحترام، تواضع وانکساری، خدمت وتعاون، ایثار وقربانی جیسے فضائل اور ریاء، عُجب، حسد، بغض، کینہ، تکبر، بدنظری، بدکارکرداری، حبِ دنیا، خودغرضی جیسی رذائل سے اجتناب ہوجاتا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد گرامی ہے:

> ''ہم نے ایک بھی ایسی شخصیت نہیں دیکھی، جو مدرسوں میں پڑھی ہو اور بدونِ صحبت اُسے صفات حاصل ہوئی ہوں۔ اِس کے برعکس ایسی بہت سی شخصیات پیش کی جاسکتی ہیں، جنہوں نے مدرسہ کا منہ تک نہیں دیکھا لیکن صحبتِ اولیاء و صلحاء کی برکت سے علم سے مالا مال ہوئے۔'' (ملخص)

فراغتِ علم پر ایک گونہ کبر پیدا ہوجاتا ہے، جو بہت سے فضلاء کی محرومی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کبروعجب کا علاج سوائے صحبتِ صالحین وتربیتِ مشائخ کے کوئی نہیں۔ فضلاءِ کرام خانقاہی نظام میں منسلک ہوکر اپنے علم میں عمل وتقویٰ کے ذریعے کمال پیدا کرسکتے ہیں۔ ہمارے اکابر میں ایک شخصیت بھی ایسی نہیں، جو کسی نہ کسی شیخِ کامل سے اجازت یافتہ نہ ہو۔ ایک زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کا چوکیدار اور خاکروب بھی صاحبِ نسبت ہوا کرتا تھا۔ اُخیر شب میں دارالعلوم کے درودیوار ذکرِ الٰہی اور گریہ زاری سے گونج اُٹھتے تھے۔ ذکرِ الٰہی نہ صرف برکات ورحمتوں کا ذریعہ ہوتا ہے بلکہ اِس کی برکت سے فتنے بھی مسدود رہتے ہیں۔ ہر فاضل کو اپنے اپنے سلسلہ کے قواعد وضوابط کے مطابق ذکرِ الٰہی کا التزام اور صلوٰۃ التہجد، نماز باجماعت، سنن ونوافل کا اہتمام کرنا چاہئے۔ دورِ حاضر میں اصلاح کا یہ مقصد تبلیغی جماعت میں وقت لگا کر اور مسلسل جڑنے کے ساتھ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ بیعتِ سلسلۂ تصوف مقصودِ اصلی نہیں مقصدِ اصلی تو ''اصلاحِ نفس اور تزکیہ'' ہے، تصوف وسلوک اس کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ مقصد بغیر سلوک کے حاصل ہوجائے تو مقصد حاصل شد۔

۳)۔ عصرِ حاضر کے مقتدر علماءِ کرام، مشائخ عظام اور اساتذۂ کرام سے رابطہ، اِعتماد علی السلف والاکابر، ایمان، مسلک، اعمال اور اقدار کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری

ہے۔ دنیا اور وطن کے بدلتے ہوئے سیاسی، مذہبی، معاشی، معاشرتی حالات میں ایک عام شخص کے لئے حق و باطل، سچ و جھوٹ کا امتیاز ایک مشکل اَمر ہوتا ہے۔ خاص طور پر میڈیا کے ذریعے اور حکومتی و بین الاقوامی وسائل کے زور پر ملمع سازی کا جو طوفان اُٹھا ہے، اس میں سیاہ کو سفید اور رات کو دن ظاہر کرنے کا دجالی فن عروج پر ہے۔ ان حالات میں اپنے مکتبہ فکر کے عظیم بزرگوں کی طرف رجوع اور ان سے راہنمائی کا حصول ضروری ہے، اِن اکابر کی پالیسی کو آنکھ بند کرکے تسلیم کرلیا جائے۔ ہمارے شیخ حضرت لدھیانویؒ کا اِس سلسلہ میں مزاج یہ تھا کہ آپ دیگر ملکی شخصیات سے مل کر لائحہ عمل اختیار فرماتے، اِجتماعیت کو پسند فرماتے اور شذوذ و تنہائی کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ اہل علم، مدارس و جامعات سے رابطہ کی ایک صورت یہ بھی کہ اِن اداروں سے نکلنے والے ماہنامہ جرائد کا مطالعہ باقاعدگی کے ساتھ کیا جائے۔ اس اہل حق کے چند جرائد کے نام پیشِ خدمت ہیں:

1)۔ ماہنامہ بینات کراچی
2)۔ ماہنامہ البلاغ کراچی
3)۔ ماہنامہ الفاروق کراچی
4)۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک
5)۔ ماہنامہ الخیر ملتان
6)۔ ماہنامہ الحسن لاہور
7)۔ ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور
8)۔ ماہنامہ لولاک ملتان
9)۔ ماہنامہ الجمعیۃ
10)۔ ماہنامہ نقیب ختم نبوت
11)۔ ماہنامہ تذکرہ دار العلوم کبیر والا
12)۔ ماہنامہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد
13)۔ ماہنامہ القاسم نوشہرہ
14)۔ روزنامہ اسلام
15)۔ ہفت روزہ ضرب مومن

علاوہ ازیں مرکزی جامعات کے جرائد و رسائل کا مطالعہ نہایت فائدہ مند ثابت ہوگا۔

4)۔ عصر حاضر میں علماء اور عوام میں بُعد پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے آزمائے جارہے ہیں۔ اس لئے کہ گمراہی اور من پسند نظریات کا پھیلاؤ علماء سے اعتماد کے خاتمہ کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ فضلاء کا عوامی رابطہ مضبوط

ہونا چاہئے۔ عوام سے رابطہ کے لئے مساجد میں ناظرہ قرآن کریم کے مکاتب کا قیام، دروس القرآن ودروس الحدیث کے سلسلے، جمعہ کے موقع پر مختصر لیکن مؤثر بیان جس میں وقت کی پابندی کے ساتھ نہایت مدلل، آسان اور عوامی انداز کا ہونا ضروری ہے۔ بیانات میں موضوعات اور انداز کے حوالہ سے احقر کا تفصیلی مضمون ''فضلاء مدارس وجامعات کی خدمت میں چند ضروری گزارشات'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، یہ مضمون کئی قسطوں میں گزشتہ سال ماہ نامہ صدائے فاروقیہ میں شائع ہوتا رہا۔ مضمون میں مدرسین قرآن، درجہ کتب، ائمہ وخطباء کے لئے الگ الگ ہدایات موجود ہیں۔

۵)۔ موجودہ ملکی حالات کے تناظر میں قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنا دفاع اور اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوشی ضروری ہے۔ ملکی آئین وقوانین کی پاسداری کرتے ہوئے محتاط انداز میں خدمتِ دین کا فریضہ سرانجام دیا جائے، نہ تو مایوس ہوکر خدمتِ دین ترک ہو اور نہ ہی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا جائے، اس میں حکمت وبصیرت پیش نظر رہے۔ فضلاء کو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں موجودہ ملکی قوانین سے آگاہی، شہری حقوق، آئین کے تحت حاصل ہونے والی آزادیوں کا جاننا ضروری ہے۔

۶)۔ فضلاء کو سکولوں اور قومی اداروں کی طرف توجہ دینا بھی حالات اور وقت کا تقاضا ہے۔ ظاہر ہے کہ مدارس میں پڑھنے والے طلباء تو کل آبادی کا بالکل معمولی حصہ ہیں، زیادہ تر بچے تو عصری تعلیمی اداروں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ انہیں ایک اچھا مسلمان بنانا اور محبِ وطن شہری بنانا بھی اُن کا حق اور ہمارا فرض ہے۔ اس لئے علماء کرام اپنی نگرانی میں ایسے عصری تعلیمی ادارے قائم کریں، جہاں اعلیٰ عصری تعلیم نہایت اعلیٰ معیار پر دی جائے اور ساتھ دینی تربیت اسلامی ثقافت وتہذیب کا احیاء وتنفیذ کا اہتمام ہو، یہ سلسلہ فضلاء کے رزقِ حلال کے ساتھ خدمتِ دین کا بھی ذریعہ ہوگا۔ اگر ادارہ قائم کرنا مشکل ہو تو پہلے سے موجود اداروں کو اپنی سرپرستی میں لے کر بھی کام کیا جاسکتا ہے۔ ان اداروں کے سربراہوں کو ترغیب دے کر انہیں اپنا تعاون پیش فرمائیں۔

اس سلسلہ میں جو ادارے دینی طرز پر کام کر رہے ہیں، ان سے مزید راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

۷)۔ بین الاقوامی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جاری منظم اور ہمہ جہت جنگ کے اثرات اسلامی ممالک کے حکمرانوں اور عوام پر نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس تناظر میں اَحکامِ اسلامی کے خلاف پروپیگنڈہ، اسلام پر اِلزام تراشی، اِستہزاء اور اعتراضات کا سلسلہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ لبرل اور سیکولر طبقے کی جانب سے کھلے عام شعائر اسلام کی توہین وتنقیص، اِسلام کے مسلّمہ احکام اور مقدس شخصیات پر بہتان طرازی، تضحیک، توہین کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

۸)۔ احکامِ اسلام پر اعتراضات وغیرہ فضلاء اور علماء کے لئے بڑا چیلنج بن کر سامنے آ رہا ہے۔ اس سلسلہ پر اشتعال انگیزی اور جذبات کا بھڑکنا اور مشتعل ہونا فطری اَمر ہے۔ لیکن بسا اوقات مسلمانوں کا ردِّ عمل نسلِ نو کے نوجوانوں کو تشفی وتسلی نہ ہونے کی وجہ سے مذہب سے دور کر دینے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے عقلی ونقلی انداز سے مثبت وسنجیدہ دلائل کے ساتھ ان لوگوں کی تردید کی جائے، ایسے لوگوں کے خلاف صدائے اِحتجاج بلند کرنے کی اہمیت سے بھی کوئی انکار نہیں، تاہم ان کا علمی محاسبہ ضروری ہے۔ اس لئے پہلے فضلاء کو خصوصی طور پر تیار کرنا اور اپنے آپ کو علمی طور پر مسلح کرنا ضروری ہے۔ دورِ حاضر کے چیلنج کو سمجھنے کے لئے اور اُن سے نبرد آزما ہونے کے لئے اِس موضوع پر کام کرنے والے علماء کرام سے استفادہ کیا جائے۔ ان موضوعات پر اکابر کی تصنیفات، تحریروں اور مضامین کا بغور مطالعہ کیا جائے اور نسلِ نو کے ایمان کی حفاظت کی جائے۔

۹)۔ مغرب کی اِسلام دشمن پالیسیوں سے متاثر حکمران اِسلامی ممالک پر مذہبی طبقات کے خلاف اِمتیازی قوانین اور پالیسیوں کو جاری کئے ہوئے ہیں۔ ان پالیسیوں کے نتیجے میں علماء کرام اور مذہبی خدمت گاروں پر پابندیوں کا وسیع تر سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ علماء کرام کو فورتھ شیڈول جیسی دہشت گردی کی دفعات میں شامل کرنا، فرقہ

واریت کے الزام میں گرفتار کرنا، لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے جرم میں مقدمات قائم کرنا نیز مذہبی طبقات کی خصوصی مانیٹرنگ شامل ہے۔ اس لئے فضلاء کرام کو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے نہایت حکمت وبصیرت کے ساتھ خدمت دین سرانجام دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اکابر کا واسطہ انگریز جیسے ظالم وجابر سے رہا، اُنہوں نے حکمت کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا، نہ تو خدمت دین کو ترک فرمایا اور نہ ہی اپنے آپ کو بلاوجہ مشقت وہلاکت میں ڈالا۔ دورِ حاضر کے علماء وفضلاء کو اس طرف خصوصی دھیان رکھنا ہوگا، تاکہ خدمتِ دین اور قوم کی راہنمائی کے فریضہ کو اَحسن انداز میں سرانجام دیا جاسکے۔

۱۰)۔ فضلاء کرام میدانِ عمل میں اُترنے کے بعد اس بات کا اہتمام کریں کہ لوگوں کے نجی کاروباری اور ذاتی قسم کے معاملات سے حتیٰ الامکان اپنے آپ کو دور رکھیں، ورنہ بعض اوقات علم اور علماء کی بدنامی کے ساتھ علماء سے تنفر اور بداعتمادی کا سبب بنتا ہے۔ ہمارے بعض فضلاء معاشی ترقی کے لالچ میں بعض کمپنیوں یا تاجروں کے ہاتھوں استعمال ہوکر اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو ان کی کمپنیوں میں انویسٹمنٹ کی ترغیب دیتے ہیں، جس پر لوگ مذہبی شخصیت پر اعتماد کی وجہ سے اپنا پیسہ ان کمپنیوں میں جھونک دیتے ہیں۔ کاروبار میں خسارے یا غیر شرعی طرز اَپنانے کی وجہ سے مذکورہ شخصیت سے تنفر کے ساتھ بسا اوقات قانونی گرفت کی افتاد بھی آن پڑتی ہے۔ بعض فضلاء دوسروں کو اپنی جمع پونجی کاروبار کے لئے دے کر ہمیشہ کے لئے سرمایہ سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اسی نوعیت کے مختلف انداز اختیار کئے جارہے ہیں، مثلاً: ویزوں کی فروختگی، عازمینِ حج وعمرہ کو کمیشن پر پیکیج دلانا، جائیدادوں کی خرید و فروخت وغیرہ یہ تمام سلسلے دینی ودنیوی نفرتوں کا ذریعہ ہیں۔ اگر فضلاء کو کاروبار کرنا بھی ہو تو ماہرینِ تجارت وماہرینِ شریعت کی مشاورت سے شرعی تقاضوں اور اپنے منصب کو پیشِ نظر رکھ کر کاروبار کیا جائے تو مفید ہوگا۔ ہر وہ کام جو لالچ، سستی شہرت اور دیگر دنیوی اغراض کی بنیاد پر کئے جائیں وہ ہمیشہ خطرناک ہوتے ہیں۔

۱۱)۔ معاشرہ میں اپنے آپ کو منوانے، اپنا اثر ظاہر کرنے اور علماء سے متنفر طبقات کو قریب لانے کے لئے اخلاقِ عالیہ سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔ اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاق سے متصف کرنا، لوگوں سے میل جول رکھنا، کڑوی کسیلی باتوں کو سن کر درگذر کرنا، صلہ رحمی اور معاف کر دینے کی مہارت انسان کو نہایت بلند بنا دیتی ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی وصف ''حسنِ اخلاق'' ہی تھا، آپ نے سارے جہان کو حسنِ اخلاق سے فتح فرمایا۔ قرآن وسنت میں آپ کے عالی اخلاق کے تذکرے اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ آپ کے صبر وبرداشت، تحمل ووقار کی احادیث بھی آپ فضلاء کے سامنے ہیں، اِنہی اعلیٰ اوصاف کے ساتھ ہی ایک داعی اور دین کے خدمت گار کو قبولیت وعزت نصیب ہوتی ہے۔ بعض فضلاء کرام جوانی کے زعم میں اپنے رشتہ داروں بلکہ اہل محلہ برادری، مسجد ومدرسہ کی انتظامیہ، طلباء کے والدین اور نمازیوں تک سے بات بات پر اُلجھ کر اپنے آپ کو متنازعہ اور فریق بنا دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ''متنازعہ'' بن کر رہ جاتے ہیں لوگ ان سے استفادہ نہیں کرتے، یوں ان کی صلاحیتیں ضائع ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو قیمتی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کے تنازعات سے اپنے آپ کو بچایا جائے اور اخلاق ومحبت کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' رجب المرجب ۱۴۳۸ھ/ اپریل 2017ء)

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد میں

علوم حدیث اور فقہ کے دو سالہ تخصص کا اجراء

دینی مدارس کی سعادت ہے کہ دین اسلام کی حفاظت واشاعت اور تعلیم دین کا مقدس فریضہ ان کے نصیب میں آیا ہے، دینی مدارس برسہا برس سے اپنے اس فرض منصبی کو بطریق احسن نبھا رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بحمداللہ! قرآن کریم، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت نبویہ، علوم تفسیر، حدیث، فقہ اسلامی اور اسلام کے ہمہ قسمی قوانین محفوظ اور زندہ وتابندہ ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ تعلیم وتعلم، تصنیف وتالیف، اشاعت دین وتبلیغ اور حفاظت دین کے جملہ ذرائع انہی کے دم قدم سے قائم ہیں، دینی مدارس بدلتے حالات اور عصر حاضر کے تقاضوں، ظہور پذیر فتنوں اور ملکی وبین الاقوامی حالات کے تناظر میں اپنے نصاب ونظام میں بھی ترقی وارتقاء کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، آج کے دینی مدارس ایک صدی قبل کے دینی مدارس سے نظم وضبط، نظام ونصاب اور طریق عمل کے لحاظ سے اپنی بنیادی اہداف پر قائم رہنے کے باوجود خاصے مختلف ہیں، ترقی کے میدان میں دینی مدارس بھی ہر لحاظ سے ترقی پذیر ہیں، دینی مدارس نے جہاں بہترین درسگاہیں، جدید ترین سہولیات سے آراستہ ہاسٹل (دارالاقامہ) وسیع وعریض لان، بہترین مطعم (ڈائننگ ہال) خوبصورت اور کشادہ مساجد تعمیر کی ہیں، وہاں زمانے کی ضروریات کے مطابق اپنے نصاب میں تبدیلی، طریقہ تدریس میں جدت، ضروری عصری تعلیم، عربی تکلم اور انگلش بول چال وغیرہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

اسی طرح فضلاء جامعات ومدارس کو علوم حدیث اور علوم فقہ کا ماہر بنانے کے لیے جدید کورسز ڈیزائن کر کے رائج کیے جارہے ہیں، فتنے کے اس دور میں الحادوزندقہ، بے دینی اور دین بیزاری سے نبرد آزما ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے ماہرین حدیث پیدا کیے جائیں جو احادیث پر متن، سند، علل الحدیث، فقہ الحدیث، اصول حدیث، علم الجرح والتعدیل اور تخریج

حدیث میں مہارت رکھتے ہوں، احادیث کے صحیح مفہوم ومحل اور توجیہات سے واقف ہوں تاکہ کتابوں میں مخفی علوم کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور فتنہ وفساد کے اس متعفن دور میں احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی خوشبو سے اہل اسلام کو معطر کیا جائے اور ایک بار پھر تاریخ اسلام کے ''خدمت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے سنہرے دور کو عوامی زندگی میں واپس لایا جائے۔

علم حدیث کے ساتھ علم فقہ بھی دین پر عمل کرنے کے لیے ناگزیر ہے، حدیث کا صحیح مفہوم ومحل، شان ورود، احادیث سے مستنبط مسائل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی حیثیات و درجات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول کسی کام سے نہی کی حیثیت ودرجہ، متعارض احادیث کی باہم تطبیق وترجیح وغیرہ علم فقہ کے ساتھ ہی جانے جاسکتے ہیں، گویا علم حدیث اور علم فقہ میں چولی دامن کا ساتھ ہے، احادیث سے مستنبط مسائل واحکام کا نام فقہ اور فقہ کے ماخذ میں سے ایک بڑا ماخذ علم حدیث ہے، محدثین اور فقہا کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا:

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ

''حضرت ابوموسیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم وہدایت کے ساتھ بھیجا ہے، اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے، جو زمین پر (خوب) برسے۔ زمین کا کچھ حصہ عمدہ ہوتا ہے، وہ پانی کو جذب کر لیتا ہے اور بہت گنجان سبزہ اور گھاس اگاتا ہے اور زمین کے کچھ حصے سخت ہوتے ہیں، جو خود تو پانی کو جذب نہیں کرتے البتہ اپنے اوپر پانی کو روک کر جمع کر لیتے ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا

ہے۔ وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور دوسروں کو سیراب کرتے ہیں۔ اور زمین کے بعض ایسے حصوں پر پانی پڑتا ہے جو بالکل چٹیل میدان ہوتے ہیں۔ نہ پانی روکتے ہیں اور نہ ہی سبزہ اگاتے ہیں۔ سو (زمین کے پہلے حصے کی تشبیہ میں) اس شخص کی مثال ہے جو دین میں سمجھ پیدا کرے اور نفع دے اس کو وہ چیز جس کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں، سو اس نے علم دین سیکھا اور سکھایا اور یہ (دیگر تشبیہات میں) اس شخص کی مثال بھی ہے جس نے سر نہیں اٹھایا (یعنی توجہ نہیں کی) اور جو ہدایت دے کر میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔"

(صحیح بخاری:۷۹)

مذکورہ بالا حدیث میں جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے تشبیہات کا استعمال فرمایا، آپ نے اپنے آپ کو بادل اور اپنے علوم کو بارش سے تشبیہ دی، علوم نبوت کے مستفیدین اور غیر مستفیدین کو اس زمین سے تشبیہ دی جس پر بارش برستی ہے، ایسی زمین تین طرح کی ہوتی ہے:

۱)۔ بارش کا نزول ایسی صاف ستھری میدانی زمین پر ہوتا ہے جو بارش کا پانی جذب کر کے بدلے میں پھل پھول، ترکاری اور جانوروں کے لیے سبزہ و چارہ فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی بارش بھی ایک ایسے طبقہ پر برستی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وعلوم کو جذب کر کے زرخیز زمین کی طرح اس کا نعم البدل "احکام ومسائل" کی صورت میں امت کو فراہم کرتے ہیں۔ یہ جماعت فقہائے کرام کی ہے ایسے لوگوں کو زرخیز زمین سے تشبیہ دے کر اشارہ کیا گیا کہ یہ حاملین علوم نبوت میں سب سے افضل واعلیٰ جماعت ہے۔

۲)۔ ایسی زمین جہاں بارش برستی ہے، لیکن وہ زمین بارش کا پانی جذب کرنے کی بجائے پانی کو اپنے اوپر ذخیرہ کر لیتی ہے، یہ پہاڑی اور پتھریلی زمین ہے، جو بارش کا پانی لے کر پانی واپس کرتی ہے، لوگ اس پانی کو خود بھی پیتے ہیں اور جانوروں کو پلانے اور کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو حاصل کر کے بعینہٖ یہی علوم لوگوں کی منفعت کے لیے نقل کرنے والی جماعت محدثین کی ہے، حدیث مذکورہ میں حضرات محدثین کو بھی دو نافع جماعتوں میں سے دوسرے نمبر پر ذکر

کرکے ان کی اہمیت کو بھی اجاگر فرمادیا۔

۳)۔ بارش ایسی بنجر اور خراب زمین پر بھی برستی ہے جو نہ پانی جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ ہی اس پر پانی جمع ہوسکتا ہے، اس سے اشارہ ایسے لوگوں کی جانب ہے جو علوم نبوت سے نہ تو خود استفادہ کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو ان سے نفع ہوتا ہے۔

امام اعمش رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے مسئلے کا حل پیش فرمایا تو امام اعمش رحمہ اللہ نے استفسار کیا یہ مسئلہ آپ نے کہاں سے لیا ہے؟ وہ گویا ہوئے فلاں حدیث رسولؐ سے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیان کی تھی۔ امام اعمشؒ نے اس پر بہت تعجب کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"یَا مَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ أَنْتُمُ الأَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ"

"اے فقہا کی جماعت تم طبیب (ڈاکٹر) اور ہم محدثین پنسار (میڈیکل سٹور والے) کی طرح ہیں۔"

یعنی جیسے میڈیکل سٹور والے کے پاس دوائی تو ہر قسم کی موجود ہوتی ہے، لیکن کونسی دوائی کو کب اور کس مرض کے لیے استعمال کرنا ہے، یہ علم صرف ڈاکٹر اور طبیب ہی کو ہوتا ہے، بالکل اسی طرح ہمارے پاس علوم حدیث تو ہیں، لیکن ان سے کما حقہ استفادہ فقہائے کرام ہی کر سکتے ہیں۔

علم حدیث اور علم فقہ کا امتزاج نہایت ضروری ہے، ایک عرصہ سے پاکستان کے جامعات ومدارس میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد طلباء کرام کو تخصص فی الفقہ کروانے کا نظام جاری ہے، جبکہ تخصص فی الحدیث (اسپشلائزیشن) خال خال مدارس میں ہی کرایا جارہا ہے، جس کی طرف طلباء کا رجحان نہ ہونے کے برابر ہے، جس کی بڑی وجہ شاید ایسے متخصصین کی کھپت اور دائرہ عمل کا نہ ہونا بھی ہے، عاجز اور رفقاء کرام کی سوچ وفکر تھی کہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد بحمداللہ پہلے سے متعدد شعبہ جات میں خدمت علم، خدمت دین اور خدمت خلق کا فریضہ بحسن وخوبی سر انجام دے رہا ہے، کیوں نہ جامعہ میں ایسا تخصص جاری کیا جائے، جو حدیث اور فقہ کا جامع ہو، اور زمانے کی اہم ضرورت کی تکمیل کا باعث بنے چنانچہ اس مقصد کے لیے بحمداللہ! پورا ایک سال غور وخوض، مشاورت اور احباب کے مطالعاتی دوروں کا سلسلہ جاری رہا، اس سلسلہ میں جامعہ کی

ایک جماعت برادرم حضرت مولانا مفتی محمد طیب معاویہ زید مجدہم کی سربراہی میں مصروف عمل رہی، عاجز نے بھی اس سلسلہ میں متعدد اسفار اور متعدد علمی شخصیات سے اجلاس کیے، اس سلسلہ میں بحمد اللہ اکابر علماء کی مشاورت اور سرپرستی بالخصوص برادر محترم حضرت اقدس مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور دامت برکاتہم اور محقق الحدیث حضرت مولانا نور البشر دامت برکاتہم کی خصوصی مشاورت، دلچسپی اور تعاون سے دو سالہ تخصص کا ایک جامع نظام و نصاب مرتب کرنے میں کامیاب ہوگئے، فقہ کے نصاب میں جنوبی پنجاب اور حالات حاضرہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ الحلال، فقہ الاقتصاد، فقہ الفلکیات، فقہ الزراعۃ، فقہ القضاء والتحکیم کو بطور خاص شامل کیا گیا جبکہ حدیث کی مباحث میں سے علل الحدیث، فقہ الحدیث، اصول حدث، علم الجرح والتعدیل اور تخریج حدیث کو ہدف بنایا گیا ہے۔ یہ نصاب ونظام بالتفصیل درج ذیل ہے:

قسم التخصص فی الافتاء وعلوم الحدیث

(کتب علوم الحدیث للسنۃ الاولی)

الفترۃ الاولی:

مواد تدریسیۃ:

۱)۔ تیسیر مصطلح الحدیث لمحمود الطحان

۲)۔ اصول التخریج ودراسۃ الاسانید لمحمود الطحان

۳)۔ نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر للحافظ ابن حجر

۴)۔ المنظومۃ البیقونیۃ لابن محمد البیقونی

المطالعۃ:

۱)۔ ظفر الامانی مع مراجعۃ فتح المغیث وتدریب الراوی

۲)۔ مقرر التخریج للشریف حاتم العونی

۳)۔ المدخل الی علوم الحدیث للشیخ محمد عبد المالک

۴)۔ غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ (منتخب مباحث)

تدریبات تطبیقیة:

تدریبات ابتدائیة لاعداد البحث العلمی فی مصطلح الحدیث، وترجمة الراوی وتخریج الحدیث

مواد تدریسیة:

۱)۔ معرفة انواع علم الحدیث (النصف الاول)

۲)۔ شرح علل الترمذی (النصف الاول)

۳)۔ دراسات فی اصول الحدیث علی منهج الحنفیة مع مراجعة بحث السنة من کتب اصول الفقه (النصف الاول)

۴)۔ قواعد تحقیق المخطوطات لصلاح الدین المنجد

المطالعة:

۱)۔ العناقید الغالیة من الاسانید العالیة للشیخ محمد عاشق الهی

۲)۔ نصب الرایة للزیلعی (کتاب الطهارة)

۳)۔ التلخیص الحبیر لابن حجر (کتاب الطهارة)

۴)۔ اعلاء السنن للتهانوی (کتاب الطهارة)

تدریبات تطبیقیة:

۱)۔ اعداد خمسة عشر مبحثاً (مجموعها اربعون صفحة علی الاقل) فی ترجمة الرواة وتخریج الحدیث ودراسة الاسانید، ومصطلح الحدیث

۲)۔ اعداد ثبت یحتوی علی اسانید الکتب المقروئة والمسموعة للطالب

الفترة الثانیة:

مواد تدریسیة:

۱)۔ مقدمة لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰة المصابیح للدهلوی

۲)۔ اصول الجرح والتعدیل للشیخ نور الدین عتر

۳)۔ نزهة النظر فی شرح نخبة الفکر (النصف الاول)

۴)۔ رسالة ابي داود الى اهل مكة في وصف سننه مع التعليقات

المطالعة:

۱)۔ قواعد في علوم الحديث للشيخ ظفر احمد العثمانى

۲)۔ الاجوبة الفاضلة للاسئلة العشرة الكاملة للكنوى مع التعليقات

۳)۔ خلاصة التاصيل لعلم الجرح والتعديل للشريف حاتم

۴)۔ المصنوع فى معرفة الحديث الموضوع لملا على القارى

تدريبات تطبيقية:

اعداد خمسة عشر مبحثاً (مجموعها اربعون صفحة على الاقل) فى ترجمة الرواة و تخريج الحديث مع دراسة الاسانيد ومصطلح الحديث۔

الفترة الثالثة:

مواد تدريسية:

۱)۔ الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل للكنوى

۲)۔ لمحات موجزة من اصول علل الحديث للشيخ نور الدين عتر

۳)۔ نزهة النظر فى شرح نخبة الفكر (النصف الاول)

۴)۔ شروط الائمة الستة للمقدسي وشروط الائمة الخمسة للحازمي مع تعليقات الشيخ عبد الفتاح ابو غدة

المطالعة:

۱)۔ السنة ومكانتها فى التشريع الاسلامى

۲)۔ جامع التحصيل فى احكام المراسيل للعلائى

۳)۔ العلل الواردة فى الاحاديث النبوية للدارقطنى (المجلد الاول)

۴)۔ مقدمة همام عبد الرحيم سعيد لشرح علل الترمذى

تدريبات تطبيقية:

اعداد خمسة عشر مبحثاً (مجموعها اربعون صفحة على الاقل) فى ترجمة

الرواة و تخريج الحديث ودراسة الأسانيد ومصطلح الحديث.

تدريبات تطبيقية:

كتابة البحث العلمي (يحتوي على مئة وعشرين صفحة)

اجمالی نصاب برائے تخصص فی الافتاء (دوسالہ)

فقہ:

۱)۔ فتاویٰ شامی مکمل (کتاب المبیوع کے علاوہ، یہ فقہ المبیوع اور اردو کتب فتاویٰ سے ہوگی)
۲)۔ امداد الفتاویٰ مکمل۔ ۳)۔ امداد الاحکام مکمل
۴)۔ فتاویٰ عثمانی مکمل۔ ۵)۔ جواہر الفقہ (منتخبات)
۶)۔ عدالتی فیصلے اور بحوث مکمل، فقہی مقالات مکمل ۷)۔ مقدمہ شامی۔ (تدریس)
۸)۔ رسائل ابن عابدین، منتخبات (تدریس)

معاون کتب:

۱)۔ فقہ اہل العراق وحدیثہم۔ (تدریس) ۲)۔ مقدمہ تدوین فقہ۔

اصولِ فقہ وافتاء:

۱)۔ صول الافتاء وآدابہ مکمل۔ (تدریس)
۲)۔ اصول الکرخی مکمل۔
۳)۔ قواعدِ فقہیہ کی تمرین اور اصولِ فقہ کا تعارف۔
۴)۔ الاشباہ والنظائر (فن اول اور ثالث) (تدریس)

معاشیات:

۱)۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت۔ (تدریس)
۲)۔ اسلامی بینکاری کی بنیادیں۔
۳)۔ المعایير الشرعیہ (۳۰ منتخب معیارات) (تدریس)

۴)۔ فقہ البیوع مع متعلقات مکمل (تدریس)

۵)۔ محاضراتِ معیشت وتجارت۔ (تدریس)

اصولِ دین:

۱)۔ حجۃ اللہ البالغہ (منتخبات) (تدریس) ۲)۔ الموافقات لشاطبی مکمل۔ (تدریس)

علم الفرائض وفلکیات:

۱)۔ سراجی مع املاء والترقیم۔ (تدریس)

۲)۔ فلکیات (سمت قبلہ، رویتِ ہلال، تخریجِ اوقات) (تدریس)

تقابلِ ادیان:

۱)۔ "تقابلِ ادیان" (مولانا محمد یوسف خان صاحب دامت برکاتہم) (تدریس)

۲)۔ إکفار الملحدین۔ (تدریس)

قانون:

۱)۔ آئین پاکستان (پس منظر، نکات، حدود وقصاص آرڈیننس مع جملہ ترامیم) (تدریس)

شارٹ کورسز:

۱)۔ امہات الکتب کا تعارف اور مطالعہ کا طرز۔

۲)۔ عہد حاضر کی فقہی اکیڈمیوں اور موسوعات کا تعارف

۳)۔ طریقہ تخریج، حج وعمرہ کا عملی طریقہ واحکام (بذریعہ پروجیکٹر)

۴)۔ مسائل قربانی وعشر۔

۵)۔ اصولِ تحقیق، اصولِ فقہ اور تمرین قواعد۔

۶)۔ مالیاتی اداروں کے معاملات سے واقفیت اور ان کی شرعی راہنمائی کا طریقہ کار (النافع، لاہور کا کورس)

۷)۔ مختلف ڈیجیٹل لائبریریز کا تعارف اور طریقہ استعمال۔

۸)۔ میثاقِ مدینہ کی اہم شقیں اور اقوامِ متحدہ کے چارٹر کا تعارف۔

۹)۔ دورۃ القضاء والتحکیم، مواثیق کی تیاری۔

۱۰)۔ تاریخ امت مسلمہ، سیرت کورس اور فقہ الحلال کورس۔

۱۱)۔ اِلحاد، مغربیت، استشراق اور قدیم وجدید فتنوں کا تعارف۔

دوسالہ نصاب میں مجموعی فتاویٰ نویسی:

۱۲۰ فتاویٰ، مختلف فقہی مسائل پر تخریجات اور پچاس صفحات پر ایک فقہی مقالہ۔

اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے شوال المکرم ۱۴۴۲ھ سے یہ تخصص تجرباتی بنیاد پر جاری کیا گیا اور نہایت قلیل تعداد میں طلباء داخل کیے گئے، الحمد اللہ ثم الحمد اللہ! پانچ ماہ میں ہی اس تخصص کے خاطر خواہ نتائج آنا شروع ہو گئے، بحمد اللہ کتب حدیث وفقہ کی تدریس کے ساتھ مطالعہ کتب اور فتویٰ نویسی کا بھرپور اہتمام کیا جارہا ہے، فقہی فتاویٰ جات کے ساتھ حدیثی فتاوی جات کی تدریب بھی شروع ہو چکی ہے، تخصص کے طلباء کرام کی صلاحیتوں میں الحمد للہ! روز افزوں اضافہ ہورہا ہے، جامعہ کی خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں شعبوں کے لیے ماہر جید، تجربہ کار اور محنتی اساتذۂ کرام عطا فرمادیے ہیں جو اپنے شعبہ میں اخلاص ومحنت کے ساتھ جدو جہد کررہے ہیں اس تحقیقی شعبہ کے لیے کتب کی بھی اشد ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے تقریباً دس لاکھ روپے کی لاگت سے حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ اور افتاء سے متعلق سینکڑوں کتابیں بھی خرید لی گئی ہیں۔

بحمد اللہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، جنوبی پنجاب میں واحد اور ملک بھر میں دونوں شعبوں میں تخصص کرانے والے چند جید دینی اداروں میں سے ایک ہے، جو یہ خدمت سرانجام دے رہا ہے، حق تعالیٰ اس کاوش کو مقبول ومنظور فرمائے، اور ہمیں اپنے مقاصد میں کامیاب وکامران فرمائے۔ آمین۔

باب سوم

تذکرہ عُلماء ومشائخ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ

[سن وفات: 1324ء]

سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین اولیاء محمد بن احمد بن علی بخاریؒ دہلوی ۶۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم سید احمدؒ بلند پایا اولیاء میں سے تھے۔ آپ افغانستان سے "بدایوں" ہجرت کر کے تشریف لائے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی ابتدائی تعلیم بھی بدایوں میں ہوئی اس کے بعد دہلی تشریف لائے۔ علوم دینیہ سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ فرید الدین مسعودؒ گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ خلافت پہنا۔ آپ اعلیٰ درجہ کے شب بیدار، ریاضت ومجاہدہ کے حامل تھے۔ ایک عرصہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے اور پھر دہلی آ کر خلق خدا کو علم ومعرفت سے سیراب کیا۔ نہایت ہی صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ۷۲۵ھ میں وصال ہوا اور دہلی میں مدفون ہوئے۔ اسی نسبت سے اس بستی کا نام "بستی نظام الدین" پڑ گیا۔ آپ کے مزار پر حاضری ہوئی، لیکن مزار پر شرک و بدعت کے جو مناظر دیکھے اس سے دل دہل گیا، مزار کے حجرے کے باہر مرد وخواتین سبھی ان منکرات کے ارتکاب میں مشغول تھے، جن کا مظاہرہ پاکستان میں بھی مزارات پر کیا جاسکتا ہے۔ حجرہ مزار میں خواتین کے داخلے پر پابندی تھی۔ حاضری کا جو طرز اپنایا گیا تھا وہ اس طرح تھا گویا مزار کا طواف ہو جائے (العیاذ باللہ)

(کتاب: "آباء کے دیس میں"، تاریخ اشاعت: 2014ء)

امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی

۹۷۱ھ تا ۱۰۳۴ھ

[سن وفات: 1624ء]

حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندیؒ امام ربانی اور امت کا عظیم سرمایا اور خطہ ہند کے اہل اسلام کے ایمانوں کے محافظ اور دین کے صحیح ترجمان تھے۔ آپ مغل بادشاہ اکبر کے قائم کردہ ''دین الٰہی'' کے سامنے سد سکندری بن کر ڈٹ گئے۔ اور یوں اس خود ساختہ دین سے عوام الناس کو محفوظ کر گئے۔

آپ احمد سرہندیؒ بن شیخ عبدالاحد فاروقیؒ دسویں صدی کے عظیم شیخ طریقت رہبر شریعت حق گو متبع سنت بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ بمطابق ۱۵۶۴ء ہندوستان کے شہر سرہند میں ہوئی۔ سرہند ہندوستان کی مغربی سرحد یعنی پاکستان کے قریب ایک شہر ہے جو کہ تقسیم سے قبل لاہور کے مضافات میں سمجھا جاتا تھا۔ آپکے والد محترم شیخ عبدالاحد ممتاز عالم و شیخ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ میں مولانا کمال الدین کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے معقولات کی تحصیل کی۔ مولانا کمال الدین کشمیریؒ معقول و منطق وغیرہ کے معروف امام شیخ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کے بھی استاد تھے۔ علم حدیث حرمین شریفین میں ابن حجر مکی، عبدالرحمن بن فہد مکی جیسے مشائخ سے حاصل کیا سترہ سال کی عمر میں حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کی تدریس و بیان کے لیے مشائخ کی جانب سے اجازت یافتہ ہو گئے تھے

دوران تعلیم ہی اپنے والد محترم سے سلسلہ قادریہ و چشتیہ میں منازل سلوک طے کیں اور اجازت پائی والد محترم کی حیات میں ہی تدریسِ دین اور اصلاح خلق میں مشغول ہو گئے تھے، اسی اثناء میں رسالہ تھلیلیہ، رسالہ رد الروافض اور رسالہ اثبات النبوۃ تصنیف فرمائے، آپ علم ادب، بلاغت وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجود

صاحب نسبت واجازت اور علمی تفوق وقابلیت کے راہ سلوک کے متلاشی رہے۔ چنانچہ آپ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے سفر کے دوران دہلی تشریف لائے تو یہاں آپ کی ملاقات سلسلہ نقشبندیہ کے آفتاب وماہتاب شیخ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تو آپ نے ان کے دست حق پرست پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی اور شیخ کی صحبت میں آگئے، حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے صرف ایک ماہ چند ایام کے بعد ہی اپنے اس کامل مرید کو ان کے باطنی کمال دیکھتے ہوئے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت مرحمت کی اور وطن واپس ہو کر مسند ارشاد پر فائز ہونے کا حکم فرمایا۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے خلق خدا کو عشق خداوندی، اتباع سنت اور شریعت محمدی کی پیروی کی تاکید فرمائی آپ نے کفروشرک رسوم وبدعات کے خلاف عملی جہاد فرمایا اسی سبب سے آپ کو مجدد الف ثانیؒ یعنی دوسرے ہزار سال کا مجدد کہا جاتا ہے۔ اہل علم نے الف اول کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اور الف ثانی کا مجدد آپؒ کو قرار دیا۔ آپ کی صحبت میں دنیا بھر کے علماء، مشائخ، امراء، عوام امنڈ آتے آپ نے حکمرانوں کو خاص طور پر احیاء سنت کی تاکید فرمائی اس سلسلہ میں آپ نے مختلف بادشاہوں اور امراء کو خطوط بھی روانہ فرمائے۔ مغل بادشاہ اکبر کے زمانہ میں ہندوانہ رسموں نے دین کی شکل اختیار کر لی تھی آپ نے ان رسوم کی بھرپور تردید فرمائی ، اکبر نے بہت سے درباری مولویوں کی معاونت سے ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک نیا دین ایجاد کیا حضرت مجدد صاحبؒ نے اس نئے دین کی بھی بھرپور مخالفت کی۔ جہانگیر بادشاہ نے آپ کو سجدہ تعظیمی نہ کرنے پر گوالیار کے قلعہ میں بند کر دیا آپ نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں۔ آپ بدعت کی حسنہ اور سیئہ کی تقسیم کے بھی خلاف تھے، آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی بدعت میں نور نظر نہیں آتا، 62 سال کی عمر میں ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ بمطابق دسمبر 1624ء کو راہی اجل ہوئے اور سرہند میں ہی مدفون ہوئے آپ کے مکتوبات اہل علم میں نہایت ہی مقبول ومتداول ہیں۔

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ اشاعت: 2014ء)

حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

[سن وفات:1762ء]

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت باسعادت 4 شوال المکرم 1114ھ بمطابق 21 فروری 1703ء کو ہوئی۔ آپ پندرہ سال کی عمر میں عالم اور صاحب نسبت بن گئے۔ آپ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیمؒ نے آپ کو اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔ بارہ سال تک اپنے والد گرامی کے مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ پھر آپ حرمین شریف تشریف لے گئے اور چودہ مہینے حجاز میں قیام فرمایا۔ اس دوران ایک جانب آپ نے علم حدیث میں کمال حاصل کیا اور شیخ ابوالطاہر الکردی المدنی سے علم حدیث حاصل کیا، تو دوسری جانب روحانی تربیت بھی حاصل کی۔ آپ پر اس عرصہ میں فیوض وبرکات کی بارش ہوئی۔ جس کا عکس آپ کی تصنیف ''فیوض الحرمین'' ہے۔ آپ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، باکمال صوفی، مفکر وفلاسفر اور مصنف ومؤلف تھے۔ اصول، عقائد، منطق، معانی، بیان، ہندسہ، ہیئت اور کلام وغیرہ میں بھی آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد تقریباً ایک سو ہے۔ آپ کے زمانے میں دہلی میں ایک رافضی حاکم ''نجف علی'' کا تسلط تھا، اسی سفاک حاکم نے آپ کے ہاتھوں کی کلائی اتروا کر ہاتھ بے کار کر دیے تھے تاکہ آپ مزید کوئی کتاب تحریر نہ کرسکیں۔ اسی خونخوار نے مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کو شہید کیا اور حضرت شاہ صاحب کے دو صاحبزادوں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کو مع اہل خانہ اپنی قلمرو سے نکال کر پیدل سفر کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ یہ دونوں خاندان شاہدرہ تک پیدل پہنچے، پھر خواتین کے لیے تو سواری کا انتظام ہوا لیکن مذکورہ بالا دونوں بزرگ پیدل ہی سفر جاری رکھنے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ پیدل جونپور اور شاہ رفیع الدینؒ پیدل لکھنؤ تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کچھ تصانیف ضائع ہوگئیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیفات میں حجۃ اللہ

البالغہ شریعت مطہرہ کے اسرار ورموز اختلاف صحابہ فقہاء و مجتہدین کے اسباب وعلل نیز مذاہب اربعہ کے قیام کے اسباب وغیرہ پر معرکۃ الآرا کتاب ہے۔باقی رہ جانے والی تصانیف بھی پچاس کے لگ بھگ ہیں۔حق تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو چار لائق ترین فرزند مرحمت فرمائے۔

۱)۔ شاہ عبدالعزیزؒ (متوفی 1239ھ بمطابق 1823ء)

۲)۔ شاہ عبدالقادر (متوفی 1230ء بمطابق 1814ء)

۳)۔ شاہ رفیع الدینؒ (متوفی 1233ھ بمطابق 1818ء)

۴)۔ شاہ عبدالغنیؒ (متوفی 1296ھ بمطابق 1879ء)

شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر عزیزی کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر شروع کی۔کچھ حصہ لکھا تھا کہ اجل آ گیا۔تحفہ اثنا عشریہ بھی آپ کی شہرہ آفاق کتاب ہے۔انگریز کے خلاف آپ کا فتویٰ تحریک آزادی کی بنیاد بنا۔آپ کو دو دفعہ زہر دیا گیا۔ایک مرتبہ آپ کو چھپکلی کا ابٹن پلایا گیا۔شاہ عبدالقادر قرآن کریم کا بامحاورہ اردو ترجمہ کرنے والے پہلے مفسر ہیں۔آج تک دنیا میں شاہ صاحبؒ کے ترجمہ سے بہتر ترجمہ اردو زبان میں تحریر نہیں ہوا۔ہمارے اکابر نے اس ترجمہ پر بے حد اعتماد کیا ہے۔یہ ترجمہ بلاشبہ سند کی حیثیت رکھتا ہے۔شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن کریم کا لفظی ترجمہ کیا۔جبکہ شاہ عبدالغنیؒ بھی بڑے محدث تھے حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ ہیں، جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے علمی جانشین بنے۔وہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔اہل ہند کی سند حدیث میں شاہ عبدالغنی کے بعد ان کا نام آتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس خاندان سے بیداری امت کا کام لیا اور پھر دنیا سے اٹھالیا۔رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(کتاب:''آباء کے دیس میں''،تاریخ اشاعت:2014ء)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

[سن وفات:1880ء]

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے آبائی گاؤں نانوتہ ضلع سہارن پور میں ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں ہی حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا مملوک علیؒ سے علوم وفنون کا کسب کیا، جبکہ خانوادہ شاہ ولی اللہیؒ کے مسند نشین حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا۔ فراغت کے بعد دہلی، میرٹھ وغیرہ میں درس وتدریس کی خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے اپنا اصلاحی تعلق شیخ المشائخ رئیس الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے جوڑا اور آپ سے خرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔ آپ نے علمی، فکری اور عملی طور پر دفاع اسلام اور آزادی وطن کی جنگ لڑی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد آپ انگریز کے غیض وغضب کا شکار رہے۔ ایک عرصہ تک آپ پر عرصۂ حیات تنگ رہا۔ اس دوران انگریز نے مسلمانوں کے خلاف ہمہ قسم انتقامی کارروائی شروع کی۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں علما کو تہہ وتیغ کردیا گیا۔ مدارس اسلامیہ کو تاراج کرکے علوم اسلامیہ کی شمع گل کردی گئی۔ اہل درد علما کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو نصیب دشمناں برصغیر سے اسلام مٹ نہ جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے دیوبند میں حضرت حاجی عابد حسینؒ اور چند دیگر احباب کے ساتھ مل کر 1868ء میں "مدرسہ اسلامیہ دیوبند" کی بنیاد ڈالی۔ جو آج "دارالعلوم دیوبند" بن کر عالم کو نور علم سے منور کررہا ہے۔ آپ نے دشمنان اسلام کے فکری طور پر بھی دانت کھٹے کیے۔ مختلف موضوعات پر وقیع علمی کتابیں تصنیف فرماکر دفاع اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ کی کتب بقول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے امام رازی اور امام غزالی کی کتب سے کم نہیں۔ آپ کے تلامذہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی اور مولانا احمد حسن مرادآبادیؒ علم وعرفان کے آفتاب وماہتاب ہیں۔

(کتاب: "آباء کے دیس میں"، تاریخ اشاعت: 2014ء)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

[سن وفات: 1905ء]

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے کمالات ظاہری و باطنی سے نوازا تھا۔ علمی رسوخ تو آپ کی شرح بخاری ''اللامع الدراری'' سے واضح ہے۔ یہ صحیح بخاری کی عربی میں لاجواب شرح ہے، تطبیق احادیث میں حضرتؒ کی بیان کی گئیں توجیہات دل میں اتر جانے والی ہوتی ہیں۔ کمال باطنی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ذوق میں آکر فرمایا:

''ایک بات بتاؤں'' تین بار یہ جملہ کہا اور پھر فرمایا:

''تین سال تک میرے شیخ کی تصویر میرے دل میں رہی اور میں نے کوئی کام ان سے پوچھے بغیر نہیں کیا۔''

پھر فرمایا: ''اور بتاؤں'' یہ جملہ بھی تین بار فرمایا کہ:

''بارہ سال تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میرے دل میں نقش رہی اور میں نے کوئی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں کیا۔''

یہ بات آپ نے تصور شیخ کا معنی سمجھاتے ہوئے فرمائی۔ آپ مستجاب الدعوات بزرگ تھے جو فرماتے پورا ہو جاتا۔

1299ء میں سفر حج پر تشریف لے گئے۔ حج پہ جانے کے لیے بندرگاہ پہنچے۔ جہاز ایک روز قبل روانہ ہو گیا تھا۔ دوسرے جہاز کی روانگی میں تاخیر تھی۔ گیارہ روز تک بمبئی رکنا پڑا۔ ۲۰ ذوالقعدہ کو جہاز میں سوار ہوئے، لیکن جہاز بائیس تاریخ تک روانہ نہ ہوا۔ لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ اس سال حج نہیں مل سکتا۔ راستہ طویل ہے، وقت مختصر ہے نیز

راستے میں قیام بھی ہونا ہے۔ اس خیال سے لوگوں نے جہاز سے اترنا شروع کر دیا۔ حضرت کو معلوم ہوا تو فرمایا:

"لوگوں سے کہہ دو وہ عزم حج فسخ نہ کریں۔ ہمیں ان شاء اللہ ضرور حج کرنا ہے، کیونکہ میں اپنے آپ کو منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں دیکھ چکا ہوں۔"

اس پر کچھ لوگ تو رک گئے اور کچھ اتر گئے۔ عطاء اللہ صاحب نامی ایک حافظ نے بھی اترنے کا ارادہ کیا۔ حضرت نے منع فرمایا، وہ وعدہ کرنے کے باوجود اتر گئے۔ حضرت کو بہت ملال ہوا تو فرمایا: "ان کی قسمت میں حج ہے ہی نہیں۔" اس کے بعد حافظ صاحب ہر سال کوشش کرتے رہے لیکن حج نہ کر سکے۔ ایک مرتبہ تو سواری بھی گھر پر منگوائی، روانہ ہونے کو ہی تھے، سوچا کہ کچھ دیر آرام کرلوں۔ تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئے۔ جب اٹھے تو کمر میں شدید درد شروع ہو گیا۔ چنانچہ ارادہ سفر مؤخر اور پھر فسخ کرنا پڑا۔ ادھر حضرت گنگوہی کا جہاز روانہ ہوا، راستے میں جہاں رکنا تھا کچھ لوگوں نے اس کے قریب جہاز کے عملے کے سامنے نیزے سیدھے کر کے جہاز کی انتظامیہ سے جہاز سیدھا جدہ لے جانے کا کہا۔ چنانچہ جہاز جدہ پہنچا۔ لیکن یہاں اعلان ہوا کہ حاجیوں کو نہیں اترنے دیا جائے گا اور جہاز قرنطینہ واپس لے جایا جائے گا۔ اس پر حاجیوں میں تشویش پیدا ہوئی، حضرت مطمئن تھے۔ فرمایا کہ ہم واپس نہیں جائیں گے یہیں اتریں گے، لیکن آج نہیں کل۔ چنانچہ اگلے روز جہاز سے اترنے کی اجازت مل گئی۔ مکہ کے راستہ میں ہی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ سے ملاقات ہوگئی۔ آپؒ نے فرمایا کہ:

"اگر جہاز میں مولانا گنگوہیؒ نہ ہوتے تو حج کسی کو بھی نہ ملتا۔"

حضرت میں تواضع بھی کمال درجہ کی تھی۔ ایک مرتبہ دیوبند میں طلبہ پڑھ رہے تھے کہ بارش آگئی، طلبہ اٹھ کر کمروں میں چلے گئے۔ حضرت نے اپنی چادر میں طلبہ کے جوتے اکٹھے کیے اور اٹھا کر کمروں تک پہنچائے۔

حضرت گنگوہیؒ کو اتباع سنت میں اعلیٰ درجے کا ذوق حاصل تھا، بدعت سے سخت نفرت تھی۔ چنانچہ گنگوہ میں حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کا مزار مبارک ہے، اس مزار پر اہل

بدعت کے اثرات تھے اور وہ سالانہ عرس کرتے۔ حضرت عرس کے دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے سنت و بدعت کا فرق حضرت گنگوہیؒ نے ہی سمجھایا۔ حضرت تھانویؒ کی اس سلسلے میں حضرت گنگوہیؒ سے مکاتبت رہی۔ حضرت گنگوہیؒ کی تحریرات کی برکت سے حضرت تھانویؒ کی اصلاح ہوئی۔ حضرت تھانویؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے وصال پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا۔ جس کا نام ''یاد یاراں'' ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی یہی نسبت علمائے دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے۔ صحابہ کرامؓ میں جو مقام اتباع سنت کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حاصل ہے، وہی مقام علمائے دیوبند میں حضرت گنگوہیؒ کو حاصل ہے۔

ہم نے حضرت گنگوہیؒ اور آپ کے خاندان کی قبور پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا، ایصال ثواب کیا۔ ان قبروں کے قریب ہی بڑی سڑک پر مسجد واقع ہے۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ گنگوہ میں اہل سنت اور اہل بدعت کی باہمی چپقلش عروج پر رہتی ہے۔ حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ...... جو سلسلہ چشتیہ کے شجرہ طیبہ کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں...... کی مزار پر اہل بدعت کے قبضہ و تسلط کے بعد اہل سنت بہت محتاط اور خبردار ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ کے مزار اقدس کے اردگرد کے تمام رقبہ جات اہل حق نے خرید لیے، تا کہ کوئی بدعتی یہاں پر فتنہ و فساد کی کوشش نہ کرے۔

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ اشاعت: 2014ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری نوراللہ مرقدہ

[سن وفات: 1919ء]

''ہریانہ'' کے ضلع انبالہ کے گاؤں ''تیگری'' میں راجپوت خاندان آباد تھا۔ یہاں کے ایک دیندار نوجوان راؤ محمد اشرف کا رشتہ ازدواج راؤ ولی محمد خان کی صاحبزادی سے ہوا۔ یہ سسر و داماد دونوں ہی رئیس الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ دونوں ہم مشرب، ہم قوم اور ہم مزاج تھے۔ حق تعالیٰ نے راؤ محمد اشرف کو ۱۲۷۰ھ بمطابق 1853ء میں ایک باکمال بچہ عطا کیا، جس کا نام عبدالرحیم رکھا گیا۔ اسی دوران 1857ء میں انگریز کے خلاف جنگ آزادی شروع ہوئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور آپ کا طائفہ عملاً شریک جہاد ہوا، لیکن تکوینی طور پر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انگریز نے تحریک کچل دی اور ان اکابر کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیے۔ حضرت حاجی صاحب انگریز کے خاص نشانے پر تھے، اس لیے حاجی صاحبؒ اور ان کے رفقاء پر دو سال کا عرصہ قیامت سے کم مصیبت کا نہیں گزرا۔ آپ نے دو سال کا کٹھن عرصہ مختلف مقامات پر روپوشی میں گزارا، بالآخر مکہ مکرمہ ہجرت کا ارادہ فرمایا، ہجرت کے لیے پنجاب کے مختلف علاقوں سے گزر کر جانا تھا، حضرت حاجی صاحب چھپتے چھپاتے ''تیگری'' تشریف لائے اور راؤ محمد اشرف کے مہمان ہوئے، کچھ عرصہ یہاں قیام رہا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے شیخ و مرشد سے ملاقات کے لیے ہزار جتن کر کے صعوبتیں اٹھاتے، پا پیادہ کھیتوں کھلیانوں سے گزر کر رات بھر سفر کرتے اور دن کو جھاڑیوں میں چھپ جاتے۔ یوں طویل سفر کرنے کے بعد یہاں پہنچے۔ ان دونوں بزرگوں کی نظر اس کم سن عبدالرحیم پر پڑی، یہ نظریں ہی اس بچے کو باکمال بنا گئیں۔ دونوں کی دعائیں اور برکتیں بچے نے حاصل کیں۔

یہ حضرات تو چلے گئے لیکن ان کے اثرات باقی رہے۔ بچے نے تعلیم دین شروع کی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے سند فراغ حاصل کی اور طریقت کی راہ کے لیے سہارن پور میں ہی مقیم مشہور زمانہ صاحب کشف وکرامت بزرگ حضرت مولانا عبدالرحیم سہارن پوریؒ کی خدمت میں جا پہنچے۔ حضرت نے اس گوہر یکتا کو پہچان کر خود ہی بلایا اور فرمایا:

''آؤ چاند تمھیں بیعت کروں۔''

اپنے شیخ سے علم ومعرفت کے جام سے خوب سیراب ہوئے۔ پھر حضرت کے حکم سے ہی گنگا اور جمنا کے دو دریاؤں کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین، دین دار مسلمانوں کی بستی رائے پور...... جو آپ کا ننھیال ہے...... میں خانقاہ رحیمیہ قائم کی۔ یہاں آپ کو قطعہ اراضی وراثت میں ملا۔ آپ نے اپنے ذاتی رقبے میں موجود باغ میں کچے چھپر ڈال کر ذکر و مراقبہ شروع کر دیا۔ اس باغ کو ''گلزار رحیمی'' کہتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالرحیم سرساوی ثم سہارن پوری کے وصال کے بعد کلیر پہنچے۔ یہاں صبح صادق کے وقت آپ نے غیبی آواز سنی کہ تمہارا حصہ ہم نے گنگوہ رکھا ہے، جاؤ مولانا رشید احمد گنگوہی سے لے لو۔ حضرت اس کے بعد حج پر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حاجی صاحب نے بیعت کر کے سلاسل اربعہ میں اجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی حضرت گنگوہی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے حضرت گنگوہی کے نام والا نامہ بھی مرحمت فرمایا۔ وطن تشریف لاکر گنگوہ حاضر ہوئے۔ حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی اور پانچ سلسلوں میں اجازت یافتہ ہو کر حضرت کے نہایت ہی مقرب اور راز دان بن گئے۔

آپ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور دونوں کے سرپرست تھے۔ آپ حضرت شیخ الہند کے محب اور محبوب تھے۔ جونہی حضرت شیخ الہندؒ وطن چھوڑ کے عرب تشریف لے گئے اور وہاں گرفتار ہوئے تو حضرت شاہ صاحب بیمار پڑ گئے۔ ایک طبیب نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کسی صدمے کی وجہ سے آپ کو پرانا تپ دق ہے۔ فرمایا کہ:

''مجھے حضرت مولانا محمود حسن کی جدائی کا صدمہ ہے۔ وہ آج اگر واپس آ جائیں تو میں اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا۔''

حضرت شیخ الہند نے سفرِ حجاز پر جاتے ہوئے اپنے حلقے کو حضرت شاہ صاحب کے حوالے کیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخ الہند کے فراق میں حق تعالیٰ کو جان دی۔ بوقت وفات وصیت فرمائی تھی کہ حضرت شیخ الہند کی خدمت میں جا کر سلام دینا اور میری مغفرت کی دعا کروانا۔

آپ شیخ الہند کی تحریک کے زبردست حامی تھے، آپ نے سہارن پور پیغام بھیجا تھا کہ جہاد کے لیے بیعت کرو۔ حضرت رائے پوریؒ حضرت حاجی صاحبؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ تینوں بزرگوں کے جانشین ٹھہرے۔

آپ کو نسلِ نو کے ایمان و علم کی فکر تھی۔ چنانچہ بچوں کے لیے نورانی قاعدہ اور تعلیم الاسلام کی تالیف کا ذکر گذشتہ اوراق (آباء کے دیس میں) میں کیا جا چکا ہے۔ (دونوں میں حضرتؒ کی خواہش پر تحریر کی گئیں) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ سے انگریز کے نمائندے نے سوال کیا کہ تمہارا شیخ الہند سے تعلق رہا؟ تو فوراً تکیے کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ فرمایا:

"تعلق تھا، ہے اور رہے گا۔ جب سے شیخ الہند گئے ہیں میں بیمار پڑا ہوں۔"

آپ ۱۳۳۷ھ بمطابق 1919ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے اور سرزمین رائے پور میں دفن ہوئے۔

(کتاب: "آباء کے دیس میں"، تاریخ اشاعت: 2014ء)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

[سن وفات: 1920ء]

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے والد ماجد ذوالفقار علی سرکاری ملازم تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۸ھ بمطابق 1851ء میں ہندوستان کے شہر "بانس بریلی" میں ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا۔

آپ کے ابتدائی استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ تھے۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ دیوبند میں تشریف لائے اور اپنے استاذ ملا محمود سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ کو دارالعلوم دیوبند کے تلمیذ اول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے دیوبند میں کنز الدقائق، مختصر المعانی وغیرہ کتب سے تعلیم شروع کی، کتب صحاح ستہ اپنے شیخ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے مراد آباد میں پڑھیں۔ ۱۲۷۹ھ میں دیوبند کے پہلے جلسے کے موقع پر آپ کی دستار بندی کرائی گئی۔

آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی شامل ہیں۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ دارالعلوم ہی میں معین مدرس مقرر ہوئے۔ رفتہ رفتہ آپ نے علمی عروج حاصل کیا اور ۱۲۹۳ھ میں دورہ حدیث اور صحیح مسلم کے استاذ مقرر ہوئے۔ عرصہ چالیس سال تک دارالعلوم میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔

آپ نے اپنے مشائخ کی جاری کردہ تحریک آزادی میں نئی روح پھونکی اور اسے بام عروج تک پہنچایا۔ تحریک آزادی کا مرکز ہندوستان سے کابل افغانستان منتقل کیا اور اپنے ہونہار تلمیذ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کابل میں تشکیل کردی۔

انگریزی سلطنت کے خاتمے کے لیے متعدد ممالک کی حکومتوں کی شراکت سے

بین الاقوامی تحریک ''تحریک ریشمی رومال'' شروع کی۔ یہ تحریک اگر کامیاب ہو جاتی تو بقول ڈبلیو۔ڈبلیو۔ہنٹر:

''انگریز کو بحیرہ عرب میں بھی جگہ نہ ملتی''

لیکن بدقسمتی کہ مخبری کی وجہ سے یہ تحریک کچل دی گئی۔

حضرت شیخ الہندؒ کو طائف سے گرفتار کر کے مالٹا کی جیل میں قید کر دیا گیا۔ آپ بمع اپنے تلمیذ محترم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر رفقاء کے جیل میں رہے۔ مالٹا کی اسیری میں آپ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ آپ نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ اور تفسیری حاشیہ جیل ہی میں تحریر فرمایا۔ حاشیہ کی تکمیل شیخ الاسلام علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے کی۔

آپ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے قائم کیا۔ دونوں بزرگوں نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ آپ کی تصنیفات میں ''الابواب والتراجم'' قابل ذکر ہے۔

اسارت مالٹا سے رہائی کے بعد مؤرخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اور اپنے شیخ حضرت نانوتویؒ کے قدموں میں دیوبند میں مدفون ہوئے۔

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ اشاعت: 2014ء)

شیخ المحدثین حضرت اقدس الشیخ
مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ
[سن وفات: 1927ء]

یہ مقالہ شیخ المحدثین سیمنار مورخہ 12 اپریل 2021ء بمطابق 19 جمادی الاول ۱۴۴۲ھ جامعہ صدیقیہ بہاول پور میں پیش کیا گیا۔

قدوۃ العلماء، امام الصلحاء، فخر المحدثین، امام المتکلمین حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری نور اللہ مرقدہ علم وفضل، زہد وتقویٰ، کلام ومناظرہ، تدریس وتبلیغ میں نابغہ روزگار شخصیت تھے، آپ نہ صرف دینی علوم کے امام تھے بلکہ علم حدیث، علم فقہ، علم کلام وغیرہ میں بھی یدطولیٰ رکھنے کے ساتھ ساتھ احسان وتزکیہ کے بھی پیشوا تھے۔ آپ کے علوم وفیوض کے بحر بیکراں سے عرب وعجم کے اہل علم اپنی علمی تشنگی نہ صرف ابھی تک بجھا رہے ہیں، بلکہ یہ سلسلہ تا قیامت ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ احیاء سنت کی تحریکیں آج بھی آپ کے جذبہ اتباع سنت سے راہنمائی لے رہی ہیں۔

آپ کے کارناموں کی بدولت شیطانی تلبیسات، افتراء اور دشنام طرازی کے رسیا، اپنے کید ومکر کو بیت عنکبوت کی طرح تار تار ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ زہد واخلاص اور تقویٰ وطہارت کے کتنے چراغ آپ نے روشن کیے، جنہوں نے بعد میں دنیا کو اپنے نور سے جگمگایا۔

آپ کی قیمتی تصانیف کے جواہر پارے آپ کے علم نافع کے سیل بے کراں کو بنجر اور جہل آلود دلوں تک پہنچا رہی ہیں۔ وہ یقیناً جامع الصفات شخصیت تھے۔ حق تعالیٰ نے انہیں آئندہ آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لیے مجدد بنایا تھا۔ ان کی زندگی عوام وخواص سبھی کے لیے مشعل راہ ہے۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت آخر صفر المظفر ۱۲۶۹ھ بمطابق ۱۸۵۲ء میں ضلع سہارنپور کے قصبہ نانوتہ جیسے مردم خیز علاقہ میں اپنے ننھیال کے ہاں ہوئی، آپ کی والدہ محترمہ اپنے شوہر کے ایک ریاست میں ملازم ہونے کی وجہ سے میکہ میں مقیم تھیں، یہیں آپ اس عالم آب وگل میں تشریف لائے۔ آپ کا جدی سلسلہ نسب تینتیس واسطوں سے میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور قاسم العلوم والخیرات، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے استاذ، استاذ الکل، مولانا مملوک علیؒ کے نواسے اور دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۵ ملخصا)

صورت وحلیہ:

حق تعالیٰ نے آپ کو حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت کی نعمت بھی نصیب فرمائی تھی۔ آپ کا قد مبارک لمبائی کی طرف مائل، رنگ اتنا صاف کہ سرخی جھلکتی تھی، بدن دبلا اور چھریرا مگر نہایت نرم ونازک تھا، آپ مصافحہ فرماتے تو ایسے محسوس ہوتا کہ ریشم کو چھوا ہے اور معانقہ کرنے والوں کو یوں لگتا جیسے نرم ونازک روئی کو چھاتی سے لگا لیا ہے۔ دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ آپ کے چہرہ پر چودھویں کے چاند کی چمک اور گلاب کے پھول کی سی شگفتگی تھی، جس پر عموماً مسکراہٹ پھیلی رہتی تھی۔ آپ کی آواز میں مردانہ قوت کے ساتھ پیار جھلکتا تھا۔ آخر عمر میں بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے اگرچہ آواز میں بھی ضعف نمایاں تھا، مگر علم کا یہ دریا جب بہتا تو اس میں کہیں ٹھہراؤ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۴۰۳ ملخصا)

حصول علم:

پانچ سال کی عمر میں آپ کے نانا مولانا مملوک علیؒ نے تبرکاً بسم اللہ پڑھا کر آپ کی تعلیم کا سنگ بنیاد پیوست فرمایا، جس پر تعمیر ہونے والی انوکھی عمارت اپنی مثال آپ بنی۔ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کے قائم ہونے کی خبر آپ کے کانوں میں پڑی، اور یہ بھی سنا کہ صدر مدرس آپ

کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب ؒ مقرر ہوئے ہیں تو آپ طلب علم کے شوق میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور پھر چھ ماہ بعد جب مظاہر العلوم سہارنپور کا افتتاح ہوا تو سہارنپور تشریف لے آئے اور مولانا محمد مظہر صاحب ؒ جو کہ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے، ان سے اور دیگر اساتذہ جامعہ سے تکمیل علم فرمائی، آپ نے اکثر کتب خصوصاً کتب حدیث وتفسیر، فقہ واصول فقہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب ؒ سے پڑھیں اور علم ادب مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے لاہور میں حاصل فرمایا۔ ۱۲۸۸ھ میں ۱۹ سال کی عمر میں درس نظامی سے فاتحہ فراغ پڑھا، گویا درس نظامی کا طویل نصاب آپ نے صرف پانچ سالوں میں ہی مکمل کرلیا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۴۱ ملخصاً)

حفظِ قرآن:

حفظ قرآن کے لیے آپ نے مستقل وقت نہیں لگایا، بلکہ درس نظامی کے ساتھ ساتھ ایک سال میں حفظ قرآن جیسی عظیم دولت سے مالا مال ہوئے اور پھر پوری زندگی تہجد میں تلاوت کا معمول نہ چھوڑا، قصہ کچھ اس طرح ہے کہ آپ طالبعلمی کے دوران عموماً سالانہ چھٹیاں گھر میں گزارتے، اس طرح آپ کا رمضان وطن میں ہی گزرتا، علاقہ میں حفاظ کی کمی تھی۔

اس لیے تمام مساجد میں تراویح کے اندر پورا قرآن عام طور پر نہیں پڑھا سنا جاتا تھا، چنانچہ آپ اور آپ کے چچازاد بھائی مولوی صدیق احمد متعلم دارالعلوم دیوبند، تراویح پڑھنے دوسرے محلہ کی مسجد جایا کرتے تھے، جہاں حافظ رحیم بخش صاحب پورا قرآن کریم سناتے تھے، ایک مرتبہ یہ دونوں اور ان کے ساتھ ان کے ایک عزیز مولوی اسحاق، حافظ رحیم بخش ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ اس مرتبہ رمضان میں تراویح ہماری مسجد میں پڑھا دیں، تاکہ جو لوگ دور کی اس مسجد میں نہیں آسکتے اور پورا قرآن سننے کی نعمت سے محروم ہیں وہ بھی فیض یاب ہوسکیں، حافظ صاحب نے جواباً انکار کیا تو انہوں نے اصرار کیا، اس پر حافظ صاحب نے قدرے تیز لہجہ میں فرمایا: "اگر قرآن سننے کا ایسا ہی شوق ہے تو خود قرآن حفظ کیوں نہیں کر لیتے؟ حدیث پڑھتے ہیں اور قرآن یاد نہیں ہوتا؟" اس پر یہ حضرات اس وقت تو خاموش ہوگئے اور بعد میں آپس میں مشورہ کیا کہ اس مرتبہ تو گزارا کریں، آئندہ رمضان تک تینوں میں سے ہر ایک اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ دس دس پارے بھی حفظ کرے، اس طرح آئندہ رمضان میں

اپنی مسجد کے اندر ہم تینوں مل کر تراویح میں مکمل قرآن سنائیں گے، چنانچہ رمضان کے بعد تینوں حضرات اپنے اپنے مدرسہ تعلیم کے لیے روانہ ہو گئے، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے اس دوران طے شدہ پروگرام کے مطابق تکرار و مطالعہ سے وقت بچا کر دس پارے حفظ کرنا شروع کیے، اللہ نے وقت میں برکت دی، اور مستقل وقت لگائے بغیر صرف دس گیارہ ماہ کے مختصر عرصہ میں دس پاروں کی بجائے پورا قرآن یاد کرلیا، چنانچہ تعطیلات میں گھر تشریف لائے تو مکمل حافظ بن چکے تھے، اور تراویح میں مکمل قرآن سنایا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۵۴ ملخصاً)

اساتذہ ومشائخ:

آپ کے اساتذہ میں آپ کے نانا جان، استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ، آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے دیگر اجلہ اساتذہ شامل ہیں، جبکہ اکثر کتابیں حضرت مولانا محمد مظہر سہارنپوریؒ سے پڑھیں۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۱۴ ملخصاً)

اسنادِ حدیث:

آپ رحمہ اللہ کو فقہ وحدیث کے ساتھ خاص شغف وتعلق تھا، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرب وعجم کے محدثین کرام کی شفقت وتوجہ سے آپ کو نوازا، چنانچہ آپ نے کتب حدیث اپنے استاذ اور ماموں، مولانا محمد مظہر صاحب رحمہ اللہ سے سبقاً سبقاً پڑھیں، مولانا محمد مظہر صاحب حدیث میں حضرت مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے، جنہوں نے کتب حدیث مولانا رشید الدین دھلویؒ سے پڑھی تھیں، یہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔

حضرت مولانا محمد مظہر سہارنپوریؒ نے صحیح بخاری حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دھلویؒ سے بھی پڑھی تھی، جو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد ہیں، گویا اس سند کے اعتبار سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صرف دو واسطوں سے حضرت شاہ عبدالعزیز دھلویؒ کے شاگرد ہیں۔

بھوپال میں تدریس کے دوران ہی حضرت شاہ محمد اسحاق دھلوی کے شاگرد رشید اور داماد مولانا عبدالقیوم بھڈانویؒ سے صحیح بخاری، صحیح مسلم کا کچھ حصہ، شمائل ترمذی، احادیث

مسلسلات اور دیگر کئی کتب پڑھیں، اور روایت حدیث کی اجازت حاصل فرمائی۔

حرمین شریفین کی پہلی حاضری کے موقع پر مکۃ المکرمۃ میں شیخ المشائخ حضرت مولانا احمد دحلان مفتی شافعیہ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی، مدینۃ الرسول میں محدث دار الہجرۃ، استاذ الکل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی المہاجر کو جملہ کتب حدیث کے اوائل سنا کر اجازت حاصل فرمائی۔

۱۳۲۳ھ میں تیسری مرتبہ آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو سید احمد البرزنجی مفتی شافعیہ نے جملہ کتب حدیث اور تمام فنون معقول ومنقول، اصول وفروع کی آپ کو اجازت دی اور باقاعدہ اجازت نامہ تحریر کرواکے آپ کے حوالہ فرمایا۔ مدینۃ الرسول میں ہی شیخ محمد اسمٰعیل بن ادریس رومی نے جو کہ مقدونیہ کے مشہور علامہ تھے نے خود اپنی خوشی سے صحاح کی اجازت کلیہ آپ کو عطا کی۔ اس طرح کل چھ شیوخ سے آپ نے اجازت روایت حدیث حاصل فرمائی۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۴۳/۵۰ ملخصا)

اصلاح وتزکیہ:

انسان کو اپنی تخلیق کا مقصد اصلی یعنی عبادت الٰہی درست طریقہ سے سرانجام دینے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

۱)۔ عبادت کے طریقہ اور نظام سے واقفیت، اس کا نام علم دین ہے۔

۲)۔ عبادت سے دلچسپی اور اسے ذوق وشوق سے ادا کرنا، جو صفاء قلب اور محبت رسول سے حاصل ہوتی ہے، اس کا نام تزکیہ باطن اور تصوف ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو علمی کمالات سے نوازنے کے بعد روحانی مقامات طے کروانے کے لیے منبع البرکات، سلطان العارفین، مخدوم العالم، بحر امداد کے سیل رواں، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ جیسی فقید المثال ہستی کی محبت عطا فرمائی۔ آپ کے استاذ اور ماموں مولانا محمد مظہر اگرچہ عمر میں حضرت گنگوہی سے بڑے تھے، مگر حضرت گنگوہیؒ سے محبت وعقیدت احترام وادب میں اپنے آپ کو بڑا ظاہر نہ ہونے دیتے، مولانا محمد مظہر صاحب کے اس جذبہ نے حضرت گنگوہی سے بیعت کر کے باطنی کمالات حاصل کرنے کی دھن لگادی، مگر حضرت گنگوہیؒ کے قواعد سخت تھے، ہر کسی کو بیعت نہیں فرماتے

تھے، آپ نے اس مقصد کے لیے دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کو واسطہ بنایا، مولانا محمد یعقوب نانوتوی حضرت گنگوہی کے استاذ زادہ تھے، اس لیے حضرت گنگوہی ان کا بہت ہی لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت گنگوہی کے نام سفارشی خط لکھوایا گیا، اور گنگوہ حاضر ہوئے، حضرت کو خط پیش کیا گیا، مگر وہ پہلے سالک کو آزمایا کرتے تھے کہ یہ صرف نام کی بیعت کرنے آیا ہے، یا سچی محبت اسے کھینچ لائی ہے، چنانچہ انہوں نے خط ایک طرف رکھا اور بڑی بیزاری سے فرمایا: ''میاں تم پیرزادہ ہو، خود پیر ہو، تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' مگر...... سبحان اللہ...... یہ سننا تھا کہ آنسو امڈ آئے اور عرض کیا: ''حضرت کیسی پیرزادگی! میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں، بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سرتاپا احتیاج ہوں، چھاتی سے لگائیے یا دھکے دیجیے، میں تو حضرت کا غلام ہو چکا ہوں!'' یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ حضرت گنگوہی کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا: ''بس بس بہت اچھا'' اور اس کے فوراً بعد بیعت فرمالیا۔ غلام نواز آقا کی محبانہ کشش نے ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے ہی آپ کو محبوب بنالیا اور آپ یہ عہد کیے ہوئے گنگوہ سے رخصت ہوئے کہ حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا یا آئندہ فرمائیں گے، اس پر مرمٹوں گا اور جان کھپا دوں گا کہ طلب کا تقاضا یہی ہے۔

آپ نے تصوف اور تزکیہ باطن میں اتنا کمال حاصل کیا کہ حضرت گنگوہی کے خادم خاص حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تحریر خود دیکھی کہ جس میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے متعلق لکھا تھا کہ تم تو میرے سلسلہ کے فخر ہو، مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۳۳۹ ملخصاً)

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے خلفاء میں مولانا محب الدینؒ گزرے ہیں، آپ صاحب کشف مشہور تھے، مولانا ظفر احمدؒ خلیفہ مجاز حضرت اقدس قدس سرہٗ مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں مولانا محب الدین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، وہ درود شریف کا وظیفہ پڑھ رہے تھے، اسی دوران حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری حج کا طوافِ قدوم کرنے کے لیے حرم میں داخل ہوئے، مولانا محب الدین اچانک میری طرف متوجہ ہوئے اور

فرمایا: ”اس وقت حرم میں کون آ گیا کہ دفعتاً سارا حرم نور سے بھر گیا ہے“ میں خاموش رہا، کچھ دیر بعد حضرت سہارنپوری طواف سے فارغ ہو کر باب صفا کی طرف سعی کے لیے روانہ ہونے لگے تو ہماری طرف آئے، مولانا محب الدین انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا: ”میں بھی کہوں آج حرم میں کون آ گیا“ مصافحہ اور معانقہ کے بعد حضرت سعی کے لیے تشریف لے گئے، مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ کر فرمانے لگے: ”میاں ظفر! مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں، ان میں نور کے سوا کچھ نہیں“ پھر فرمایا کہ ”میں نے مولانا رشید احمد صاحب کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا کہ وہ قطب الارشاد تھے مگر میں نے مولانا کے خلفاء کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ وہ واقعی قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے کامل بنا گئے“۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۳۹ ملخصاً)

تدریس:

۱۲۸۸ھ میں ۱۹ سال کی عمر میں آپ نے سند فراغ حاصل کی، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں معین مدرس مقرر ہوئے، پھر والیہ سکندر کے شوہر مولانا جمال الدین نے حضرت اقدس کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کو اپنے پاس بلانا چاہا لیکن حضرت نے معذرت کر دی تو انہوں نے یہ درخواست کی کہ کسی ہونہار عالم کو بھیج دیں تو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے اپنے بھانجے کا انتخاب فرمایا، چنانچہ حضرت اقدس قدس سرہ نے اپنے مرشد و مربی حضرت امام ربانی سے اجازت لے کر پچاس روپیہ ماہوار پر بھوپال کا سفر اختیار کیا۔

بہاولپور میں ورودِ مسعود:

غالباً بہاولپور میں دو مرتبہ بغرض تدریس تشریف آوری ہوئی، دوسری مرتبہ مولوی شمس الدین چیف جج بہاولپور کی درخواست پر آپ کو دیوبند سے بہاولپور بھیجا گیا جج مذکور نے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ایک ایسا قابل مدرس مطلوب ہے، جو درج ذیل صفات کا حامل ہو:

۱)۔ نوجوان ہو۔ ۲)۔ ذکی ہو۔

۳)۔ متبحر فی العلوم ہو۔ ۴)۔ وجیہ اور باوقار ہو۔

۵)۔ حسن اخلاق اور حسن انتظام کے اوصاف سے متصف ہو۔

۶)۔ عالم باعمل ہو۔ ۷)۔ مصلح اور مربی ہو

۸)۔ باعث رشد وہدایت ہو۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے اس درخواست کو قبول فرماتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ کا انتخاب فرمایا، چنانچہ ۱۲۵۹ھ میں جج موصوف کے ہاں بہاولپور تشریف لائے، جج موصوف کی عملی صلاحیتوں کا بہت دیر امتحان وجائزہ لیتے رہے، اور حضرت علی وجہ الکمال جائزہ دیتے رہے، لیکن جب حضرت نے جج موصوف سے دو آیت قرآنی کے تعارض کا علمی حل طلب فرمایا تو جج صاحب بات گول کر گئے، یوں جج صاحب کے بچوں کی تعلیم سے حضرت کی تدریس کا آغاز ہوا۔ پھر نواب محمد صادق مرحوم کی والدہ کی وفات کے بعد ان کے ایصال ثواب کے لیے قائم کیے گئے پانچ مدارس میں سے بہاولپور میں قائم کردہ مدرسہ میں بھی تدریس شروع فرمادی، بعدہ اس مدرسہ کو جب اسکول کے ماتحت کر کے شعبہ دینیات قائم کیا گیا تو آپ کو اولا شعبہ دینیات کا سربراہ اور بعدہ افسر مدارس دینیہ مقرر کیا گیا، آپ نے قیام بہاولپور کے دوران حدیث وتفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ، علم کلام، ادب عربی وغیرہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تدریس کے جواہر بکھیرے، اس کے ساتھ ہی آپ نے عوام الناس کی رشد وہدایت کے لیے دروس کا سلسلہ جاری فرمایا، چنانچہ ۱۳۰۶ھ تک آپ نے بہاولپور کو اپنے علوم وفیوض سے مستفید فرمایا، بعدہ بوجوہ بہاولپور ترک فرما کر دیوبند تشریف لے گئے۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۲۶ ملخصاً)

۱۳۰۸ھ میں دارالعلم دیوبند کی تدریس کے لیے منتخب ہوئے اور چھ سال تک وہاں مقیم رہے، آپ کے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو اپنے شیخ کے حکم سے مدرسہ مظاہر العلوم سہانپور تشریف لائے اور صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر تقریباً اکتیس سال تک ایک مخلوق اس چشمہ صافی سے سیراب ہوتی رہی۔

آپ کی طبیعت میں نظم وانتظام کا خاص اہتمام تھا، چنانچہ آپ کی تدریسی نظم کا ذکر

کرتے ہوئے آپ کے تلمیذ رشید اور خلیفہ اجل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

''حضرتؒ کو اس کا بہت اہتمام رہتا تھا کہ مدرسین اسباق میں اوقات کی پابندی کریں اور حضرت کے ہاں یہ اصول تھا کہ گھنٹہ کے پانچ منٹ بعد فوراً سبق شروع ہو جائے اور گھنٹہ سے پانچ منٹ پہلے سبق مکمل ہو جائے تاکہ طلبہ درسگاہ میں مشقت نہ ہو اور اگلا سبق بروقت شروع ہو سکے''۔

''اسی طرح حضرت اس بات کے بھی سخت خلاف تھے کہ شروع میں تو لمبی لمبی تقریریں ہوں اور بال کی کھال اتاری جائے اور آخر سال میں کتاب رمضانی تراویح کی طرح جلدی جلدی پڑھائی جائے، اس قسم کی شکایت پر بڑے سے بڑے مدرس کو تنبیہ سے گریز نہیں فرماتے تھے''۔

حضرت اقدس سہانپوری رحمہ اللہ کے ہاں تعلیمی نگرانی کا بھی ایک خاص معمول ہوتا تھا، جب طلبہ کی طرف سے کسی مدرس کی شکایت موصول ہوتی تو عین سبق کے وقت استاد صاحب کو پیغام پہنچتا کہ آج سبق گھنٹہ کے نیچے ہوگا یہ ایک خاص اصطلاح تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت کی سہ دری میں ایک گھنٹہ لٹکا ہوا، تھا مدرس اس گھنٹہ کے نیچے بیٹھتا اور طلبہ اس کے تینوں اطراف ہوتے اور حضرت اپنے حجرہ کے سامنے ساکت تشریف فرما ہوتے اختتام سبق پر آپ کچھ نہ فرماتے، بعد ازاں اگر طلبہ کی شکایت مبنی بر حقیقت ہوتی تو استاذ کی اصلاح فرماتے، اور اگر شکایت شدید ہوتی تو دو چار روز میں سبق دوسرے استاذ کو منتقل کر دیتے، اور اگر طلبہ کی شکایت میں وزن نہ ہوتا تو معمولی شکایت پر سرغنوں کا کھانا بند فرما دیتے اور اگر شکایت قدرے سخت ہوتی، تو اخراج سے بھی گریز نہ فرماتے اس لیے طلبہ و اساتذہ ہر دونوں حد درجہ محتاط رہتے تھے''۔

''حضرت قدس سرہ کے یہاں جب تک ترمذی شریف اور بخاری شریف مستقل ہوتی رہی، صبح کے پہلے دو گھنٹوں میں سبق تھا، ماہ صفر کے کسی حصہ میں ترمذی شریف ختم ہو جاتی تھی، اس کے ختم ہو جانے کے بعد اس کی جگہ بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی، اول کے چند ایام چھوڑنے کے بعد حضرت قدس سرہ جب

سبق شروع کرواتے تو جہاں سبق کے شروع کا نشان رکھا ہوا ہوتا تھا، سبق کے شروع میں اس نشان کو نکال کر اور پانچ ورق گن کر پانچ ورق کے بعد وہ نشان رکھ دیتے تھے، مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی اور بارہا اس کو بہت غور سے دیکھا کہ دوسرے گھنٹے کے ختم پر وہ پانچ ورق بھی ہو جاتے، نہ تو کبھی گھنٹہ بچتا اور نہ کبھی ورق بچتا، میں بہت کثرت سے اس منظر کو غور کرتا رہا، اس میں احکام کے ابواب بھی آتے تھے اور رقاق اور آداب کے بھی آتے تھے، تقریر بھی کم وبیش ہوتی تھی، لیکن ان پانچ ورقوں میں کبھی تخلف نہیں ہوتا تھا، حضرت قدس سرہٗ ۱۳۱۴ھ میں دارالعلوم سے مظاہر العلوم کی صدر مدرسی پر تشریف لائے، ۱۳۱۵ھ کی یک سالہ تعلیم جو مدرسہ کی روئیداد میں طبع ہوئی، وہ یہ ہے کہ بخاری شریف تمام، ابوداؤد شریف تمام، ترمذی شریف تمام، مسلم شریف تا صفحہ ۳۰ پھر غالباً کسی دوسری جگہ منتقل ہوگئی، شرح نخبۃ الفکر تمام، شرح عقائد مع خیالی تمام، حسامی بقدر نصاب، مقامات حریری پچیس مقامے، ملا جلال دو مرتبہ تمام، سلم العلوم تصورات، ملاحسن تمام، میر زاہد رسالہ تمام، غلام یحییٰ تمام، حمد اللہ تا صفحہ ۷۹، مطول تا نصاب، تلخیص المفتاح تا صفحہ ۵۰، ایک سال میں ان سولہ اہم کتابوں کا پورا کرنا ظاہر بات ہے فضول تقریروں کے ساتھ تو ہو نہیں سکتا، حضرت قدس سرہ کی تقریر بہت ہی جامع مختصر ایسی ہوتی تھی کہ شائقین سبق کے درمیان ہی میں نوٹ فرمالیا کرتے تھے، بڑے درجے کی پندرہ سولہ ضخیم کتابوں کا ختم سال سے قبل تمام کرا دینا آپ کے لیے معمولی بات تھی اور کامل چھ سات گھنٹے درس دینا اور دماغ اور زبان سے کام لیے جانا آپ کی عادت بن گیا تھا۔

(آپ بیتی ص ۳۴۷ ج دوم ملخصاً)

زہد وتقویٰ:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا فرمان ہے کہ آپ کی پوری زندگی زہد وتقوی اور معاملات میں انتہائی احتیاط پر مشتمل تھی، جس کے چند واقعات نمونے کے طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی زبانی پیش خدمت ہیں:

''حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ جب ایک سالہ قیام حجاز کے بعد آخر ۱۳۳۴ھ میں مظاہر العلوم میں واپس تشریف لائے، میرے والد صاحب حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمہ اللہ کا شروع ذیقعدہ میں انتقال ہو چکا تھا، حضرت نے مدرسہ سے تنخواہ لینے سے یہ تحریر فرما کر انکار کر دیا تھا کہ میں اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے کئی سال سے مدرسہ کا کام پورا نہیں کر سکتا، لیکن اب تک مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ میری نیابت میں دورہ کے اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے وہ میرا ہی کام سمجھ کر کرتے تھے، اور وہ مل کر ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے، اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، اب میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کر سکتا اس لیے قبول تنخواہ سے معذور ہوں، اس پر حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ سے بڑی تاویل و تحریرات ہوئیں۔ حضرت سہانپوریؒ کی تنخواہ چالیس روپے تھی اور عرصہ تک یہی رہی، اور ممبران مدرسہ کی طرف سے حضرت کی ترقی کا مسئلہ پیش ہوتا تو حضرت فرماتے کہ میری حیثیت سے یہ بھی زائد ہے، مگر جب ماتحت مدرسین کی تنخواہ چالیس روپے تک پہنچ گئی تو ممبران نے اصرار کیا کہ آپ کی وجہ سے نیچے کے مدرسین کی تنخواہ رک جائے گی کہ صدر مدرس سے دوسروں کی تنخواہ بڑھ جائے گی، اس پر حضرت نے اضافہ قبول فرمایا۔

حضرت اقدس سہانپوری رحمہ اللہ کے عزیزوں میں سے ایک جو بڑے مرتبہ کے آدمیوں میں سے تھے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لائے، حضرت سبق پڑھا رہے تھے، اختتام سبق تک تو حضرت نے توجہ بھی نہ فرمائی، ختم سبق کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: ''مدرسہ نے یہ قالین اسباق پڑھانے کے لیے دی ہے، ذاتی استعمال کے لیے نہیں دی!'' اس لیے قالین سے علیحدہ بیٹھ گئے۔

البتہ یہ واقعہ میرا ہمیشہ کا دیکھا ہوا ہے کہ مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ) میں حضرت کی ہمیشہ دو چارپائیاں رہتی تھیں ان پر حضرت آرام فرماتے تھے، انہی پر بیٹھتے تھے، مدرسے کی اشیاء کو میں نے استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ان سب

احتیاطوں کے باوجود حضرت سہانپوریؒ ۱۳۴۴ھ میں مستقل قیام کے ارادہ سے حجاز تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے کہ نا معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ میں رہ گئے ہوں گے۔“

(آپ بیتی ص ۵۸/۵۹ ج اول ملخصا)

مختصر حالات زندگی:

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے زمانے کے بدلتے لیل ونہار میں طفولیت، شباب اور کہولت جیسے بدلتے ادوار و حالات کا کچھ تذکرہ آچکا ہے کچھ مزید پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت قدس سرہ کا رشتہ گنگوہ کے مشہور انصاری خاندان کے شاہ عبدالرحمن صاحب کی بیٹی سے طے پایا، ۱۲۸۹ھ میں جب حضرت کی عمر اکیس سال تھی اور پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا، تو نکاح کی تاریخ متعین ہوئی، بارہ چودہ رشتہ داروں پر مشتمل مختصر سی بارات گنگوہ روانہ ہوئی، حضرت گنگوہی نے اڑھائی ہزار روپے مہر مقرر کر کے اپنے اس روحانی بیٹے کا نکاح خود پڑھایا۔ تقریباً ایک سال بعد بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم رکھا گیا، پھر ڈیڑھ ڈیڑھ سال کے وقفہ سے یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں، مگر دوسری بیٹی کی پیدائش کے بعد دونوں ماں بیٹی راہی عالم آخرت ہوئیں۔

زوجہ محترمہ کی وفات کے تقریباً ایک سال کے بعد والدین نے حضرت گنگوہیؒ کے مشورہ سے ایک بیوہ خاتون سے نکاح کرایا، جن کے بطن سے حضرت کی تین بیٹیاں پیدا ہوئیں، جن میں سے چھوٹی کا بچپن میں ہی انتقال ہوا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۰۷/۱۱۵ ملخصا)

حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ معاصرین کی نظر میں:

حضرت شیخ الحدیث، مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے واقعہ ذکر کیا ہے کہ مینڈھو کے علاقہ میں ایک مرتبہ بڑے حضرات جمع تھے، اس دوران لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت شیخ الہندؒ کا بیان سننا چاہیے، مگر حضرت شیخ الہند عموماً عوامی اجتماعات میں بیان نہیں فرماتے تھے، اس پر طے پایا کہ مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ اگر حضرت شیخ الہند کو بیان کا کہہ دیں تو یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سب حضرت سہانپوریؒ کے پاس جمع ہو کر گئے اور عرض کیا کہ: ”آج تو کسی طرح مولانا کا وعظ سنا ہی دیجئے“ حضرت نے ”بہت بہتر“ کہا اور

حضرت شیخ الہندؒ کے پاس چلے آئے، بڑے ہی بے تکلفانہ انداز میں فرمایا: ”دوستوں کی خواہش ہے کہ آج بعد ظہر کچھ بیان فرما دیجیے“ گفتگو کچھ اس انداز سے ہوئی کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ انکار نہ فرما سکے، فرمایا کہ اچھا اس شرط پر بیان کروں گا کہ تم وہاں موجود نہ رہنا، حضرت شیخ المحدثین نے مزاحاً فرمایا کہ اچھا مجھ سے اتنی وحشت ہے تو میں نماز کے بعد چلا جاؤں گا، میری وجہ سے سینکڑوں لوگ محروم کیوں رہیں، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز ظہر کے بعد حضرت شیخ الہند اس وقت تک ممبر پر نہ بیٹھے جب تک کہ حضرت سہارنپوری سنتیں پڑھ کر چلے نہیں گئے، پھر ایسا سادہ اور مسلسل بیان فرمایا کہ دھیمی آواز والے اس بیان کی مٹھاس آج بھی دل میں موجود ہے۔

(تذکرۃ الخلیل ص۱۷۸/۱۷۹ ملخصاً)

مولوی ظفر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک بار فرمایا (جن کا مقام و مرتبہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں) کہ جب حضرت مولانا گنگوہیؒ کا وصال ہو گیا تو میں نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے عرض کیا کہ مجھے اب تک جو کچھ بھی دریافت کرنا ہوتا تھا حضرت مولانا گنگوہیؒ سے دریافت کر لیا کرتا تھا، حضرت کے بعد اب جو کچھ مجھے دریافت کرنا ہوگا وہ جناب والا سے دریافت کیا کروں گا اور حضرت والا کو جواب کی تکلیف کرنا ہوگی۔ اور مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میاں ظفر آج جتنے بھی تمہارے سامنے بزرگ ہیں گنگوہ میں ان سب کے ساتھ میری دل لگی اور ہنسی رہا کرتی تھی، بجز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے کہ ان کا ادب میں اس وقت بھی بہت کرتا تھا حالانکہ خود حضرت مولانا مجھ سے بہت بے تکلف تھے، مگر میں کبھی بے تکلف نہیں ہوا۔ ایک بار فرمایا میاں ظفر خدا کے نزدیک مرتبے کا کم زیادہ ہونا تو کسی کو معلوم نہیں، لیکن میرے نزدیک معرفت و سلوک میں مولانا خلیل احمد صاحب کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔

(تذکرۃ الخلیل ص۳۳۸/۳۳۹ ملخصاً)

علمی کارنامے:

بذل المجہود:

”سنن ابی داؤد“ صحاح ستہ میں مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تیسرے درجے کی کتاب

ہے، یہ کتاب فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب میں امام ابوداؤدؒ نے مذاہب اربعہ کے مستدلات جمع فرمائے ہیں، حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ کی عرصہ دراز سے خواہش تھی کہ اس کتاب کی شرح تحریر کی جائے، لیکن مختلف عوارض کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، ۳ یا ۴ ربیع الاول ۶۵ سال کی عمر میں "بذل المجہود" کے نام سے اس کتاب کی شرح لکھنا شروع فرمائی، ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ میں ساڑھے دس سال کے طویل عرصہ میں اس فقید المثال کتاب کو مکمل فرمایا۔ عمر کے اس حصہ میں اتنی طویل اور مفصل ومدلل کتاب کو لکھنا اور اسے مکمل کر لینا اللہ تعالیٰ کا فضل، آپ کی کرامت اور حدیث پاک سے قلبی لگاؤ اور محبت کی واضح دلیل ہے۔ ۶۵ سے ۷۵ سال کی درمیانی عمر میں آپ نے اتنی بڑی علمی، تحقیقی، تدقیقی، تفصیلی کتاب لکھی، یہ تو عمر کا وہ حصہ ہے جس میں انسان کو خود اپنے آپ کی خبر نہیں رہتی، یہ یقیناً اللہ کی خاص عنایت تھی، اس کام میں معاونت کے لیے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ جیسی شخصیت کا دستیاب ہو جانا بھی آپ کی کرامت ہے۔ اس کتاب کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱)۔ ہر مسئلہ میں مذاہب ائمہ اربعہ کی تشریح اور باہم محاکمہ کیا گیا ہے۔

۲)۔ مذہب حنفیہ کی تحقیق اور کافی دلائل کے بعد مذاہب کے دلائل کے بہترین اور متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

۳)۔ ہر راوی کے متعلق پوری جرح وتعدیل کی گئی ہے۔

۴)۔ جو روایات ترجمۃ الباب کے موافق نہ تھیں، ان کی توجیہ وموافقت ظاہر فرمائی۔

۵)۔ مصنف نے جن روایات کو تعلیقاً بیان کیا ہے دوسری کتابوں سے ان کی متصل سندیں لکھی ہے۔

۶)۔ جو روایات مختصر آئی ہیں دوسری کتابوں کا جہاں وہ مفصل ہیں حوالہ دیا ہے۔

۷)۔ اور کلام الرسول کا منشاء ظاہر کر کے وہ محاسن وحقائق بیان فرمائے ہیں، جن کا حظ وہی اٹھا سکتا ہے، جن کو فن حدیث سے مناسبت اور صاحب حدیث سے انس ومحبت ہو۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۷۱/۲۷۸ ملخصاً)

اور من جانب اللہ اس کی حفاظت ومقبولیت کی علامت کا یہ واقعہ ہے، ایک مرتبہ حسب

معمول صبح کو آپ نے تشریف لاکر مولوی زکریاؒ سے فرمایا: کل فلاں بات لکھی گئی ہے اس کو دوبارہ نکالو، چنانچہ وہ نکالی گئی اور آپ نے مراجعت کتب فرما کر اس کو کاٹا اور دوسری عبارت لکھی، اس کے بعد بڑی مسرت سے اپنا خواب بیان فرمایا کہ تہجد کے بعد ذرا آنکھ لگ گئی تو ایک صاحب کو جن کا حلیہ بھی ارشاد فرمایا، یوں کہتے ہوئے سنا کہ یہ جگہ غلط لکھی گئی ہے، اس کو درست کرو۔ ایک بار فرمایا:

"اس قابل تو ہوں نہیں مگر ہوس تھی کہ خدام حدیث کی جماعت میں شامل ہو جاؤں، اللہ کا انعام ہے کہ اس نے کام لیا"۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۷۸ ملخصاً)

آپ قابل فخر محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر متکلم اور منجھے ہوئے مناظر بھی تھے، آپ نے زندگی بھر اہل بدعت وغیرہ سے مناظرے فرمائے "مطرقۃ الکرامہ علی مرآۃ الامامہ"، "ھدایات الرشید الی افحام العنید" اور "المھند علی المفند" جیسی اصولی اور تحقیقی کتابیں ہمیں بتلاتی ہیں کہ آپ بلاشبہ امام المتکلمین تھے۔

آپ کے فقہی مرتبہ کی نشاندہی کرنے کے لیے وہ ہزاروں فتاوی جات موجود ہیں، جن میں ہر ایک فتوی اپنی زبان حال سے آپ کی فقہی نظر اور فقہی مقام کا اعلان کر رہا ہے، آپ کے عامل سنت ہونے کی لاکھوں مثالیں اور واقعات ہوں گے، لیکن صرف ایک واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

حج میں سنت طریقہ یہ ہے کہ ۸ ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے بعد منٰی جایا جائے، جہاں پانچ نمازیں پڑھی جائیں، ۹ ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے بعد عرفات کی طرف کوچ کیا جائے، مگر عام طور پر معلم اور اس کے معاونین فجر کی نماز سے پہلے ہی حاجیوں کو عرفات کی طرف بھیجنا شروع کر دیتے ہیں جو کہ خلاف سنت ہے، اسی طرح کا واقعہ حضرت سہارنپوریؒ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ منٰی میں معلم اور اس کے معاونین جنہیں مطوف اور جمال کہاں جاتا تھا، انہوں نے صبح صادق سے پہلے شور مچانا شروع کر دیا کہ عرفات کے لیے روانہ ہوں، حضرت اپنے نوافل کے معمول میں مشغول تھے، اس شور کے باوجود حضرت کے قیام میں ذرا برابر فرق نہ آیا اور نہ ہی مقدار تلاوت میں ایک آیت کی کمی واقع ہوئی، سلام پھیرنے پر اپنے مطوف سے فرمایا تم بھول گئے ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ سنت کے خلاف ہرگز نہ کریں گے اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جس طرح کہو گے اسی

طرح کروں گا، خلاصہ یہ کہ اس موقع پر بھی آپ نے سنت کو قضا نہ ہونے دیا۔

المہند علی المفند:

طائفہ منصورہ اہل سنت والجماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''ما انا علیہ و اصحابی'' کا مصداق ہیں، جو ہر قسم کے غلو ونقص، افراط وتفریط، دین میں اضافہ اور کمی کرنے سے محفوظ اور سنت نبویہ پر کاربند ہیں، جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں، برِ صغیر پاک وہند میں علماء دیوبند ہی اہل سنت والجماعت ہیں، علماء اہلسنت والجماعت کے ان اکابر کے عقائد ونظریات کو بعض اہل بدعت نے افتراء وبہتان سے کام لیتے ہوئے غلط طور پر پیش کیا، غلط عقائد ونظریات کی نسبت اکابر دیوبند کی طرف کر کے علماء حرمین شریفین کو دھوکہ دیتے ہوئے شیطانی تلبیس سے کام لیا، نیز علماء حرمین شریفین سے یہ فتویٰ جاری کرایا کہ العیاذ باللہ ان عقائد فاسدہ کے حامل علماء دیوبند دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس فتویٰ وافتراء کو ''حسام الحرمین'' کے نام سے ہندوستان میں شائع کر دیا گیا۔ حضرت فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کو حق تعالیٰ نے اس دجل کا پردہ چاک کرنے کے لیے قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ نے علماء حجاز کے سوالات کے جوابات میں اہل حق کے صحیح عقائد تحریر فرما کر جملہ علماء دیوبند کے دستخط ان پر ثبت کروائے اور تصدیق کے لیے ائمہ حرمین شریفین اور علماء حجاز، شام ومصر کے پاس بھیج دیے۔ ان جملہ علماء کرام نے اہل حق کے عقائد کی نہ صرف تصویب فرمائی، بلکہ رضا خانی دجل وفریب، کید ومکر پر اظہار تعجب وحیرت بھی فرمایا۔ حضرت سہارنپوری نے ان عقائد صحیحہ کو کتابی شکل دے کر اس کا نام ''المہند علی المفند'' رکھا۔ یہ کتاب آج بھی اہل حق کے نظریات کی صحیح ترجمان ہے۔ المہند علی المفند ایک طرف رضا خوانی طبقہ کے فریب کو چاک کر رہی ہے تو دوسری طرف سلف بیزار طبقہ جو اپنی نسبت تو علماء دیوبند کی جانب کرتا ہے، مگر حقیقت میں علماء دیوبند سے بیزار ہے، ان کے اس جھوٹے دعویٰ کی قلعی بھی کھول رہی ہے، گویا یہ ایسی الہامی کتاب ہے جس نے ماضی اور مستقبل کے بعض فتنوں کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔

سوئے حجاز:

حضرت اقدس قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے سات مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی، جن میں پہلا سفر حج ۱۲۹۳ھ میں تنہا بھوپال سے ہوا، دوسرا سفر حج ۱۲۹۷ھ میں بہاولپور سے فرمایا، تیسری مرتبہ یہ مبارک سفر ۱۳۲۳ھ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ کیا، ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا رائے پوریؒ کو آپ نے دہلی سے حجاز روانہ کیا تو حرمین کی حاضری کا غلبہ طاری ہو گیا، چنانچہ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کو اپنا نائب بنا کر حج کے چوتھے سفر پر روانہ ہوئے، پانچواں حج ۱۳۳۴ھ میں چھٹا ۱۳۳۸ھ میں اور ساتواں حج ۱۳۴۵ھ میں نصیب ہوا۔

احقاقِ حق وابطالِ باطل:

آپ احقاق حق اور ابطال باطل کے سلسلہ میں کسی رورعایت سے کام نہ لیتے تھے، بلکہ ہر حال میں ڈنکے کی چوٹ پر حق بیان فرماتے اور اہل باطل کو ناکوں چنے چبواتے، اس پر آپ کی کتب ہدایت الرشید، براہین قاطعہ، المہند علی المفند اور آپ کے تقریری و تحریری مناظرے شاہد ہیں۔

سفر آخرت:

خالق کائنات نے آپ کی قسمت مبارک میں مدینۃ الرسول میں مہاجرانہ وفات لکھی تھی، اس لیے آپ نے ۱۶ شوال ۱۳۴۵ھ سے مدرسہ سے رخصت لے کر دار محبوب کا عزم کیا، شوال کی ابتدا میں اپنے عزیزوں، دوستوں اور خدام سے الوداعی ملاقات کے لیے امیٹھ، گنگوہ، دیوبند، کاندھلہ اور میرٹھ کا سفر کیا، ایک ایک کے گھر جا کر یہ الفاظ فرمائے کہ: ”میرا کہا سنا معاف کرنا، میں عرب جا رہا ہوں“۔ کسی نے اگر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سفر مبارک کرے اور بخیریت واپس لائے تو فرمایا:

> ”بھائی! جب میرا شباب تھا تو جب کبھی حاضر آستانہ ہوا ہوں یہی تمنا ساتھ لے کر گیا ہوں کہ وہاں کی پاک زمین مجھے نصیب ہو جائے۔ اب جب کہ میرے ساتھ کے کھیلے ہوئے، میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے میرے ہم عصر عزیز اور دوست

ایک ایک کر کے ملکِ بقاء کو راہی ہو چکے ہیں تو میں کب تک زندہ رہوں گا۔ اب
اس توقع پر جا رہا ہوں کہ شاید اب میرا وقت آگیا ہو، اور مدینہ طیبہ کی خاک پاک
مجھے نصیب ہو جائے اور جوارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ کو جگہ مل جائے، دعا کرو
کہ حق تعالیٰ ایمان کے ساتھ اٹھنا نصیب فرمائے اور مراد پوری کرے۔"

پہنچی وہیں خاک جہاں کا خمیر تھا:

مدینہ طیبہ میں ایک دن ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو فرمایا سینے کے اوپر کے حصے میں آج پھر کچھ درد محسوس ہو رہا ہے، اس سے تین چار دن پہلے بھی اسی طرح ایک درد محسوس ہوا تھا، جو مالش وغیرہ کے ذریعہ ٹھیک ہو گیا تھا، گھر پہنچ کر مالش وغیرہ کروائی، نماز عصر تک درد کم ہو گیا، مگر کمزوری اتنی ہو گئی کہ حرم تک بھی نہ جا سکے، چنانچہ عصر کی نماز قیام گاہ پر ہی باجماعت ادا کی اور کمزوری کے باوجود کھڑے ہو کر پڑھی، کمزوری مزید بڑھنے لگی، پسینہ بھی شروع ہو گیا، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز بیٹھ کر باجماعت ادا کی، ساری رات کلمہ طیبہ، استغفار اور درود شریف پڑھتے رہے، صبح دوائی وغیرہ کا بھی انتظام کیا گیا، مگر طبیعت نہ سنبھل سکی، نماز ظہر میں وضو کی طاقت بھی نہ رہی تو تیمم کر کے نماز ادا کی، نماز عصر کے وقت ہوش وحواس گم ہونا شروع ہوئے، چنانچہ عصر کی نماز خادموں نے ادا کی، اب آپ پر خاموشی بھی طاری ہو گئی، نماز مغرب سے بالکل بے ہوشی کی کیفیت محسوس ہوئی، چوبیس گھنٹے اسی طرح گذرے کہ زبان سے اونچی آواز کے ساتھ اللہ اللہ کا ذکر شروع ہوا اور ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ اور ہندوستان میں ۱۵ ربیع الثانی تھی کہ علم وحکمت کا یہ آفتاب غروب ہو گیا، نماز مغرب کے وقت جنازہ باب جبرئیل کے باہر رکھا گیا، نماز مغرب کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی، اور عشاء سے پہلے پہلے بقیع غرقد کے قبرستان میں اہل بیت سے متصل اس وجود کو وہاں پہنچا دیا گیا، جہاں یہ جانے کی خواہش رکھتا تھا، اور مدتوں کی یہ آرزو پوری ہوئی کہ:

"کاش! میری مٹی بقیع کی خاک سے مل جائے"۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۴۲۵ ملخصا)

فیض یافتگان:

حضرت اقدس کا دنیاوی ترکہ برائے نام تھا، حضرت نے امتِ مسلمہ کے لیے جو حقیقی

اور روحانی میراث چھوڑی، وہ ہزاروں کی تعداد میں عرب وعجم علماء اور عام لوگ تھے، جنہوں نے آپ کے چشمہ فیض سے سیرابی حاصل کی اور اس کے ساتھ آپ نے دس جاری چشمے اپنی باقیات صالحات میں چھوڑے، جن میں سے ہر ایک سے ایک جہاں سیراب ہوا، جو آپ کے خلفاء کرام ہیں، جن کے قلوب میں آپ محبت الٰہی کی چنگاریاں سلگاں کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔

۱)۔ حضرت حافظ قمر الدین صاحب رحمہ اللہ امام جامع مسجد سہارنپور

۲)۔ حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحب کاندھلوی، والد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

۳)۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ گنگوہی صاحب رحمہ اللہ

۴)۔ مکہ مکرمہ میں حاجی محمد حسین جبشی صاحب رحمہ اللہ

۵)۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ بانی تبلیغی جماعت

۶)۔ جناب حافظ فخر الدین صاحب رحمہ اللہ ریلوے ملازم غازی آباد

۷)۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۸)۔ حضرت مولانا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ

۹)۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ

۱۰)۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ

(تذکرۃ الخلیل ص ۴۲۸/۴۲۹ ملخصاً)

خاتمہ:

ایک مرتبہ فرمانے لگے:

''میں نے حق تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں تھیں، جن میں دو کی قبولیت دیکھ چکا ہوں اور تیسری کا متوقع اور منتظر ہوں، ایک دعا یہ مانگی تھی کہ عرب میں امن وامان کی حکومت شرعیہ دیکھ لوں، سو الحمد للہ! وہ امن وامان آنکھوں سے دیکھا کہ جہاں پہاڑیوں میں قافلوں کا چلنا مشکل تھا اب تنہا آدمی سونا اچھالتا ہوا بے خطرہ چلتا ہے اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا، دوسری دعا یہ تھی کہ ''بذل المجہود'' زندگی میں ختم کرلوں، سو الحمد للہ! فارغ ہولیا، تیسری دعا یہ تھی کہ بجوار

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سرزمین میں دفن ہونا نصیب ہو، سو توقع تو ضرور ہے
ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔"

چنانچہ اس فرمان کے دو ہی مہینے بعد اس کا ظہور ہوگیا، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ بروز بدھ نماز عصر کے بعد وفات ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۴۵ ملخصاً)

وہ جو رشید کے خورشید تھے
وہ امداد کے فخر و امید تھے
وہ جو دیوبند کے وکیل تھے
وہ خلیل تھے وہ خلیل تھے
وہ جو طالبوں کے عزیز تھے
جنہیں گنبد خضری عزیز تھے
وہ محدث وقت جلیل تھے
وہ خلیل تھے وہ خلیل تھے
صبر صابر وہ جو کر گئے
اجر کی جھولیاں وہ جو بھر گئے
یہ تو ان کے بس نصیب تھے
وہ خلیل تھے وہ خلیل تھے
وہ محدث وقت خلیل تھے
وہ خلیل تھے وہ خلیل تھے

خاتم المحدثین حضرت علامہ
مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

[سن وفات: 1934ء]

مقبرہ قاسمی سے فارغ ہو کر ہم لوگ "مزار انوری" کے احاطے میں داخل ہوئے۔ احاطہ انوری میں خاتم المحدثین، نابغہ روزگار حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ آرام فرما ہیں۔ ان کے پہلو میں آپ کے جانشین دارالعلوم دیوبند (وقف) کے شیخ الحدیث مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ آرام فرما ہیں۔ مزار پر حاضر ہوئے، سلام وایصال ثواب کیا۔

حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سابق صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ولادت ۱۲۹۲ھ اور وفات ۱۳۵۳ھ میں ہوئی۔ آپ کا وطن اصلی کشمیر تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے بزرگوں سے حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ حضرت کشمیریؒ نے اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ شیخ الہند کے علوم کو پیاسی زمین کی طرح اپنے اندر جذب کیا۔ فاتحہ فراغ پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ہی مسند تدریس پر فائز ہو کر علم و عرفان کے گوہر نایاب افشاں کرتے رہے۔

آپ کا انداز تدریس پورے ہندوستان میں سب سے منفرد تھا۔ حضرت کشمیریؒ حضرت شیخ الہند کے علمی جانشین ٹھہرے اور تدریس و تعلیم میں جدت پیدا کی۔ آپ سے قبل کتب درسیہ و کتب حدیث میں تحقیق و تدقیق اور بیان مباحث کا زیادہ رواج نہ تھا۔ فقط نفس کتاب کے بیان پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ حضرت کشمیریؒ نے اس انداز

میں جدت پیدا کر کے مباحث صرفیہ، نحویہ، فقہ، بلاغت و بیان سے تفسیر و حدیث کی حقیقت کو آشکارا کر دیا۔ نیز مسائل میں اختلاف ائمہ، دلائل اور حنفیہ کی وجوہ ترجیح کو ذکر کرنے کا معمول اپنایا۔

آپ کا سبق سن کر طلبہ عش عش کر اٹھتے تھے۔ آپ کے دورِ تدریس میں دارالعلوم دیوبند میں طالبین علوم نبوت کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ آپ بلا کے ذہین اور فطین تھے، ''چلتا پھرتا کتب خانہ'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آپ کا یہ جملہ معروف ہے:

> ''اگر بالفرض دارالعلوم کا کتب خانہ تلف ہو جائے تو انور شاہ ساری کتابیں دوبارہ تحریر کر سکتا ہے۔''

آپ کو حق تعالیٰ نے ظاہری وجاہت وحسن کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی نوازا تھا۔ تقویٰ وطہارت کی دولت سے مالا مال تھے۔ متعدد بار کئی ریاستوں کے نوابوں کی جانب سے آپ کو معقول مشاہرے پر تدریس کی پیش کش ہوئی مگر آپ نے ان پیش کشوں کو ٹھکرا دیا۔ استغنا کا عالم یہ تھا کہ آپ کا جنازہ کرائے کے مکان سے اٹھا۔

آپ کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے فنائیت کا مقام حاصل تھا۔ فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، زندگی بھر تحفظ ختم نبوت کے مشن کو اوڑھنا اور بچھونا بنایا۔ آپ نے اس مقدس عقیدے کے تحفظ کے لیے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور انہیں امیر شریعت کے لقب سے ملقب کیا۔ آپ نے اس موضوع پر بہت ساری کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔

اپنی پیرانہ سالی میں دیوبند سے بہاولپور کا طویل سفر کر کے بہاولپور کے تاریخی مقدمے میں امت مسلمہ کی وکالت کا فریضہ سرانجام دیا جبکہ آپ ان دنوں صاحبِ فراش بھی تھے۔ آپ کی چارپائی بہاولپور لائی گئی تھی۔ آپ نے اس مقدمے میں مسلمانوں کے نمائندہ مولانا محمد صادق صاحبؒ سے دیوبند جاتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

> ''جو بھی مقدمے کا فیصلہ ہو مجھے سنایا جائے، اگر میں فوت ہو جاؤں تو میری قبر

پر یہ فیصلہ پڑھ دیا جائے۔"

حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ نے اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے دیوبند کا سفر کیا۔ حضرت کا وصال ہو چکا تھا، چنانچہ آپ کے مزار مبارک پر فیصلہ پڑھ کر سنا دیا۔ آپ کے متعلق حضرت امیر شریعت کا مقولہ مشہور ہے:

"صحابہ کرامؓ کا قافلہ جا رہا تھا انور شاہ پیچھے رہ گئے تھے۔"

آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

مزار انوری سے فارغ ہو کر قریب ہی دوسرے قبرستان میں حاضر ہوئے۔ یہاں پر اہم قبروں میں سے دار العلوم دیوبند کے پہلے مہتمم حضرت مولانا سید محمد عابد حسین نور اللہ مرقدہ کی قبر مبارک ہے۔ یہاں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس قبرستان کی ابتدا میں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ مسجد حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کی زیر نگرانی آپ کے برادر اکبر نے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لیے تعمیر کروائی ہے۔

(کتاب: "آباء کے دیس میں"، تاریخ اشاعت: 2014ء)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

[سن وفات: 1957ء]

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے والد کا اسم گرامی حبیب اللہ تھا۔ ہندوستان ضلع فیض آباد اتر پردیش کا گاؤں موضع اللہ داد پور تاندہ آپ کا وطن اصلی ہے۔ ۱۲۹۶ھ بمطابق 1879ء میں ضلع اناؤ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فیض آباد میں ہی حاصل کی اور پھر دار العلوم دیوبند تشریف لائے۔ دار العلوم نے حسین احمد جیسے سونے کو کندن بنا کر رکھ دیا۔ یہاں آپ نے شیخ الادب مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، محدث جلیل شیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور شیخ مفتی عزیز الرحمن دیوبندی سے کسب علم وفیض فرمایا۔ فقہ وحدیث کے علوم اپنے محبوب استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے حاصل کیے۔ ایک طویل عرصہ تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے۔ دار العلوم دیوبند سے ہی ۱۳۱۶ھ میں فاتحہ فراغ پڑھا۔

۱۳۱۶ھ بمطابق 1898ء میں اپنے والدین وخاندان کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے اور سولہ سال تک مسجد نبوی شریف کے دار الحدیث میں گنبد خضرا کے سائے تلے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا۔ آپ سے عرب وعجم کے ہزاروں تشنگان علوم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ اس دوران جنگ عظیم اول شروع ہو گئی۔ آپ نے اس جنگ میں ترکوں کی حمایت میں آواز بلند کی۔ ہندوستان میں آپ کے استاذ حضرت شیخ الہند نے انگریز کے خلاف تحریک ریشمی رومال شروع کی جو بوجہ مخبری کچل دی گئی۔ ان دنوں حضرت شیخ الہند بھی حج کے لیے حجاز آئے ہوئے تھے، چنانچہ شریف حسین آف مکہ نے حضرت شیخ الہند کو طائف سے گرفتار کیا۔ حضرت مدنی نے جدہ میں اپنے شیخ کی معیت ورفاقت اور خدمات کے لیے گرفتاری پیش کر دی۔ شریف حسین نے ان حضرات کو انگریز کے حوالے کر دیا اور انگریز نے مصر منتقل کر کے مقدمہ چلایا اور مالٹا کی جیل

میں پابند سلاسل کر دیا۔

تین سال تک یہ حضرات مالٹا کی جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ تین سال کے بعد رہائی نصیب ہوئی تو یہ قافلہ ہندوستان پہنچا۔ آپ کو آپ کے شیخ نے واپس حجاز جانے کی اجازت نہ دی اور کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ الہند کا وصال ہو گیا اور آپ حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین ٹھہرے۔

1921ء میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں بھرپور حصہ لیا۔ تحریک آزادی کے لیے ہمہ قسم قربانیاں دیں۔ انگریز نے آپ کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل کر تین سال مزید قید و بند کی صعوبتیں دیں۔ رہائی کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا اور ساتھ ہی تحریک آزادی میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ آزادی ہند کے بعد آپ کو حکومت ہند کی جانب سے ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز ''پدم بھوشن'' پیش کیا گیا جسے آپ نے ٹھکرا دیا۔ شاہی پر فقیری کو ترجیح دی اور ایوانوں کی بجائے دارالعلوم کے دارالحدیث کو اپنا مسکن بنایا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین بنائے گئے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور زہد کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ آپ بے حد حلیم الطبع، مہمان نواز اور متواضع شخصیت تھے۔ سیاسی اختلافات کی وجہ سے بعض جذباتی نوجوانوں نے آپ کی اہانت کی جسے آپ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ لیکن اہانت کے مرتکب افراد ولی اللہ کی عداوت کی وجہ سے دنیا ہی میں نشان عبرت بن گئے۔ آپ کو بجا طور پر ''شیخ الاسلام'' کا لقب دیا گیا۔

آپ اپنے مضبوط دلائل کی بنیاد پر تقسیم ہند کے خلاف تھے۔ آپ کے خلاف علامہ اقبالؒ نے اشعار بھی لکھے، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ کا نظریہ صحیح تھا تو انہوں نے اپنی ہجو سے رجوع کر لیا۔ علامہ اقبالؒ مرحوم نے اس حقیقت کا اعتراف اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے (مکتوب شیخ الاسلام: ۳/۳۰)۔ آپ کا وصال ۱۳۷۷ھ بمطابق 1957ء میں ہوا اور دیوبند میں حضرت شیخ الہند کے پہلو میں دفن ہوئے۔

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ اشاعت: 2014ء)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

[سن وفات: 1961ء]

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نام آتے ہی حریت فکر، آزادی وطن، عشق رسول اور تحفظ ختم نبوت کی لازوال جدوجہد وتحریک کا تصور ذہنوں میں فوراً امنڈ آتا ہے، آپ بلاشبہ بلا کے خطیب، ادیب اور شاعر وسخن طراز تھے۔ فرنگی کے نظام وتمدن سے بغاوت آپ کی پہچان اور حبِ رسول وصحابہ واہل بیت آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ قرآن کریم کے زبردست قاری اور تحریک آزادی کے بے مثال مجاہد تھے۔

آپ کے والد محترم مولوی ضیاء الدین احمد اور آبائی علاقہ ناگڑیاں ضلع گجرات تھا۔ تحریک خلافت میں ۱۹۱۸ سے آپ نے عملی جدوجہد کا آغاز فرمایا۔ آپ نے اپنے مسحور کن خطاب کے ذریعے ہندوستان کی پوری قوم میں انگریز کے خلاف آگ لگادی، اسی جرم میں بار بار گرفتار ہوئے۔ اپنی زندگی کے اٹھارہ برس جیل میں گزارے۔ انگریز نے ہمہ قسم ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے، لیکن آپ صبر واستقامت کی تصویر بن کر میدان عمل میں ڈٹے رہے۔ ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹا دعوئے نبوت ظاہر ہونے پر احرار کے پلیٹ فارم سے اسی مدعیٔ نبوت کے دجل وفریب کا پرداچاک کیا۔ دنیا بھر سے قادیانی فتنہ کے اثر ورسوخ کو ختم فرمایا۔ تحفظ ختم نبوت کی بے مثال جدوجہد پر دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے نہ صرف علماء کی ایک بڑی جماعت میں آپ کو امیر شریعت کا لقب مرحمت فرمایا۔ بلکہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت بھی فرمائی۔ آپ نے مجلس احرار اسلام کے تحت مجلس تحفظ ختم نبوت قائم فرمائی۔ تقسیم سے قبل امرتسر میں اور تقسیم کے بعد ملتان میں قیام پذیر ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں ملتان ہی میں آسودۂ خاک ہوئے۔

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ اشاعت: 2014ء)

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ

[سن وفات: 1962ء]

خانقاہ رائے پور کی دوسری بڑی شخصیت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں۔ آپ کا اگرچہ مولد و مدفن پاکستانی پنجاب کا علاقہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا ہے۔ تحصیل علم کے لیے متحدہ ہندوستان کے کونے کونے میں سرگرداں رہے۔ اس سلسلے میں مدرسہ امینیہ دہلی، مدرسہ حسین بخش دہلی اور مظاہر العلوم سہارن پور جا پہنچے۔ فراغت کے بعد قلبی اضطراب اور معرفت باری تعالیٰ کے اشتیاق نے آپ کو سرگردان و پریشان کر دیا، اس پریشانی کے ازالے کے لیے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی خدمت میں رائے پور جا پہنچے۔ حضرت رائے پوریؒ نے آپ کے اضطراب کو قرار میں تبدیل کیا۔ حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور حضرت کے ہی ہو کر حضرت کا عکس و تصویر بن گئے۔ خدمت شیخ میں نہایت ہی کمال پیدا کیا۔ حضرت نے بھی آپ کو اولاد سے زیادہ عزیز جانا اور ہمہ قسم باطنی کمالات منتقل فرما کر اپنا جانشین و مسند نشیں مقرر کیا۔ حضرت کے وصال کے بعد خانقاہ رائے پور حضرت کے دم سے آباد رہی۔ اکابرین دیوبند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور دیگر مشائخ کا آپ کو اعتماد اور خصوصی قرب حاصل رہا۔ آپ کی ان اکابر کے ہاں اور اکابر کی آپ کے ہاں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا، آپ کے دم قدم سے تحریک آزادی، تحریک ختم نبوت اور مدارس و جامعات کی تحریکوں کو عروج ملا۔ آپ نے ہندوستان بھر میں مدارس کی سرپرستی کی۔ قادیانی فتنے کی سرکوبی کے لیے علمائے کرام کو میدان میں اتارا، بھٹکی انسانیت کو راہ حق پر چلایا اور قلوب و باطن کا تزکیہ اپنا مشن بنایا۔

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ اشاعت: 2014ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ

[سن وفات: 1983ء]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اپنے زمانے کے محدثِ جلیل، فقیہ، شیخ طریقت، مبلغ اور امت کے بے مثال مصلح تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ رشید اور خادم خاص تھے۔ حضرت کاندھلوی نے آپ کی نہایت ہی اعلیٰ طریقہ اور خصوصی نگہداشت میں تربیت فرمائی۔ تعلیم میں بھی حضرت شیخ کو منفرد طریقے سے نوازا گیا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ مظاہر العلوم سہارن پور میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خصوصی تربیت میں رہے۔

حضرت سہارن پوریؒ نے "بذل المجهود" شرح سنن ابی داود، "المهند علی المفند" یعنی عقائد علمائے دیوبند وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے "اوجز المسالک" شرح مؤطا امام مالک تحریر فرمائی۔ آپ کی صحیح بخاری کی اردو تقریر نیز الکنز المتواری، تبلیغی نصاب وغیرہ کتب کو مقبولیت نصیب ہوئی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے زندگی بھر تبلیغ اور تزکیہ کے شعبے میں بھی امت کو فیض یاب کیا۔ آپ کے خلفا دنیا بھر میں اصلاح خلق کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ مدینہ منورہ میں ۱۳۴۹ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ بھی ہجرت فرما کر مدینہ منورہ مقیم ہو گئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ بروز بدھ بعد نماز عصر مدینہ منورہ میں ہی راہی اجل ہوئے اور جنت البقیع میں اپنے شیخ مولانا خلیل احمد

سہارن پوریؒ کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔

احقر کو عمرے کے ایک سفر میں مسجد نبوی کی صف اول میں محراب کے قریب نماز کی سعادت حاصل ہوئی۔ نماز کے انتظار میں کافی وقت گزارنا پڑا۔ میرے پہلو میں ایک ضعیف العمر عرب بزرگ ایک کتاب ہاتھ میں لیے بطرز تلاوت پڑھ رہے تھے۔ یہ فقہ کی کتاب تھی۔ میں کچھ دیر سنتا رہا، اس کے بعد ڈرتے ڈرتے ان سے گفتگو شروع کی۔

معلوم ہوا کہ وہ مالکی شیخ ہیں۔ میں نے مالکی شیخ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب ''اوجز المسالک'' کے متعلق سوال کیا تو فرمانے لگے کہ:

> ''میں حضرت شیخ کو جانتا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ شیخ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ نیز ان کی قبر کو دومرتبہ دوسری میتوں کو دفن کرنے کے لیے کھودا گیا۔ حضرت کا جسد عضری بالکل صحیح سالم تھا۔ بعد میں اسی طرح قبر بند کردی گئی اور پھر دوبارہ نہیں کھولی گئی۔''

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ اشاعت: 2014ء)

خوانودہ حکیم الامت حضرت مولانا

قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ

[سن وفات: 1983ء]

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ دار العلوم کی تاریخ کے سب سے طویل المدت مہتمم تھے۔ آپ کے دور اہتمام میں دار العلوم نے بے پناہ ترقی کی۔ آپ اپنے جد امجد حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کے ترجمان تھے۔ آپ بلاشبہ خطیب ہند بھی تھے۔ ۱۳۸۴ھ میں 33 سال کی عمر میں دار العلوم کے مہتمم بنائے گئے، 1947ء میں تقسیم ہند کے موقع پر آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے، جس کی وجہ سے دار العلوم دیوبند ایک باصلاحیت، متقی اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے حامل مہتمم سے محروم ہوگیا۔ ادھر حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ پاکستان میں محفل یاراں سے محروم ہوگئے۔ جانبین کی ایک دوسرے کی طرف کشش پیدا ہوئی۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ان کی واپسی کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد اور بعض اعلیٰ حکومتی ذمہ داران سے رابطہ کیا۔ ہندوستانی قانون کے مطابق ایسا ممکن نہ تھا، لیکن حضرت مدنیؒ کے اصرار پر حضرت حکیم الاسلامؒ کے لیے قانون میں ترمیم کی گئی اور آپ کو ہندوستان واپس بلا کر دار العلوم کا اہتمام ان کے سپرد کر دیا گیا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم حضرت حکیم الاسلام کے جانشین اور صاحبزادے ہیں۔ آپ دار العلوم دیوبند وقف کے مہتمم ہیں۔ آپ بھی والد محترم کی طرح بلا کے خطیب ہیں۔ حق تعالیٰ نے گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ضعیف العمری اور علالت کی وجہ سے گھر پر رہتے ہیں۔ آپ کا دولت خانہ دار العلوم دیوبند کے مہمان خانے کے قریب تر

ہے۔ جہاں ہمیں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ نے قافلے کا استقبال کیا۔ آپ نے بے حد شفقتوں سے نوازا۔ ڈھیروں دعائیں دیں۔ دارالعلوم دیوبند وقف کی بعض خدمات بیان فرمائیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف اور اردو تصانیف کو عربی میں ڈھالنے کے جاری منصوبہ جات کے بارے میں بھی مطلع فرمایا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ کا آخر عمر میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے بعد دارالعلوم کی مجلس شوریٰ سے آئندہ مہتمم کے متعلق چنداں اختلاف پیدا ہوا تھا۔ اس پر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ اور آپ کے خانوادہ نے دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی اختیار کر کے سرزمین دیوبند میں ''دارالعلوم وقف'' کے نام سے کامیاب ادارہ قائم کیا۔ تب سے حضرت حکیم الاسلام کے خانوادہ اور خانوادہ مدنی میں کچھ بُعد پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے اپنی علالت کے ایام میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا۔ جس کا قاسمی خاندان کے سرپرست مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نے نہایت ہی متین جواب مرحمت فرمایا۔ فریقین میں ملاقات ہوئی اور یوں مدنی وقاسمی خاندان کا باہمی بُعد بحمد اللہ ختم ہو گیا۔ یقیناً یہ ان دونوں بزرگوں کی اعلیٰ ظرفی اور اپنے اپنے آباء کے حسن اخلاق کی اقتدا کی علامت ہے۔ ذیل میں یہ دونوں خطوط ذکر کیے جاتے ہیں۔

مکتوب از امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، صدر جمعیت علمائے ہند:

''محترم المقام! زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ نے خاکسار کی صحت وعافیت اور خیریت پوچھی۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی۔ الحمد للہ! رفتہ رفتہ روبصحت ہوں۔ خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

''یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں، ہم تو ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں، ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھے

اور ہیں۔ اس لیے جو کہا، کیا اور ہوا، اس کو معاف کرنا چاہیے اور آخرت کے لیے نہیں رکھنا چاہیے۔"

دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

اسعد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند"

جوابی مکتوب از خطیب اسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف):

"جماعتی وقار اور مسلک روایات اکابر کی مجروحیت کا سدِ باب، اختلافات کو یکسر ختم کرنے میں ہی مضمر ہے۔ احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہنچ جانے پر ہماری مشترک خواہش و کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہم اپنے آنے والی نئی نسل علماء کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں، بلکہ حسب روایت اسلاف کرام ہم اتحاد و اتفاق، فکری و عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذبات خدمت علم و دین دے کر بتوفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبکدوش ہو کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں۔"

آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں اور دعا کا خواستگار ہوں۔

والسلام

محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند"

باہمی رابطے کے بعد چپقلش بحمد اللہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ اے کاش! کہ پاکستان کے علما و قائدین میں بھی اس طرح یہ بُعد ختم ہو جائے اور اتفاق کی صورت نکل آئے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم کی زیارت سے فارغ ہو کر ہم لوگ اکابر کی قبور پر حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔

(کتاب: "آباء کے دیس میں"، تاریخ اشاعت: 2014ء)

پیامِ صداقت کے علمبردار، امیرِ عزیمت
حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمہ اللہ

[سنِ شہادت: 1990ء]

مولانا حق نواز شہیدؒ پر تاثیر شخصیت، سحر انگیز خطابت، بے مثال فصاحت و بلاغت، دور اندیش فکر اور انقلابی عزم کے حامل ایک سچے اور کھرے انسان تھے۔ ان کی زبان میں صداقت، عمل میں اخلاص، فکر میں اولوالعزمی، کردار میں طہارت نمایاں تھی۔ حُبِّ رسولؐ، عشق صحابہؓ، عقیدت اہل بیت اور اتباعِ سلف کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قرآن وسنت کی حقانیت، ناموس رسالت کی حفاظت، صحابہ واہل بیت کی محبت اور عقائد اہل سنت والجماعت کا تحفظ ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ وہ اپنے اس نصب العین پر بلا خوف لومۃ لائم آخری دم تک ڈٹے رہے۔ کوئی حرص وطمع، خوف و ڈر، کسی ستم گر کا ستم اور ظالم کا ظلم ان کے پایہ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ لا سکا۔ وہ چوکوں، چوراہوں، منبروں، محرابوں، حتیٰ کہ تھانہ کچہریوں میں بھی بلا تکلف بہانگ دہل واشگاف الفاظ میں اعلان فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں زوردار قوتِ بیاں عطاء فرمائی تھی، وہ جب بولتے تو گھنٹوں بولتے جاتے، الفاظ وانداز ان کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے۔ ان کے بیان میں دریاؤں جیسی روانگی، بجلی جیسی چمک اور آگ جیسی حرارت ہوتی۔ وہ جو بات سمجھانا چاہتے سامعین کے دلوں میں اتار دیتے اور اس انداز سے اتارتے کہ مرتے دم تک سامعین کے دلوں سے وہ بات نہ نکالی جاسکتی۔ وہ جوش میں باہوش رہتے، جذبات کی شدت کے باوجود آپے سے کبھی باہر نہ ہوتے، اپنے دعویٰ پر سینکڑوں دلائل رکھتے، ان کی گفتگو سن کر ان کے مخالفین بھی ان کی صداقت کے معترف ہوکر لاجواب ہوجاتے۔

مولانا حق نواز ان معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں، جنہیں حق تعالیٰ نے دین کے کسی ایک شعبہ کے لئے بطورِ خاص قبول فرما کر تھوڑے عرصہ میں انہیں کمال کی محبوبیت اور مقبولیت نصیب فرما کر ان سے اپنے دینِ متین کے ایک شعبہ کے تحفظ کا کام لیا۔ بندہ کو ان سے شناسائی کا شرف اپنی صغر سنی میں زمانہ تعلیم میں اس وقت ہوا جب حضرت والد محترم مولانا رشید احمدؒ نے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مدرسہ قدیم (مدرسہ عربیہ فاروقیہ ملتانی دروازہ) کے متصل فاروقی مسجد میں انہیں خطاب کے لیے مدعو فرمایا، غالباً اس وقت مولانا مرحوم سند فراغت لے کر میدان تبلیغ میں نو وارد تھے۔ اس جلسہ میں دیگر اکابر بھی تشریف لائے تھے، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ بطورِ خاص تشریف لائے۔ عشاء کے بعد نشست میں حضرت مولانا حق نواز شہیدؒ نے اپنا خطاب شروع فرمایا، غالباً شہر میں یہ ان کا پہلا خطاب تھا، جونہی خطاب شروع ہوا مجمع میں سناٹا چھا گیا۔ مولانا کے زورِ بیان میں جوں جوں روانگی بڑھتی گئی، سامعین کی دلچسپیوں میں اضافہ ہوتا گیا اور پھر یوں لگا کہ سامعین ایسے ہمہ تن گوش ہیں کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ ان دنوں مولانا کی طبیعت پر تحفظ ختم نبوت اور ردِ بدعت ورسومات کا غلبہ تھا۔ مولانا نے اپنے موضوع پر مفصل اور مدلل بیان فرمایا۔ صبح سارے شہر میں مولانا موضوعِ سخن بنے رہے، ہر تیسرا آدمی مولانا کے پراثر بیان پر مدحیہ جملے کہہ کر تبصرہ کرتا۔

ان کی دوسری تقریر ملک کی مشہور ومعروف دینی درسگاہ، دار العلوم کبیر والہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی پر سننا نصیب ہوئی۔ اس موقع پر مولانا پر تقریر کرنے پر پابندی تھی، لیکن مولانا مرحوم اسٹیج پر اچانک نمودار ہوئے اور پھر شعلہ بیان خطاب فرمایا۔ آج وہ اپنی مادرِ علمی میں اپنے اساتذہ کرام کی موجودگی میں بیان فرما رہے تھے اور بڑے وثوق اور اعتماد کے ساتھ، گویا انہوں نے اپنے اساتذہ کا پڑھایا ہوا سبق اپنے اساتذہ کی موجودگی میں سنایا۔ مولانا مرحوم کا یہ بیان سن کر ان کے کمالات سے شناسائی ہوئی، اگرچہ ان سے ملاقات عرصہ دراز کے بعد ہوئی، تاہم ان کی محنتوں، کاوشوں اور عزائم سے آگاہی رہتی۔

ایرانی انقلاب کے بعد ملک اور بیرونِ ملک اس انقلاب کے اثرات چھاتے گئے۔

شر انگیز لٹریچر جو توہین انبیاء، توہین صحابہ اور توہین اسلاف پر مبنی تھا، گلی گلی پھیلایا گیا۔ ایک مخصوص طبقے کے نظریات کو امت مسلمہ پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض نادیدہ قوتوں نے اس طبقہ کی غیر محسوس انداز سے اس طرح سرپرستی کی کہ برسرعام انبیاء علیہم السلام کی توہین و تنقیص کی جانے لگی۔ حضور علیہ السلام کے خصوصی رفقاء اور اصحاب کو برسرعام تبرا بکا جانے لگا۔ اردو، فارسی، عربی میں لاکھوں کتب و رسائل لکھ کر مفت تقسیم کر کے مقدس شخصیات کی توہین کی گئی، ان حالات میں پورے عالم اسلام میں اس بے دینی کے خلاف اہل حق کے نمائندوں نے اپنا اپنا فرض منصبی نبھایا، تقریر و تحریر کے ذریعے ناموسِ رسالت، ناموسِ صحابہؓ واہلِ بیتؓ کو بیان کیا گیا۔

ہندوستان سے عالم اسلام کے ممتاز اسکالر و محدث حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہٗ اللہ نے "ایرانی انقلاب" لکھ کر اس فتنہ کو طشت از بام فرمایا، بعدہٗ پاکستان کے ممتاز جامعات و مدارس نے ملک کے قابل ذکر تمام طبقوں سے راہنمائی لے کر اس فتنہ کے خلاف مدلل موقف شائع کیا۔ حضرت مولانا حق نوازؒ نے اپنے اکابر کی اسی فکر کو لے کر باقاعدہ تحریک کا آغاز فرمایا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک ملک کے طول و عرض میں بھرپور قوت کے ساتھ اُبھری اور ایوانوں تک اہلِ حق کی آواز جا پہنچی، حکمرانوں کو یہ غلیظ لٹریچر ضبط کرنے کا اعلان کرنا پڑا۔

مولانا حق نواز رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ عمل سے اگرچہ بعض اہلِ حق کو اختلاف تھا، تاہم ان کے مشن، مقصد اور عقیدہ سے سبھی متفق تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ مشن لوگوں کے دلوں و دماغوں میں پیوست ہو چکا ہے اور سرکاری وغیر سرکاری حربے اس نظریہ کو لوگوں کے دل و دماغ سے نہیں نکال سکے۔ مولانا مرحوم کو ان کے مشن سے باز رکھنے کے لیے متعدد بار پابند سلاسل کیا گیا، جھوٹے مقدمات بنائے گئے، انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے، تشدد کا ہر طریقہ ان پر آزمایا گیا، لیکن یہ سب کچھ انہیں متزلزل نہ کر سکا۔ وہ جب بھی جیل سے رہائی پا کر واپس آتے تو پہلے سے زیادہ مضبوط اور بہادر بن کر سامنے آتے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم سے ناموسِ صحابہ و اہل بیت کے علاوہ دیگر فتنوں کی سرکوبی کا بھی کام لیا۔ ان کا ایک بیان ہی کسی فتنہ کی سرکوبی کے لیے کافی ہو جاتا۔ انہوں نے فراغت کے بعد اہل بدعت کے رد کو اپنا مشن بنایا، اس شعبہ میں ان کے ساتھ دیگر بیسیوں اہل

علم، خطباء اور مناظرین مصروف عمل تھے اس لیے انہوں نے تحفظ ناموس صحابہ کی جانب اپنی توجہ کو مرکوز کرلیا، لیکن اگر کہیں کسی بھی نئے فتنہ نے سر اٹھایا، مولانا بجلی کی طرح اس پر کڑ کے اور اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی۔

کبیر والہ ضلع خانیوال میں سلف بیزار ایک شخص نے فتنہ کھڑا کر کے اکابرینِ اہل السنت والجماعت پر کفر کے فتوے داغ ڈالے، اپنے ہی اساتذہ اور مشائخ کی جانب اپنی توپیں کھول دیں۔ مولانا مرحوم فوراً کبیر والہ پہنچے اور اس موضوع پر دو گھنٹے مدلل بیان فرمایا (جو آج بھی دستیاب ہے) اور اسلاف کے مسلک کو دلائل کے ساتھ مبرہن کر کے اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی۔

مولانا حق نواز مرحوم نے مذہب کی خدمت کے ساتھ ساتھ سماج کی خدمت کو بھی اپنا شعار بنالیا۔ انہوں نے جھنگ کی مظلوم اور غریب عوام سے احساس محرومی کو دور فرمایا اور عوام کے حقوق کی آواز اٹھائی۔ مولانا نے جاگیرداروں کو غریب عوام کی عزتوں سے کھیلنے اور زیردستوں کے حقوق سلب کرنے سے منع فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بہت جلد جھنگ کے مقبول ترین سیاسی لیڈر بن گئے اور ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں ان کی یقینی کامیابی کو جاگیردارانہ سازش کے ذریعے شکست میں تبدیل کیا گیا۔ تاہم آنے والے دور میں یہ سیٹ ان کے جانشینوں نے حاصل کی۔

مولانا مرحوم کو ان کے مذہبی، سیاسی مخالفین نے راستہ سے ہٹانے کے لئے ایک مشترکہ تحریک کے ذریعے سفاکانہ انداز میں شہید کردیا، لیکن ان کا یہ قدم ان کے لیے تباہ کن ثابت ہوا، سیاسی اور مذہبی طور پر نیست و نابود ہو گئے، جبکہ مولانا کا مشن پہلے سے زیادہ توانا بن کر دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بھر میں پھیل گیا۔ ان کی فکر و نظریہ لوگوں کے دلوں، دماغوں میں جاگزین ہو گیا، جسے کوئی جبر و لالچ ختم نہیں کرسکا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی ساعی حسنہ کو قبول فرمائے۔ آمین۔

میرے شیخِ اول

حضرت مولانا قاری شہاب الدین رحمہ اللہ

[سن وفات: 1997ء]

۱۴۰۸ھ میں علوم نبویہ سے رسمی فراغت کے بعد، سلسلہ تدریس شروع ہوا، تو زمانہ طالب علمی کی تمنا و جستجو میں اضافہ ہوا، کہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قلب سیاہ کو سفید کروں، لیکن پیر بنانا اور اسے اپنانا کونسا آسان کام ہے، خدا طلبی تو بلا طلبی ہوتی ہے، پھر خدا طلبی کے راستوں میں کبر، عجب، خود پسندی جیسی خطرناک رکاوٹیں حائل ہو کر ایک مولوی کی محرومی کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ بالالفاظ دیگر عجب و تکبر کسی پر تک نہیں پڑنے دیتا، اس لیے ہمیشہ ادھیڑ پن میں رہتا کہ کسی سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے۔ ایک طرف یہ رکاوٹ، دوسری جانب مشائخ کی دورۂ حدیث کے سال یہ نصیحت کہ کسی سے اصلاحی تعلق ضرور قائم کرنا، یاد آتی، یوں اضطراب رہنے لگا۔

تدریس کے پہلے سال بحمد اللہ! امام الصرف والنحو استاذ العلماء حضرت مولانا اشرف شاد رحمہ اللہ کی صحبت و سرپرستی کی نعمت میسر آئی، ان کی سادگی، تقویٰ، اور انہماک تعلیم نے بندہ کو متاثر کیا، ان کی زبانی مختلف حوالوں سے شیخ طریقت، شیخ التفسیر عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری شہاب الدین سرگودھوی رحمہ اللہ کا اسم گرامی سننے کو ملا۔ حضرت مولانا محمد اشرف شادؒ کا آپؒ سے گہرا تعلق تھا، اور یہ تعلق کئی حوالوں سے تھا، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ حضرت مولانا محمد اشرف شادؒ قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبد اللہ بہلوی رحمہ اللہ کے داماد اور حضرت مولانا قاری صاحبؒ آپ کے خلیفہ اجل تھے، دونوں میں قرابت و اعتماد اور آمد و رفت کا سلسلہ تھا۔

احقر کی تدریس کا آغاز اور حضرت مولانا محمد اشرف شادؒ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ

اشرفیہ کی تاسیس کا سال ۱۴۰۹ھ ایک ہی ہے۔اسی سال ہی حضرت اقدس، الشیخ مولانا قاری شہاب الدینؒ کی جامعہ اشرفیہ مانکوٹ تشریف آوری ہوئی، احقر کو بھی حضرت کی زیارت وخدمت کی سعادت میسر آئی، یہ آپ سے پہلی ملاقات تھی اور یہی ملاقات ''تمنائے شیخ'' کی تکمیل کا ذریعہ بنی، اسی سال ہی حضرتؒ کے دست حق پرست پر احقر نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔

حضرت کے ہاتھ پر بیعت کے بعد بحمد اللہ! استفادہ وتربیت کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضریوں کا سلسلہ جاری رہا۔آئندہ سال حضرت کے اکلوتے صاحبزادے، مولانا محمد ہارون زید مجدہ درجہ ثالثہ میں جامعہ اشرفیہ میں داخل ہوئے، اس نسبت سے بھی حضرت کے مدرسہ میں آمدورفت میں بھی اضافہ ہوا۔اور بندہ بھی سرگودھا اور دیگر شہروں مثلاً چنیوٹ، ملتان، خان گڑھ وغیرہ جہاں حضرت کی تشریف آوری ہوتی، حاضر ہوتا رہا۔ ۱۲۔۱۴۱۱ھ میں احقر مانکوٹ سے اپنے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، حضرت مولانا اشرف شادؒ اور حضرت اقدس مولانا قاری شہاب الدینؒ کی اجازت سے منتقل ہوا، تو حضرت نے کمال اعتماد فرماتے ہوئے اپنے اکلوتے صاحبزادے مولانا محمد ہارون زید مجدہ کو درجہ رابعہ کی تعلیم کے لیے شجاع آباد بھیج دیا، جو سال بھر یہاں مقیم رہے اور درجہ رابعہ کے اسباق مکمل کیے، اسی دوران حضرت کی تشریف آوری شجاع آباد میں کثرت سے ہونے لگی، آپؒ احقر کی ہمہ قسم کی تربیت کے ساتھ ادارہ کے نظم ونسق کے حوالے سے رہنمائی فرماتے رہے۔اپنی خانقاہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے بیان سے قبل اپنی موجودگی میں احقر سے بیان کرواتے، مجلس ذکر جو عموماً آپؒ کے خلفائے کرام کروایا کرتے تھے، میں بھی ایک وقت مقرر فرماتے اور حکم دیتے کہ مجلس ذکر کراؤ۔یوں استفادہ کا سلسلہ جاری وساری رہا، حتی کہ ۱۹۹۶ء میں احقر کے گردے فیل ہوگئے، بندہ صاحبِ فراش ہوا، اس دوران ایک مرتبہ حضرت کی تشریف آوری ہوئی، ابھی بندہ اپنی علالت سے جانبر نہ ہوا تھا کہ مرشد بیمار ہوگئے اور داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علالت کی وجہ سے جنازہ میں شرکت سے محرومی ہوئی، تاہم بعد میں متعدد بار حق تعالیٰ

نے مزار مبارک پر حاضر ہونے کا شرف عطا کیا۔

یہ تو تھی احقر کی حضرتؒ سے صحبت کی مختصر سرگزشت۔ اب جی چاہتا ہے کہ مختصر ذکر یار کر کے دل غمگین کو ایک بار پھر ان کے تذکرہ سے بے قرار کیا جائے۔

پست قد، قدرے لمبی گھنی ریش مبارک، سفید بال، زیب تن مسنون کرتا، سر پر سفید عمامہ نہایت دل پزیر آواز میں تلاوت قرآن کریم، متین و سنجیدہ طبیعت، فصیح و بلیغ گفتگو، اعلیٰ اخلاق کے حامل، بہترین خطیب و واعظ، بلا کا حافظہ کتب بینی کا مشغلہ، خلوت پسند اور خلوت گزین بے طمع و بے غرض، ایثار و ہمدردی کے پیکر اور مفسر و محدث۔

آپؒ کے مختصر اوصاف:

حق تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل میں کمال عطا فرمایا تھا، وہ جامع شریعت و طریقت اور اپنے مشائخ کے علم و تقویٰ کا، پر تو تھے، قرآن کریم میں انہماک آپ کا بہترین مشغلہ اور اصلاح خلق آپ کا وطیرہ تھا۔ اپنے مشائخ سے جنون کی حد تک محبت اور اپنے مسترشدین پر بے پناہ شفیق تھے، عوام الناس کی خیر خواہی و محبت نے آپ کو ہر دل عزیز بنایا ہوا تھا، جو ایک بار آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا وہ آپ کا ہی ہو کر رہ جاتا۔ حق تعالیٰ نے آپ میں مقناطیسی قوت پنہاں فرمائی تھی، لوگ آپ کی جانب کھینچتے چلے آتے۔ شہر کے نوجوانوں کا حلقہ آپؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا، وہ آپ پر جان چھڑکتا، علماء آپ کے قدموں میں بیٹھنے کو سعادت جانتے، طلباء کرام آپؒ سے تفسیر پڑھنے کے لیے کشاں کشاں چلے آتے۔ آپ کے درس و واعظ کے حلقے میں تل دھرنے کی جگہ نہ ہوتی۔ سرگودھا میں دو مقام پر آپ کے دروس کا مستقل سلسلہ تھا۔

۱)۔ مدرسہ امینیہ۔

۲)۔ مسجد ۱۶ بلاک

علاوہ ازیں سرگودھا اور دوسرے شہروں میں یہ سلسلہ جاری رہتا، درس قرآن کریم کے ساتھ علوم نبویہ کی تدریس سے بھی تا حیات وابستہ رہے، اپنے بزرگوں کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ

امینیہ کو تا حیات علمی و روحانی رونق بخشی، آپؒ میں جو صفات عالیہ ودیعت رکھی گئیں، ان سب کا احاطہ تو ممکن نہیں، البتہ چند ایک کا تذکرہ حسب مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

مجاہدہ و ریاضت:

کمال دنیوی ہو یا دینی، علمی ہو یا روحانی، مجاہدہ و ریاضت کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں ہوتا، علم روحانیت میں تو منزل کا حصول مجاہدات، ریاضات، مشقتوں، محنتوں اور شب بیداری سے عبارت ہوتا ہے، حضرتؒ نے علمی و روحانی دونوں کمالات کے حصول میں بے حد مجاہدہ فرمایا، تعلیمی میدان میں بچپن سے ہی نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ طالب علمی کے زمانہ کی ابتداء میں ہی جنگل سے لکڑیاں کاٹتے رہے، مختلف مقامات پر حصول علم کے لیے مارے مارے پھرے، پانی پت ہندوستان کے مختلف گاؤں، چنیوٹ، چوکیرہ، سرگودھا وغیرہ کے مقامات پر کسب علم فرمایا۔ آپؒ کے اساتذۂ کرام میں شیخ الحدیث مولانا خدا بخش سابق شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی، حضرت مولانا مفتی احمد سعیدؒ، حضرت مولانا محمد نور کاکا خیلؒ، حضرت مولانا احمد شاہؒ، حضرت مولانا سید محمد حسین شاہؒ، حضرت مولانا غلام رسولؒ، حضرت مولانا دوست محمد ساقیؒ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ، حافظ شیر محمدؒ، حضرت مولانا عبدالکریمؒ اور قاری مشتاق احمد شامل ہیں۔

تزکیہ سلوک میں امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ سے کسب فیض فرماتے رہے۔ حضرت لاہوریؒ اور حضرت بہلویؒ سے یکے بعد دیگرے بیعت ہوئے۔ حضرت لاہوریؒ کا کچھ عرصہ بعد وصال ہو گیا، تو حضرت بہلویؒ سے بیعت ہوئے۔ لیکن یہ بیعت رسمی نہ تھی بلکہ حضرت نے تا حیات اس کو نبھایا۔ آج کل مشائخ سے بیعت کو محض تبرک اور رسمی چیز تصور کیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مرشد و مسترشد کے مابین بیعت ایک خاموش معاہدہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ مسترشد اپنی اصلاح، روحانی تربیت اور احکام الٰہی میں انہماک کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے۔ شیخ کی صحبت میں رہ کر ہمہ قسم کی رہنمائی کو

قبول کرے، شیخ سے رہنمائی کا طالب بن کر پوری طرح عمل پیرا ہو، شیخ اپنی توجہات اور مشائخ سے حاصل کردہ طریق تربیت کے ذریعے اپنے مرید مسترشد کی پوری پوری رہنمائی کرے۔ پیری و مریدنہ فرض ہے نہ واجب اور نہ ہی مقصود شریعت ہے۔ البتہ اصلاح نفس، تزکیہ باطن، روحانی تربیت کا حصول، اخلاق رزیلہ سے حفاظت اور اخلاق حسنہ کا حصول واجب اور مقصود شریعت ہے۔ آپؒ نے اپنے ایک بیان میں ارشاد فرمایا تھا اگر کسی کو یہ مقصد بغیر صحبت شیخ اور تعلق قائم کیے حاصل ہو جائے تو اسے منزل مل گئی، اس لیے تصوف کے اسباق کوئی ضروری امر نہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر تصوف اور سلوک ایک ذریعہ ہے امر شریعت کے حصول کا مشائخ سے تعلق بھی اسی لیے قائم ہونا چاہیے۔ اگر اس مقصد کے لیے بیعت نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ پیری و مریدی محض دکھلاوا ہے۔ حضرت قاری شہاب الدین نے حضرت بہلوی سے تعلق قائم کر کے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے فرما دیا۔ شیخ سے سولہ سال تک نبھایا وہ سولہ سال تک ہر ماہ سرگودہ سے شجاع آباد تشریف لاتے رہے دو شب قیام کر کے واپس تشریف لے جاتے، ایک مرتبہ بیان میں فرمایا کہ بعض اوقات ٹرین میں انتشار ہوتا کہ کھڑے ہو کر اور ایک بار فرمایا کہ مجھے لٹک کر جانا پڑا لیکن اس معمول میں کمی نہ آنے دی اور اپنے شیخ سے مدارج سلوک طے کرتے رہے۔ شیخ سے بے حد محبت کے ساتھ بے حد ادب بھی تھا یہی دونوں چیزیں کامیابی کا زینہ ہوا کرتی ہیں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ میں اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو میرے آنسوں بہتے رہتے تھے اور ہیبت کی وجہ سے آپ کے سامنے بات بھی نہیں کر سکتا تھا اور بعض دفعہ یہاں سے چلتا تو شجاع آباد پہنچنے تک آداب شیخ اور ان کی توجہ اپنے اوپر مہربانی کی دعائیں کرتا رہتا۔ مقصد اس سے صرف یہ ہوتا تھا کہ اس عاجز و ناقص کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت نصیب ہو جائے۔

آپ کو شیخ سے اس قدر محبت تھی کہ اور رضاء شیخ میں اس قدر منہمک رہتے تو حق تعالیٰ نے آپ کو بھی شیخ کا عکس بنا دیا، آپ نے شیخ کی طرح تفسیر، خدمت قرآن، تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد، اصلاح خلق وتزکیہ میں تاحیات شیخ کے مشن کو زندہ رکھا۔ شیخ کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم تھا کہ اپنی خانقاہ کا نام شیخ کی نسبت سے خانقاہ ”عبیدیہ“ جو عبداللہ بہلوی کی جانب منسوب تھی، رکھا تھا۔

حضرت بہلوی کی وفات کے بعد آپ نے اپنے آپ کو کامل متصور نہیں فرمایا اور یہی کاملین کا وصف ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو محتاج تربیت تصور کرتے ہیں اور کاملین کی صحبت کے متلاشی رہتے ہیں، چنانچہ حضرت کی وفات کے بعد درج ذیل اساطین امت سے کسب فیض فرماتے رہے:

۱)۔ مسند نشین رائے پور حضرت اقدس شاہ عبد العزیز رائے پوری رحمہ اللہ۔

۲)۔ حضرت شیخ سعد الدین رحمہ اللہ اٹھارہ ہزاروی جھنگ۔

۳)۔ حضرت خواجہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ، سجادہ نشین موسیٰ زائی شریف ڈیرہ اسماعیل خان۔
آپ کو حضرت بہلوی رحمہ اللہ سے سلاسل اربعہ کی اجازت حاصل ہوئی، نیز حضرت خواجہ محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی جانب سے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے سلاسلِ ثمانیہ کی اجازت حاصل ہوئی۔ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، شطاریہ، مداریہ، قلندریہ۔

۴)۔ شیخ طریقت، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی رحمہ اللہ، خلیفہ مجاز حکیم العصر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے بذریعہ مکاتبت کسب فیض کرتے رہے۔

خدمت قرآن کریم:

آپ ”بہترین قاری قرآن، ماہر مفسر تھے، زندگی بھر قرآن کریم کی خدمت کا شغف رہا، مختلف شعبہ جات اور مختلف انداز سے خدمت قرآن کریم فرمائی، آپ کی اس قرآنی ذوق کی وجہ سے آپ کو ”قاری“ کے ساتھ موسوم کیا گیا عموماً نمازِ فجر کی امامت خود کرواتے اور خوبصورت آواز میں تلاوت قرآن کریم فرماتے، تو دل موم ہو جاتے، احقر کی سرگودھا حاضری عموماً رات کی گاڑی سے ہوتی تھی بیان میں بھی جب کبھی لے میں آتے تو ترنم کے ساتھ تلاوت فرماتے تو سننے والے عش عش کر اٹھتے، آپ کا ہمیشہ فرمان ہوتا کہ علماء کرام کو قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھنا چاہیے، آپ ایسے علماء کرام پر اظہار ناراضگی و افسوس فرماتے جو قرآن کریم کو مجہول پڑھتے ہیں ایک موقع پر آپ نے مثالیں دے کر ارشاد فرمایا کہ قرآنی الفاظ خلاف تجوید پڑھنے سے حروف قرآن کریم کا معنی تبدیل ہو جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات آدمی کفر تک جا پہنچتا ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر وترجمہ سے بھی خاصا انہماک تھا، آپؒ نے اپنے شیخ قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ سے حضرت مولانا حسین علیؒ کے مخصوص طرز پر قرآن کریم کی تفسیر پڑھی اور زندگی بھر پھر تفسیر پڑھاتے رہے آپ کے حلقہ درس قرآن، عوام وخواص کے لیے جدا جدا تھے، عوام کے لیے طرز سادہ اور عام فہم ہوتا، جبکہ علماء اور پڑھے لکھے طبقہ کے لیے حلقہ میں تفسیر کے جواہر بکھیر دیتے، آپ کی تفسیری ذوق کی وجہ سے آپ کے کتب خانہ میں طرح طرح کی تفاسیر موجود تھیں۔ تفسیر بینی کے ذوق نے آپ سے زندگی بھر تفسیریں خریدنے اور دنیا بھر سے حاصل کرنے پر لگائے رکھا، آپ نے عوام الناس کے استفادہ کے لیے اردو اور پنجابی میں الگ الگ تفاسیر کی تصنیف شروع کی ہوئی تھیں، احقر سے ایک مرتبہ تواضعاً ارشاد فرمایا تفسیریں تو بے شمار تحریر ہو چکی ہیں، میری تفسیر لکھنے کی غرض صرف یہ ہے کہ متعلقین استفادہ کر سکیں، کیونکہ ہر شخص جس کا عقیدت مند ہوتا ہے، اسی کی کتاب دیکھنا پسند کرتا ہے، آپ نے پنجابی میں ترجمہ قرآن کریم بھی لکھنا شروع فرمایا تھا۔

آپ کے سلسلہ وار دروس قرآن قرآن ایک عرصہ تک آپ کے جاری کردہ جریدہ ''ماہنامہ التزکیہ'' اور دیگر رسائل میں طبع ہوتے رہے، جن سے اہل علم مستفید ہوئے، آپ کی دروس قرآن کریم کی کیسٹیں بھی مقبول تھیں، آپ کے متعلقین آپ کے دروس کی ریکارڈنگ کا اہتمام فرماتے، امید ہے کہ حضرتؒ کے صاحبزادہ زیدشرفہٗ حضرتؒ کے ان دروس کو تحریری شکل میں مرتب کروا کر کتابی شکل دیں گے، جن سے ان شاء اللہ عوام وخواص استفادہ کریں گے، آپ کے اس قرآنی انہماک کا نتیجہ تھا کہ آپ کے حلقہ ارادت میں زیادہ علماء شامل ہوئے، بہت سے مدرسین، شیوخ اور مفتیانِ کرام آپ سے بیعت تھے، آپ کے خلفاء کرام میں بھی کثیر علماء کرام ہیں۔

حکمت وبصیرت:

حق تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت حکمت وبصیرت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا
وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُوْلُوا الْأَلْبَابِ ۝ (البقرة:۲۶۹)

”وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہوگی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی، اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں۔“

حکمت کی متعدد تفسیریں ہیں، ان میں سے ایک تفسیر ہر بات وعمل کو سلیقے سے کرنا، برموقع کرنا سے بھی کی گئی ہے، اہل علم فرماتے ہیں کہ حکمت علم کا آخری درجہ ہوتا ہے، علم کے تین درجات ہیں:

۱)۔ فہم دین۔
۲)۔ تفقہ فی الدین۔
۳)۔ حکمت۔

سب سے پہلے دین کا علم حاصل ہوتا ہے اس کے بعد دین کے علم میں مہارت پیدا ہوتی ہے جسے ”تفقہ“ یا فقاہت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ درجہ برسہا برس کی علمی محنتوں، مطالعہ اور برسہا برس کی محنتوں سے حاصل ہوتا ہے، آخری درجہ حکمت کا ہوتا ہے، جو مشائخ کی صحبت اور اہل اللہ کی رفاقت سے حاصل ہوتا ہے، حکمت کا درجہ اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطاء فرماتے ہیں، اس لیے اکابر میں چند ایک حضرات کے ساتھ حکمت کا لقب استعمال ہوتا تھا، مثلاً: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے لیے معروف ہوا جبکہ ماضی قریب میں حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ کے لیے معروف ہوا۔

حق تعالیٰ نے آپ کو حکمت وبصیرت کا مقام عطاء فرمایا تھا، وعظ وارشاد، تزکیہ وسلوک انتظام وانصرام میں ہمیشہ حکمت وبصیرت کو ملحوظ خاطر رکھتے، چنانچہ ایسا شخص جس میں یہ صفات جمع ہوں اسے عالم ربانی کہا جاتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ
يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا

رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ○

(آل عمران:۷۹)

"یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے"۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں اسی طرح منقول ہے، گویا کہ آپ حقیقی معنوں میں عالم ربانی تھے، لوگوں کے مزاج جان کر انہیں دین پر لگانا ان کے مزاج کے مطابق گفتگو کے ذریعے ان کو دین کی جانب مائل کرنا، ایسے اعمال بتانا، جس سے اس شخص کی روحانی کمزوری دور ہو جائے۔ مشکلات میں تسلیاں دینا آپ کا طریقہ تھا، ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک لڑکی سے عشق ہو گیا ہے کوئی عمل بتائیں مراد حاصل ہو جائے، آپ نے اسے استغفار کے عمل پہ لگا دیا، کچھ عرصہ بعد یہ شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ لڑکی کا خیال ہی دل سے نکل گیا ہے، بندہ جب تدریس کے لیے شجاع آباد منتقل ہوا تو مدرسہ کی عمارت اور وسائل کی شدید قلت تھی اس سے پریشانی ایک بدیہی امر ہے، آپ کے صاحبزادہ صاحب بھی یہاں زیر تعلیم تھے، ممکن ہے کہ مدرسہ کی مالی زبوں حالی کے بارے میں انہوں نے بھی حضرت کو ذکر کیا، احقر نے بھی بوقت حاضری دعا کی درخواست کی تو مجھے فرمایا:

"مدرسہ چلانا ہاتھی کھڑا کرنا ہوتا ہے، ایک دفعہ کھڑا ہو جاتے تو پھر کھڑا رہتا ہے، ہمارا ہاتھی کھڑا ہو گیا ہے آپ کا بھی ہو جائے گا"

اس کے ساتھ ہی احقر کو رمضان المبارک میں وسعت رزق کا چلہ کرنے کی ہدایت فرمائی، یہ چلہ روزانہ "یا مغنی" کے وظائف کا تھا جو مخصوص تعداد میں، مخصوص لباس، مخصوص وقت اور مخصوص مکان پر کرنا تھا، بحمد اللہ احقر نے 1992ء میں یہ عمل کیا اس عمل کی روزانہ کی زکوۃ بھی گیارہ تسبیحات تھیں، ہر چند کہ زکوۃ میں کوتاہی ہے تاہم اس عمل کے آثار و نتائج تا ہنوز محسوس کر

رہا ہوں، ایک موقع پر خصوصی نصیحت فرمائی کہ فجر کی سنتوں اور فرض نماز کے درمیان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ کی تسبیحات کیا کرو، اس سے رزق میں بھی برکت ہوتی ہے۔

1994ء میں عمرہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو حضرت کو عرض کیا آپ نے روضۂ اطہر میں قدموں کی جانب بیٹھ کر مخصوص مراقبہ کرنے کا حکم دیا، اس سے مقصد جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی توجہ کا حصول تھا، ان دنوں پاؤں مبارک کی جانب کا حصہ عوام کے لیے کھلا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت کی برکت سے اس عمل کی بھی توفیق نصیب فرمائی، حضرتؒ نے طلباء واساتذہ میں ذکر کی ترغیب کے لیے روزانہ مجلس ذکر کے انعقاد کا حکم فرمایا، چنانچہ برسہا برس تک عشاء کے بعد مجلس ذکر ''یا مغنی'' کی تسبیحات طلباء واساتذہ پڑھتے رہے، حضرت کے وصال کے بعد جب تعلق حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ سے قائم کیا تو انہوں نے اپنے مزاج کے مطابق طلباء میں مجلس منعقد کرنے سے منع فرمادیا شیخ کی اطاعت میں یہ معمول شروع کیا تھا اور شیخ کی اطاعت میں بند کردیا۔

الغرض آپ کو جو صفات عطا فرمائیں تھیں وہ بہت کم لوگوں میں موجود ہوتی ہیں، احقر کی علالت حضرت سے پورا فیض حاصل کرنے سے مانع بن گئی جس کا افسوس ہمیشہ رہے گا۔

خلوت نشینی:

اہل باطن جانتے ہیں کہ روحانی کمال خلوت نشینی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبل از نبوت خلوت پسند تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں خلوت گزین تھے کہ نبوت ووحی سے سرفراز ہوئے، مشائخ کے ہاں خلوت گزینی نہایت ضروری امر ہے، بلکہ ہر وقت کی جلوت کو روحانی ترقیوں میں رکاوٹ جانا جاتا ہے اس لیے جملہ مشائخ کرام اپنے معمولات میں کچھ وقت اسی مقصد کے لیے ضرور رکھتے، خلوت میں ہی ذکر وفکر کی شیرینی نصیب ہوتی ہے، نیز حق تعالیٰ بہت سی فتوحات نصیب فرماتے ہیں، دارالعلوم دیوبند حاضری ہوئی تو دارالعلوم کی اولین مسجد ''مسجد چھتہ'' حاضری ہوئی، مسجد کے کونے میں ایک قدیم حجرہ پہ مکتوب پایا، خلوت گاہ حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ یہ حال دیگر اکابر و

اسلاف کا تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ مہاجر مدنی کا ارشاد منقول ہے:

''خلوت ٹھیکرے کو جوہر اور خلوت سے اغراض جوہر کو ٹھیکرا بنا دیتی ہے''۔

حضرت قاری شہاب الدینؒ باوجود یہ کہ آپ کا گھر آپ کی خانقاہ و مدرسہ کے بالکل قریب تھا، متعدد بار حضرت کے دولت کدہ پر حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ تاہم آپ بیشتر وقت خانقاہ میں اور کچھ وقت اپنے حجرہ میں خلوت میں گزارتے، خلوت میں مراقبہ، ذکر، مطالعہ، تفکر سبھی کچھ ہوتا، اس مقصد کے لیے پہلے تو مسجد کے اوپر چھوٹے سے حجرہ میں آپ خلوت گزین ہوتے۔ بعد ازیں نیچے ایک کمرہ مختص فرمالیا۔ اس حجرہ میں بھی حضرت کی شفقت سے متعدد بار قیام کی سعادت حاصل ہوئی، کیا ہی انوار و برکات کا حامل حجرہ تھا۔ نقشبندی تسبیح، مصلّٰی، الماری میں موجود تفاسیر، چٹائی اور ایک چارپائی اس کمرہ کا کل اثاثہ تھا، اس میں بیشتر اوقات گزارتے، اوقات خلوت میں کسی سے ملاقات نہیں فرماتے تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ الگ سے اپنے لیے کوئی واش روم نہیں بنوایا تھا، قضائے حاجت اور وضو کے لیے طلباء اور عوام کے لیے بنائے گئے حمامات میں تشریف لے جاتے اور وہیں پر وضو فرماتے، اپنے لیے امتیاز کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

یہ وہ چند اوصاف تھے جو حضرت میں احقر نے دیکھے، جنہیں قلم بند کر دیا۔

خلافت الٰہیہ کے علمبردار

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان رحمہ اللہ

[سن وفات: 2002ء]

جامعہ رحمانیہ لاہور کے بانی، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی سرپرست، سحر انگیز خطیب، شعلہ بیان مقرر، انتھک مجاہد، باعمل عالم دین، باشعور سیاسی قائد، متصلب مذہبی راہنما، حق گو لیڈر، خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان نور اللہ مرقدہ نابغہ روزگار شخصیت تھے، وہ اہل حق علماء، کی جملہ صفات حسنہ سے متصف، متواضع، ملنسار اور مخلص انسان تھے، ان کی ساری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف ہوئی، ان کی جوانی بے داغ اور بڑھاپا فکر انگیز تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت کمالات سے نوازا تھا، اور وہ اپنے کمالات کو خدمت دین میں استعمال کرتے رہے۔

میرے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد نور اللہ مرقدہ جمعیت علماء اسلام سے وابستہ تھے، جمعیت سے وابستگی کی وجہ سے حضرت والد محترم کا مولانا محمد اجمل خانؒ سے گہرا تعلق تھا، اسی بناء پر حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب کا متعدد بار ہمارے غریب خانہ پر قیام رہا اور والد صاحبؒ کی اکثر لاہور ان کی خدمت میں آمد و رفت رہتی تھی، احقر کو بچپن سے حضرت خان صاحبؒ کی مجالس اور خطبات و بیانات نصیب ہوئے، ان کی سیاسی زندگی اور مذہبی خدمات، سبھی کو دیکھنے کا موقع ملا، ان کے متعلق بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمہ صفت انسان تھے، ذیل میں ان کی چند اعلیٰ صفات کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ راقم اور قارئین کو حضرتؒ کے انہیں کمالات سے کچھ نصیب فرما دیں۔

تواضع و انکساری:

حضرتؒ نہایت ہی متواضع اور ملنسار انسان تھے، ایک قائد ہونے کے ناطے وہ ادنیٰ سے

ادنیٰ کارکن کا احترام کرتے، ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے، ہر ایک کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتے، وہ ایک عام مسلمان کے ساتھ یوں گھل مل جاتے گویا کہ پہلے سے اس سے واقف ہوں، مہمان نوازی میں انہیں خاصی دسترس تھی، مہمانوں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے، ان کی راحت کا ہر ممکن خیال رکھتے، انہیں جب بھی مدرسہ کے اجتماعی پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی تو باوجود خرابیٔ صحت کے آپ نے دعوت قبول فرمائی اور تشریف لائے، جو سامنے آیا نوش فرمالیا، جو میزبان نے پیش کیا قبول کرلیا، باوجود عظیم المرتبت ہونے کے وہ اپنے آپ کو ایک عام انسان تصور کرتے۔

ذوقِ مطالعہ:

حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ مطالعہ عالم دین تھے، ان کے بیانات سے ان کے ذوق مطالعہ کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، کثرت مطالعہ کی وجہ سے ان کے علوم مستحضر رہتے، مشکل سے مشکل علمی جزئیات انہیں زبانی یاد ہوتیں، مطالعہ میں کمال کی وجہ سے ان کے بیانات اور تحریروں میں نادر علمی جواہر پارے سامعین اور قارئین کو لطف اندوز کرتے، وہ جب بھی بولتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ایک متبحر عالم دین بول رہا ہے، باوجود اس کے کہ وہ نہ شیخ الحدیث تھے، اور نہ ہی شیخ التفسیر، نہ فقہ کے مدرس تھے، اور نہ ہی مفتی لیکن ان کے تعمقِ علمی سے شیوخ الحدیث، فقہاء اور مفتی بھی متاثر ہوتے، صحابہ کرامؓ کی سیرت، امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سوانح، ائمہ مجتہدین اور اولیاء اللہ کے حالات کے تو گویا حافظ تھے، احادیث انہیں زبانی یاد ہوتیں اور احادیث کو آسان انداز میں عوام تک پہنچادیتے، ان کا مطالعہ کسی ایک موضوع تک محدود نہ تھا، بلکہ مختلف علمی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور عصر حاضر کے جدید موضوعات پر انہیں دسترس حاصل تھی، وہ قدیم، اسلامی تہذیب کا جدید مغربی تہذیب سے دلچسپ انداز میں تقابل فرماتے اور اسلام کی صداقت کو عیاں فرماتے۔

سحر انگیز خطابت:

حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ روایتی مقرر یا پیشہ ور خطیب نہیں، بلکہ مؤثر، فکر انگیز، انقلاب آفرین اور درد انگیز تقریر کرتے، ان کے بیان میں بلا کی چاشنی اور کشش ہوتی، سننے والا کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کرتا، وہ جب بولتے تو یوں لگتا گویا کہ موتی پرو رہے ہیں، الفاظ ان کے سامنے ہاتھ جوڑے

کھڑے نظر آتے، برموقع اشعاران کی سحر انگیزی میں اضافہ کا باعث بنتے، واقعات صحابہؓ واولیاء اللہ ان کی گفتگو کو مدلل بنادیتے، بترنم کے ساتھ تلاوت کی جانے والی آیات ان کے مضمون کو خوبصورت کر دیتیں، وہ ہمیشہ حق کی صدا بلند کرتے رہے، ان کی خطابت کا محور کوئی مخصوص نظریہ نہیں تھا، بلکہ وہ پورے دین کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے، انہیں بجا طور پر ''خطیبِ اسلام'' کا لقب ملا۔

اصلاحِ عقائد ہو یا اصلاحِ اعمال، اصلاحِ عوام ہو یا اصلاحِ خواص، اصلاحِ رعایا ہو یا حکمرانوں کو تنبیہ، وہ سبھی مضامین کے حافظ تھے، انہوں نے زندگی بھر اپنے بیانات میں نظامِ مصطفی اور خلافتِ الٰہیہ کی ضرورت کو اُجاگر کیا، وہ ہمیشہ شیر کی طرح گرج کر کہتے:

جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

پاکستان میں خلافتِ الٰہیہ اور نظامِ مصطفی کا نفاذ ان کا خواب تھا، وہ زندگی بھر اس کے لیے محنت فرماتے رہے، انہوں نے جمعیت علماء اسلام کا پلیٹ فارم بھی اسی مقصد کے لیے استعمال کیا، تحریک نظامِ مصطفی میں قربانیاں اور تحریک نفاذ شریعت میں ان کا روشن کردار بھی اسی کی عکاسی کرتا ہے۔ مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ خطابت کے بادشاہ تھے، بایں ہمہ ان کی خطابت رسمی نہیں بلکہ حقیقی تھی، وہ روایتی نہیں بلکہ ذہن ساز خطیب تھے، ان کا بیان تکلف سے بالکل خالی لیکن اتنا اثر انگیز ہوتا کہ جب تقریر کر رہے ہوتے تو مجمع میں ہو کا عالم ہوتا، وہ اپنے خطاب سے اپنے مخالفین کا دل بھی موہ لیتے تھے۔

مولانا محمد اجمل خان رحمہ اللہ ایک عرصہ تک بیمار رہے، ان کا جسم نحیف و کمزور تھا، لیکن ان کا عزم وحوصلہ اور آواز تادم زیست جوان رہے، خدمات دار العلوم دیوبند کے حوالے سے پشاور میں ایک تاریخی کانفرنس تھی، بلاشبہ پاکستان میں رائیونڈ کے اجتماع کے بعد وہ بڑا اجتماع تھا، مولانا مرحوم ان دنوں بیماری کی وجہ سے ضعیف ہو چکے تھے، وہ اپنی علالت و نقاہت کے باوجود اس کانفرنس میں شریک ہوئے، بندہ نے اس عالمی اجتماع میں سٹیج کے بالکل قریب ہی سے ان کا بیان سنا اور زیارت بھی کی، وہ کپکپاتے جسم کے ساتھ اپنی مضبوط آواز اور لہجے میں اکابرین دیوبند کو سلام عقیدت پیش کر رہے تھے، انہوں نے اس عالمی اجتماع میں بھی پاکستان

میں خلافت الٰہیہ کے عدم قیام پر اظہار افسوس فرمایا، اور اس اجتماع کو اسلامی نظام کے نفاذ کا ذریعہ قرار دیا۔ ان کی تقریر سن کر یوں لگ رہا تھا کہ کوئی بوڑھا شیر گرج رہا ہو۔

اکابر سے تعلق:

حضرت مولانا محمد اجمل خان رحمہ اللہ کو یہ مقام عالی اپنے مشائخ اور اکابر کی جوتیاں سیدھی کرنے کی برکت سے نصیب ہوا، ان کا اپنے اکابرو مشائخ سے تعلق اتنا مضبوط تھا کہ زندگی بھر اس میں کمی نہ آئی، وہ ہمیشہ اپنے اکابر کا احترام کرتے اور ان سے دعائیں لیتے رہے، حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب رحمہ اللہ کا حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی سے مضبوط تعلق تھا، وہ زندگی بھر ان کی امارت میں کام کرتے رہے، ان کے ہر فیصلہ کو خوشی سے قبول فرمایا اور حضرت درخواستیؒ کے ہر حکم پر لبیک کہا۔

حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے بعد بدقسمتی سے جمعیت دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی، ایک حصہ کی قیادت حضرت مولانا فضل الرحمن فرمارہے تھے اور دوسرے حصہ کے قائد حضرت درخواستیؒ تھے، یہ فکری اور سیاسی اختلاف تھا، وجوہ اختلاف ختم ہو گئیں، تو دونوں حصے ایک دوسرے کے قریب ہو گئے، اور حضرت درخواستیؒ نے مولانا فضل الرحمن کو گلے لگالیا، اس موقع پر "درخواستی گروپ" کا امتحان تھا کہ وہ اپنے رہبر کے فیصلہ کی کس قدر پابندی کرتے ہیں، چنانچہ کچھ احباب بوجوہ اس فیصلہ سے الگ ہو گئے، لیکن حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب رحمہ اللہ اس امتحان میں پورے اترے اور انہوں نے اپنے رہبر و قائد کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے حضرت مولانا فضل الرحمن کو اپنا قائد بنانے کا اعلان کیا اور تادم زیست اس پر قائم رہے۔ حضرت درخواستی کی وفات کے موقع پر احقر حضرت کے جنازہ میں شریک تھا، اس موقع پر مولانا محمد اجمل خان غم سے نڈھال تھے، انہیں تقریر کی دعوت دی گئی، تو انہوں نے پرنم آنکھوں اور کپکپاتی زبان سے کہا: "آج کس سے تعزیت کریں، کیا تعزیت کریں، ہم سب تعزیت کے قابل ہیں آج ہم یتیم ہو گئے ہیں"، ان جملوں نے پورے مجمع کو رلا دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے مشن کو عام و تام فرمائے۔ آمین۔

جامع شریعت وطریقت، فقیہ العصر
حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ

[سن وفات: 2002ء]

فقیہ العصر، محدث الدہر، نمونہ اخلاق نبوی، مجسمہ شریعت وطریقت، امامِ رُشد و ہدایت، مسند نشین منصب مفتی اعظم ہندؒ، وارث وامین مسند افتاء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحبؒ رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان کو حق تعالیٰ نے گونا گوں اوصاف سے نوازا تھا۔ آپ بیک وقت عالم ربانی بھی تھے اور صاحبِ ورع وتقویٰ بھی، مسند افتاء پہ براجمان مفتی اعظم بھی اور خدا ترس صوفی منش فقیر بھی، قلب وقالب کو اپنے پرتاثیر وعظ سے بدل کر رکھ دینے والے واعظ وخطیب بھی اور اہل علم، اربابِ تحقیق وفتویٰ کے استاذ کامل بھی، اپنی دائمی مسکراہٹوں سے محبت بانٹنے والی بااخلاق شخصیت بھی اور شرک وبدعات پر گرجنے والی کڑک دار بجلی بھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت میں قدرت نے عجیب کمالات پنہاں فرمائے تھے، ان کے چہرہ میں رعب ومہابت کے باوجود کشش، آنکھوں میں شرم وحیا، زبان میں چاشنی وتاثیر، قلم میں بلاء کا زور اور فکر میں مسکت اور حیران کن قوت استدلال تھی۔

ان کی تواضع وانکساری وہیبت واخلاص، دین متین کی حفاظت وبقا کے لیے جدوجہد اہل علم کی علمی وعملی ارتقاء کی کاوشیں، ملک بھر کے مدارس، جامعات کی سرپرستی، باطل سے برسر پیکار دینی جماعتوں اور جہادی تنظیموں اور ان کے قائدین سے محبت اور ان کی صحیح سمت راہنمائی، ان کے فتویٰ اور تقویٰ کا امتزاج، فرد ومعاشرہ کی اصلاح کے لیے ان کے روحانی بیانات، ذکراللہ اور درود شریف کے اوراد کے ذریعے قلوبِ مسلمین میں عشقِ الٰہی اور عشق رسول کی بھڑکاتی ہوئی

حرارت تادیر یادرکھی جائے گی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت میں چند قابل تقلید اوصاف ہیں، جن کا تذکرہ ضروری ہے:

اوصافِ عبادالرحمن:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے مختلف اوصاف بیان کیے ہیں مثلاً:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً ○ (الفرقان: ۶۲)

''اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان خاص کی دو وصفات بیان کی ہیں:

۱)۔ اللہ کے نیک بندوں کی چال ڈھال سے خاکساری، متانت، سنجیدگی اور بے تکلفی ٹپکتی ہے، متکبرین کی طرح وہ لوگ اترا کے نہیں چلتے۔

۲)۔ عبادالرحمن جہل، بے سمجھ اور نادانوں کی باتوں کا جواب عفو وصفح سے دیتے ہیں، جب ان سے کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو وہ نرم بات کرکے اعراض کرتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں یہ دونوں اوصاف حضرت مفتی صاحبؒ میں کس طرح بطریق کمال موجود ہیں:

۱)۔ حضرت مفتی عبدالستار صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے جو نرم رفتار عطا کی تھی وہ کسی سے مخفی نہیں، جس نے بھی حضرت مفتی صاحب کو چلتے دیکھا اس آیت کا مصداق پایا۔

۲)۔ اس آیت میں عبادالرحمن کی دوسری وصفت بیان کی گئی ہے کہ وہ جاہلوں سے الجھنے کی بجائے ان سے اعراض کرتے ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ میں یہ وصفت اس طرح تھی کہ زندگی بھر آپ کو کسی نے لڑتے نہیں دیکھا ہوگا،

اس پر مستزاد یہ کہ بیسیوں مرتبہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی اور درجنوں مرتبہ وہ راقم الحروف کے ہاں تشریف لائے نہ تو ان سے کسی کی غیبت سنی اور نہ ہی چغلخوری، نہ ہی انہوں نے کبھی طعنہ دیا، اور نہ ہی کسی کے لیے کلمہ شکایت کہا، اس طرح عباد الرحمن کا یہ وصف خاص بھی مفتی صاحب میں بطریق کمال موجود تھا، ان کی نرم گفتار کا اندازہ ان کے اس جملہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ اکثر سبق میں فرماتے کہ آپ نے سبحان اللہ کہا ہی نہیں، سورہ مومنون کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے اوصاف بیان کیے ہیں:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ○ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ○ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ○ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ○ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ○ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ○ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ○ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ○ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ○ (المؤمنون: ۱ تا ۹)

ان آیات مبارکہ میں ایک سچے مسلمان، کامل مومن گویا اللہ تعالیٰ کے سچے ولی کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، وہ نشانیاں درج ذیل ہیں۔

۱)۔ خشوع وصلوٰۃ ۲)۔ لغو سے اعراض

۳)۔ نفس ومال کا تزکیہ ۴)۔ حفاظت شرم گاہ

۵)۔ عہد وامانت کی پاسداری ۶)۔ حفاظت صلوٰۃ

حضرت مفتی صاحبؒ ان تمام اوصاف سے موصوف تھے، وہ برسہا برس تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرنے میں صاحب ترتیب رہے، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو صرف چالیس روز تک تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز ادا کرنے والے شخص سے دو پروانوں کا

وعدہ کیا گیا ہے:

۱)۔ نفاق سے برأت

۲)۔ جہنم سے برأت

مفتی صاحبؒ کا حق تعالیٰ کے ہاں کتنا عالی مقام ہوگا کہ انہیں برسہا برس یہ سعادت حاصل رہی، روزِ وفات بھی ان کی کوشش یہی رہی کہ ان کی آخری نماز مغرب جماعت وتکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا ہو، چنانچہ طلباء کو سہارا دینے کے لیے بلوانے کا حکم بھی فرمایا، تاہم اس کے متحمل نہ ہو سکے، ان کی نماز کے خشوع وخضوع اور طمانیت وسکون کو دیکھ کر ہم جیسے طلاب کو خشوع وخضوع کا معنی سمجھ آتا ہے۔

لغو سے اعراض تو انہیں بچپن سے ہی حاصل تھا، انہیں کبھی فضول خوش گپیاں کرتے نہیں دیکھا گیا، غیبت چغل خوری افترا پردازی سے کوسوں دور تھے، اپنے بیانات اور اسباق میں اس کا التزام فرماتے کہ کسی کا دل ٹوٹنے نہ پائے، اور کسی کو زبان وقلم سے ایذا نہ پہنچے۔ تزکیہ نفس میں تو حضرت کا کمال زبان زد عام ہے وہ برسوں اپنے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کر کے تزکیہ وسلوک کے مراحل طے فرماتے رہے ہیں، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ اور دیگر مشائخ سے کسب فیض کیا اور اللہ کی مخلوق کے دل زندگی بھر اللہ تعالیٰ سے جوڑتے رہے۔

بلاشبہ حضرت مفتی صاحب ایک صاحب کردار، باشرم وباعفت اور زبان وعہد کے پابند انسان تھے، انہوں نے زندگی بھر اکابر واسلاف، فقہاء اور محدثین کی امانت کی پاسداری کی فتویٰ کے تقدس کو ہر صورت میں برقرار رکھا، علوم نبویہ کی تعبیر وتشریح کی عقائد حقہ کی ترجمانی میں اپنے اکابر واسلاف کے نقش قدم سے ذرا بھی پیچھے نہ ہٹے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی رائے اور تحقیق کو فوقیت دینے کی بجائے اپنے اسلاف کی تحقیق پر اعتماد فرمایا، تفسیر بالرائے کی بجائے ماثور ومنقول تفسیر کو اختیار فرمایا، سلف بیزاری کے بجائے سلف سے اپنا رشتہ مضبوط رکھا، فتویٰ دینے میں نہ انہیں چمک متاثر کر سکی اور نہ ہی کسی کا خوف، نہ وہ دنیا سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی انہیں کوئی طاقت غیر اللہ کے سامنے جھکا سکی۔

حُسنِ اخلاق:

حضرت مفتی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن اخلاق کی دولت سے بھی نوازا تھا، اور یہی ایک وارث نبی کی پہچان اور علامت ہے، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (القلم)

''اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو''

خلقِ عظیم یہ ہوتا ہے کہ توڑنے والے سے جوڑا جائے، زیادتی کرنے والے کو معاف کیا جائے، برائی کرنے والے سے اچھائی کی جائے، یہی اس شخصیت کے عالی مقام ہونے کی علامت ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"خیارکم احسنکم اخلاقا"

''یعنی تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اچھے اخلاق والا ہے''،

مفتی صاحبؒ کے حسن اخلاق میں یہ بات نمایاں تھی کہ وہ ہر ایک سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے، ان سے جب بھی کوئی ملاقات کرتا تو انہیں مسکراتے ہوئے پاتا، اسے یوں محسوس ہوتا کہ اس کی مفتی صاحب سے پرانی شناسائی ہے، تسلی سے بات سنتے اور اطمینان سے جواب ارشاد فرماتے۔

متعدد بار حضرت کے مسکن پر حاضری کا اتفاق ہو، اگھر میں کوئی دیگر مرد موجود نہ ہوتا، خود اپنے کمرہ ملاقات کا دروازہ کھولتے، سامان خاطر و مدارات اٹھا کر لاتے، ہم جیسے خادموں سے حضرت کا اس قدر اخلاق تھا تو بڑوں سے کس درجہ کا ہوگا۔

میرے ایک عزیز حضرت مفتی صاحب کے مسترشد اور شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے گھر حاضری ہوئی، اتفاق سے گھر میں کوئی فرد بھی موجود نہ تھا، حضرت مفتی صاحب نے خود سالن گرم فرمایا، کھانا اٹھایا اور اپنے اس مسترشد اور شاگرد کے سامنے پیش فرمایا۔

دین کے جملہ شعبہ جات کی سرپرستی:

دین کے مختلف شعبے ہیں، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر نے صحابۂ کرام میں یہ تمام شعبہ جات جاری فرمائے، تعلیم دین، تبلیغ دین، جہاد فی سبیل اللہ، تزکیۂ نفس، احقاق حق، ابطال باطل اور سیاست اسلامیہ وغیرہ تمام شعبے حضرات صحابہ میں جمع تھے، مرور زمانہ کے ساتھ یہ شعبے تقسیم کار کے درجے میں مختلف شعبوں میں تقسیم ہو گئے، اہلِ مدارس نے تعلیم دین، مبلغین اور تبلیغی جماعت نے تبلیغ دین، اہل اللہ اور اصحابِ طریقت نے تزکیۂ نفس، مجاہدین اور جہادی تنظیموں نے جہاد فی سبیل اللہ اور محققین اور مناظرین نے احقاق حق اور ابطال باطل کا شعبہ سنبھالا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو ان تمام شعبوں سے صرف تعلق ہی نہیں، بلکہ سرپرستی کی حد تک والہانہ وابستگی تھی، تبلیغ والوں سے کارگزاریاں سنتے، ہدایات دیتے اور دعائیں ارشاد فرماتے، اہل مدارس کے وہ خاص مہربان اور سرپرست تھے، بیشتر مدارس کے رکن شوریٰ اور ممبر تھے، نقاہت وعلالت کے باوجود مدارس کے اجلاسوں، جلسوں، تقریبات اور ختمات میں شریک ہوتے۔

مجاہدین ان سے ہر کڑے وقت میں مشورے لے کر حضرت کی راہنمائی سے اپنا طرز عمل اور حکمت عملی اپناتے، تزکیۂ نفس تو حضرت کے دل کی آواز تھی، احقاق حق، ابطال باطل کا جذبہ بھی تقریر وتحریر سے نمایاں ہوتا، سیاست اسلامی کی بات چھڑ جاتی یوں محسوس ہوتا کہ وہ نظام شریعت کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہیں، تمام مذہبی تنظیموں کے قائدین آپ کے در دولت پر حاضری کا شرف حاصل کرتے اور سبھی آپ کو اپنا سمجھتے تھے۔

درستگیٔ رائے:

رائے کی درستگی اور عمدگی بھی قدرت کا انعام ہوتا ہے، یہ نعمت بھی ہر کسی کو نہیں ملتی، بر وقت اور صحیح فیصلہ اور مفید مشورے، اختلافی مسائل میں جانب راجح کا اختیار اور قوت فیصلہ کی عمدگی حضرت مفتی صاحبؒ کی خوبیاں تھی۔

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی مجلس شوریٰ کے آپ سرپرست تھے، تقریباً ہر سال اجلاس میں تشریف لاتے اور مختلف امور میں سب کی رائے سن کر ایسا فیصلہ فرماتے کہ سبھی لوگ حضرت کی فراست پر داد دینے لگتے۔

ایک مرتبہ مجلس شوریٰ میں جامعہ کی ایک متنازعہ جائیداد کا معاملہ پیش ہوا، حضرت نے حکمت ومصلحت کی راہ اپنانے اور تنازعہ سے بچنے کا حکم جاری فرمایا، جس کے تحت اراکین شوریٰ نے دوسرے فریق سے مصالحت کرلی، اس مصالحت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، منتظمین مدرسہ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی، لیکن تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ فریق ثانی نے مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بطور حکم بنانے کی از خود پیشکش کی، جسے اہل جامعہ نے فوراً قبول کیا۔ عدالت نے بھی مفتی صاحب رحمہ اللہ کو ریفری قبول کر کے عدالت میں فیصلہ جمع کرانے کا حکم دیا، فریقین سے مفتی صاحبؒ نے تحریری سماعت فرمائی اور شہادتیں لے کر تحریری فیصلہ عدالت مجاز میں بنفسِ نفیس تشریف لا کر جمع کرایا، یہ ایسا تفصیلی اور جامع فیصلہ تھا کہ جس کی عدالت، وکلا اور دانشوروں سبھی نے تعریف کی۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات اور بلند فرمائے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(ماہنامہ الخیر ملتان، اشاعت خاص)

[حسین یادیں]

شہیدِ ناموسِ صحابہؓ

حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہ اللہ

[سن شہادت: 2003ء]

مشن قافلۂ ولی اللہ کے وارث، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک مدحِ صحابہ کے علمبردار، حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ کے افکار کے امین، تحریک ناموسِ صحابہؓ کے جرنیل، حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمۃ اللہ علیہ سے شناسائی تو ۱۹۹۱ء سے تھی۔ ان کی خطابت، شجاعت، جرأت، استقامت، اپنے مشن کے ساتھ جان سے زیادہ محبت، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان کی والہانہ عقیدت کے چرچے زبان زدِ عام تھے، لیکن ۱۹۹۶ء میں ناکردہ گناہ کے پاداش میں سنٹرل جیل ملتان میں ۳۱ روز کی نظر بندی کے دوران ۱۶ دن اس مردِ قلندر کی رفاقت وصحبت میں گزرے۔ مولانا اعظم طارق قدس سرہٗ ان دنوں شاہنواز پیرزادہ قتل کیس میں اپنے قائد حضرت مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمہ اللہ کے ساتھ ۱۴ روزہ ریمانڈ سے فارغ ہوکر سنٹرل جیل ملتان بھیجے گئے۔ ان دنوں سنٹرل جیل ملتان میں مذہبی، بالخصوص تحریک ناموسِ صحابہؓ کی مناسبت سے قید وبند کی صعوبتیں اٹھانے والے قیدیوں کو بیرک نمبر ۱۳ میں یک جا رکھا گیا تھا۔

راقم الحروف کو شجاع آباد تھانے میں دھوکہ سے بلایا گیا اور پھر گاڑی میں ڈال کر اول ڈسٹرکٹ جیل ملتان اور پھر سنٹرل جیل ملتان میں قید کر دیا گیا۔ مجھ سے قبل یہاں بیرک نمبر ۱۳ میں کم وبیش پندرہ افراد موجود تھے۔ رات گئے ڈویژن بھر سے گرفتار شدگان علماء کرام، مذہبی

کارکنان اور بعض جگہ سے خالص سیاسی ورکرز کو پکڑ کر جیل بھیج دیا گیا، یوں اس بیرک میں تقریباً پچاس کے لگ بھگ حضرات جمع ہو گئے۔

یہ تمام قیدی ہم مسلک، ہم مزاج اور ایک ہی ناکردہ جرم کی پاداش میں یہاں لائے گئے تھے۔ بیرک میں وقت کارآمد بنانے کیلئے ایک نظام الاوقات تشکیل دیا گیا۔ صبح بیرک کے کمرے نمازِ صبح سے قبل کھول دیے جاتے باجماعت اکٹھے نماز کی ادائیگی کے بعد مختلف علماء کرام مختلف ایام میں درسِ قرآن دیتے۔ بعد نماز ظہر فضائل اعمال کی تعلیم اور مسائل کا مذاکرہ ہوتا اور بعد نماز عصر دستر خوان پہ کھانا کھا کر کچھ حضرات سیر کرتے اور کچھ حضرات ورزش کا شوق پورا فرماتے۔ مغرب کی نماز کے قریب ہمیں لاک اپ کر دیا جاتا، یوں مغرب وعشاء کی نماز اپنے اپنے کمروں میں باجماعت ادا کی جاتی۔ ۱۴ روز بعد عشاء کی نماز کے بعد رہائی کا مژدہ سنایا گیا، کچھ دیر میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل ایک لسٹ لے کر آن پہنچے اور ایک ایک نام پکار کر انہیں باہر نکالا جانے لگا۔

میری یادداشت کے مطابق ضلع ملتان سے ۱۴ حضرات نظر بند تھے ان میں سے ۱۲ حضرات کو رہائی نصیب ہوئی جبکہ راقم الحروف اور ایک اور صاحب کو سنگین مجرم قرار دے کر مزید جیل میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی شب مولانا مرحوم اور مولانا فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ جیل پہنچے۔ ضلع سے اکثر حضرات کی رہائی اور راقم کی عدم رہائی کا طبیعت پہ بوجھ اور گرانی تھی لیکن یہ گرانی تھوڑی دیر بعد ہی دور ہو گئی جب مذکورہ بالا دونوں حضرات بیرک میں تشریف لائے۔ راقم الحروف بیرک نمبر ۱۳ کے کمرہ نمبر ۴ میں مقید تھا جبکہ مذکورہ بالا حضرات کو کمرہ نمبر ۱ میں لایا گیا اور بی کلاس کی سہولیات فراہم کی گئیں۔ فجر کی نماز میں ہم لوگ اکٹھے ہو گئے۔ راقم الحروف کے ذمہ نمازِ فجر کی امامت تھی۔ نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کا معمول تھا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو تبادلہ احوال ہوا، پھر اس کے بعد وقت اکٹھے گزرتا رہا۔

ان ایام میں مولانا شہید مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کی نجی زندگی سے آگاہی ہوئی۔ ان کے خیالات وجذبات، عزائم وارادے سے شناسائی ہوئی۔ ان کی نیکی، پرہیزگاری، اکابر سے تعلق، للّٰہیت واخلاص، مشن سے وفاداری، جذبۂ خدمت، احباب سے حسنِ سلوک، شرکاء قافلہ سے بے تکلفی، دشمنانِ دین پہ برہمی، اپنے حقوق کے حصول کیلئے تادمِ زیست

لڑنے کا جذبہ، بلا خوف لومۃ لائم اظہارِ حق، ابطالِ باطل پر ذرا بھی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔

جیل میں مختلف مقدمات کا سامنا کرنے والے دیگر حضرات جو پہلے سے یہاں موجود تھے، ان سمیت کم وبیش ہم پندرہ لوگ یہاں جمع ہوگئے۔ چنانچہ اجتماعی طور پر معمولات طے ہوئے۔ راقم الحروف کے ذمے نمازِ فجر کی امامت تھی۔ نمازِ فجر میں مشکلات، مصائب اور مسلمانوں کی نصرت وامداد کے لئے قنوتِ نازلہ کی صورت میں دعا مسنون عمل ہے، چنانچہ نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی۔ بعد نمازِ فجر حضرت مولانا فاروقی شہیدؒ کے ذمہ سورۃ یوسف کا درس دینا تھا۔ مولانا شہیدؒ کا یہ کہنا تھا کہ دورانِ اسیری میں نے جب بھی سورۃ یوسف کا درس شروع کیا تو ابھی سورۃ کا درس مکمل نہیں ہوتا، رہائی پہلے ہی مل جاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد میں نے مولانا اعظم طارق شہیدؒ سے درخواست کی کہ نمازِ فجر کی امامت آپ کروایا کریں۔ چنانچہ کچھ تامل کے بعد انہوں نے میری یہ درخواست قبول کرلی۔

احقر کو قائدین کا مخلصانہ مشورہ اور کارکنان کو حکم:

ایک روز حسبِ معمول ناشتہ کے بعد ہم لوگ دھوپ میں بیٹھے تبادلۂ خیالات کررہے تھے کہ اچانک دونوں قائدین میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے:

> ''مولوی زبیر جماعت میں کام کرنے کے لئے ہمارے پاس سینکڑوں کارکن موجود ہیں اور آپ لائق مدرس ہیں، ہمارا مشورہ ہے کہ آپ تدریس کیا کریں''
>
> مولانا فاروقی شہیدؒ نے اس سے بڑھ کر یہ بھی فرمایا کہ:
>
> ''میرے بیٹے میٹرک کا امتحان دے رہے ہیں، ان کو صرف ونحو بھی آپ نے پڑھانی ہے۔''

یہ سن کر میں حیران اور ششدر رہ گیا۔ ایک جماعت کے قائدین کا جماعت کے ایک کارکن کو یہ مشورہ، یقیناً یہ ان حضرات کے اخلاص اور للّٰہیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگلے روز شجاع آباد کی سپاہِ صحابہ کے ذمہ دار ان حضرات سے ملاقات کرنے سنٹرل جیل تشریف لائے۔ مولانا اعظم طارق شہیدؒ نے ان حضرات سے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ:

> ''ہم نے مولانا زبیر کو جماعت میں کام کرنے سے روک دیا ہے، آئندہ آپ

حضرات نے انہیں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہنا"۔

بندہ کی تدریسی خدمات یقیناً ان حضرات کی شفقت کی مرہونِ ہیں اور اس کے اجر و ثواب میں یہ حضرات برابر کے شریک ہیں، ورنہ عین ممکن تھا کہ میری یہ تدریسی خدمات جماعتی مصروفیات و مشاغل اور ابتلاء و امتحان کی وجہ سے یکسر چھوٹ جاتیں۔

ذوقِ مطالعہ:

مولانا اعظم طارق شہیدؒ نے ان ایام میں مختلف کتب جیل کی لائبریری اور جامعہ خیر المدارس کے کتب خانہ سے منگوائیں اور ان کا مطالعہ شروع فرمایا، ان ایام میں مولانا مرحوم کے زیر مطالعہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب "مسلمانوں کا عروج و زوال" تھی۔ مولانا جب مطالعہ کرتے تو پھر یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کرتے، روزانہ سینکڑوں صفحات پڑھ لیتے۔ مطالعہ کا ذوق مولانا فاروقی شہیدؒ کا بھی محتاجِ بیان نہیں۔ شام کو دونوں حضرات اکٹھے ہوتے تو اپنی اپنی مقدار مطالعہ بتاتے تو ساتھیوں کے تعجب کی انتہا نہ رہتی کہ یہ مقدار سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہوتی تھی۔

شجاعت و بہادری:

مولانا مرحوم کی شجاعت و بہادری تو ضرب المثل ہے۔ جیل میں بھی اس کے کئی مظاہرے ہوئے۔ ایک مرتبہ جیل کے عملہ نے قائدین کی ملاقات پر پابندی لگا دی، لوگ دور دراز سے جوق در جوق ملاقات کے لئے جیل سے باہر جمع تھے۔ اس پر مولانا اعظم طارق شہیدؒ نے احتجاج کا فیصلہ کیا۔ مولانا فاروقی شہیدؒ کی رائے مصلحت پر مبنی تھی ان کا یہ کہنا تھا کہ ہمیں کوئی ایسی راہ نہیں اپنانی چاہئے جس سے مستقبل میں مسائل پیدا ہوں۔ لیکن مولانا اعظم طارق شہیدؒ کسی صورت غیر منصفانہ طرز قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے پیغام بھیج کر سپرنٹنڈنٹ جیل کو بیرک میں طلب کیا۔ پیغام بھیجتے ہی چوہدری نذیر احمد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل بیرک میں پہنچے۔ مولانا فاروقی شہید ٹھکتا کمرے میں چلے گئے اور مولانا اعظم طارق شہیدؒ نے اس کی وہ درگت بنائی کہ.......... مجبوراً جیل حکام کو یہ پابندی اٹھانا پڑی۔

جیل سے ۳۱ روزہ نظر بندی کاٹ کر راقم الحروف کو رہائی نصیب ہوئی لیکن مولانا مرحوم کی چندروزہ رفاقت کے اثرات آج تک محسوس کرتا ہوں۔وہ حسین یادیں آج بھی دماغ پر ثبت ہیں۔وہ بے تکلفانہ جیل کی زندگی میرے لئے سنگ میل بن گئی۔جیل سے رہائی کے کچھ عرصہ بعد ہی ناکارہ شدید بیاری میں مبتلا ہو گیا۔گردے فیل ہو گئے،ہیپاٹائٹس اور یوں ٹی بی جیسی امراض نے گھیرلیا،یہ عرصہ مرض تین سال پر محیط ہے۔اس دوران مولانا کے سلام و پیغام جیل سے مسلسل آتے رہے۔گردے کی تبدیلی پر اللہ تعالیٰ نے صحت نصیب فرمائی۔اس کے بعد مولانا شہید مرحوم نے جیل سے ایک خط لکھا لیکن صد افسوس کہ وہ میرے پاس محفوظ نہ رہ سکا ورنہ وہ قارئین کیلئے زبردست دلچسپی کا باعث ہوتا۔

مولانا مرحوم رہائی کے بعد متعدد بار شجاع آباد تشریف لائے،وہ جب بھی تشریف لاتے تو راقم کو ضرور مل کر جاتے۔ایک مرتبہ مولانا مرحوم بستی محرم کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے،ان دنوں شجاع آباد میں مسئلہ حیات النبیؐ پر فریقین میں سخت کشیدگی تھی،اہلِ حق نے اذکار علماء دیوبند کانفرنس کے نام سے ایک عظیم اجتماع منعقد کیا جس میں کم وبیش دس ہزار افراد کا مجمع تھا،اس اجتماع کے مقررین میں سپاہِ صحابہؓ کے بعض ذمہ داران بھی تھے۔مولانا نے مجھے الگ کمرے میں بلا کر فرمایا کہ آپ کو سپاہِ صحابہ کو اس تنازعہ میں غیر جانبدار رکھنا چاہیے تھا۔ میرا موقف یہ تھا کہ یہ اکابر کا متفقہ عقیدہ ہے اور بانی تحریک حضرت مولانا حق نواز شہیدؒ کی اس موضوع پر مفصل تقریر ریکارڈ پر موجود ہے۔گفتگو میں کچھ تلخی بھی آئی لیکن جب مولانا سٹیج پر تشریف لائے،مجھے بھی ساتھ لائے اور دورانِ تقریر کسی نے نعرہ بلند کیا،''زندہ ہے جھنگوی زندہ ہے''اس پر مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگے:''مولانا آپ نبی علیہ السلام کی حیات کی بات کرتے ہیں،ہمارے نزدیک تو جھنگویؒ بھی زندہ ہیں''۔ایک طرف تو انہوں نے جماعتی پالیسی کی پابندی فرمائی اور دوسری طرف مسلک اکابر کی بھی ترجمانی کر دی۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے مشن کو پایۂ تکمیل بخشے۔آمین

(خصوصی شمارہ''پیغام''،تاریخ اشاعت 2007ء)

روایاتِ سلف کے امین

حضرت مولانا مفتی محمد انور رحمہ اللہ

[مہتمم دارالعلوم کبیر والا]

[سن وفات: 2004ء]

اسلام کے عظیم سپاہی، نمونہ سلف، پیکرا خلاص وہمت، سلسلہ حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ کے مسند نشین، مدارس بنات کے مجدد، مقبول عام مدرس، شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خوشہ چین، سلسلہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے وارث، حضرت مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم کبیر والا کو باری تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں اور بے حد خصوصیات سے نوازا تھا، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور وحدت میں جماعت کا مظہر تھے، ان کی خدمات دین کسی ایک شعبہ کے ساتھ وابستہ نہ تھیں، بلکہ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔

قدرت نے انہیں علمی لیاقت، شجاعت، ملی غیرت، تقویٰ، زور بیان اور انتظامی صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ بیک وقت مہتمم، شیخ الحدیث، بنین و بنات کے استاذ، مصلح، بے شمار مدارس کے رکن شوریٰ، دینی جماعتوں کے معاون ومشیر، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے متحرک رکن مجلس عاملہ ومسئول اور مسلکی درد رکھنے والے انسان تھے۔

حضرت مولانا محمد انور قدس سرہ نے ایک علمی گھرانہ میں نشوونما پائی، انہیں سادگی، جذبہ اور علمی کمالات اپنے والد محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا علی محمد رحمۃ اللہ علیہ سے وراثت میں ملے تھے، ان کی تربیت میں ان کے والد محترم کے علاوہ حضرت علامہ مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، حضرت احسان الحق تونسوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا ظہور الحق

رحمہ اللہ، حضرت مولانا منظور الحق رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید فیض علی شاہ رحمہ اللہ، حضرت مولانا صوفی محمد سرور جیسے اکابر کا عمل دخل تھا، انہی حضرات کی تربیت نے مولانا مرحوم کو مقبول خواص وعوام بنادیا تھا۔ خانوادہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے ان کے اصلاحی تعلق نے ان میں مزید نکھار پیدا کردیا۔

حضرت مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ کی سوانح وسیرت پر مختلف حضرات نے مختلف زاویوں سے تحریر کیا ہوگا، راقم الحروف ان کی اکابر واسلاف سے عقیدت اور مسلکی خدمات کا مختصر جائزہ لینا چاہتا ہے۔

اتباع سلف کی اہمیت:

قرآن کریم کا خلاصہ سورۃ فاتحہ ہے، اور سورۃ فاتحہ میں باری تعالیٰ نے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے ساتھ ہی متصلاً "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" ذکر فرما کر امتِ مسلمہ کے لیے صراطِ مستقیم کی تلقین فرمادی کہ صراطِ مستقیم مسلمہ شخصیات وافراد سے ہی لی اور سمجھی جائے گی، ورنہ تو صِرَاطَ القرآن یا صراط الحدیث ذکر کیا جاتا یہاں پر صراط الرسول یا صراط اللہ بھی فرمایا جاسکتا تھا، لیکن اس اسلوب سے ہٹ کر باری تعالیٰ نے "انعمت علیہم" فرما کر اشارہ کیا کہ صراطِ مستقیم منعم علیہم شخصیات (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین) کے نقشِ قدم سے ملے گی۔

رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیث افتراق امت میں فرقہ ناجیہ (کامیاب ہونے والی جماعت) کی علامت "مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" فرما کر تلقین فرمائی کہ اسلاف کی اتباع کے بغیر نجات ناممکن ہے، "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ" اور "اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ" وغیرہ احادیث بھی اتباع سلف کا حکم دے رہی ہیں۔

سلف بیزاری کا نقصان:

مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ سلف صالحین کی اتباع کے بغیر حصول ہدایت ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سلف سے بیزار ہوئے وہ گمراہی کے گڑھے میں گر گئے۔ سلف

بیزاری کا فتنہ پورے دین کی عمارت کو منہدم کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام باطل فرقے اور فتنے سلف بیزاری سے پیدا ہوئے۔

فتنہ قادیانیت، پرویزیت، فتنہ سبائیت، فتنہ رضاخانیت، فتنہ مودودیت، فتنہ انکار حیات النبیؐ اور فتنہ غیر مقلدیت، سلف بیزاری ہی کا نتیجہ ہیں۔ حال میں جنم لینے والے تمام فتنوں کی بنیاد بھی سلف بیزاری ہے۔ ان تمام فتنوں کے بانیان نے اسلاف امت کی تحقیق وعقائد سے انحراف کیا، حضرات صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام کی توہین وتنقیص کے ارتکاب کے ساتھ ان پر عدم اعتماد کیا جس کے نتیجے میں یہ مستقل فرقے بن گئے اور اپنی تحقیقات کو اسلاف کی تحقیقات کے مقابلہ میں پیش کر کے گمراہ ہوئے۔

حضرت اقدس مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ سے اللہ رب العزت نے ان فتنوں کی سرکوبی اور عقائد اہل سنت والجماعت کے تحفظ کا بھرپور کام لیا۔

حضرت مولانا محمد انور رحمۃ اللہ ہمیشہ اپنے اکابر کے مداح اور ان کے عشق میں ڈوبے رہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، امہات المؤمنین اور اہل بیت عظام سے محبت ان کے رگ وریشہ میں پیوست تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے اسباق میں ان مقدس شخصیات کا ذکر فرماتے اور جب ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہوتا تو جذباتی ہو جاتے، اور پھر کھل کر ان کی عفت وتقدس کو بیان کرتے۔ ان مقدس شخصیات پر عدم اطمینان اور انہیں سب وشتم کرنے والے لوگوں سے وہ ہمیشہ نبرد آزما رہے، یہی وہ بنیاد تھی جس نے حضرت مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ کو حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمہ اللہ کے قریب کر دیا تھا۔ ائمہ مجتہدین کی خدمات اور ان کے کمالات اور ضرورت تقلید کے سلسلے میں بھی وہ خاصے حساس تھے، اپنے بیانات میں فتنہ غیر مقلدیت کا بھرپور تعاقب فرماتے، اس فتنہ نے حدیث کے نام پر جو گمراہی پھیلائی ہے، حضرت اسے واشگاف فرماتے اور اپنے بیانات میں ثابت کرتے تھے کہ یہی لوگ ہی دراصل حدیث کے منکر ہیں۔

کبیر والا میں انکار حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ نمودار ہوا اور اس کے جراثیم متعدی ہونے لگے حضرت مفتی مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ نے علمی طور پر اس فتنہ کا تعاقب

فرمایا اور کبیر والا سے اٹھنے والی یہ آواز ملک گیر تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ مولانا اور ان کے رفقاء نے یہ واضح اور ثابت فرمایا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں زندہ و تابندہ نہیں مانتے ان کا اہل السنت والجماعت اور علماء دیو بند سے کوئی تعلق نہیں۔ راقم الحروف سے اسی عقیدہ کے تحفظ کی وجہ سے حضرت والا مرحوم بے پناہ محبت فرماتے اور جب کبھی ملاقات ہوتی تو یوں محسوس ہوتا کہ مولانا نے راقم کے لیے محبت کی باتیں دل میں چھپائی ہوئی ہیں، وہ حالات بھی بتلاتے اور اس سلسلہ میں مشورے بھی مرحمت فرماتے۔

شجاع آباد میں اس فتنہ نے سر اٹھایا تو راقم اور راقم کے رفقاء نے اس مسئلہ پر ایک عظیم الشان اجتماع ''افکارِ علماء دیو بند کانفرنس'' کے نام سے منعقد کیا، جس میں حضرت مولانا نے نہایت مفصل اور علمی بیان فرمایا۔

اتباعِ اَسلاف میں مولانا محمد انور صاحب رحمہ اللہ صرف عقائد کی حد تک محدود نہ تھے، بلکہ اپنے عمل و کردار اور ادارہ دار العلوم کے نظم میں بھی وہ اسلاف کی روایات کے امین نظر آتے، ان کی وفات حسرت آیات صرف دار العلوم کبیر والا کے لیے ہی حادثہ نہیں، بلکہ پوری ملت کا نقصان عظیم ہے۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو درجات عالیہ نصیب فرمائے، ان کے ادارہ دار العلوم کو مزید ترقیات اور ان کی اولاد و اہل خانہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

علوم نبوت کے علمبردار، حضرتِ اقدس، شہید اسلام

مولانا مفتی نظام الدین شامزئی نور اللہ مرقدہ

[سن وفات: 2004ء]

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناصب، ذمہ داریاں، مقاصد بعثت اور مشاغل کے متعلق خود ہی ارشاد فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ۝ (آل عمران:۱۶۴)

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔“

ان آیات میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار مقاصد بعثت بیان کیے گئے ہیں:

۱)۔ تلاوت آیات۔

۲)۔ تزکیۂ نفوس۔

۳)۔ تعلیم کتاب۔

۴)۔ تعلیم حکمت۔

ان مقاصدِ بعثت میں مشغولیت کے ساتھ، انہیں مقاصد کی ترویج وتکمیل کے لیے،

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین اور جہاد وقتال کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔

رب ذوالجلال نے سیدنا وقائدنا حضرت اقدس شہید اسلام مولانا مفتی نظام الدین شامزئی نور اللہ مرقدہ کو مذکورہ بالا جملہ صفات نبویہ کا عکس اور مرقع بنایا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت مفتی نور اللہ مرقدہ حقیقی طور پر سچے وارث نبوی کہلانے کے مستحق تھے۔

بلاشبہ دنیا میں ارباب علم وفضل، زہد وتقویٰ، سلوک واحسان، درس وتدریس، فقہ وفتویٰ اور ماہرین حدیث کی کمی نہیں، لیکن ایسی شخصیت جس میں جملہ اوصاف نبوی مجتمع ہوں، خال خال نظر آتی ہیں۔

چنانچہ اگر کوئی شخصیت عابد وزاہد ہے تو اسے علم سے صحیح معنوں میں آگاہی نہیں، اگر عالم ہے تو زہد وتقوی کی کمی ہے، جو اہل علم حق تعالیٰ کے فضل سے اصحاب تقوی وطہارت بھی ہیں، ان میں جہاد وقتال کی عملی سنت نظر نہیں آتی، بہت سے مجاہدین بھی دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں، لیکن تزکیۂ نفس اور تبلیغ دین کی عملی سنتوں سے دور ہیں اور جو خوش بخت ان جملہ صفات کے حامل ہیں، وہ بوجوہ تعلیم وتعلم کتاب وحکمت اور مسند نبوت پر بیٹھ کر علوم نبوت کی اشاعت سے قاصر ہیں۔

دور حاضر میں اللہ تعالیٰ نے یہ تمام کمالات وصفات حضرت مفتی نظام الدین شامزئیؒ کو عطا فرمائے تھے، یقیناً وہ بیک وقت قرآن کریم کے دلدادہ، تزکیۂ نفوس کے عظیم منصب پر فائز، تفسیر وحدیث کے مسند نشین، تعلیم الکتاب والحکمۃ کے مصداق، منبر ومحراب کی زینت داعیا الی اللہ ورسولہ کی حقیقی تصویر، ملت کفر کو اسلام کی طرف بلانے، عملی جہاد میں حصہ لینے، طالبان (افغانستان) کے شانہ بشانہ لڑنے، ان کی سرپرستی کرنے، پاکستان اور دنیا بھر کی استبدادی قوتوں کو جھنجھوڑنے، جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے امریکہ کے خلاف جہاد کی فرضیت کا فتویٰ صادر فرمانے، فلسطین، عراق، کشمیر اور افغانستان کے بے کس اور بے بس مسلمانوں کو جدید ترین ٹیکنالوجی کے مقابلہ میں فدائی حملوں کی ”اسلامی ٹیکنالوجی“ کے جواز کا فتوی صادر فرمانے کے اعتبار سے کمالات نبوت کا ٹھیک عکس و پرتو تھے۔

انہیں قرآن کریم سے اس قدر عشق وشغف تھا کہ لاکھوں کی تعداد میں قرآن مجید کے

نسخے تیار کروا کر وسطی ایسا کی نئی آزاد شدہ اسلامی ریاستوں کے مکینوں تک پہنچائے۔ ان کے صاحب زادہ کے مطابق وہ رات کو جتنی بھی دیر سے کیوں نہ سوتے ہوں، صبح بعد از نماز تلاوت قرآن کریم کا ضرور اہتمام فرماتے تھے، حتیٰ کہ جس روز شہید ہوئے اس روز بھی تلاوت قرآن مجید قضا نہیں ہوئی۔

تعلیم کتاب وحکمت کی مسند پر وہ بلا مبالغہ نابغہ روزگار شیخ الحدیث تھے، وہ جب مسند حدیث پہ بیٹھتے تو ان پر ادب واحترام میں امام مالک ؒ، حافظہ میں امام بخاریؒ، تفقہ میں امام ابوحنیفہؒ کا شبہ ہوتا۔ ان کے درس حدیث میں کبھی کوئی نازیبا کلمہ یا جملہ زبان سے نہیں نکلا، وہ مذاق اور بے تکلفی کو بھی درس حدیث کی شان کے خلاف سمجھتے تھے، وہ گھنٹوں ایک ہی نشست پر بیٹھ کر علمی جواہر بکھیرتے، اختلافی مسائل میں زبانی حوالہ پر حوالہ پڑھتے جاتے، ان کے تسلسل بیان سے یوں محسوس ہوتا کہ ان کے نظریہ وفکر سے موافقت نہ رکھنے والا اُن کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اعتراف شکست کر رہا ہے۔

تزکیہ نفس کے سلسلہ میں وہ اپنی ذات کے لیے بھی ہمیشہ متفکر رہے اور دوسروں کے لیے بھی، انہوں نے پہلے پہل حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ پھر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، بعد ازاں شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے قدموں میں آبیٹھے، اور ان سے ہی خرقہ خلافت ملا، ان کی شہادت کے بعد حضرت اقدس سید نفیس شاہ الحسینی دامت برکاتہم سے اصلاحی تعلق جوڑا۔

وہ بھٹکے ہوؤں کو بھلائی کا راستہ دکھاتے، ان کی مجلس میں بیٹھنے والے ہزاروں لوگوں کو گناہوں سے توبہ کی توفیق ہوتی، بے نمازی ان کے فیض صحبت سے تہجد گزار بن گئے، قاتل ان کی صحبت کی برکت سے اہل اللہ کے خادم ہوگئے، حرام خور، ان کے بیان سن کر حلال پر اکتفاء کرنے والے ہوگئے، سینکڑوں کو داڑھی رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، بہت سی خواتین، حضرت کے اصلاحی بیانات سے شرعی پردہ دار ہوگئیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے بیانات، اخباری کانفرنسوں، انٹرویوز اور میڈیا کے

ذریعہ دنیا بھر کے کفار کو اسلام کا صحیح تصور پیش کیا، مغرب کی اسلام دشمن پالیسیوں کو واشگاف فرمایا، فلسطین، افغانستان، عراق اور کشمیر کے مظلومین کو ڈھارس بندھوائی، اپنے پورے خاندان سمیت امیریکہ کے خلاف طالبان کے شانہ بشانہ جہاد میں حصہ لیا۔

روزنامہ جنگ کے سلسلہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں ہزاروں مسلمانوں کی شرعی رہنمائی فرمائی، مختلف فورموں پہ سود کی حرمت کا فتوی دے کر سودی نظام کے متبادل نظام کی جانب اصحاب صنعت وحرفت کو متوجہ فرمایا۔

حضرت مفتی صاحبؒ بلا کے سخی، ملنسار، خدمت گزار، متواضع اور بے ضرر انسان تھے، پاکستان کے ہزاروں مدارس کے سرپرست اور معاون تھے، جہادی تنظیمیں آپ کے دم قدم سے رواں دواں تھیں، اہل حق کی نمائندہ سیاسی جماعت جمعیت علمائے اسلام آپ کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھتی تھی، جامعہ بنوری ٹاؤن کی آپ پہچان تھے۔

اللہ رب العزت حضرت مرحوم کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے، اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(ماہنامہ بیّنات، اشاعتِ خاص)

نبوی اسلوب کے حامل معلم

حضرت مولانا محمد اشرف شاد رحمہ اللہ

[سن وفات: 2008ء]

تعلیم و تعلم ایسی انسانی ضرورت ہے، جس کے بغیر علم و آگہی ممکن نہیں، جب سے آفرینش کی ابتدا ہوئی ہے، تب سے ہی تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے، قرآن کریم میں تعلیم کی تاریخ یوں ملتی ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۤءَ كُلَّهَا○ (البقرۃ:۳۱)

"حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی"،

پھر حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے ملائکہ اور انسانوں کا معلم بنایا۔

خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی معلم بنا کر بھیجے گئے، آپ علیہ السلام ایک حدیث میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"۔

"مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔"

(سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحدیث علی طلب العلم: ج ۱ ص ۸۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلم بنایا اور تعلیم کے کامل اسلوب اور طریقے بھی مرحمت فرمائے، اس کامل اسلوب تعلیم کی برکت تھی کہ مختصر عرصے میں کائنات میں علمی انقلاب برپا ہوگیا، دنیا ظلمت کدہ سے نکل کر بقعۂ نور بن گئی، جہالت کی تاریکیاں چھٹ کر نور علم میں بدل گئیں۔

امت میں جس کسی نے اسلوب نبوت کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیت بھی نصیب فرمائی، اور ساری کائنات کی دعاؤں کا اسے مستحق بھی بنا دیا، چنانچہ اللہ کے پاک نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن الله وملائكته وأهل السموات والأرض، حتى النملة في جحرها، وحتى الحوت، ليصلون على معلم الناس الخير".

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین کی تمام مخلوقات حتی کی چیونٹیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں تک بھی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لیے دعا رحمت کرتی ہیں۔"

(سنن ترمذی، باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ: ج ۴ ص ۳۴۷)

حضرت مولانا اشرف شاد ماتکوٹ رحمہ اللہ بھی اسالیب نبوی کے حامل معلم تھے، ان کی ۶۵ سالہ زندگی تعلیم و تعلم میں صرف ہوئی، ان کی شب و روز کا وظیفہ "قال اللہ وقال الرسول" ہوتا، وہ اس میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ سنتوں کے پیروکار اور متبع تھے، ان کی پوری زندگی جہد مسلسل، صبر، قناعت اور مجاہدات سے عبارت تھی، انہوں نے علوم عربیہ کے بنیادی اور اساسی علوم صرف ونحو کو اپنی محنت کا میدان بنا کر ایک بہت بڑی نرسری تیار کر کے علم کے ہزاروں باغات لگا دیے، ان کی شبانہ روز محنتوں، شفقتوں اور مربیانہ طرز سے مدارس عربیہ سے نفرت کرنے والے مدارس سے متعلق ہو کر فضلاء بن گئے۔

حضرت مولانا محمد اشرف شادؒ، میاں چنوں کے ایک دور افتادہ گاؤں چک 59 / 15L میں ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر کبیر والا ضلع خانیوال میں میدان تدریس کے مشہور شاہسوار، جامع المعقول والمنقول، استاذ العلماء، حضرت مولانا منظور الحق رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا منظور الحقؒ کو بے پناہ تعلیمی، تدریسی اوصاف سے نوازا تھا، وہ عقلی ونقلی علوم کے حافظ ہونے کی وجہ سے بجا طور پر علامہ معروف تھے، فن تدریس میں انہیں امام اور مجدد کا درجہ حاصل تھا، صرف، نحو، منطق، فلسفہ میں انہیں امتیازی طور پر کمال حاصل تھا، مدارس دینیہ میں مذکورہ بالا فنون خشک اور دقیق سمجھے جاتے ہیں، بایں وجہ طلباء کی عموماً ان فنون سے دوری رہتی ہے، حضرت مولانا منظور الحقؒ کے علمی کمال اور خصوصی ملکۂ تدریس کی وجہ سے طلباء کو ان فنون سے بجائے وحشت کے نہ صرف موانست

ہوتی، بلکہ طلباء کی دل لگی کا ذریعہ ہی یہی فنون ہوتے۔

حضرت مولانا منظور الحق رحمہ اللہ نے اس نو وارد طالب علم (حضرت مولانا محمد اشرف ؒ) کو اپنی دور بین نگاہوں سے بھانپ لیا کہ یہ سیپ مستقبل میں گوہر یکتا ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے حضرت مولانا محمد اشرف شادؒ کو خصوصی توجہات اور شفقتوں اور محبتوں سے نوازنا شروع فرمایا نتیجتاً حضرت مولانا محمد اشرف شادؒ اپنے استاذ محترم سے کسب فیض کرتے کرتے ان کا عکس اوران علوم کے ترجمان بن گئے، اور بجا طور پر حضرت مولانا منظور الحق کے علمی جانشین کہلائے۔

حضرت مولانا محمد اشرف شاد رحمہ اللہ نے اپنی تعلیم کی تکمیل بھی اپنے استاذ محترم مولانا منظور الحقؒ کی زیر سرپرستی دار العلوم کبیر والا میں کی، آپ کو ایک سے بڑھ کر ایک یکتائے زمانہ، صاحب تقویٰ، صاحب فراست اور صاحب علم اساتذہ کی صحبت اور شرف تلمذ نصیب ہوا، حضرت مولانا منظور الحقؒ کے علاوہ ان کے برادر اکبر حضرت علامہ مولانا ظہور الحق، حضرت مولانا سید فیض علی شاہؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا علی محمدؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم جیسے اساتذہ نے اس سونے کو کندن بنا کر نمایاں کردیا، چنانچہ حضرت مولانا محمد اشرف شاد صاحبؒ ۱۳۷۰ھ میں سند فراغت حاصل کرنے کے بعد کبیر والا کے قریب ہی قصبہ ٹھوکر چاون میں اپنے اساتذہ کے مشورہ سے محوتدریس ہوگئے، آپ کی تدریسی محنت اس درجہ تک پہنچی کہ آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا منظور الحق صاحبؒ جو اس وقت دار العلوم کے مہتمم تھے، نے فرمایا کہ مولانا محمد اشرف جیسے لائق مدرس کو تو دار العلوم میں ہونا چاہیے، چنانچہ آئندہ سال ۱۳۷۱ھ میں دار العلوم کبیر والا کے مدرس مقرر ہوئے، یہاں دار العلوم میں تقرری کے ساتھ ہی حضرت مولانا منظور الحق صاحبؒ نے تعلیم صرف ونحو میں گویا آپ کو اپنا جانشین مقرر کرتے ہوئے صرف ونحو کی تدریس بھی آپ کے سپرد کردی، اس وقت سے وفات تک آپ کا ۳۸ سالہ دور تدریس ہے، ان ۳۸ سالوں میں حضرت نے دار العلوم کبیر والا، ٹھوکر چاون شور کوٹ، جہانیاں منڈی، شجاع آباد اور مانکوٹ میں علمی جوہر بکھیرے۔

حضرت اقدس مولانا محمد عبد اللہ بہلوی رحمہ اللہ بھی آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت کے نکاح میں دے دی، یوں آپ بہلوی

نسبت کے بھی حامل ہو گئے، حضرت بہلویؒ آپ سے بے حد محبت فرماتے اور شفقتوں سے نوازتے، بعدہ آپ شجاع آباد مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد میں قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ کے حکم سے تدریس کے لیے تشریف لائے اور حضرت کی توجہات کا مرکز رہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب اپنی تدریسی خصوصیات کی وجہ سے محبوب المشائخ و العلماء تھے، پاکستان کے نامور علماء کرام اور مشائخ عظام اپنے صاحبزادگان کی تعلیم وتربیت کے لیے حضرت مولانا کا انتخاب فرماتے، چنانچہ حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ،معروف عالمی مبلغ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ، آپ کے استاذ حضرت مولانا سید فیض علی شاہ صاحبؒ، حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ، شیخ القراء حضرت مولانا محمد طاہر رحیمی صاحب مدظلہ، حضرت علامہ مولانا عبدالستار تونسوی صاحب دامت برکاتہم، شیخ التفسیر حضرت مولانا قاری شہاب الدین جیسے سینکڑوں علماء کے صاحبزادگان آپ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔

حافظ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ، مفکر اسلام قائد انقلاب حضرت مولانا مفتی محمودؒ، آپ کے شیخ حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندیؒ اور سلسلہ نقشبندیہ کے معروف شیخ اور آپ کے تلمیذ مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ جیسے اکابر آپ کو اپنے اداروں میں اصرار کے ساتھ تدریس کے لیے پرزور دعوت دیتے رہے۔

آپ محبوب العلماء والمشائخ تو تھے ہی، طلباء دین بھی آپ پر نثار رہتے، باوجودیکہ آپ ایک سخت گیر معلم اور مربی تھے، عام درسگاہوں میں جو چیزیں قابل اعتنا نہیں سمجھی جاتیں حضرت کے ہاں وہ قابل مواخذہ جرم ہوتیں اور اس پر سخت دار وگیر ہوتی، سبق میں ذرا سی کوتاہی، مطالعہ و تکرار میں عدم دلچسپی پر ہر طالب علم کا ایسا مواخذہ ہوتا کہ آئندہ ایسی کوتاہی کی جرأت بھی نہ ہوتی۔ بایں ہمہ آپ کی شفقت آپ کی شدتوں اور سختیوں پر غالب آجاتی اور طالب علموں کے دلوں کو موہ لیتی، یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں بھی تدریس کے لیے تشریف لے گئے، طلباء کا جم غفیر آپ کے ساتھ ہوتا، جامعہ رحمانیہ جہانیاں، مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد اور آخر میں جامعہ اشرفیہ مانکوٹ میں جونہی آپ نے قدم رکھا، یہ جگہیں طلباء سے بھر گئیں، کمرے کم پڑ گئے، گویا

آپ ایک چلتے پھرتے مدرسہ تھے۔

راقم الحروف کی تدریس بھی حضرت کی شفقتوں کا نتیجہ ہے، احقر ۱۹۸۹ میں دورہ حدیث سے فارغ ہوا تو حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ نے حضرت والد محترم حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے تقاضا فرمایا کہ مولوی زبیر کو میرے حوالے کرو، اور وہی سال جامعہ اشرفیہ مانکوٹ کے قیام کا تھا۔ احقر میں نہ تو کوئی علمی صلاحیت تھی اور نہ ہی کوئی جوہر، یہ حضرت کی محض شفقت تھی، اس طور پر کہ ایک عالم دین کا بیٹا مدرس بن جائے اور ضائع نہ ہو، راقم کو اپنا رفیق بنالیا، والد صاحب کے حکم پر بندہ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ میں جامعہ اشرفیہ مانکوٹ حاضر ہوا، ملتان سے مانکوٹ کا صرف بیس میل کا سفر اڑھائی گھنٹہ میں طے ہوا، ٹوٹی ہوئی سڑک پر چیونٹی کی طرح رینگتی ہوئی بس اور اس پر راستہ کے گرد وغبار نے طبیعت کو بوجھل کر دیا، مانکوٹ اڈے سے جامعہ تک تقریباً دو کلومیٹر کی پیدل مسافت نے رہی سہی کسر پوری کر دی، جامعہ کا منظر کچھ عجیب تھا، دو کمرے، ایک چھوٹی سی مسجد، بجلی کی سہولت سے محرومی، بیت الخلاء غسل خانے مفقود، درسگاہیں آم اور کینوں کے پیڑ کھانے کے لیے مانکوٹ کی تازہ ترین ترکاریاں یا سلاروالین کی دکانوں سے خریدی گئی دال کی دائمی رفاقت، بایں ہمہ یہاں اڑھائی سو طلباء کا میلہ دیکھ کر ششدر اور حیران رہ گیا۔ یا اللہ یہ اتنے سارے لوگ کہاں ٹھہریں گے؟ ان کی بودوباش کا کیا ہوگا؟ بشری تقاضے کیسے پورے ہوں گے؟ بجلی کے بغیر زندگی کیسے بسر ہوگی؟ یہ سارے خیالات دماغ میں گھومنا شروع ہو گئے۔

احقر کو رہنے کے لیے دو مزید استاذوں کے ساتھ کچی اینٹوں اور کھجور کی چھت سے بنا ایک کمرہ مل گیا، پھر کیا ہوا؟ حضرت کی شفقتوں اور حضرت کے عطاء کردہ تعلیمی تدریسی مئے نے ایسا مدہوش کیا کہ زندگی کے سب سے یادگار اور خوشگوار ایام بھی مانکوٹ کے ہی بن گئے۔ یہ حضرت کی شفقت تھی کہ شہروں میں پیدا ہونے والے پنکھوں، ائیر کولروں، اور اے سی میں زندگی گذارنے والے انگلینڈ، امریکہ کے ماحول میں آنکھیں کھولنے والے، اس جنگل میں حضرت کی محبت اور شفقت کی وجہ سے سالہا سال علمی پیاس بجھاتے رہتے۔

وہ کیا اوصاف وکمالات تھے جن کی وجہ سے آپ مرجع خلائق اور محبوب خاص وعام

تھے؟ عامی سے لیکر عالم تک طالب علم سے لے کر شیوخ تک سبھی آپ پر گرویدہ تھے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے یہ وہی کمالات تھے جو کسی بھی وارث مسند نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہونی چاہئیں، آپ نے اپنے اندر تعلیم کے وہ تمام اسالیب اختیار فرمائے، جو معلم کامل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے، ذیل میں چند ایسے اسالیب کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

کمالِ علم:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا، آپ کی ذات مجموعہ علوم تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اعطیت علم الاولین والآخرین"

"مجھے اولین وآخرین کا علم عطا کیا گیا"۔

حضرت مولانا محمد اشرفؒ نے بھی اپنے اندر کمال علم کو پیدا فرمایا، وہ حافظ قرآن بھی تھے اور سبعہ عشرہ کے قاری بھی، وہ ماہر عقلیات بھی تھے اور نقلیات بھی، تقسیم اسباق کے وقت ہر مشکل سبق وہ اپنے ذمہ لے لیتے، انہوں نے اپنی تدریس کے آغاز میں ہی اقلیدس، چغمینی، شمس بازغہ جیسی کتابیں پڑھانا شروع کر دی تھیں، عبدالغفور، شرح جامی، کافیہ، ہدایۃ النحو، ارشاد الصرف، زرادی، زنجانی اور فصول اکبری جیسی کتابوں کے تو وہ حافظ تھے، ان میں سے بیشتر کتب تو تقریباً ۳۵ مرتبہ وہ باقاعدہ پڑھا چکے تھے، ارشاد الصرف جیسی کتب تو سال میں کم از کم دو مرتبہ پڑھاتے رہے، یوں صرف کی تدریس کا انہیں کم وبیش یک صد مرتبہ موقع ملا ہوگا۔

۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں راقم الحروف کے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ بانی جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی رفاقت میں تحریک کے زخمی کارکنان کی عیادت کے لیے ہسپتال جاتے ہوئے دھر لیے گئے، چنانچہ شجاع آباد تھانہ میں جھوٹا مقدمہ دائر کر کے ان حضرات کو سنٹر جیل ملتان بھیج دیا گیا، مجھے حضرت نے ایک سے زائد مرتبہ نقل فرمایا کہ جیل میں ہم دونوں (والد محترم واستاذ محترم) اولاً قطبی کا تکرار اور پھر صحیح بخاری کا تکرار کرتے رہے، یہ ان حضرات کے علمی استحضار کا بین ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس قدر علم سے نوازا تھا اور

انہیں علم سے کس حد تک پیار تھا۔

کمالِ تقویٰ:

مقبول علم وہی ہوتا ہے جو باعث عمل ہو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم سے پناہ چاہی ہے جو نفع مند نہ ہو، حضرت مولانا محمد اشرف رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے سراپا عمل اور تقویٰ بنایا تھا، ان کی عفت و پاکدامنی اس قدر تھی کہ وفات تک ان پر ذرا بھی دھبہ نہ آیا، احتیاط اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ درسگاہ میں (ایام جوانی میں) دروازے میں تشریف رکھتے، تاکہ کوئی بے ریش طالب علم سبق پوچھنے آئے تو سب کے سامنے ہو اور موضع تہمت نہ بنے، کبھی تنہا کمرے میں ہوتے تو کسی بھی چھوٹے طالب علم کو کمرے میں داخلے کے لیے اجازت نہ ہوتی، حکم ہوتا کہ کسی اور طالب علم کو ساتھ لے کر آؤ۔

نماز کی امامت زمانہ مرض تک خود فرماتے رہے اور فرماتے میں خود جماعت اس لیے کرواتا ہوں کہ میری نماز تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا ہو جائے، بغیر کسی شرعی عذر کے شاید برسہا برس تک آپ کی تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔

حفظ قرآن کے زمانے سے لے کر وفات سے ایک سال قبل تک تراویح میں ختم قرآن کریم ہر سال معمول رہا اور یہ معمول کسی سال نہیں چھوٹا، صرف آخری سال مرض اور ضعف کی شدت کی وجہ سے یہ معمول پورا نہ ہو سکا، یقیناً اس سال کے ختم قرآن سنانے کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ضرور مرحمت فرمایا ہوگا، حفاظ طلباء کو اکثر ہر سال ختم قرآن کریم سنانے کی تاکید فرماتے اور ختم قرآن پر پیسے لینے کی سخت ممانعت فرماتے، اور یہی انہیں اپنی والدہ محترمہ کی نصیحت تھی، نماز تہجد کی ادائیگی کا بھی ہمیشہ سے معمول تھا، عموماً رات کو صرف کے سبق سے بارہ بجے فارغ ہوتے، صبح تہجد کے لیے اٹھ جاتے، سفر و حضر میں تہجد کا یہ معمول جاری رہتا، بسا اوقات سفر سے رات کو دو بجے تشریف لاتے، تب بھی صبح چار بجے حسب معمول تہجد کے لیے اٹھ جاتے۔

زندگی بھر مدرسہ میں مہمانوں پر مدرسہ کا خرچ کرنے کی بجائے اپنی گرہ اور جیب سے

مہمان نوازی کی، جامعہ کے مہمانوں کی خدمت بھی اپنے گھر سے فرماتے، طلباء کے والدین، مدرسہ کے معاونین، زائرین سبھی کے لیے آپ کا دستر خواں بچھا رہتا، وفات سے قبل اپنی بیوی کو بھی یہی وصیت فرمائی کہ میرے بعد میرے مہمانوں کا خیال رکھنا، تقوی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے کہ میں نے پوری زندگی کبھی بھی مدرسہ کے مہتمم صاحب سے تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ نہیں کیا اور کبھی مہتمم صاحب نے ازخود اضافہ فرمایا تو شکریہ ادا نہیں کیا۔

ذکر اللہ کا بھی دائمی معمول تھا، اپنے معمولات ہمیشہ پورے فرماتے، ذکر اللہ کے سلسلہ میں آپ مختلف مشائخ سے راہنمائی لیتے رہتے، سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور شیخ حضرت مولانا غلام حبیب نقشبندیؒ سے آپ مجاز تھے، ذکر اللہ کا سلسلہ وفات تک جاری رہا، حضرت کے صاحبزادگان کے بقول شہادت کی انگلی سے انگلیوں کی گرہوں پر وظائف پڑھنے کا معمول تھا، چنانچہ وفات تک زبان بھی متحرک رہی اور انگلی بھی حرکت کرتی رہی۔

طلبہ کی خیر خواہی:

رحمت دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا وصف مؤمنین و متعلمین کی خیر خواہی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (التوبہ:۱۲۸)

”تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں“۔

متعلمین کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ امت کے علماء کو طلاب دین کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کرتے رہنے کی آپ نے تاکید فرمائی، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ رِجَالًا يَأْتُونَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِينَ يَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ

فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَیْرًا

''لوگ پوری روئے ارض سے حصولِ علم کیلئے تمہارے پاس آئیں گے اگر طلباء تمہارے پاس آئیں تو ان سے متعلق مجھ سے خیر کی وصیت قبول کرلو''۔

(سنن الترمذی: ج ۵ ص ۳۰)

حضرت مولانا محمد اشرفؒ اپنی حقیقی اولاد سے بڑھ کر اپنی روحانی اولاد کی خیر خواہی فرماتے، وہ زیادہ تر وقت طلباء کرام میں ہی گزارتے، نماز صبح سے لے کر دوپہر تک، پھر ظہر سے لے کر رات بارہ بجے تک ان کا وقت طلباء کے افادہ میں گزرتا، طلباء کی خیر خواہی میں اس قدر حریص تھے کہ سترہ سترہ اسباق روزانہ پڑھاتے، اپنی تدریس کے پہلے سال حضرت کو تسہیل المبتدی سے لے کر میبذی، شرح عقائد تک خود اسباق پڑھاتے دیکھا ہے، نماز عصر کے بعد مدارس میں طلباء اور اساتذہ سیر و تفریح کے ذریعہ ذہنی سکون حاصل کرتے ہیں، لیکن راقم نے عصر کے بعد بھی حضرت کو طلباء کی علمی تشنگی بجھاتے دیکھا۔

طلبہ کی خیر خواہی کا یہ عالم تھا کہ بعض طلباء کا کھانا اپنے گھر سے جاری فرما دیتے، اکثر اوقات پوری پوری کلاس کو مستقلاً چائے تک پلاتے رہتے، کسی کی گھریلو پریشانی معلوم ہو جاتی تو حتی الوسع اس کو دور کرنے یا حل کرنے کی کوشش فرماتے۔

مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کو اکثر مدارس میں تدریس کے لیے جگہ بنا کر دیتے اور پوری پوری سرپرستی فرماتے، ملک بھر میں امتحانات کے لیے مدارس میں تشریف لے جاتے اور اپنے تلامذہ کے اسباق کا خصوصیت سے امتحان لیتے، اگر اسباق میں کوتاہی ہوتی تو تلامذہ سے سخت دار و گیر فرماتے، حضرت مولانا محمد اشرف کی شفقت کو دیکھ کر طلباء والدین اور گھروں کو بھول جاتے، ناز و نعم میں پلنے والے ان کے دامن شفقت میں آ کر شہری زندگی کو خیرباد کہہ کر برسہا برس تک حضرت کے ساتھ دیہات میں مقیم رہے۔

حسنِ اخلاق:

حسن اخلاق بھی وصف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی بلندی کو بیان فرمایا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین آپ کی وصف میں یہ جملے بڑے وثوق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

سهل الخلق لين الجانب بفظ ولا غليظ

''افادہ اور استفادہ بھی حسن اخلاق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا''۔

استاذ محترم حضرت مولانا محمد اشرف شاہ صاحبؒ پیکر اخلاق تھے، ان سے ملاقات کرنے والا انہیں اپنا پرانا ملنے والا سمجھتا، حالانکہ وہ پہلی ملاقات ہوتی، وہ ہر آنے والے کے دل کو موہ لیتے اور ہر کسی کو وقت مرحمت فرماتے، طلباء کرام سے گفتگو بھی نہایت شفقت بھرے لہجہ میں ہوتی، ''میرے عزیز'' ان کا تکیہ کلام تھا، طلباء کو کوتاہیوں پر تنبیہ کے بعد شفقت بھرے لہجہ میں ''میرے عزیز'' فرماتے تو دل سے غم وغصہ کافور ہو جاتا، آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے پورا علاقہ آپ کا گرویدہ اور ثناء خوان ہے، غریب امیر سبھی سے آپ کا تعلق یکساں تھا اور سبھی آپ سے محبت کرتے۔

ملکۂ تفہیم:

کامل استاذ وہی ہوتے ہیں جو اپنی بات آسانی کے ساتھ اپنے تلامذہ کو ذہن نشین کرادیں، حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کا یہی کمال تھا کہ وہ مشکل سے مشکل مضمون، دقیق علمی مباحث کو نہایت ہی بے تکلفی کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے کہ طلباء نہ صرف سمجھ جاتے، بلکہ فوراً یاد بھی کر لیتے، صرف ونحو کی گتھیوں کو سلجھانا ان کے لیے معمول کا کام تھا، مشکل صیغہ جات کو مزاح کے انداز میں حل کر دیتے، ان کے نرالے انداز تفہیم کی وجہ سے ان کے درس میں شریک طلباء کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کرتے، کافیہ، شرح جامی، جیسی کتب کی مشکل مباحث اور ضروری فوائد کو سوال وجواب اور تمہیدی باتوں کے عنوان سے معنون کر کے بیان کرتے تو کتابیں حل ہو کر رہ جاتیں۔

سیرت سازی:

تعلیم وتعلم سے مقصود سیرت وکردار سازی اور عمل ہوتا ہے، حضرت استاذ محترم محض سیاہ حروف پڑھانے کی بجائے طلباء کی سیرت سازی پر زور دیتے، آپ کے اسباق کے دورانیہ میں

موعظت کے لیے ایک حصہ مقرر ہوتا، خدمت دین متین اور اس مقصد کے لیے تحمل شدائد و مصائب کا جذبہ طلباء میں کوٹ کوٹ کر بھر دیتے، علماء کے لیے سرکاری ملازمتوں کے اختیار کرنے کو سخت ناپسند سمجھتے، طلباء کو اس سے منع فرماتے۔

صرف کے مبتدی طلباء کو ایک عہد نامہ تحریر کرواتے، گویا یہ طلباء کا اپنے استاذ سے معاہدہ ہوتا کہ وہ زندگی بھر دین کی خدمت کریں گے، سرکاری ملازمت ہرگز اختیار نہیں کریں گے، وغیرہ۔ طلباء میں اکثر اسلاف واکابر کے واقعات بیان فرماتے اور اکابر پر اعتماد کرنے کا درس دیتے، انہیں سلف بیزاری سے سخت نفرت تھی، جو لوگ اسلاف کی راہ چھوڑ کر نئی راہیں اختیار کر چکے ہیں ان سے اعلانیہ اظہار برأت فرماتے، ایک مرتبہ احقر کو پیغام بھیجا کہ "ممدال" میں سلف بیزاری کا فتنہ سر اٹھا رہا ہے، آ کر بیان کرو، بندہ حاضر ہوا اور حضرت پورے بیان میں خود تشریف فرما ہوئے اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔

طلباء کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی، تلاوت قرآن کریم اور نماز تہجد کی تلقین فرماتے، آپ نے اپنی اولاد کو بھی اسی رنگ میں رنگا، چنانچہ چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بحمد اللہ حافظ، قاری اور عالم ہیں، اپنے والد کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن رحمہ اللہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند کا سانحۂ ارتحال

[سن وفات: 2010ء]

عالم اسلام کی عظیم علمی، روحانی دینی درسگاہ، برصغیر پاک وہند میں اسلامیانِ برصغیر کے ایمان وعقیدہ کا محافظ ادارہ، آزادیٔ ہند اور استعمار کو وطن سے نکال باہر کردینے والی تحریک کی جڑ اور بنیاد، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب قدس سرہٗ مورخہ یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء ہندوستانی وقت کے مطابق صبح ساڑھے دس بجے دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب نے تقریباً ایک صدی زندگی کی بہاریں دیکھیں، ان کے شب وروز خدمتِ دین میں صرف ہوئے، وہ زندگی بھر اسلامیانِ ہند کے ایمان وعقیدہ کے محافظ رہے، مسلمانانِ ہند کے حقوق کے حصول کے لئے ان کی زندگی بھر کی جدوجہد تاریخ کا تابناک حصہ بنے گی۔ ملحدین، منکرینِ ختم نبوت، انتہاپسند ہندوؤں کو انہوں نے ہمیشہ آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے عرصہ تیس سال تک مہتمم رہے، ان کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے لائق صد تحسین ترقی کی۔ ان کی قیادت میں دارالعلوم دیوبند کو بلاشبہ حسنِ تعلیم کے ساتھ حسنِ تعمیر وحسنِ انتظام بھی نصیب ہوا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳۲ء دارالعلوم دیوبند سے ہی فاتحہ فراغ پڑھا اور دارالعلوم سے متعلق ہوگئے۔ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء وہ

دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن مقرر کیے گئے۔ ۱۹۸۱ء میں دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے بعد وہ معاون مہتمم مقرر ہوئے اور ۱۹۸۲ء میں انہیں مہتمم مقرر کر دیا گیا۔

مورخہ ۹، ۱۰، ۱۱ر اپریل ۲۰۰۱ء جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کے زیر اہتمام عظیم الشان "خدماتِ دار العلوم دیوبند کانفرنس" منعقد ہوئی، جس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی، اس اجلاس میں دار العلوم دیوبند سے مشائخِ دار العلوم کا ایک وفد حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب قدس سرہٗ کی قیادت میں شریک ہوا۔ اس اجتماع میں اسلامیانِ پاکستان اپنے اکابر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ ابناء دار العلوم دیوبند نے اپنے مشائخ کا والہانہ استقبال کیا، اس موقع پر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن رحمہ اللہ نے خدماتِ دیوبند پر ایک وقیع علمی مقالہ پیش فرمایا۔ جس میں انہوں نے دار العلوم دیوبند کا تعارف، ملی، سیاسی، فکری، مسلکی اور ہمہ قسم خدمات کو اجاگر فرمایا۔ اس مقالہ میں حضرتؒ نے دار العلوم دیوبند کے مسلک اعتدال کو بھی واضح فرمایا۔

حضرتؒ کی وفات حسرت آیات صرف اسلامیانِ برصغیر کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو اس سانحہ پر صبر نصیب فرمائے۔ ہم پوری ملتِ اسلامیہ خصوصاً اسلامیانِ ہند اور دار العلوم دیوبند کی انتظامیہ کے ساتھ غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللھم لا تحرمنا اجرہٗ ولا تفتنا بعدہٗ۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" صفر المظفر ۱۴۳۲ھ/ جنوری 2011ء)

اخلاص وللّٰہیت کے پیکر

خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد رحمہ اللہ

[سن وفات: 2010ء]

حضرت خواجہ خواجگان، مخدومنا وسیدنا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ کی زیارت، استفادہ اور حصول ادعیہ کا جذبہ بچپن سے ہی دل میں موجزن رہا، لیکن زمانہ طالب علمی میں یہ آرزو پوری نہ ہوسکی، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت والد محترم رحمہ اللہ نے بچپن سے ہی تعلیمی انہماک کا ایسا نظم تشکیل دیا کہ سر کھجانے کی فرصت ہی نہ ملتی، قرآن کریم کی تعلیم جاری تھی کہ فارغ اوقات میں اسکول کی تعلیم شروع کرائی گئی، تعلیم قرآن کریم سے فراغت ہوئی تو درس نظامی کے اسباق شروع کرادیے گئے، اور ساتھ ہی عصری تعلیم خارجی اوقات میں جاری رکھوائی گئی، اولی کے سال پرائمری، رابعہ کے سال میٹرک اور سادسہ کے سال ایف اے سے فراغت ہوئی، دورۂ حدیث سے فراغت پر فوراً تدریس شروع کرادی گئی، پہلے تعلیمی انہماک اور اب تدریسی انہماک اس تمنا کی تکمیل میں حائل رہے۔

دوران تدریس ۱۹۹۶ء میں احقر کے دونوں گردے فیل ہوگئے، جس کی وجہ سے کافی تکلیف اٹھانا پڑی، پورا خاندان بالخصوص حضرت والد محترمؒ بے حد متاثر ہوئے، مرض میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اور بالآخر احقر امراض کثیرہ کا حامل بن گیا، انہی ایام میں حضرت اقدس خواجہ خان محمد صاحبؒ کی جلال پور پیروالا اور شجاع آباد تشریف آوری ہوئی۔

حضرتؒ کا قیام جامعہ کے قریب ہی مقامی دین دار زمیندار میاں ظہیر احمد بابر بودلہ صاحب کے گھر تھا، حضرت والد محترمؒ کی درخواست پر حضرت خواجہ صاحبؒ جامعہ میں تشریف لائے، احقر کو گھر سے بلوایا گیا، احقر جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت مہمان خانے

میں جلوہ افروز تھے، مصافحہ کی سعادت حاصل کی، زیارت سے مشرف ہوا، نرم ونازک ہاتھ، معصومیت سے لبریز چہرہ سفید شفاف بال، حیا ٹپکاتی آنکھیں، متانت بھری شخصیت میرے سامنے تھی۔ حضرت نے حال طبع پوچھا اور فوراً دست دعا دراز فرما لیے، دل ہی دل میں (سراً) دیر تک لمبی دعا فرمائی، نہ جانے کس انداز سے رب جلیل سے گویا ہوئے ہوں گے کہ اپنے اس نالائق بندے کو صحت کی دولت سے مالامال فرما، دعا ختم فرمائی اور فرمایا پانی کی بوتل منگواؤ، پانی منگوایا گیا، حضرت اقدسؒ نے پانی پہ دم فرمایا اور پیتے رہنے کی ہدایت فرمائی اور رخصت ہو گئے۔

بندے کے دل میں یقین پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی دعا کو دیگر بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ احقر کے حق میں رد نہیں فرمائیں گے۔ عالم اسباب میں احقر کے ان امراض و اسقام مہلکہ سے زندہ بچنے کی توقع اطباء اور ڈاکٹرز، رفقا اور احباب کو بھی نہ تھی، گردے فیل، پیشاب کی بندش، بون ٹی بی، ہیپا ٹائٹس وغیرہ امراض میں سے ہر مرض جان لیوا ہوتا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ ہفتے میں تین بار ڈائیلاسیز کا چار گھنٹے کا مشکل ترین عمل اور اس کے فوری ظاہر ہونے والے خطرناک مضر اثرات، ڈائیلاسیز کے لیے ٹانگ کی شریان میں غلطی سے لگائی جانے والی نالی کی وجہ سے شریان میں سوراخ اور اس کی وجہ سے بہنے والا خون، ہائی بلڈ پریشر وغیرہ بھی امراض میں اضافے کا باعث بن گئے، یہی وجہ تھی کہ محلے کی مسجد کا اسپیکر اذان کے وقت کے علاوہ کھلتا تو اہل محلہ اور اہل شہر کے دلوں میں گمان پیدا ہوتا کہ شاید زبیر کی موت کا اعلان ہو گا۔ ایک مرتبہ محلے میں ایمبولینس مریض لے کر آئی، اس نے ہارن بجایا تو محلے کے مرد وزن سارے پریشان ہو گئے، اور کئی لوگ گھروں سے اضطراب کی حالت میں باہر نکل آئے کہ شاید زبیر کی ڈیڈ باڈی آ گئی ہو، بایں ہمہ حق تعالیٰ نے ہمارے حضرتؒ کے کلمات دعا، میرے والد محترمؒ کی دعاؤں اور میرے اکابر کی آرزوؤں کی لاج رکھ لی اور اللہ تعالیٰ نے مکمل صحت یاب فرمایا۔

حق تعالیٰ نے صحت یابی کے بعد ۲۰۰۰ء میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ اور ۲۰۰۲ء میں دوسری حاضری کی سعادت نصیب فرمائی، اس حاضری کے موقع پر مورخہ ۵ فروری ۲۰۰۲ء کو غالباً آخری فلائٹ سے کراچی سے جدہ کے لیے روانگی ہوئی، میری سعادت مندی کہ اس جہاز میں حضرت اقدس خواجہ صاحبؒ اور امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ بھی

موجود تھے، دوران پرواز ان دونوں بزرگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وقت گزارنے، زیارت کرنے اور استفادے کا موقع فراہم کیا، اس موقع پر بھی ان دونوں بزرگوں سے جو دعائیں حاصل کیں، وہ میری زندگی کا بہترین سرمایہ ہیں۔

۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۶ء تک کے درمیانی عرصے میں حتمی تاریخ یاد نہیں، احقر کو کسی اہم کام کے سلسلے میں کراچی جانا ہوا، کراچی میں شہید اسلام حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ کی خدمت میں دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت ایم اے جناح روڈ کراچی حاضری دی، حسن اتفاق کہ حضرت شہیدؒ کے پاس ان کے شیخ ثالث حضرت اقدس خواجہ خان محمد صاحبؒ تشریف فرما تھے، حضرت والا سے مصافحہ اور تبادلۂ خیال کا بہترین موقع میسر آیا، اور ان سے ایک بار پھر ڈھیروں دعائیں لیں۔

اگست ۲۰۰۸ء میں جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے چند اساتذۂ کرام اور چند دوستوں نے مل کر حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضری اور موسیٰ زئی شریف میں مدفون سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر کی قبور کی زیارت اور چند دیگر اکابر کی خدمت میں حاضری کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ جامعہ کے اساتذۂ کرام مولانا مفتی محمد طیب معاویہ، مولانا مفتی سلطان محمود، مولانا احسان الحق، مولانا محمد عامر سہیل، جامعہ کے رکن شوریٰ حاجی عبدالرحمن مرحوم اور دوسرے رکن شوریٰ خواجہ حاجی حبیب الرحمن مرحوم کے ہمراہ خانقاہ سراجیہ اور موسیٰ زئی شریف ڈیرہ اسماعیل خان کے لیے روانہ ہوئے، دوپہر کو جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سرپرست اور جامعہ قادریہ بھکر کے مدیر اعلیٰ بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ العالی کے گھر حاضری ہوئی، ان کی زیارت اور استفادے کے بعد خانقاہ سراجیہ روانگی ہوئی، رات کا قیام خانقاہ شریف میں ہوا، ہمارے عزیز اور جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے خریج مولانا فاروق احمد جو خانقاہ شریف میں درجہ کتب کے مدرس ہیں، نے پہلے سے قیام کا انتظام کیا ہوا تھا، ہمارا قافلہ مغرب کو خانقاہ پہنچ گیا، ہماری خوش قسمتی کہ رات کو کافی دیر تک حضرتؒ نے ہمیں خصوصی وقت مرحمت فرمایا، حضرتؒ اپنے مخصوص کمرے میں چارپائی پر تشریف فرما ہوئے، دیگر مریدین کو جلد نمٹا دیا گیا، ہمارا قافلہ حضرت کے قدموں میں تھا، زمین پر حضرتؒ کے قدموں میں بیٹھے میرے ہاتھ میں حضرتؒ

کا پاؤں تھا، جسے دبا کر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں پرواز کر رہا ہوں اور میرا ہاتھ ثریا پر ہے، دیگر احباب بھی دائیں بائیں بیٹھ گئے، سب سے پہلے حضرتؒ سے زمانۂ طالب علمی کے متعلق کچھ سوالات کیے، حضرتؒ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تعلیم کی تفصیلات ارشاد فرمائیں۔

حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ گرفتار ہو گئے تھے، اس لیے ہمیں بخاری شریف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ نے پڑھائی، اور حضرت مولانا اعزاز علیؒ اور اپنے دیگر اساتذۂ کرام کا تذکرہ فرماتے رہے، احقر نے درخواست کی کہ بخاری شریف کا ایک سبق پڑھا کر سند حدیث مرحمت فرمادیں، حضرت نے میری درخواست کو قبول فرمایا اور صحیح بخاری شریف منگوا کر ہمیں ایک حدیث کی عبارت پڑھائی، آگے حضرت پڑھ رہے تھے اور پیچھے ہم پڑھ رہے تھے، یوں لگ رہا تھا کہ آج حدیث کا نورانی قاعدہ حضرتؒ ہمیں پڑھا رہے ہیں، حدیث کی عبارت پڑھا کر آپ نے اپنے سلسلے سے روایت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ اجازت حدیث مجھ سمیت جملہ شرکاء درس علماء کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز اور روز محشر ان شاء اللہ حضرتؒ کے واسطے حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور ان کے اکابر و اساتذہ کے واسطے سے سلسلۂ علماء میں جڑ جانے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ اس موقع پر برادر اصغر مفتی محمد طیب معاویہ سلمہ نے حضرتؒ کی فیاضی جود و سخا کا بہتا دریا دیکھ کر تعویزات کی بھی اجازت طلب کر لی، حضرتؒ نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجازت تعویزات بھی سب علماء کو مرحمت فرمائی۔

حضرت کے قریبی حلقے کے احباب جانتے ہیں کہ حضرت نہایت ہی خاموش طبع تھے اور یہ وصف بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، لیکن آج حضرتؒ کی مہربانی کا کمال تھا کہ کافی دیر تک ہم سے گفتگو فرماتے رہے، آخر میں ہم نے حضرتؒ سے درخواست دعا کی، حضرتؒ نے ہاتھ اٹھا کر کافی دیر دعا فرمائی اور گھر روانہ ہو گئے، ہمارا قیام دیگر مریدین کی طرح تسبیح خانے میں تھا۔

خانقاہی نظام آج بھی خلق خدا کی طمانینت و ہدایت کا ذریعہ ہے، یہاں عجیب انوار و برکات محسوس ہوئیں، فجر کی نماز خانقاہ کی قدیم اور حسین جامع مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد حضرت اقدسؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے ختمات کروائے، جس میں حاضری

بہت سی برکات کا باعث بنی، صبح ناشتے سے فراغت پر مسجد وخانقاہ کے متصل قبرستان میں حاضری دی، جہاں حضرتؒ کے شیخ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ مدفون ہیں۔ قبرستان حاضری سے فراغت پر قافلہ موسیٰ زئی شریف پہنچا جہاں حضرت والاؒ کے سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر حضرت مولانا دوست محمد قندھاریؒ، حضرت مولانا محمد عثمان دامانوی، حضرت خواجہ سراج الدینؒ اور دیگر اکابر کی قبور پر حاضری کا شرف نصیب ہوا۔

نومبر ۲۰۰۹ء میں ایک طویل وعریض سفر شہید اسلام حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ کی صحبت میں، بہت سے اکابر کی زیارت کے لیے ہوا، اولاً رائیونڈ تبلیغی اجتماع میں دعا میں شرکت کی، فراغت پر ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رائے پوری خلیفہ مجاز حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضری دی، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے مزار پر انوار پر بھی حاضری وایصال ثواب ودعا کا شرف حاصل ہوا، رات کا قیام مولانا محمد اکرم طوفانی مدظلہ کے ہاں سرگودھا ہوا، صبح خانقاہ سراجیہ کے لیے روانگی ہوئی، ۱۰ بجے کے قریب ہم لوگ خانقاہ شریف پہنچ گئے، حضرت کے صاحبزادگان حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا عزیز احمد صاحب نے حضرت سے خصوصی طور پر ملاقات کروائی، اس موقع پر بھی حضرت خواجہ صاحبؒ سے خوب خوب استفادے کا موقع نصیب ہوا، میرے اہل خانہ کو بھی بیعت کے لیے خانقاہ حاضری کا اشتیاق تھا، بندہ کی ہدایت پر اہلیہ اور بچے سرگودھا پہنچ گئے تھے، سرگودھا سے ان کو ساتھ لیا اور خانقاہ سراجیہ میں حضرت کے گھر کچھ دیر اہل خانہ کا قیام رہا، اہلیہ حضرتؒ سے بیعت ہوئیں، حضرت نے بچوں کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں اور عزیزم اُسَیْدُ الرشید کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اس کے بعد ۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۰۱۰ء خانقاہ شریف میں حاضری ہوئی، احقر نے ۱۰ محرم الحرام کو بھکر میں سیرت سیدنا حسینؓ کے موضوع پر بعد نماز ظہر بیان کرنا تھا، موقع کو غنیمت جانا، علی الصبح محترم جناب حاجی انوار الحق صاحب قریشی کے ہمراہ روانہ ہوا، اولاً خانقاہ سراجیہ حاضری دی، انسانوں کا جم غفیر حضرت کی زیارت کے لیے امڈ آیا تھا، حضرت مسجد اور خانقاہ کے خصوصی کمرے کے درمیان صحن میں تشریف فرما تھے، دائیں بائیں، سامنے پیچھے غرض

کہ ہر طرف سے عشاق نے گھیرا ہوا تھا، کچھ لوگ مسجد کے صحن سے حضرت کی زیارت کر رہے تھے، اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم فرمایا اور حضرت سے مصافحہ اور دعاؤں کا شرف نصیب ہوا۔ مرض الوفات میں حضرتؒ کو کندیاں شریف سے سیال کلینک ملتان منتقل کیا گیا، یہاں بھی حضرتؒ کی عیادت اور زیارت کا شرف نصیب ہوا، اگرچہ حضرتؒ کی علالت کے باعث مصافحہ سے محرومی رہی۔

ان ملاقاتوں اور زیارتوں میں حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ کے جو اوصاف سامنے آئے، وہ ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں؛

۱)۔ خاموش طبع گویا مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ کے مصداق تھے۔
۲)۔ اخلاص وللّٰہیت۔
۳)۔ عاجزی وانکساری۔
۴)۔ زہد وتقویٰ۔
۵)۔ بے پناہ روحانیت۔
۶)۔ عزم وجہد مسلسل۔
۷)۔ رات کے شب بیدار اور دن کے شاہسوار۔
۸)۔ غیبت وچغلی سے کوسوں دور۔
۹)۔ حفاظت نظر وغضِ بصر۔
۱۰)۔ حب دنیا، طمع ولالچ سے بے پروا۔

آپ کے سامنے شاہ وگدا سب ایک جیسے ہی تھے، اللہ تعالیٰ کی ان صفات سے استفادے کی توفیق نصیب فرمائے اور حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین!

جنت کا راہی شہید اسلام حضرت مولانا

مفتی سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ سیرت و کردار

(سن وفات: 2010ء)

میرے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے فارغ التحصیل اور حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے ابتدائی شاگرد اور بے حد عقیدت مند تھے، بچپن سے ہی ہر ماہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے ترجمان ماہنامہ ''بینات'' حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے پاس دیکھنے کو ملتا۔ انہیں ہر ماہ ''بینات'' کا شدت سے انتظار رہتا۔ جونہی ''بینات'' موصول ہوتا، حضرت والد صاحبؒ اس کا مطالعہ شروع فرما دیتے۔ اگر کہیں دیہات، گاؤں کا تبلیغی سفر ہوتا تو ''بینات'' تھیلے میں ڈال لیتے، یوں جب تک مضامین مکمل نہ ہوتے بینات ان کے ساتھ رہتا۔ بچپن سے ہی ''بینات'' سے انس کی یہی وجہ تھی۔ والد صاحبؒ کی اتباع میں زمانہ طالب علمی میں اور فراغت کے بعد ''بینات'' کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ بینات کے مطالعہ میں کبھی کبھی ''مولانا سعید احمد جلال پوری'' نامی ایک ہستی کا مضمون بھی نظر سے گزرتا، بس یہ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ سے پہلی شناسائی تھی۔

حضرت والد محترم کا پہلا بیعت و اصلاح کا تعلق قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ سے، بعدہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے اور ان کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ سے قائم ہوا، اور اس کے ساتھ حضرت مولانا محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ سے بھی کسب فیض فرماتے رہے۔ حضرت والد صاحبؒ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی خدمت میں تشریف لے جاتے۔ واپسی پر حالات سفر کے بیان میں حضرت شہیدؒ کے رفیق خاص حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ کا بھی مدحیہ انداز

میں تذکرہ فرماتے۔ یہ مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ سے دوسری شناسائی تھی۔ ان دنوں ناکارہ کے دونوں گردے فیل ہوگئے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اور مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ احقر کے بارے میں سخت فکرمند رہتے۔ دونوں حضرات نے تادم زیست میری صحت اور تندرستی کے لیے ڈھیروں دعائیں فرمائیں اور مختلف انسانی تدابیر اختیار کیں۔

حضرت والد محترم رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ان سے رابطہ قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا۔ ان کی شفقتیں اور عنایتیں موسلادھار بارش کی طرح برسنے لگیں۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے بعد کراچی حاضری کے موقع پر احقر نے انہیں "جامعہ فاروقیہ شجاع آباد" کی سرپرستی، مجلس شوریٰ کی رکنیت قبول کرنے کی درخواست کی، تو انہوں نے ازراہ شفقت فوراً میری اس درخواست کو قبول فرمالیا۔ چنانچہ ۲۰۰۰ سے لے کر ۲۰۱۰ء میں اپنی شہادت تک، انہوں نے پوری ذمہ داری سے اس فرض منصبی کو نبھایا اور ہماری سرپرستی فرمائی اور ان دس سالوں میں بلاناغہ ہر سال کراچی سے طویل وعریض سفر فرماکر مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوتے رہے۔ ان دس سالوں میں حضرت شہیدؒ سے بیسیوں ملاقاتیں ہوئیں، ان کے ہمراہ دسیوں اسفار ہوئے، متعدد شب وروز ان کے ساتھ گزرے، گویا احقر نے انہیں نہایت ہی قریب سے دیکھا، پرکھا اور جانچا، یقیناً ان کی خلوت، جلوت سے منفرد تھی، وہ زبان کے سچے، عمل کے پکے، کردار کے دھنی، زبان وقلم کے بادشاہ، علمی وثوق، تواضع انکساری، خدمت خلق، انابت الی اللہ اور اصابت رائے رکھنے والے ہمہ جہت انسان تھے، وہ بہترین مدرس، فکرانگیز خطیب وواعظ، بلا کا زور قلم رکھنے والے ادیب وصحافی، لوگوں کے دلوں کی دنیا بدل دینے والے شیخ ومرشد، کفر والحاد وزندقہ اور فتنوں سے لڑنے والے، بے تیغ سپاہی اور مجاہد، اپنے اکابر، اساتذہ اور مشائخ کے خادم اعلیٰ، عوام الناس بالخصوص دینی طبقہ کے دکھ درد پر تڑپ جانے والے سماجی کارکن، صلہ رحمی کے پیکر، ملک وملت کے عظیم ہمدرد، مدبر اسکالر، قرآن وسنت کے حامل، فقہ کے ماہر، عبادت گزار، شب بیدار، ذاکروشاغل، صابروشاکر، عاشق رسول، دیوانہ اصحابؓ واہلبیتؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ولایت کے منصب پر فائز نابغۂ روزگار ہستی تھے، گیارہ سالہ طویل رفاقت میں احقر نے جو کچھ ان کی ذات میں دیکھا اور پایا بلامبالغہ اسے زیب قرطاس کیا جاتا ہے۔

حُسنِ اخلاق:

حسن اخلاق دین کا عظیم شعبہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق عالیہ کے خوگر تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجسمۂ اخلاق بنایا تھا، ارشادِ خداوندی ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○ (القلم:۴)

''اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

خِيَارُكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقاً

''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔''

(صحیح بخاری:۱/۳۹۸)

"بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ"

''میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں''

(السنن الکبری للبیہقی:۱۰/۱۹۱)

حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے حسن اخلاق کی دولت بے بہا سے سرفراز فرمایا تھا، ان سے ملاقات کرنے والے اجنبی بھی جب ان سے ملتے تو محسوس کرتے کہ شاید مولانا ان سے پہلے متعارف ہیں۔ مصروف عمل لوگ عوامی ملاقاتوں، مصافحوں سے مجتنب رہتے ہیں، ایسے حضرات کو خلاف خواہش اگر کبھی لوگوں کا سامنا ہو جائے تو عموماً ان کے چہروں پر خندہ پیشانی کی بجائے تلخی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، مصافحہ بھی بمشکل خلافِ سنت ایک ہاتھ، بلکہ کبھی نصف ہاتھ اور انگلیوں سے کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کسی کے مدعیٰ کو سن کر اس کو پورا کرنا، مشورہ دینا تو ان کے نفیس مزاج کے ہی خلاف ہوتا ہے، اس لیے لوگ ان سے اور وہ عوام الناس سے دور رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حلقۂ احباب مخصوص اور خواص کا ہوتا ہے، عوام کی ان تک رسائی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتی ہے۔

حضرت جلالپوری شہید مصروف تر ہونے کے باوجود عوام وخواص میں یکساں مقبول، ہر ایک سے میل جول رکھنے اور ہر ایک کے دکھ سکھ میں ساجھی رہنے کے عادی تھے۔ اوقات ملاقات

میں ان سے ملنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، ان کے دفتر میں نہ کوئی دربان ہوتا اور نہ ہی ان کا کوئی سیکرٹری، جو بھی ان سے ملنے آتا بلا تردد چلا آتا۔ حضرت سبھی سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ دونوں ہاتھوں سے گرم جوشی سے مصافحہ فرماتے، مخصوص انداز میں "خیریت سے ہیں؟" کا محبت بھرا جملہ تکلم فرماتے اور مدعا پوچھتے۔ اگر مسئلہ کا حل بس میں ہوتا تو فوراً حل فرمادیتے۔ مشورہ طلب امر میں نہایت ہی مدبرانہ اور مصیب مشورے سے نوازتے، اگر کسی جاننے والے کے بس میں مسئلے کا حل ہوتا تو اسے خط تحریر فرماتے یا فون فرمادیتے۔ ناصحانہ انداز میں اصلاح بھی فرماتے رہتے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ نے ہمیشہ اپنے خاندان، قبیلہ کی سرپرستی اور خدمت فرمائی، اپنے خاندان کے بچوں اور بچیوں کی زیور تعلیم سے آراستہ فرمایا، اپنے دور و نزدیک، نسبی و صہری رشتہ داروں کی معاونت فرمائی، آپ کی برکت سے آپ کے خاندان کے ۱۲۱ افراد حافظ، قاری، عالم، مفتی، حافظات و عالمات بنے۔ یہ تعداد آپ کے بیٹے و بیٹیاں، بھتیجے اور قریبی عزیزوں اور عزیزات کی ہے۔ دور کے رشتہ دار سسرالی خاندان کے افراد کی تعلیم و تربیت و کفالت اس کے علاوہ ہے۔ آپ نے اپنے ان رشتہ داروں کی تعلیم سے لے کر شادی بیاہ اور فراہمی روزگار تک ان کی سرپرستی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں مہمان نوازی کا بھی خوب سلیقہ عطا فرمایا تھا، ہر آنے والے کی اس کی حیثیت اور رتبہ کے مطابق مہمان نوازی فرماتے۔ ان کا دسترخوان نہایت ہی وسیع تھا، اہل علم وفضل اور اہل تقویٰ کے لیے تو اہتمام سے اپنے گھر پُرتکلف کھانا تیار کرواتے اور اپنے مختصر سے گھر میں نہایت ہی شاندار دسترخوان سجا کر انواع و اقسام کے کھانوں سے ضیافت فرما کر خوشی اور گرم جوشی کا اظہار فرماتے۔ ان کی شفقتیں اپنوں، پرایوں سبھی کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ ہر ایک انہیں اپنا سمجھتا اور ہر ایک کی ان کے بارے میں یہی رائے ہوتی کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ سے شفقت فرماتے ہیں۔

علمی تعمق:

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ عالم ربانی تھے، ان کا نام ملک کے

مقتدر علماء میں شمار کیا جاتا ہے، وہ سطحی یا رسمی عالم نہ تھے، بلکہ ثقہ اور راسخ فی العلم تھے، ان کی علمی صلاحیتیں، ان کی تقریر و تحریر سے عیاں ہیں۔ وہ مطالعہ کے خوگر تھے، ان کے دفتر اور ذاتی کتب خانہ میں ہزاروں کتابوں کا انبوہِ کثیر لگا رہتا۔ انہیں اکثر مطالعہ میں مصروف و مشغول دیکھا جاتا، ان کے مطالعے کا دائرہ بھی محدود نہیں بلکہ غیر محدود تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اسلامی، تقابل ادیان، تصوف، منطق و فلسفہ، علم بیان، علم عروض و قوافی، علم ادب، بین الاقوامی حالات، بین الاقوامی تعلقات، سیاسیات، معاشیات، قومی جرائد و رسائل سمیت بہت سے موضوعات ان کے زیر مطالعہ رہتے اور انہیں ان سب موضوعات پر مہارت تامہ حاصل تھی۔

انٹرنیٹ پر چلنے والی ویب سائٹس مفید بھی ہیں اور غیر مفید بھی، بعض ویب سائٹس اسلام اور دین کے نام پر ضلالت و گمراہی پھیلا رہی ہیں اور لوگ ان کا شکار ہو کر ارتداد و الحاد کی کھائیوں میں جا گرتے ہیں، حضرت شہیدؒ اس سلسلہ میں بے حد فکر مند رہتے۔ انہوں نے اپنے متعلقین کی ایک جماعت کو ایسی سائٹس کی نگرانی اور بروقت اطلاع دینے پر مامور کیا ہوا تھا۔ حضرت شہیدؒ ایسی سائٹس کے مواد کا مطالعہ کر کے ان کا بھرپور علمی تعاقب فرماتے، ان کے علمی ذوق کا اندازہ ان کے مضامین سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایک حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط اور احادیث کی عصر حاضر پر تطبیق، ان کے مضامین اور تصانیف کی خصوصیت تھی۔

وہ اپنے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی طرح فقاہت کی دولت سے مالامال تھے، روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ "اقراء" کے مقبول عام سلسلہ "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے ذریعے امت کو ان کے شیخ اور پھر ان کے علمی و فقہی کمالات ہنوز بھی پہنچ رہے ہیں، اپنی حیات مستعار کے آخر میں انہوں نے "بینات" کے ادارتی صفحہ پر "غدیر خم" میں امام غزالی رحمہ اللہ کی جانب منسوب ایک عبارت جس سے رفض کا مسلک ثابت ہوتا ہے اور یہ عبارت امام غزالیؒ کی طرف منسوب ایک رسالہ "سِرُّ العالمین" میں مذکور ہے، پر تفصیلی و وقیع علمی مقالہ تحریر فرمایا، جو اہل علم و اہل تحقیق کے لیے بلاشبہ خاصے کی چیز ہے، اس مقالہ سے متعلق حضرت شہید رحمہ اللہ نے راقم الحروف کو اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل شجاع آباد تشریف آوری پر ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے ایک ڈاکٹر صاحب نے اپنے سوال نامہ میں یہ تحقیق بھیجی اور اس شیعی موقف کو امام غزالیؒ کی

کتاب اوران کی جانب منسوب کیا گیا تھا، جس پر مجھے کافی کتب کنگھالنا پڑیں، بالآخر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کے باب "مکائد شیعہ" میں مجھے یہ بات دریافت ہوئی کہ روافض اپنے نظریات کے شیوع کے لیے بعض کتب اپنی جانب سے تحریر کر کے اہل السنت کے اکابر کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں، اوراس کی مثالوں میں انہوں نے امام غزالیؒ کی طرف منسوب مذکورہ رسالہ کا بھی حوالہ دیا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے اس مقالہ میں ثابت فرمایا کہ غدیر خم میں خلافت علیؓ ...... بلافصل ...... سے متعلق امام غزالی رحمہ اللہ کی جانب منسوب تحقیق بالکل غلط اور امام غزالیؒ کی طرف اس تحقیق کی نسبت امام غزالی رحمہ اللہ پر بہتان عظیم ہے۔ اس طرح کی ڈھیروں علمی جواہر اپنی تقریر وتحریر میں بکھیرتے رہتے تھے۔

زہد وتقویٰ:

اللہ تعالیٰ کو وہی علم قبول و پسند ہوتا ہے، جو برائے عمل ہو، بلاشبہ علم بلا عمل وبال، عمل بلا علم ضلال اور علم وعمل کا اجتماع کمال ہوتا ہے، حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ جبل علم ہونے کے ساتھ اعمال صالح اور اتباع سنت کے خوگر تھے، عبادات، معاملات، حقوق اللہ اور حقوق العباد میں تقوی کے اعلی منصب پر فائز تھے، اپنے شیخ حضرت لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ کی زیر تربیت رہ کر انہوں نے جو معمولات سیکھے تھے تادم زیست ان پر مضبوطی سے کاربند رہے۔

باجماعت نماز کا اہتمام، نوافل (اشراق، اوابین وغیرہ) کی پابندی، شب بیداری، تلاوت قرآن کریم، التزام ذکر اللہ، ادعیہ مسنونہ، مناجات مقبول کی سلسلہ وار منزلوں کی تلاوت، ذریعۃ الوصول میں ماثور درود شریف کا وردان کے سفر وحضر کی زندگی کا جزولاینفک تھا، احقر کو حضرت شہیدؒ کے ساتھ متعدد اسفار کی سعادت حاصل ہوئی، ان طویل وعریض اسفار میں رات کو سخت تھکان کے ساتھ نصف شب یا اس کے بعد بھی آرام کا موقع ملا، لیکن آخر شب میں شب بیداری اور نماز تہجد کا معمول، جماعت فجر، بعد فجر تلاوت قرآن کریم، اذکار واوراد کا معمول ان سے ترک ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ اپنے اسفار میں اپنے مختصر سے سامان میں قرآن مجید، مناجات مقبول اور مضمون نویسی کے لیے قلم وکاغذ ضرور ساتھ رکھتے۔ انہیں فارغ اوقات میں ایئر پورٹ کا

لاؤنج ہو یا کسی کا مہمان خانہ، اوراد و اذکار یا علمی مضامین کی تالیف و تصنیف یا علمی مذاکرہ کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب مطہر کو ایسا صاف و شفاف آئینہ بنایا تھا کہ اس آئینہ شفاف پر حسد و بغض کا کوئی داغ و دھبہ نہ تھا، وہ ہمیشہ اپنے حاسد کے ساتھ درگزر اور دعا گوئی کا معاملہ فرماتے۔ غیبت و چغلی سے کوسوں دور اور مشکوک و مشتبہ معاملات سے ہمیشہ محترز رہتے، اپنی مجلس میں بھی غیبت گوئی سے منع فرما دیتے۔

ان کے زہد کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر نہ کوئی جائیداد بنائی اور نہ ہی بینک بیلنس، دوسروں کی ضروریات کا مستقل بیڑا اٹھانے والے یہ زاہد و پارسا بزرگ جب اس دار فانی سے رخصت ہوئے، تو بقول ان کے برادر اکبر حضرت مولانا رب نواز صاحب زید مجدہ وہ سات لاکھ روپے کی خطیر رقم کے مقروض تھے اور جنازہ ایک مختصر سے کرایہ کے فلیٹ سے نکلا۔ گویا کہ دنیا سے جاتے ہوئے بھی وہ اتباع سنت سے پیچھے نہ رہے، بخاری شریف میں مذکور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دار فانی سے پردہ پوش ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 60 صاع جو ایک یہودی سے قرض لے کر اپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ اتباع سنت علماء دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے، حضرت شہید رحمہ اللہ کے ہر عمل سے اتباع سنت کا رنگ جھلکتا تھا۔

حضرت جالپوری شہید قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا بھی خوب مزا چکھایا تھا، حب خداوندی اور حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، سال میں دو مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری ان کا معمول تھا، یورپ کے اسفار میں بھی آتے جاتے، وہ عمرہ کی سعادت ضرور حاصل فرما لیتے۔ ایک مرتبہ احقر سے ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کا معمول مبارک تھا، جب وہ نئی کتاب لکھتے تو کتاب کو ساتھ لے کر بیت اللہ شریف کا طواف فرماتے اور روضۂ اطہر پر حاضری دیتے، اس طرح کتاب میں مقبولیت پیدا ہوتی، غالباً حضرت نے بھی اس معمول کو جاری رکھا، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ''ختم نبوت'' کے ساتھ ان کی والہانہ وابستگی کا سبب تھی، محبتِ رسول میں استغراق کی وجہ سے خلاف سنت ہر عمل انھیں غضبناک کر دیتا، مقطوع اللحیہ یا محلوق اللحیہ حضرات کے چہرہ اور ٹھوڑی پر ہاتھ پھر کر

فرماتے ''میاں! داڑھی نہ منڈوایا کرو'' قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟'' یہ شفیقانہ جملے لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتے، بیسیوں لوگ آپ کی اس ناصحانہ درخواست پر تائب ہو کر متبع سنت بن گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس پسند تھا، اس لیے حضرت شہیدؒ بھی سفید لباس پسند فرماتے ایک دوست کی روایت کے مطابق ایک صاحب نے حضرتؒ کی خدمت میں ایک سوٹ ہدیہ پیش کیا، سوٹ سفید نہ تھا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہدیہ قبول ہے، لیکن اسے خود نہیں پہن سکوں گا، اس لیے کہ یہ سوٹ سفید نہیں ہے۔

سلوک واحسان:

تزکیۂ نفس، احسان وسلوک دین کا ایک شعبہ اور صاحبان خدا کا ہمیشہ سے پسندیدہ عمل رہا ہے، یہی تصوف وسلوک اخلاص اور احسان کی منازل طے کراتا ہے۔ احسان وسلوک کی لائن حضرت شہیدؒ کو اپنے والد محترم حضرت جام شوق محمد رحمہ اللہ سے ملی، حضرت کے والد محترم حضرت مولانا محمد موسیٰ نقشبندی جلالپوری اور قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ سے مجاز تھے، حضرت جلال پوری شہیدؒ نے بھی اپنا اصلاحی تعلق قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ سے قائم فرمایا۔

حضرت شہیدؒ کے برادرِ اکبر قاری فاروق احمد صاحب راوی ہیں کہ قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ، ان کے والد محترم حضرت جام شوق محمد صاحب کی دعوت پر آپ کے گھر تشریف لائے، اس موقع پر بہت سے احباب حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر کے توبہ کر رہے تھے۔ حضرت، نقشبندی طریقہ کے مطابق ہر ایک کے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ فرماتے، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری ابھی کم سن اور نو عمر بچے تھے، والد گرامی سے پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ والد گرامی قدر نے فرمایا یہ لوگ اللہ اللہ سیکھ رہے ہیں، اس پر مولانا شہیدؒ فرمانے لگے میں نے بھی یہ کام کرنا ہے۔ چنانچہ انہیں بھی حضرت بہلویؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا، حضرت نے قلب پر انگلی رکھی، توجہ فرمائی تو ساتوں لطائف جاری ہو گئے، سچ ہے کہ بزرگوں کی نظر مٹی کو سونا اور سونے کو کندن بنا دیتی ہے۔

حضرت بہلوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے طریقت کے ساتھ آپؒ کو شریعت کا بھی امام بنایا تھا، حضرت بہلوی رحمہ اللہ کے علوم قرآن سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا، حضرت جلال پوری شہیدؒ نے حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت بھی فرمائی، اوران سے دورہ تفسیر قرآن کریم بھی پڑھا، یوں تلمذ اور استرشاد کا حسین امتزاج ہو گیا۔

شیخ سے محبت راہ تصوف کی شرط اول اور استفادے کی پہلی سیڑھی ہے، آپ کو اپنے شیخ حضرت بہلویؒ سے بے پناہ محبت تھی، شیخ کے ساتھ اسی کامل محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ تواضع، انکساری اور قرآنی بصیرت میں اپنے شیخ اول کا پرتو اور عکس تھے، شجاع آباد تشریف آوری پر ہمیشہ اپنے شیخ کے مزار پر حاضری دیتے، اپنے شیخ کے خاندان اور اہل تعلق کی زیارت وخدمت فرماتے، حضرت شیخ مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ کے حالات زندگی اجمالاً ہمارے بعض اکابر نے تحریر فرمائے تھے، حضرت بہلویؒ نے خود بھی ''رحمت صمدانی'' میں اپنے کچھ حالات جمع فرمائے تھے، جو مختصر تھے، لیکن حضرت کے متعلقین اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس فرمارہے تھے کہ حضرت بہلوی رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات جمع کیے جائیں، حضرت مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ نے نہایت ہی عرق ریزی کے ساتھ اپنے شیخ کے حالات زندگی پر ایک تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا، جو حضرت شہیدؒ کی تصنیف ''بزمِ حسین'' کی جلد اول میں اور معارف بہلوی کے مقدمہ میں طبع ہو چکا ہے۔

حضرت بہلوی رحمہ اللہ نے اپنی حیات مبارکہ میں قرآن مجید کی تفسیر، فن حدیث میں ''مستدلات الفقہ الحنفیہ'' اور اصلاح وسلوک میں متعدد رسائل تصنیف فرمائے، یہ رسائل مرور زمانہ کے ساتھ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہو گئے تھے، پھر ان رسائل میں پرانی اردو اور نہایت مشکل علمی اسلوب اختیار کیا گیا تھا، جن سے استفادہ ہر خاص وعام کے لیے مشکل تھا، حضرت جلال پوری شہیدؒ نے اپنے شیخ کے علوم ومعارف کو عام کرنے کے لیے نہایت جانفشانی سے ان رسائل کو ملک کے مختلف حضرات سے حاصل فرمایا، پھر ان کی تسہیل فرمائی اور ''معارف بہلوی'' کے نام سے پانچ جلدوں میں مرتب فرمایا، جسے مکتبہ لدھیانوی کراچی نے شائع کر دیا ہے اور اس کے ایک سے زائد ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لے لیے گئے ہیں۔ اس کتاب نے اہل علم وفضل سے

خوب داد و تحسین حاصل کی ہے۔

حضرت بہلوی رحمہ اللہ کی حدیث کی کتاب ''مستدلات الفقہ الحنفیہ'' بھی اہلِ علم کے لیے خاصے کی چیز ہے، حضرت بہلویؒ کے سلسلہ کے ایک عالم ربانی حضرت مولانا ضیاء الرحمن ارشد جلال پوری رحمہ اللہ نے اس کتاب پر محنت فرمائی، اس کی مکمل تخریج اور ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ بیروت سے طباعت فرمائی۔ حضرت مولانا ضیاء الرحمن ارشدؒ صرف ایک نسخہ پاکستان اپنے ہمراہ لائے تھے کہ ان کا اچانک انتقال ہوگیا ہے، احقر بھی ان دنوں سفر پہ تھا، جنازہ میں شرکت سے محرومی ہوئی، بعد میں تعزیت کے لے مولانا مرحوم کے گھر بہادر پور جلال پور پیر والا ضلع ملتان حاضری دی تو ان کے صاحبزادگان اور بھائیوں نے یہ کتاب دکھلائی، جو نہایت ہی نافع، مفید اور دیدہ زیب محسوس ہوئی۔ حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ کو مولاناؒ کی وفات حسرت آیات کی فون پر احقر نے اطلاع دی اور ساتھ ہی کتاب کا تذکرہ کیا، حضرت شہید رحمہ اللہ اپنے سفر پنجاب میں تعزیت کے لیے احقر کے ہمراہ بہادر پور تشریف لے گئے، مولانا مرحوم کے والد محترم اور صاحبزادگان سے اظہار تعزیت فرمایا اور کتاب کا تقاضا فرمایا۔ کتاب منگوا کر دیکھی اور اسے سراہا، بعد میں قطر سے اسی کتاب کے چار نسخے منگوائے اور اپنے شیخ کی اس کتاب کو پاکستان میں بھی اپنے ذاتی مصارف سے طبع فرما دیا۔

حضرت بہلوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت شہید رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر ہمیشہ کے لیے اپنے شیخ کے رفیق و مصاحب بن کر خرقۂ خلافت حاصل فرمایا، یہ رفاقت و محبت ایسی کامل ہوئی کہ عالم دنیا کے ساتھ عالم برزخ میں بھی قائم رہی اور ان شاء اللہ آخرت میں بھی ضرور قائم رہے گی، حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے بھی ہمیشہ آپ کو اپنی شفقتوں اور توجہات سے نوازا، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں توجہ کی چار قسمیں ہیں:

۱)۔	انعکاسی۔	۲)۔	القائی۔
۳)۔	اصلاحی۔	۴)۔	اتحادی۔

ان چار اقسام میں سے کامل توجہ ''توجہ اتحادی'' ہوتی ہے، جس کا حاصل اور خلاصہ یہ

ہے کہ شیخ اپنے مرید پر ایسی توجہ ڈالتا ہے کہ مسترشد پر شیخ کا کامل رنگ چڑھ جاتا ہے، حتیٰ کہ مسترشد اپنے شیخ کا عکس اور مثل بن جاتا ہے، جیسے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے اپنے نان بائی مرید کو شیخ کے مہمانوں کی خدمت کرنے پر خوش ہوکر فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھے اپنے جیسا بنا دیجیے، آپ نے فرمایا "تو اس کا متحمل نہیں ہو سکے گا" لیکن اس کے بار بار اصرار پر شیخ اسے کمرے میں لے گئے اور توجہ اتحادی فرمائی، جب باہر نکلے تو دونوں ایسے ہم شکل ہوگئے کہ پہچان مشکل ہوگئی، بس یہی ایک فرق رہا کہ خواجہ صاحبؒ پر سکون تھے اور مرید مضطرب و پریشان، بالآخر مرید اس مقام کا تحمل نہ کر سکا اور تین دن بعد دنیا سے رخصت ہوگیا۔

مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ کو غالباً حضرت لدھیانوی شہیدؒ سے توجہ اتحادی میسر ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چال، ڈھال، حال وقال، تقریر وتحریر، طرز حیات اور بالآخر طرز وصال اور پھر کفن دفن، جنازہ وغیرہ میں بھی وہ حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ کا عکس ونمونہ بن گئے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جن لوگوں نے مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی زیارت و رفاقت اختیار کی اور پھر مولانا جلال پوری شہیدؒ کی رفاقت میں بھی رہے، ان کا بیان ہے کہ دونوں بزرگوں کی تقریر، انداز تقریر، تحریر، مضمون تحریر، مزاج ومذاق میں مکمل یک رنگی نظر آتی تھی، حتیٰ کہ مولانا شہید کے کرتے کا سائز بھی مولانا لدھیانوی شہیدؒ کے کرتے کے سائز جیسا ہی ہوگیا، مولانا لدھیانوی شہیدؒ کی جملہ دینی مساعی ان کے حصہ میں آئیں، جملہ مناصب پر وہ اپنے شیخ کا عکس نظر آتے، حتیٰ کہ دونوں بزرگوں کا یوم شہادت، طرز شہادت، رفقاء شہادت میں بھی یکسانیت ہوگئی۔ عجب اتفاق ہے کہ مولانا لدھیانویؒ کے ڈرائیور کا نام عبدالرحمن تھا، وہ حضرت کے ساتھ شہید ہوئے اور انہی کے ساتھ دفن ہوئے، ایسے ہی مولانا جلال پوری شہیدؒ کے ڈرائیور عبدالرحمن بھی آپ کے ساتھ شہید ہوئے، اور دفن ہوئے۔ دونوں بزرگوں کا جنازہ بنوری ٹاؤن میں ادا کیا گیا، شیخ اور مرید دونوں کو مسجد خاتم النبیین میں دفن کیا گیا دونوں کو دنیوی رفاقت کے ساتھ برزخی رفاقت نصیب ہوگئی۔

حضرت مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ نے اپنے شیخ حضرت لدھیانوی شہید نوّر اللہ مرقدہ کی شہادت کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کے نامکمل کام مکمل فرمائے، بلکہ صحیح معنوں میں ان کی

جانشینی کا حق ادا فرمایا، انہوں نے مولانا لدھیانوی شہیدؒ کے ساتھ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ اور مولانا نذیر احمد تونسوی شہیدؒ کے چھوڑے ہوئے ادھورے کام بھی پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ بینات کی ادارت ہو یا حضرتؒ کی خانقاہ کی مسند، فتنوں کا تعاقب ہو یا علمی خدمات، دارالافتاء ختم نبوت کی مسند ہو یا روزنامہ جنگ کے اسلامی صفحہ ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' ختم نبوت کا مشن ہو یا ناموسِ صحابہ کا دفاع، سلف بیزاری کے خلاف تلوار کی دھار رکھنے والا تیز قلم ہو یا قومی اخبارات کے ادارتی صفحوں پر حق کی جنگ، اقراء روضۃ الاطفال کی سرپرستی ہو یا مدارسِ دینیہ کی خدمت، وہ ان تمام مشنوں میں اپنے پیش رو شہداء کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔

حضرت جلال پوری شہیدؒ نے اپنے شیخ لدھیانوی شہیدؒ کی شہادت کے بعد ہمہ صفت کمالات کے حامل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اپنے اکابر کا محتاج گردانا، چنانچہ انہوں نے اپنا اصلاحی تعلق امام اہل السنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے قائم فرمایا اور مسلسل کسب فیض کے لیے آمدورفت کا سلسلہ جاری رکھا، وہ سال میں کئی مرتبہ کراچی سے گکھڑ منڈی کا طویل وعریض سفر فرما کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے، حضرت امام اہل السنتؒ بھی اپنے اس مسترشد کے کمالات کو بھانپ گئے اور جو فیض حضرت نے رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے حاصل فرمایا تھا، وہ نقشبندی سلسلہ حضرت مولانا جلال پوری شہیدؒ کی طرف جاری فرما کر انہیں خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مولانا جلال پوری شہیدؒ کا امام اہل السنتؒ سے تعلق ان کے وصال تک برابر رہا، ایک سفر میں راقم الحروف بھی حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت امام اہل السنت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ انہیں خلافت واجازت تو دے چکے تھے، حضرت جلال پوری شہید کو حضرت کے ان ایامِ مرض میں شرف تلمذ کا بھی اشتیاق ہوا، چنانچہ اپنے شیخ کے کمرہ کی الماری سے تفسیر قرآن اور قرآنی ربط پر عربی کتاب ''نظم الدُرَر'' کی ایک جلد نکالی اور اس کی عبارت حضرت کے سامنے پڑھنا شروع کر دی، حضرت کتاب سنتے رہے یہ قرأۃ التلمیذ علی الشیخ کی صورت تھی، جس سے علم تفسیر کی نسبت بھی امام اہل السنت سے حضرت جلال

پوری شہیدؒ کی طرف منتقل ہو رہی تھی، حضرت جلال پوری شہیدؒ نے اس اعزاز میں احقر کو بھی شریک فرمایا اور احقر نے بھی کتاب کا ایک حصہ حضرت امام اہل السنت کے سامنے پڑھا۔

حضرت جلال پوری شہیدؒ صحبت صالحین کے لیے بے تاب رہا کرتے تھے، چنانچہ اپنے وقت کے گرامی قدر صلحاء کی خدمت میں حاضری اور کسب فیض کا سلسلہ جاری رکھتے، وہ سراج السالکین حضرت خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم سے بھی متعلق ہو گئے، اس سلسلہ میں وہ تاحیات خانقاہ سراجیاں حضرت کی خدمت اقدس میں حاضری دیتے رہے، حتیٰ کہ اپنی شہادت سے تقریباً ایک ہفتہ قبل وہ اپنے موجودہ شیخ حضرت خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم سے الوداعی ملاقات کر کے واصل حق ہوئے۔

حضرت شہیدؒ کو سید السادات حضرت سید انور حسین نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ سے بھی بے حد عقیدت تھی، ان کی خدمت میں حاضری کا شرف ہمیشہ حاصل کرتے رہے، انہیں اپنی علمی خدمات سے بھی مطلع فرماتے، کام کے سلسلہ میں مشورے بھی حاصل فرماتے، اور ہمیشہ ان سے دعاؤں کے طلب گار رہتے، ایک سفر میں احقر بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حضرت شہیدؒ کے ہمراہ تھا، احقر کا اصلاحی تعلق بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے تھا، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی مجلس کو موقوف فرما کر اپنا پورا وقت اور توجہات حضرت جلالپوری شہیدؒ کو مرحمت فرمائیں، گھنٹوں یہ ملاقات جاری رہی۔ حضرت شہیدؒ نے حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے عصرِ حاضر کے فتنوں کے خلاف چند مضامین اور مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ کی وقائع سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کتاب ''الناہیہ عن طعن معاویہ'' کا ترجمہ (حضرت لدھیانوی شہیدؒ) یکجا کر کے طبع کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا، اس کے نام کے سلسلہ میں بھی حضرت شاہ صاحب سے مشورہ فرمایا۔

حضرت شہیدؒ کے ہمراہ ایک سفر محمدی شریف ضلع جھنگ، وکیل صحابہؓ، ترجمان اہل السنت، حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں بھی کیا، حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہٗ نے بھی اپنی توجہات اور شفقتوں سے نوازا، بینات کے لیے اپنی نادر اور علمی تحقیق پر مشتمل کچھ مضامین بھی مرحمت فرمائے، حضرت شہیدؒ راقم الحروف اور رفیق سفر برادر عزیز مفتی محمد طیب معاویہ سلمہ کو حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے سلسلہ میں حصن حصین کی اجازت بھی

مرحمت فرمائی اور اپنی سند کے ساتھ روایت حدیث کی بھی اجازت عنایت فرمائی۔

حضرت شہیدؒ کی برکت سے حضرت کے ہمراہ راقم کو ایک سفر میں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رائے پوریؒ کی خدمت میں بھی حاضری کا شرف نصیب ہوا، حضرت رائے پوری کے وصال سے تقریباً ایک سال قبل یہ طویل وعریض سفر شجاع آباد سے رائے ونڈ، رائیونڈ سے ڈھڈیاں اور سرگودھا، سرگودھا سے کندیاں شریف اور کندیاں شریف سے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہٗ کی دعوت پر بھکر، بھکر سے براستہ ڈیرہ اسماعیل خان تونسہ اور پھر خان گڑھ ضلع مظفرگڑھ اور شجاع آباد کا ہوا، اس سفر میں صلحاء کی زیارت کے ساتھ ساتھ رائیونڈ اجتماع کی دعا میں شرکت شامل تھی۔

حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ ایکسیڈنٹ کے بعد ٹانگ کے عارضہ میں مبتلا رہتے اور زیادہ چلنے اور سفر کرنے سے ٹانگ میں شدید درد شروع ہو جاتا۔ اللہ والوں کی صحبت ورفاقت نے انہیں اپنی تکلیف بھلوا دی تھی، وہ اس عارضہ کے باوجود صلحاء کی خدمت میں طویل وعریض سفر جاری رکھتے، حضرت جلال پوری شہیدؒ کو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلف الرشید جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا محمد ارشد مدنی مدظلہٗ سے بھی عقیدت کا تعلق تھا، حضرت مدنی بھی ان کے ساتھ ہمیشہ محبت والفت اور توجہ کا معاملہ فرماتے اور انہیں اپنے ہی قافلہ کا ایک فرد سمجھتے تھے۔

کراچی میں حضرت شہیدؒ کو جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم، صدر وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہٗ سے بھی عقیدت مندانہ تعلق تھا، وہ تاحیات اپنے اساتذۂ کرام بالخصوص حضرت مولانا منظور احمد نعمانی آف ظاہر پیر اور حضرت مولانا غلام فرید مدظلہما کے بھی خادم رہے۔

مسلکی تصلب:

رحمتِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:

”بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے، میری اُمت تہتر

(۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی، ان میں ایک جماعت نجات یافتہ ہوگی، باقی دوزخی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: نجات یافتہ جماعت کون سی ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جو جماعت میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والی ہوگی وہ نجات پانے والی ہوگی۔"

(سنن الترمذی: ۲۶/ ۵)

اس پیشین گوئی کے مطابق ہر دور میں کچھ جماعتیں اسلام کے شجرِ ثمر دار سے کٹ کر بے ثمر اور بے سایہ بن کر ضائع ہوتی رہیں اور حق کے راستے سے ہٹی رہیں۔ ہر زمانے کے اہلِ حق علماء کا فریضہ رہا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم سے ہٹنے والی ان جماعتوں کی نشاندہی کریں اور حق کو باطل سے ممتاز اور جدا رکھ کر تلبیس حق و باطل نہ ہونے دیں۔ صراطِ مستقیم پہ چلنے والی جماعتِ حق وہی ہے جو توحید و سنت پہ قائم ہو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیارِ حق جانے اور انہیں اپنا مقتدا و پیشوا بنائے اور حضور علیہ السلام و صحابہ کرام کی سنت کو مدوّن کرنے والے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کو معتبر جانتے ہوئے دین کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے اُمت کی مسلمہ علمی و عملی شخصیات، اسلاف و اکابر پر مکمل اعتماد کرے۔ علماء کے اجماع کو حق جانے اور قرآن کریم کی تفسیر اُمت کے اجماعی نظریات و عقائد اور سلف کی تعبیر و تشریح کے مطابق کرے۔ بصورتِ دیگر صراطِ مستقیم نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید نور اللہ مرقدہٗ اہل السنت والجماعت کے نظریات کے امین اور داعی و مفکر تھے، انہیں اپنے اکابر و اسلاف پر مکمل اعتماد تھا، وہ سلف بیزار قوتوں سے شدید متنفر تھے۔ وہ ایسے لوگوں کو اہل السنت والجماعت سے خارج گردانتے تھے۔ انہوں نے تادمِ زیست اپنے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی طرح منکرینِ ختم نبوت، منکرین صحابہ، منکرین ائمہ مجتہدین، منکرین اجماعِ امت، منکرینِ حیاۃ النبی اور سلف بیزار فتنوں کے خلاف جہاد فرمایا۔ ان کی تقریر و تحریر اہل السنت والجماعت کی مکمل وکالت کرتی اور بڑے سلیقہ اور علمی انداز سے وہ تمام فتنوں کو ناک آؤٹ کرتے۔ حضرت مولانا جلال پوری شہیدؒ علماء دیوبند کو صحیح اہل السنت والجماعت سمجھتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ جس مسئلہ میں امام

اہل السنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ متفق ہوں، بس وہ میرا عقیدہ ہے۔

دورِ حاضر کے جدید فتنوں پر بھی ان کی کڑی نظر تھی، وہ ان کے گمراہ کن نظریات سے بخوبی آگاہ اور ان کے رَد کے لیے سرگرمِ عمل رہا کرتے تھے۔ انہوں نے بینات کے ادارتی صفحات پر "بصائر و عبر" میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود کی دین کے حوالے سے غلط تعبیر و تشریح پر مدلل مضامین تحریر فرمائے۔ جاوید غامدی نامی نام نہاد اسکالر نے بھی میڈیا پر گمراہی کا ایک بہت بڑا دروازہ کھول رکھا ہے، جس نے داڑھی، پردہ، حدود و قصاص سمیت کئی ایک شعائرِ اسلامی اور احکامِ خداوندی میں تحریف کا راستہ اختیار کیا اور اس کے دامِ فریب میں ایک بڑے علمی خاندان کے ایک چشم و چراغ بھی آ گئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس بارے سخت متفکر اور پریشان تھے۔ شہادت سے ایک ماہ قبل مؤرخہ ۱۰ فروری ۲۰۱۰ء جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لائے، اجلاس سے فراغت کے بعد کھڑے کھڑے انہوں نے علماء کرام کو اس فتنہ کی جانب متوجہ فرمایا اور گفتگو کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ راقم الحروف اپنی علالت کی وجہ سے کھڑے رہنے سے عاجز آ گیا۔

شہادت سے قبل آپؒ نے مدعیٔ نبوت یوسف کذاب علیہ ما علیہ کے جھوٹے خلیفہ اول زید حامد کے مکر و فریب اور دجل کا پردہ چاک فرمایا۔ زید حامد ان دنوں ایک ٹی وی چینل پر اپنے تئیں طالبان کا نمائندہ، امریکہ و یورپ کا مخالف اور اسلام کا ترجمان بنا ہوا ہے۔ جبکہ یہی زید جو کبھی زید زمان اور آج زید حامد ہے ماضی قریب میں یوسف کذاب ولعین کا ہمدرد، کیس میں اس کا معاون اور اس کا قریبی ساتھی تھا۔ اسے بری کرانے کے لئے وہ ہر قسم کے حربے استعمال کرتا رہا۔ یوسف کذاب کے جہنم رسید ہو جانے کے بعد وہ منظر سے غائب ہو گیا اور پھر وہ زید حامد کے نام سے نئے روپ میں قوم کے سامنے آ کر پَر تولنے لگا۔ مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ نے اس کا پردہ چاک فرمایا اور "رہبر کے روپ میں راہزن" کے نام سے ایک تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا جو روزنامہ اسلام میں "ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ" کے عنوان سے تین قسطوں میں شائع ہوا اور آخری قسط اسی روز شائع ہوئی جس روز شام کو آپ شہید کیے گئے۔

اس مقالہ میں مولانا شہیدؒ نے اس مکار و عیار کے راہزن ہونے کو مدلل انداز میں پیش فرمایا۔ یوں مولانا سعید احمد جلال پوری شہید ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے جھوٹے نبی اور اس کے پیروکاروں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید کر دیے گئے۔ مولانا شہیدؒ کی حیات میں یہ مکار تقیہ کرتے ہوئے یوسف کذاب سے اظہارِ برأت کر دیا کرتا تھا، لیکن مولانا کی شہادت کے بعد زید حامد یوسف کذاب کا حامی اور اس کا وکیلِ صفائی بن گیا ہے۔ چنانچہ اس لنک پر:

http://www.youtube.com/user/brasstackspk#p/u/12/8Ou5MFt8GuA

اس کی طرف سے یوسف کذاب کی صفائیاں اور صحابیت وخلیفہ کی اسلامی اصطلاحات میں تحریفات کر کے اپنے آپ کو اور یوسف کذاب کو مسلمان ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ یوں مولانا شہیدؒ کے موقف کو زید زمان نے اپنی زبان سے تسلیم کر کے یوسف کذاب کے ساتھ اپنے ناطہ کو تسلیم کر لیا ہے۔

سماجی خدمات:

مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، وہ اکیلے ایک جماعت کا کام سرانجام دیتے تھے۔ انہیں حق تعالیٰ نے خدمتِ اسلام کے ساتھ خدمت و ہمدردیٔ انسانیت کا جذبہ بھی عطا کیا تھا۔ یہ وصف علماء ربانیین کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں ملا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کی زوجہ محترمہ اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِيُ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔"

(صحیح بخاری شریف ص ۵۷۔۵۸ مکتبہ رحمانیہ)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلال پوری شہیدؒ بھی "تحمل الکل، وتکسب المعدوم" کا مصداق بن کر بیسیوں مدارس کا بوجھ اپنے سر پر لادے ہوئے تھے۔ وہ ضرورت مندوں کی ضرورت کو خاموشی کے ساتھ پورا کر دینے کے عادی تھے۔ عام سماجی ورکروں کے برعکس انہوں نے سینکڑوں ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کیا، مریضوں کے علاج کروائے،

دائمی مریضوں کی ادویات کا مستقل انتظام کروایا، کئی حضرات کے لئے باقاعدہ غلہ کا انتظام فرمایا، متعدد مستحقین سے مکانات کی تعمیر کے لیے تعاون فرمایا، کئی ایک بیوگان کا خرچ اٹھایا، کئی یتیموں کا سہارا بنے، لیکن کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ نہ تشہیر کی اور نہ ہی اعلان۔ وہ دردمند انسان تھے۔ جہاں تک بس میں ہوتا لوگوں کے غموں کا مداوا فرماتے۔

پاکستان بھر سے اہلِ مدارس آپ کی خدمت میں تشریف لاتے، آپ کو اپنے مدارس کی ضروریات سے آگاہ فرماتے، آپ حتی المقدور خود بھی تعاون فرماتے اور اہلِ ثروت کے نام تعاون کے لئے ترغیبی خطوط بھی تحریر فرمادیتے۔ بسا اوقات وہ اہلِ مدارس کے تقاضے پر اہلِ خیر کو فون فرماکر شفاعتِ حسنہ کا اجر حاصل فرماتے۔

حضرت مفتی سعید احمد جلال پوری شہیدؒ جہاں غریبوں، مسکینوں، یتیموں، مریضوں، معذوروں، بیوگان، اہلِ مدارس اور مساجد کے محسن تھے، وہاں وہ اہلِ خیر اور اہلِ ثروت کے بھی بے پناہ مشفق تھے۔ حضرت کی برکت سے ان حضرات کی زکوٰۃ، صدقات، عطیات صحیح اور مستحق جگہوں پر خرچ ہوتے اور حضرت شہید اپنا قیمتی وقت صرف فرماکر ان لوگوں کے عطیات صحیح مصارف پر خرچ کرانے کی بذاتِ خود بھی نگرانی فرماتے۔ حضرت شہیدؒ اپنے اکابر و اسلاف اور حضراتِ صحابہ کی سنت پر عمل پیرا تھے کہ کروڑوں روپے خرچ فرمائے، لیکن اپنی ذات اور اہلِ خانہ کی پرواہ نہیں فرمائی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء!

حضرت شہیدؒ کی غیر معروف رفاہی اور سماجی خدمات تو اَن گنت اور بے شمار ہیں، وہ دینی مدارس اور ادارے جن کی وہ مکمل یا جزوی کفالت فرماتے، ان کی بھی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے یا حضرت شہیدؒ ہی جانتے تھے، لیکن ایسے دینی ادارے جن کی نسبت حضرت شہیدؒ کی طرف معروف ہے اور حضرت شہیدؒ نے اپنے آخری رسالہ ''رہبر کے روپ میں راہزن'' کے آخر میں ان کا ذکر فرمایا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱)۔ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی: اس جماعت سے آپ کی والہانہ وابستگی ڈھکی چھپی نہیں، وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مشن کو زندگی بھر اپنائے رہے اور ختم نبوت کے مشن پر ہی حضرت شہیدؒ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش فرمایا۔

۲)۔ مہتمم جامعہ امام ابویوسف شادمان ٹاؤن کراچی۔
۳)۔ مہتمم مدرسہ حفصہ للبنات۔ملیر کراچی۔
۴)۔ مہتمم مدرسہ قرآن کریم یوسفیہ شانتی نگر کراچی۔
۵)۔ خطیب جامع مسجد باب رحمت شادمان ٹاؤن کراچی۔
۶)۔ رکن شوریٰ جامعہ مدنیہ بہاولپور۔
۷)۔ رکن شوریٰ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ضلع ملتان۔

(واضح رہے کہ حضرت والا جب جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے رکن شوریٰ بنائے گئے، اس وقت جامعہ میں درجہ سادسہ بنین اور خاصہ بنات تک تعلیم ہوتی تھی۔ طلباء و طالبات کی تعداد بھی تین صد سے زائد نہ تھی، جبکہ جامعہ کا کل رقبہ ۲ کنال تھا، حضرت کی سرپرستی کی برکت سے اس وقت جامعہ میں بنین و بنات کے دورۂ حدیث شریف سمیت دورۂ تفسیر قرآن کریم مع تقابل ادیان و مسالک جملہ درجات کی تعلیم دی جارہی ہے اور جامعہ کا رقبہ ۴۴ کنال، طلباء و طالبات کی تعداد پندرہ سو کے قریب ہے۔)

۸)۔ رکن شوریٰ جامعہ حسینیہ علی پور۔
۹)۔ رکن شوریٰ جامعہ قادریہ حنفیہ ملتان۔

اس کے علاوہ آپ اپنے آبائی گاؤں نوراجہ بھٹہ جلالپور پیروالا ملتان میں اپنے والد گرامی حضرت جام شوق محمد صاحب رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسہ و مسجد جس کی نگرانی آپ کے بھائی قاری فاروق احمد صاحب فرمارہے ہیں، کی بھی مکمل سرپرستی و کفالت فرماتے۔ نیز سینکڑوں دینی کتب کی اشاعت اور قیمتی کتب کی خریداری کے بعد ان کی تقسیم بھی حضرت کے سماجی کارناموں میں شامل ہے۔

علمی وادبی خدمات:

حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ کو باری تعالیٰ نے بے پناہ علمی اور ادبی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ نے زندگی بھر قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند فرمائی۔ طلب علم میں دیوانہ وار

مختلف اساتذۂ کرام کے سامنے زانوئے ادب تہہ فرمائے، آپ اپنے آبائی علاقہ نوراجہ بھٹہ، طاہر والی، ظاہر پیر، کبیروالہ، شجاع آباد، کراچی مختلف اساتذۂ کرام سے علومِ نبویہ حاصل کرتے رہے۔ فراغت کے بعد آپ نے مختلف دینی مدارس میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ آپ کو حق تعالیٰ نے تحریر وادب میں یدِ طولیٰ مرحمت فرمایا تھا۔ آپ کے علمی ادبی مضامین، ماہنامہ بینات، ہفت روزہ ختم نبوت، روزنامہ اسلام، روزنامہ جنگ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اور کئی ایک جرائد ورسائل اور اخبارات کی زینت بنتے رہے۔ بینات کے اوراق صفحات پر آپ کے علمی و ادبی جواہر پارے بکھرے ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کی تصنیفات میں معارف بہلوی ۴ جلدیں، بزمِ حسین دو جلدیں، حدیثِ دل ۳ جلدیں، پیکر اخلاص، فتنہ گوہر شاہی، تخریج ونظر ثانی ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' ۱۰ جلدیں معروف ومشہور ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قلم کی سلاست نصیب فرمائی تھی۔ آپ کی تحریر قاری کے دل میں اتر جاتی، قاری جب آپ کی تحریروں کو پڑھنا شروع کرتا، مکمل کرنے تک چھوڑنے کو جی نہ چاہتا۔ آپ کے قلم میں ثقل کی بجائے چاشنی ہوتی۔ الفاظ کو موتیوں کی طرح آپ تحریر کی لڑی میں پرودیتے۔ یوں لگتا تھا کہ آپ کے قلم کے سامنے الفاظ ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں۔ حسنِ الفاظ، استعارات، مرادفات کے ساتھ آپ کی تحریریں اور مضامین معنی خیز اور علمی ہوا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعے اصلاحِ عقائد واصلاحِ اعمال کی خدمت سرانجام دی۔ حکمرانوں، اربابِ اختیار کو مصیب مشوروں سے نوازا، اعلاءِ کلمۃ اللہ، کفرو زندقہ، الحاد وارتداد، بے دینی اور فتنوں کا تعاقب فرمایا۔ خلقِ خدا کی خیرخواہی اور انسانوں کی ہمدردی فرمائی، قرآن وسنت کی اشاعت اور دینی مسائل کو ترویج دی۔

سوئے جنت:

حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلالپوری شہیدؒ کی تقریر وتحریر سے امتِ مسلمہ کو بیداری، نوجوانوں کی اصلاح وتربیت اور دینِ حق کو مضبوطی نصیب ہوئی۔ آپ کی پُر مغز تحریروں سے حفاظتِ دین، حفاظتِ مسلک، حفاظتِ وطن اور تحفظ نظریہ پاکستان کی دولت نصیب ہوئی۔ زید حامد جیسے کئی ایک فتنہ گروں کی نیند آپ کی تعلیمات کی بدولت اڑ چکی تھی۔ مغربی استعمار اور اس

کے ایجنٹ بھی مولانا کی شب وروز کی مساعی سے تلملا اٹھے۔ آپ کو راستے سے ہٹانے کے لیے بین الاقوامی اور مقامی سازشیں تیز تر ہو گئیں۔ آپ کو دھمکی آمیز کالوں اور پیغامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ بھی ہمیشہ کے لیے اپنے مشائخ کے راستے پہ چلتے ہوئے نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت اپنے لئے پسند فرما چکے تھے، اس لئے وہ ان تمام خطرات کو بھانپ جانے کے باوجود پرسکون اور مطمئن رہے، بلکہ استعداد لیوم المعاد میں مصروف ہو گئے، یعنی اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیاری میں مصروف ہو گئے۔

شہادت سے ایک ماہ قبل جنوبی پنجاب کے تین جامعات کے سالانہ شورائی اجلاس کے سلسلہ میں تشریف لائے۔ مؤرخہ ۸ فروری ۲۰۱۰ء کو جامعہ مدنیہ بہاولپور، ۹ فروری ۲۰۱۰ء کو جامعہ حسینیہ علی پور اور ۱۰ فروری ۲۰۱۰ء کو جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اس دوران دو شب آپ کا قیام جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے مہمان خانہ میں رہا۔ آپ کے ساتھ احقر کا کافی وقت خلوت میں گزرا، کئی معاملات میں حضرت سے مشاورت بھی ہوئی۔ حضرت نے بھی شفقتاً اپنے کچھ احوال بتلائے۔ اس دوران ایک خواب کا بھی ذکر فرمایا اور یہ خواب اس سے قبل بھی وہ ایک مرتبہ احقر کو بیان کر چکے تھے، فرمایا کہ خواب میں حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ سے ملاقات ہوئی۔ فرمانے لگے آؤ آپ کو جنت کی سیر کرائیں۔ چنانچہ ہم دونوں نے جنت میں سیر شروع کر دی۔ فرمایا کہ یہ خواب پوری شب پر محیط تھا اور ہم پوری رات خواب میں جنت کی سیر کرتے رہے، ہم دونوں مزے مزے سے جنت میں پھرتے رہے اور خوش گپیوں میں مصروف رہے۔ میں نے مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ سے پوچھا، بھائی وہ ہمارے حضرت لدھیانوی شہیدؒ کہاں ہیں؟ وہ تو آپ سے قبل یہاں آئے تھے؟ مفتی صاحب نے فرمایا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا گھر ابھی بہت آگے ہے۔ ہم دونوں چلتے چلتے بہت آگے چلے گئے۔ اچانک مجھے مفتی محمد جمیل خان نے فرمایا: وہ سامنے اس گھر میں مولانا لدھیانوی شہیدؒ تشریف فرما ہیں۔ میں آگے بڑھا اور دروازہ کھول کر اندر جانے لگا، اتنے میں مفتی صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، فرمایا ابھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

آپ کو اس خواب کے ذریعے جنت میں حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے پاس پہنچنے کا

اشارہ دے دیا گیا تھا، مولانا جلال پوری شہیدؒ تو اپنے شیخ کے پاس جانے کے لئے تیار تھے، لیکن ابھی چونکہ زندگی کے ایام باقی تھے، اس لیے ہاتھ پکڑ کر منع کر دیا گیا، جونہی وہ وقت پورا ہوا، مولانا جلالپوری شہیدؒ اپنے شیخ و مرشد کے پاس جا پہنچے۔

مولانا جلال پوری شہیدؒ کے بڑے بھائی جناب محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ شہادت سے کچھ روز قبل مجھے فون پہ فرمایا کہ دھمکیوں کا سلسلہ جاری ہے، دعا فرمائیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ جلال پور تشریف لے آئیں اور کچھ روز یہیں قیام فرمالیں۔ ارشاد فرمایا کہ لوگ شہادت کی آرزو کیا کرتے ہیں، میں بھاگ کر یہاں کیسے آجاؤں؟

حضرت شہیدؒ کے بڑے داماد اور بھتیجے مولانا محمد انس صاحب کا بیان ہے کہ شہادت سے تین روز قبل مجھے خلوت میں بلایا، کچھ وصیتیں فرمائیں اور کچھ نصیحتیں و ہدایات ارشاد فرمائیں، معاملات سمجھائے۔ تقویٰ کا یہ عالم کہ گھر کی اشیاء کے بارے میں بھی وضاحت فرمائی، فلاں چیز میری ہے اور فلاں چیز آپ کی چچی جان کی۔ گاڑی اور ڈرائیورتک کے معاملات سے مطلع فرمایا اور اپنی شہادت کی پیشگی اطلاع دی۔ شہادت سے کچھ ایام قبل اپنے بڑے صاحبزادے حافظ محمد حذیفہ شہیدؒ کو جو جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا میں زیر تعلیم تھے، فون کر کے کراچی بلوایا۔ تقدیر میں حضرت کے سفر آخرت کی رفاقت کے لئے بڑے صاحبزادے، خدمت گزار مزاج شناس شاگرد مفتی فخر الزمان شہیدؒ اور باوفا مرید جناب عبدالرحمن شہیدؒ کا نام لکھا جا چکا تھا، اس لیے تدبیریں بنتی چلی گئیں اور یہ نورانی و روحانی قافلہ مؤرخہ ۱۱ مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعرات مسجد خاتم النبیین محبت الٰہی میں مجلسِ ذکر کے لئے روانہ ہوا۔ حضرت شہیدؒ نے اپنے اور متعلقین کو روح کی غذا بہم پہنچائی اور حق تعالیٰ سے دست بدعا ہوئے، نہ جانے اس دعا میں حضرت نے جلد وصالِ حق بھی اللہ سے مانگ لیا ہوگا، نمازِ عشاء سے فراغت کے بعد جونہی قافلہ گلی سے سڑک پہ پہنچا، درندہ صفت، شقی القلب، دارین کے مغضوب و ملعون اور قہرِ خداوندی کے مستحق بدبختوں نے شیطان مردود کا آلہ کار بنتے ہوئے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس سے مذکورہ بالا جملہ حضرات شہادت کے اعلیٰ منصب پہ فائز ہو کر ملاء اعلیٰ میں جا پہنچے جبکہ آپ کے ایک رفیقِ سفر زخمی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رات ساڑھے دس بجے کے بعد عزیزم مولانا محمد انس صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی۔ اللہ تعالیٰ نے اگلے روز جمعۃ المبارک کے بعد بنوری ٹاؤن میں شہداء کے جنازے میں شرکت کی سعادت نصیب فرمائی۔ آپ کو شہادت کے ساتھ لیلۃ الجمعہ کی موت اور یومِ جمعہ کے دفن کی فضیلت بھی حاصل ہوگئی۔ حدیث مبارک ہے "جو شخص جمعرات کو فوت ہوا وہ فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا۔" (مشکوۃ) جنازہ میں ہزاروں علماء، مشائخ، صلحاء، طلباء اور عام مسلمانوں نے شرکت فرمائی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

الباقیات الصالحات:

حضرت شہیدؒ نے اپنے جملہ دینی اداروں، تصانیف، مضامین، ہزاروں تلامذہ و مریدین کے ساتھ اپنے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر اپنی صابرہ شاکرہ وفادار بیوہ جو صاحبِ نسبت اور صاحبِ جذب بزرگ حضرت قاری شیر محمد رحمہ اللہ خلیفۂ مجاز حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلویؒ و حضرت مولانا محمد موسیٰ جلال پوریؒ کی صاحبزادی ہیں۔ ایک حافظ قرآن صاحبزادہ، چھ صاحبزادیاں جن میں چار حافظات اور عالمات ہیں، دو بہنیں اور چار بھائی چھوڑے ہیں۔
اللّٰھم اغفر لھم وارحمھم وعافھم۔ آمین یارب العالمین۔

مدارس دینیہ اور دینی تنظیموں کا سرپرست چھن گیا!

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

[سن وفات: 2010ء]

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین متین اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کو روز حشر تک رکھنا ہے، حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، فضا شفاف ہو یا مکدر، حکمران موافق ہوں یا مخالف، نظام عدل ہو یا نظام جبر، دور تلواروں، گھوڑوں، تیروں کا ہو یا بندوق، جہازوں اور توپوں کا، دنیا جمہوریت کی دلدادہ ہو یا آمریت کی، نظام اسلامی ہو یا فرنگی ان شاء اللہ حق بھی رہے گا اور حق والے بھی۔ بقول اقبال:

بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث مطہرہ میں اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا ہے:

"لَا تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ."

"میری امت کا ایک طبقہ اللہ کے دین (حق) پر رہے گا، ان کو ان کے مخالفین و اعداء نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، وہ اللہ کا امر آنے تک اس حال میں رہیں گے۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ المصابیح ص: ۵۸۳)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ہر دور میں ایک جماعت وطائفہ، منصور من اللہ ہوگی، حق تعالیٰ ان کی مدد بھی فرمائیں گے اور حفاظت بھی، انہیں مخالفین کی مخالفت اور شریروں کی شرارت ان کے مشن سے روک نہیں سکے گی، اور یہ جماعت زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے امر آنے تک رہے گی، اللہ کے امر سے مراد یا تو قیامت ہے یا قرب قیامت۔

اللہ تعالیٰ اس جماعت کے ذریعے اپنے دین کی حفاظت فرمائیں گے، یہ طائفہ منصورہ کونسا ہے؟ اس کے فرائض منصبی کیا ہیں؟ وہ کیا کرتے ہیں، ان کی کیا پہچان ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ان چیزوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے، مثلاً ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے تفرقے کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایک جماعت نجات یافتہ ہوگی باقی سب ہلاک شدگان ہوں گے، صحابہ کرامؓ کے استفسار پر اس ناجی جماعت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"مَآ اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ"

"یہ وہ جماعت ہوگی جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والی ہوگی۔"

(مشکوٰۃ)

تفسیر درمنثور میں ہے کہ یہی طائفہ منصورہ اور جماعت حق اہل السنت والجماعت ہوں گے، قیامت میں ان کے چہرے سفید ہوں گے، اس جماعت کے فرائض منصبی حق کی حفاظت و اشاعت ہوگی، وہ حق گو بھی ہوں گے اور حق جو بھی، حق شناس بھی ہوں گے اور حق نواز بھی۔

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ دورِ حاضر میں اس طائفہ منصورہ کے سرخیل اور جماعت حق کے رہبر و راہنما تھے، انہوں نے زندگی بھر حدیث بالا کا مصداق بن کر بلا خوف لومۃ لائم حق شناس بن کر حق گوئی اور حق نوازی کا فریضہ سرانجام دیا، وہ اہل مدارس کے صحیح ترجمان تھے، ان کی صلاحیتیں، قوتیں، وسائل و اسباب، تقریر و تحریر، ذہن و فکر اسی میں صرف ہوئے، دین کے ہر شعبہ کی بقاء ان کی زندگی کا مقصد اولین تھا، وہ صحیح معنوں میں "نحن انصار اللہ" کے مصداق تھے، ان کی محبت و بغض، دوستی و دشمنی کا معیار بھی حق ہی تھا۔

حضرت مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ اشاعت دین کے لیے ملک و بیرون ملک سرگرم رہے، انہوں نے پاکستان کے کونے کونے میں آوازِ حق بلند کی، وہ اس مقصد کے لیے متعدد ممالک میں سفر بھی فرماتے رہے، دین کی ہر تحریک اور دین کا ہر ادارہ انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز تھا، دین کی خدمت کرنے والے ہر عالم کا وہ دل سے احترام فرماتے اور بے حد قدر کرتے، ایسے علماء کا اپنی مجالس میں ذکر فرماتے، ہر دینی تحریک و دینی ادارہ انہیں اپنا سرپرست جانتا تھا۔

مولانا جلال پوری شہید رحمہ اللہ مدارس اسلامیہ اور جامعات عربیہ کے بے حد معاون، مشیر اور سرپرست تھے، ملک کے بیشتر دینی ادارے ان کے مرہون منت تھے، وہ ہر طرح سے ان دینی اداروں کی سرپرستی فرماتے۔ تعلیمی، انتظامی، تعمیری، معاشی غرضیکہ ہر شعبے میں وہ اپنی مہارت تامہ سے اہل مدارس کو فیض یاب فرماتے۔

ملک میں دینی شعبوں اور اداروں کے ساتھ مالی تعاون کا جذبہ رکھنے والے افراد کی کمی نہیں، بحمداللہ! پاکستان کے اہل ثروت کو اپنے دین اور دین کے اداروں سے بے پناہ محبت ہے، اسی طرح دین متین کی خدمت میں شب و روز مصروف عمل ادارے بھی ملک کے کونے کونے میں موجود ہیں، جنہیں قال اللہ وقال الرسول کی صدا گھر گھر تک پہنچانے کے لیے مالی تعاون و سرپرستی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ گویا یہ دونوں طبقے قرآن کریم وحدیث رسولؐ کے خادمین ہیں۔ ایک طبقہ اپنے مال سے اور دوسرا اپنی جان سے خدمت دین میں محو و مگن ہے۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں طبقوں کو قابل رشک ولائق تقلید قرار دیا ہے، صحیح بخاری کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔

”دو آدمیوں پر رشک جائز ہے، ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ہمت دی، دوسرا جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا وہ اس علم کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے۔“

(بخاری: ج ۱ ص ۷۵)

ان دونوں طبقوں کو خدمت قرآن میں جو مشکل درپیش ہے، وہ یہ کہ اہل ثروت صحیح کام کرنے والے اداروں تک اپنا تعاون پہنچانا چاہتے ہیں، لیکن ملک کے دور دراز اور پسماندہ علاقوں میں قائم اداروں تک ان کی رسائی نہیں ہوتی اور نہ ہی ان تک پہنچنے کے لیے انہیں وقت میسر ہوتا ہے، اور دینی اداروں کو تعاون کے حصول کے لیے اہل ثروت تک رسائی نہیں ہوتی، حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ اللہ زندگی بھر خدام قرآن کے ان دونوں طبقوں کے لیے

پل کا کردار ادا کرتے رہے، وہ دین کی صحیح معنوں میں خدمت کرنے والے دینی اداروں کی اہل ثروت تک رسائی کا ذریعہ بنتے، ان اداروں کے ذمہ داران کو مختلف معاونین کے نام خط لکھ کر دیتے، فون فرماتے اور بسا اوقات اپنے پاس بلوا کر اداروں کے ساتھ تعاون کی ترغیب دیتے، یوں اہل ثروت کا تعاون صحیح اداروں تک پہنچتا اور دین کی تعلیم واشاعت میں حضرت جلالپوری شہید دال علی الخیر بن جاتے۔

راقم الحروف پر جامعہ کے انتظام واہتمام کی افتاد نئی پڑی تھی، مجلس شوریٰ نے جامعہ کی توسیع کے لیے ایک ایکڑ کے پلاٹ کی خریداری کا فیصلہ فرمایا۔ مجلس شوریٰ کے حکم پر احقر نے مبلغ اٹھارہ لاکھ روپے کی مالیت کے ایک ایکڑ کے پلاٹ کا معاہدہ کرلیا اور رقم کی ادائیگی کے لیے قسطیں بنوالیں، لیکن تاریخ قریب آگئی اور رقم کا کوئی انتظام نہ ہوا، پریشانی میں حضرت کی خدمت میں کراچی حاضر ہوا اور غرض آمد ذکر کی، حضرت نے دعا بھی فرمائی اور اعمال ودعاؤں کی طرف متوجہ فرمایا کئی روز کراچی میں گزر گئے، لیکن مقصد حاصل نہ ہوسکا، احقر بے حد پریشان تھا، اسباق کا ضیاع اور سفر کی الجھن مستزاد تھی، ایک روز احقر بعد نماز ظہر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، فوراً اپنی موٹر سائیکل پر کہیں چلے گئے اور بندہ کو انتظار کا حکم دیا، تھوڑی دیر بعد حضرت واپس تشریف لائے اور ایک معقول رقم جو ایک تھیلی میں چھپائی ہوئی تھی میرے سامنے لاکر رکھ دی، فرمایا تمہارے اس کام کے لیے بندۂ خدا کے پاس گیا تھا اور اسے ترغیب دے کر یہ رقم لایا ہوں۔

آپ کی خدمت میں جب بھی کوئی ضرورت مند اپنی ضرورت لے کر آیا، حتی المقدور اس کا تعاون فرمایا، مدارس کے تعاون کے لیے جس تعلق دار سے سفارش وتعارف کے لیے حضرت سے کہا جاتا فوراً خط لکھ دیتے اور سفارش فرمادیتے تھے۔

مدارس کے مالی تعاون کے ساتھ انتظامی، تعلیمی میدان میں بھی حضرت کی سرپرستی نعمت عظمیٰ سے کم نہ ہوتی، بسا اوقات انتظامی مشکلات میں احقر فون پہ رابطہ کرکے حالات سے آگاہ کرتا، ایسا صائب مشورہ مرحمت فرماتے کہ پریشانی فوراً کافور ہوجاتی، جب کسی مدرسہ میں تشریف لے جاتے تو درسگاہوں کا معائنہ فرماتے، تعلیمی کیفیت معلوم کرتے، طلباء سے برجستہ سوالات کے ذریعہ ان کی علمی استعداد معلوم فرماتے۔ کمزوری کی صورت میں ذمہ داران مدارس

کو ہدایات جاری فرماتے اور طلباء کو بھی نصیحت فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت ہمارے ہاں تشریف لائے، اچانک دار القرآن کے معائنہ کے لیے تشریف لے گئے، ایک استاذ صاحب درسگاہ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، فوراً فرمایا یہ درسگاہ کے آداب کے خلاف ہے اور احقر کو سختی سے ہدایت دی کہ ان اساتذۂ کرام کو اس سے منع کریں۔

مدرسہ میں قیام کے دوران خدمت کرنے والے طلباء سے مزاحیہ انداز میں اسباق کا جائزہ لیتے اور طلباء، اساتذہ مدرسہ کے نظم کا اندازہ فرما لیتے، تعمیرات مدارس میں بھی ان کی ہدایات لاکھوں روپے کی بچت کا ذریعہ ہوتیں، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی تعمیر کا نقشہ آرکیٹیکٹ نہیں بنا سکتے، انہیں ہمارے مزاج و مذاق کا اندازہ نہیں ہوتا، میرے پاس لے آؤ میں نقشہ بنا دوں گا، احقر نے انہیں کئی ایک اداروں کے لیے اپنے قلم سے نقشہ بنا کر سمجھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

یوں تو حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ ہزاروں مدارس کے سرپرست تھے، تاہم آپ باقاعدہ جن مدارس کے سرپرست اور شوریٰ کے رکن تھے، ان کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱)۔ مہتمم جامعہ امام ابو یوسف شادمان ٹاؤن کراچی۔ (الحمد للہ حضرت کے اخلاص کی برکت سے یہ ادارہ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے، اپنے مقصد کی جانب رواں دواں ہے اور حضرت کے اخلاص کی خوشبوؤں کو اطراف و اکناف میں پھیلا رہا ہے۔)

۲)۔ مہتمم مدرسہ حفصہ للبنات۔ ملیر کراچی۔

۳)۔ مہتمم مدرسہ قرآن کریم یوسفیہ شانتی نگر کراچی۔

۴)۔ خطیب جامع مسجد باب رحمت شادمان ٹاؤن کراچی۔

۵)۔ رکن شوریٰ جامعہ مدنیہ بہاولپور۔

۶)۔ رکن شوریٰ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ضلع ملتان۔ جامعہ ہذا میں اپنی سرپرستی میں دورۂ حدیث شریف، دورۂ تفسیر قرآن کریم بمع تقابل ادیان و مسالک سمیت مختلف شعبہ جات شروع کرائے، جامعہ کی توسیع کا منصوبہ شروع کرایا، بحمد للہ جامعہ میں سینکڑوں طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں، جامعہ کی چودہ شاخیں ہیں، جبکہ مرکز ۳۳ کنال رقبہ پر محیط ہے۔ (اب بحمد اللہ ۴۴ کنال ہو چکا ہے)

۷)۔ رکن شوریٰ جامعہ حسینیہ علی پور مظفر گڑھ۔

۸)۔ رکن شوریٰ جامعہ قادریہ حنفیہ صادق آباد ملز ملتان۔

۹)۔ سرپرست ونگران مدرسہ عثمانیہ تعلیم القرآن شوق آباد جلال پور پیروالا ضلع ملتان۔

حضرت شہیدؒ مدارس کی سرپرستی ونگرانی کے لیے طویل وعریض سفر فرماتے، ان اداروں کے سالانہ اجتماعات، اجلاس اور امتحانات میں شرکت فرماتے۔

مدارس دینیہ کے علاوہ دین کی خدمت کرنے والی جماعتوں اور تنظیموں سے بھی آپ کا تعلق والہانہ تھا، آپ تبلیغی جماعت کی بے حد تعریف فرماتے، عوام الناس کو تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کی ترغیب دیتے اور خود بھی رائیونڈ اجتماع میں تشریف لے جاتے، احقر نے حضرتؒ کی ہمراہی میں رائیونڈ اجتماع میں دو مرتبہ شرکت کی، آخری مرتبہ آپ کی اجتماع میں شرکت شہادت سے تقریباً ایک ماہ قبل ہوئی، اب کی بار احقر نے حضرت کی صحبت میں کئی روز کا طویل وعریض سفر کیا۔ اس سفر کے دوران جامعہ رشیدیہ ساہیوال، اجتماع رائیونڈ، خانقاہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا، خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف، جامعہ قادریہ بھکر، جامعہ محمدیہ تونسہ، مدرسہ عثمانیہ خان گڑھ حاضری ہوئی۔

عقیدہ ختم نبوت، ناموس رسالت کے لیے کام کرنے والی عالمی تنظیم، مجلس تحفظ ختم نبوت تو آپ کے دن رات کا اوڑھنا بچھونا تھی، ختم نبوت کے اجتماعات کے لیے ملک وبیرون ملک اسفار کی تعداد کثیر ہے۔ آپ ہر سال ختم نبوت کانفرنس چناب نگر، ختم نبوت کی شوریٰ کے اجلاس میں ملتان اور ختم نبوت کے دیگر اجتماعات میں متعدد مقامات پر شریک ہوتے۔

مسلک حقہ اہل السنت والجماعت کی تمام دینی جماعتیں بالخصوص جمعیت علماء اسلام، اتحاد اہل السنت کے کام سے آپ بے حد مطمئن تھے، علاوہ ازیں ناموس صحابہؓ، ترد بدعات اور عقیدۂ حیات النبیؐ کے دفاع کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں بھی آپ کو اپنا سرپرست اور معاون سمجھتی تھیں۔

حضرت جلال پوری شہید رحمہ اللہ کی شہادت سے پاکستان کے دینی مدارس، جماعتیں، تنظیمیں بجا طور پر اپنے آپ کو یتیم اور آپ کی شفقتوں سے محروم سمجھتی ہیں۔

اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ۔

حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی رحمہ اللہ

کا سانحۂ ارتحال

[سن وفات: 2011ء]

جامعہ اشرفیہ لاہور کے نائب مہتمم واستاذ الحدیث، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز اور جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت مولانا محمد حسن رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند، ممتاز عالم دین، استاذ العلماء والمحدثین حضرت اقدس مولانا عبدالرحمن اشرفی رحمہ اللہ مورخہ ۱۷ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۲ رجنوری ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ طویل علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحب رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے گوناگوں صفات سے نوازا تھا۔ وہ مسندِ تدریس کے عظیم شاہسوار، مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز عظیم مرشد و مصلح، اہلِ علم کے ماتھے کا جھومر اور ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ حق تعالیٰ نے انہیں غضب کی قوتِ گویائی اور ملکہ تفہیم عطا کیا تھا۔ وہ عوامی جلسوں میں بھی بڑے سادہ انداز میں علمی مباحث بیان فرماتے، فقہ و حدیث کی مشکل گتھیاں سلجھاتے اور عوام و خواص کو محظوظ فرماتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے اکابر کی ترجمانی فرمائی اور اکابر کی روایات کو زندہ رکھا، علم و تقویٰ سے مالا مال یہ علمی و روحانی شخصیت زندگی بھر اتحاد بین المسلمین کی داعی اور اصلاحِ خلق میں مصروف رہی۔

مولانا عبدالرحمن اشرفی صاحبؒ نے اپنے زمانہ کے جبالِ علم اور کاملین سے کسبِ فیض فرمایا، انہوں نے اپنے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کے علاوہ شیخ

العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا غلام رسول خان، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کئے۔ ۱۹۶۱ء سے تاوفات وہ جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم رہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ ہزاروں میں ہے۔

آپ بہترین معلم و مدرس ہونے کے ساتھ نہایت ہی نقطہ داں خطیب تھے۔ اصلاحِ خلق اور اتحادِ اُمت آپ کا بہترین موضوع اور نصب العین تھا۔ آپ نے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی خلیج پاٹ کرنے کی حد المقدور سعی کی۔ آپ نے اپنی توجیہات اور عمل سے بین المسالک ہم آہنگی اور وحدت کو فروغ دیا، آپ جملہ مسالک کی مسلمہ شخصیات و اکابر کا احترام فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور جماعت اسلامی سبھی حلقوں میں محبوب جانے جاتے تھے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ سے والہانہ تعلق تھا۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور آپ کے خانوادے سے بھی نہایت ہی قریبی مراسم تھے۔ عاجز نے آپ کا وقیع خطاب جامعہ خیر المدارس ملتان کے جلسے میں سنا۔

حضرتؒ کی وفات حسرت آیات پوری امتِ اسلامیہ کے لیے حادثہ فاجعہ اور سانحۂ عظیمہ ہے، بلاشبہ اہلیانِ پاکستان ایک محدث، مفسر، مدبر، مصلح، مرشد اور باعمل شخصیت سے محروم ہوگئے۔ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد اور ادارہ ماہنامہ الفاروقیہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرتؒ کے پسماندگان کے ساتھ اس دکھ میں شریک و سہیم ہے۔ جامعہ میں مجلس علمی اور طلباء کی مجلس میں الگ الگ حضرت کے لئے ایصالِ ثواب کیا گیا۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ”صدائے فاروقیہ“ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ/فروری 2011ء)

حضرت مولانا محمد احمد مدنیؒ اور ان کے جواں سال بیٹے کی المناک شہادت

[سن وفات: 2011ء]

جامعہ محمودیہ بفرزون کراچی کے بانی و مہتمم، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی، جمعیت علماء اسلام کراچی کے راہنما، کالعدم سپاہِ صحابہ کراچی کے سابق صدر اور مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ کے بڑے بھائی مولانا محمد احمد مدنی اور ان کے جواں سال ۲۶ سالہ صاحبزادہ قاری ابوبکر مدنی کو مورخہ ۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ بمطابق ۵ رمارچ ۲۰۱۱ء بعد نمازِ مغرب نیو کراچی میں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا، جس کے نتیجہ میں مولانا اور ان کے صاحبزادہ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّی۔

ملک میں عموماً اور کراچی میں خصوصاً ایک عرصہ سے سازش کے تحت جید علماء کرام کا قتل عام جاری ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ نادیدہ قوتیں اہلِ حق کے اکابرین وزعماء کی نسل کشی پر تلی ہوئی ہیں، گذشتہ سال مارچ ہی کی ۱۱ تاریخ کو مولانا عبدالغفور ندیم اور ان کے صاحبزادے، پھر اسی رات حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلالپوریؒ، ان کے جواں سال صاحبزادے حافظ محمد حذیفہؒ، خادم ورفیق اور ڈرائیور پر حملہ کیا گیا، جس کے نتیجہ میں یہ تمام حضرات راہیِ خلدِ بریں ہوئے، اس سے قبل حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ جامعہ فاروقیہ

کراچی کے اساتذہ کرام رحمہم اللہ کی شہادتیں اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ سب کچھ حکومت اور اربابِ اقتدار کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ علماء کرام کا یہ قتل پاکستان میں مذہب کا قتل سمجھا جا رہا ہے اور اس کی ذمہ دار مذہب دشمن قوتیں ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ روایتی سستی کو چھوڑ کر ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لائے اور علماء و عوام کا قتلِ عام بند کرائے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مدنی شہید اور ان کے صاحبزادے کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ آمین

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ/ مارچ 2011ء)

شیخ محمد بن عبداللہ السبیلؒ کی وفات حسرت آیات

[سن وفات:2012ء]

امام کعبہ، رکن ھیئۃ کبار العلماء، رکن المجمع الفقہی الاسلامی، رئیس الحرمین الشریفین اور رئیس لجنۃ اعلام الحرم سعودی عرب، شیخ محمد بن عبداللہ السبیل مورخہ ۳ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ بمطابق ۱۷دسمبر ۲۰۱۲ء زندگی کے نوے سال پورے فرما کر عالم آخرت کو سدھار گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔

شیخ محمد اعلیٰ پائے کے عالم، قاری اور فقیہ تھے۔ آپ نے زندگی بھر بیت اللہ اور حرمین شریفین کی خدمت کی۔ آپ کے حکیمانہ خطبات سے امت نے راہ ہدایت پائی، دین اسلام کی تبلیغ اور امت مسلمہ کے اتحاد کے لئے آپ نے 100 سے زائد مرتبہ پچاس ممالک کے سفر فرمائے، مملکت سعودیہ عربیہ میں آٹھ سے زائد عہدوں پر فائز رہے، آپ کی دینی مساعی اور امت مسلمہ کے اتفاق واتحاد کے لئے کی جانے والی کوششوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ شیخ محمد بن عبداللہ کا وصال پوری امت مسلمہ کے لئے سانحہ فاجعہ ہے۔

ادارہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، الفاروقیہ ٹرسٹ شجاع آباد اور ماہنامہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد شیخ کے وصال پر پوری امت مسلمہ بالخصوص سعودی حکومت، پاکستان میں متعین سعودی قونصل جنرل اور سعودی عوام سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اور ہم سب شیخ کی بلندی درجات کے لئے دعا گو ہیں۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" محرم، صفر ۱۴۳۴ھ/دسمبر، جنوری 13-2012ء)

مناظر اسلام حضرت علامہ مولانا عبدالستار تونسویؒ کی رحلت

[سن وفات: 2012ء]

قائد اہل سنت، استاذ العلماء والمناظرین، وکیل صحابہؓ واہل بیتؓ، ترجمان اہل حق، مرجع العلماء والصلحاء، حضرت اقدس مولانا محمد عبدالستار تونسویؒ صدر تنظیم اہل السنت پاکستان مورخہ ۸ صفر الخیر ۱۴۳۴ھ بمطابق ۲۱ دسمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک بوقت عشاء مختصر علالت کے بعد نشتر ہسپتال ملتان میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔

حضرت علامہ تونسوی نے زندگی کی تقریباً نوے بہاریں دیکھیں، آپؒ ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے، اپنے آبائی شہر تونسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی، آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا خان محمدؒ اور حضرت مولانا غلام رسولؒ شامل ہیں، آپ نے دو مرتبہ دورہ حدیث شریف پڑھا، ایک مرتبہ تونسہ میں اور دوسری مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں، آپ کو دارالعلوم دیوبند میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ فراغت کے بعد آپ تخصص فی المناظرہ کے لئے لکھنو میں امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، دو سال تک ان کی خدمت میں رہ کر صحابہ کرام اور اہل بیت کے دفاع کے لئے علمی کمال حاصل فرمایا، ۱۹۴۸ء میں آپ وطن واپس لوٹے اور میدان عمل میں قدم رکھا۔

جنوبی پنجاب کا خطہ یہاں کے مقامی زمینداروں، وڈیروں اور گدی نشینوں کے اثر کی وجہ سے رافضیت، رسم ورواج اور شرک وبدعات سے بے حد متاثر تھا، یہاں شیعہ سنی میل جول شادی بیاہ کی حد تک قائم تھا، اصحاب رسولؐ پر رکیک حملے کیے جاتے تھے، صحابہ کرامؓ کی آبرو ریزی یہاں کا فیشن تھا، رسوم وبدعات، غیر اللہ کی نذر ونیاز در تعزیہ وگھوڑا کی پوجا پاٹ کو خالص دین تصور کیا جاتا تھا، حضرت تونسویؒ نے تبلیغ وتقریر کے ذریعے مدلل اور مسکت انداز میں نہ صرف اصحابؓ رسولؐ واہل بیتؓ اطہار کا دفاع فرمایا بلکہ اصلاح معاشرہ کا بھی بیڑہ اٹھایا۔ آپ نے اہل علم کو بھی ناقابلِ تردید دلائل وبراہین سے روشناس کرایا، ایرانی لٹریچر سے حقیقی اور اصلی فقہ جعفریہ لوگوں کو سمجھائی اور یہ بتایا کہ ایرانی اور شیعہ کتب کی رُو سے صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ میں باہمی محبت اور رشتہ داریاں تھیں، روافض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے خلاف ہرزہ سرائی کو بھی آپ نے آڑے ہاتھوں لیا، آپ کو تحقیق کے میدان میں نجف اشرف، قم، مشہد، تہران، عراق اور غالباً شام کا بھی سفر کرنا پڑا، سفرِ حجاز میں بھی آپ نے اپنے ذوق کے مطابق تحقیق جاری رکھی اور ہزاروں روپے مالیت کی کتابیں خرید کرلاتے رہے، آپ کو حق تعالیٰ نے گرج دار آواز مرحمت فرمائی تھی، آپ کی للکار دشمن کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال دیتی، آپ نے ۶۴ سال ملک کے کونے کونے میں جاکر اعلان فرمایا کہ روئے ارض پر اگر کوئی عالم میرے موقف سے اختلاف رکھتا ہے تو میرے سامنے آئے، آپ سے مناظرہ کرنے کی کسی کو بھی ہمت نہ ہوتی، آپ سے چند ایک لوگوں نے مناظرہ کی کوشش کی تو بری طرح سے شکست سے دوچار ہوئے، دورانِ مناظرہ آپ کا مخالف مناظر گھبراہٹ کی وجہ سے پانی کا مٹکا صاف کرجاتا تھا۔

آپ کردار کے بھی دھنی تھے، زندگی بھر بے لوث دین کی خدمت فرمائی، آپ کے کردار وعمل پر کبھی دھبہ نہ آیا، تہجد اور اذکار کے پابند تھے جھوٹ، غیبت سے کوسوں دور اور استغناء کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک خاصا ''ذوق اعتدال'' ہے، اہل السنت والجماعت کے مسلک کو مضبوطی سے تھاما، اپنی تحقیق پیش کر کے مسلک سے کبھی انحراف نہیں فرمایا، رفض کی سخت تردید کے باوجود خارجیت سے کوسوں دور رہے، کبھی کوئی کمزور بات زبان سے نہ نکالی، تواضع وعاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ تقریروں میں برسرِ عام فرماتے کہ

میں ایک عام مسلمان ہوں، نہ میرے اندر زہد ہے اور نہ تقوی۔ آپ ہمیشہ علماء حق کی قدر فرماتے، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے، راقم الحروف حضرت کا شاگرد بھی ہے اور عقیدت مند بھی، میرے والد محترم سمیت میرے دیگر کئی اساتذہ کرام بھی حضرت کے شاگرد تھے، ایک مقام پر حضرت کے بیان سے قبل بیان کرنے کا اتفاق ہوا تو تقریر میں مجھ جیسے کم علم و بے عمل کو شیخ الحدیث والتفسیر کہہ کر راقم کو پانی پانی کرڈالا، بقول شخصے

کہاں میں کہاں یہ نکہت گل
نسیم سحر یہ تیری مہربانی

دورِ حاضر میں فحاشی و عریانی کے سیلاب نے ہر کس و ناکس کو متاثر کو، حضرت ان حالات کی پیشین گوئی اپنی ہر تقریر میں ساٹھ سال سے کر رہے تھے، وہ فرماتے: "لوگو! بے دینی، بے حیائی کا سیلاب آرہا ہے، بچ جاؤ ورنہ تباہ ہو جائے گے" وہ لوگوں کو مشورہ دیتے کہ اس سیلاب سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ دین کے دامن کو تھام لو۔

آپ ہر سال جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد اور بعض دیگر دینی اداروں میں سالانہ تعطیلات کے دوران طلباء میں اپنا فن منتقل فرماتے اور اکابر کے مسلک کو دلائل سے مبرھن فرما کر طلباء کو اکابر کے مسلک پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے۔ مورخہ ۲۱ دسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعۃ المبارک کو احقر عیادت کے لئے نشتر ہسپتال پہنچا، وصال سے نصف گھنٹہ قبل زیارت کا شرف حاصل ہوا، غالباً زندگی میں زیارت کرنے والوں میں یہ سعادت آخر میں احقر ہی کو نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو درجات عالیہ نصیب فرمائے اور سیئات کو حسنات سے بدلے، ادارہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، الفاروقیہ ٹرسٹ، صدائے فاروقیہ، پوری امت مسلمہ بالخصوص حضرت کے جانشین مولانا عبدالغفار تونسوی ان کے جملہ برادران بالخصوص مولانا عبدالجبار تونسوی، مولانا عمر فاروق تونسوی، مولانا محمد حسنین تونسوی آپ کے نواسے اور مشن کے وارث مولانا عبدالحمید تونسوی مدظلہ سے تعزیت کرتا ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" محرم، صفر ۱۴۳۴ھ/ دسمبر، جنوری 13-2012ء)

گوہرِ یکتا حضرت علامہ

مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ

[سن وفات: 2012ء]

میری زندگی کا دسواں یا بارہواں سال تھا، درس نظامی کی تعلیم شروع ہو چکی تھی، بچپنے سے لڑکپن کی طرف قدم بڑھ چکے تھے، ایک بار گھر سے مدرسے پہنچا ہی تھا کہ ایک ساتھی طالب علم نے نوید سنائی کہ آج مناظر اہل سنت علامہ مولانا عبدالستار تونسوی شجاع آباد کے نواحی گاؤں بستی شیخاں میں تشریف لا رہے ہیں، حضرت تونسوی کا غائبانہ نام تو سنتے ہی رہتے تھے، دل میں حضرت کی زیارت اور بیان کی سماعت کی تمنا اور آرزو انگڑائیاں لینے لگی، شوقِ زیارت فرطِ اشتیاق میں بدل گیا، حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے اجازت طلب کی، سیدھے بستی شیخاں پہنچے، عوام کا ایک جم غفیر اس چھوٹے سے قصبے میں اُمڈ آیا تھا، سینکڑوں لوگ اس مردِ درویش کی زیارت کے لئے بے تاب تھے، مردوں کے علاوہ پس پردہ خواتین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، تھوڑی دیر بعد یہ مردِ قلندر سٹیج پر جلوہ افروز ہوا۔

دراز قد، لمبی داڑھی، نورانی و طولانی چہرہ، سفید چمکدار لباس، نہایت سلیقے سے بندھی پگڑی، زیور کی طرح گلے میں لٹکا ہوا پستول، سامنے میز پر نہایت ہی سلیقے کے ساتھ لگا کتابوں کا انبار جو اُن کی علمیت اور اپنے موضوع پر مکمل دسترس کی نشاندہی کرتا تھا، علم کا سیل رواں، خوش صوتی اور شعلہ نوائی، حُب نبی، عشق صحابہؓ اور عقیدت اہل بیت پر مبنی خوبصورت خطبہ اور دل کو بھا جانے والا انداز خطابت حضرت کی ہی خصوصیت محسوس ہوئی، نہایت ہی گرج دار لہجے میں خطبہ پڑھنے کے بعد اولاً وعظ و نصیحت اور ثانیاً نہایت ہی دلچسپ انداز میں ایسا بیان فرمایا جو دلوں میں

بیٹھتا چلا گیا۔ یہ تھی حضرت تونسویؒ سے میری پہلی آشنائی، تب سے لے کر حضرت کے وصال سے نصف گھنٹہ قبل تک عقیدت، محبت، تلمذ اور راہنمائی کا نہایت ہی گہرا ربط و تعلق رہا۔ بیسیوں اجتماعات میں حضرت کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، دسیوں بار حضرت ہمارے جامعہ میں تشریف لائے، متعدد بار احقر کے غریب خانہ پر قیام فرمایا بلکہ احقر کو اللہ تعالیٰ نے ذاتی گھر کی نعمت نصیب فرمائی تو پہلے مہمان حضرت ہی تھے جن کی میزبانی کا مجھے اور میرے اہل خانہ کو شرف نصیب ہوا۔

جامعہ میں پڑھانے کے لئے بھی حضرت کی تشریف آوری ہوتی رہی، اس تعلق خاص میں حضرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، خلوت وجلوت سے آگاہی رہی، نظر عطوفت اور ڈھیروں دعائیں بھی حاصل کیں، میرے اہل خانہ کی درخواست پر حضرت نے بطور نشانی اپنا رومال اور خوشبو کا عطیہ بھی مرحمت فرمایا، یہ رومال بحمد اللہ ہمارے ہاں موجود و محفوظ ہے جسے ہم سب اپنے لئے باعث سعادت و برکت تصور کرتے ہیں، حضرتؒ کے مختصر حالات اور آپ کی ذات میں جو چند اوصاف اور کمالات جو میں نے نوٹ کیے وہ ہدیہ قارئین ہیں۔

حضرت کے والد محترم کا اسمِ گرامی حاجی اللہ بخشؒ تھا، ضلع ڈیرہ غازی خان کی تحصیل تونسہ میں مورخہ 3 رمضان المبارک 1344ھ بمطابق 18 مارچ 1926ء میں پیدا ہوئے، اس باسعادت نومولود بچے کی تعلیم و تربیت کا آغاز گھر سے ہی ہوا۔ آپ کا گھرانہ آپ کے والد محترم کی بدولت شروع ہی سے علمی اور دین دار تھا، ویسے بھی تونسہ کا علاقہ بزرگان دین اور علماء کرام کی کثرت کی بدولت تاہنوز دین داری میں دیگر علاقوں سے ممتاز ہے، چنانچہ نیکی کی رغبت اور علمِ دین سے محبت کا پیدا ہونا فطری عمل تھا، آپ کے گھرانے کی تربیت نے آپ پر ایسے گہرے نقوش چھوڑے جن کی اثرات تاحیات آپ میں موجود رہے۔

تعلیم قرآن کی سعادت حافظ محمد عثمان تونسویؒ سے حاصل فرمائی، درسِ نظامی کی تعلیم تونسہ کی قدیمی درسگاہ مدرسہ محمودیہ میں حاصل کی، صرف ونحو اور فارسی کے استاد مولانا خالق داد اور مولانا احمدؒ تھے، فقہ مولانا اللہ بخشؒ، ادب مولانا غلام رسولؒ، منطق وفلسفہ مولانا عبدالستار شہلانیؒ اور حدیث، تفسیر اور میراث کی کتب مولانا خان محمدؒ سے پڑھیں، یہیں پر دورہ حدیث کی

تکمیل بھی فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

''دو حریص کبھی سیر نہیں ہوا کرتے، اول: علم کا حریص اور دوم: دنیا کا حریص۔''

حضرت تونسویؒ یقیناً علم کے حریص تھے، آپ کو علم کی محبت، سلف سے تعلق و نسبت اور تلمذ کے شوق نے 1946ء میں سینکڑوں میل دور دارالعلوم دیوبند جا پہنچایا، غالباً حضرت کی اس وقت شادی ہو چکی تھی، مالی حالات بھی زیادہ بہتر نہ تھے۔ ازدواجی زندگی کے بعد کے تقاضوں کو کون نہیں جانتا، بایں ہمہ آپ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے، وطن اور اہل خانہ کے فراق سہتے، اندوہِ غریب الوطنی اٹھاتے اپنے اکابر کے قدموں میں جا پہنچے، دوسری بار دورہ حدیث پڑھنے کی درخواست پیش کی جسے اس تشنہ علم اور طالب نسبت کی قلبی لگاؤ کی وجہ سے قبول کر لیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند بلاشبہ ازہرِ ہند، مردم خیز، نظریہ ساز، فکر آفریں، باطل شکن اور حق نواز ادارہ ہے۔ یہاں جبالِ علم کی ایک جماعت ہر دور میں خیمہ زن رہی، یہاں ہر وقت علم کے دریا موجزن رہتے، دارالعلوم دیوبند بلاشبہ علم کا ایک ایسا بحرِ بیکراں ثابت ہوا جس سے لاتعداد ہیرے اور جواہرات نکالے گئے، علم و تحقیق کی اس جولان گاہ میں بڑے بڑے نامور اپنے جوہر دکھا کر علمی دنیا سے دادِ وصول کرتے رہے ہیں، علم و ہنر کے اس گہوارے میں علم برائے علم ہی نہیں بلکہ علم برائے عمل پڑھانے کا رواج تھا اور ہے، کسی زمانہ میں یہاں کے خادم سے لے کر شیخ الحدیث تک سبھی صاحب نسبت ہوتے تھے، دن کو علمی مذاکروں کا غوغہ ہوتا تو شب کی خاموشیوں کو ان کی آہِ سحر گاہی توڑ ڈالتی، یہاں کے باسی علم میں یکتا تھے تو عمل میں بھی بے مثال، تحقیق میں لاثانی تھے تو زہد و تقویٰ میں بھی لاجواب، اہلِ دیوبند علم و تحقیق کے مسند نشیں بھی تھے اور کردار و عمل کے دھنی بھی، وہ میدانِ تبلیغ کے شاہ سوار بھی تھے اور باطل کے خلاف سینہ سپر بھی، وہ خانقاہوں کے بوریہ نشین بھی تھے اور میدان کارزار کے سپہ سالار بھی، وہ ''منصور من اللہ'' اور خالق سے ''موید'' بھی تھے اور مخلوق میں ہر دل عزیز بھی، فقیر اتنے کہ نان شبینہ بھی میسر نہ ہوا اور مستغنی اتنے کہ باطل کی سیم وزر کی پیش کشوں کو جوتے کی نوک پر ٹھکرا دینے والے، متواضع اتنے کہ چھوٹوں کی خدمت ان کا شیوہ تھا اور خوددار اتنے کہ بڑے سے بڑے صاحب اقتدار اور

نواب کو بھی درخورِ اعتنا نہ سمجھتے۔

حضرت تونسویؒ جیسے تحقیقی مزاج عالم کا یہاں پہنچ جانا کوئی انوکھی بات نہ تھی، اکابر دیوبند کی صحبت نے اس کندن کو سونا بنا ڈالا، سیپ کو موتی اور قطرے کو دریا کر ڈالا، آپ کو دیوبند کے شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی صحبت بے بہا نصیب ہوئی، صحیح بخاری اور جامع ترمذی جیسی معرکۃ الآراء کتب حضرت مدنیؒ سے پڑھیں، سنن ابی داؤد اور شمائل ترمذی امام الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے، صحیح مسلم حضرت مولانا بشیر احمدؒ سے، سنن ابن ماجہ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ سے، سنن نسائی حضرت مولانا فخر الحسنؒ سے، موطاء امام مالک حضرت مولانا عبدالخالقؒ سے اور موطاء امام محمد مولانا عبدالحق کاکا خیلؒ سے اور طحاوی حضرت مولانا عبدالحقؒ سے پڑھیں۔

علم و تحقیق کی جستجو بھی دنیا و دولت کی طلب سے کوئی کم سرگرداں نہیں کرتی، جو اس اعلیٰ مقصد کا دھنی ہو جائے اس کے لئے ترک وطن، ترک لذات اور اہل و عیال کے فراق کی قربانی تک دے دینا آسان ہو جاتا ہے، یہ علم و تحقیق کا دیوانہ و مستانہ سال بھر دیوبند میں رہ کر علم و ادب کے بھاری بھر کم ظروف کو بھر لینے کے بعد اپنی مزید تشنگی کو بجھانے کے لئے لکھنؤ جا پہنچا، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے، سبائیت، رافضیت اور عجمی بناسپتی دین کی حقیقت تک رسائی حاصل کی، عجمی فتنے کی جانب سے قرآن کریم، سنت نبویہ اور جماعت صحابہ پر داغے گئے تیر و تفنگ کے سامنے ڈھال بن کر کتاب مقدس اور جماعت مقدس کا دفاع سیکھا، عجمی سازشوں سے آگاہی حاصل فرمائی، قدحِ صحابہؓ کے جواب میں مدحِ صحابہؓ کے گر سیکھے، ایرانی لٹریچر کو ازبر کیا، اصول اربعہ سے لے کر ملا باقر مجلسی کی کتب تک، نوراللہ شوشتری سے لے کر خمینی تک سبھی کی عباؤں اور قباؤں کے پردے ہٹا کر ان کی حقیقت معلوم کی اور پھر 1948 میں فاتحہ فراغ پڑھ کر وطن واپس آن پہنچے۔

جنوبی پنجاب کا خطہ صحابہؓ دشمنی، سلف بیزاری اور رسوم و بدعات میں لکھنؤ سے کم نہ تھا، یہاں کھلے بندوں سبِ صحابہؓ کا ارتکاب کیا جاتا، چوکوں اور چوراہوں پہ کھڑے ہو کر خلفاء اربعہ پر لعنتیں کی جاتیں، گواہانِ نبوت کو بہ تیغ دل مجروح کیا جاتا، انحطاطِ اعتقاد کا عالم یہ تھا کہ

گھوڑے کی پوجا اور ہاتھ سے بنائے ہوئے تابوت کی عبادت کو اشرف المخلوقات کہلانے والا انسان اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا، ''یا حسین مدد'' اور ''یا علی مدد'' گویا لوگو اور ماٹو بن چکا تھا، بدعملی کا یہ عالم کہ ایسے طبقے کے مقتدا اور پیشوا کی مرغوب غذا بھنگ، چرس اور شراب نوشی بن کر رہ گئی، عزاداری کے نام پر سینہ کوبی اور زنجیر زنی جیسی خودکشیوں کو ''حب حسینؓ'' کا نام دیا گیا، شکل وصورت ہندوانہ، قرآن وسنت سے بُعد اور اہل بیت اطہار کی سیرت طیبہ سے کوسوں دوری کے باوجود اس طبقے نے اہل بیت کی محبت کا ''ٹریڈ مارک'' اپنے ساتھ چسپاں کرلیا، اس طبقے کو بیوروکریسی میں موجود ہم خیال افسران، مقامی زمیندار اور جاگیردار طبقے کی مکمل سرپرستی، معاونت اور آشیرباد حاصل تھی اور ہے۔

حضرت علامہ عبدالستار تونسویؒ 1948ء میں تکمیل تعلیم کے بعد وطن پہنچے تو انہوں نے آرام وسکون پر محنت ومجاہدے کو ترجیح دی، اہل خانہ کے ساتھ وقت گزارنے پر اسفار اور ترک آرام کو پسند کیا، وہ اس بدعت وضلالت، کفروشرک کو کیونکر برداشت کرسکتے تھے، چنانچہ انہوں نے حق گوئی اور تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے میدان عمل میں کود جانے کا فیصلہ کیا، ''تنظیم اہل سنت والجماعت'' کے نام سے ایک جماعت اہل حق کی جانب سے فرض کفایہ ادا کررہی تھی، آپ نے اس میں شمولیت اختیار فرمائی اور پھر قافلہ حق کے دیگر رفقاء جن میں حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ، حضرت مولانا نورالحسن شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا قائم الدین عباسیؒ جیسے جید اور نامور علماء شامل ہیں کے ساتھ یہ فریضہ نبھانا شروع کیا، انہوں نے اس فرقہ ضالہ کی حقیقت ٹھوس اور وزنی دلائل کے ساتھ عوام کے سامنے پیش فرمائی، مسلک اہل سنت والجماعت کی حقانیت پر پہاڑ سے بھی وزنی دلائل قائم فرمائے، کتاب مقدس اور جماعت مقدس کے دفاع میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے، ملک کے کونے کونے میں ناموسِ صحابہؓ اور دفاع صحابہؓ جیسے مقدس مشن کو عام فرمایا، اس قدسی جماعت کے کارنامے، فضائل ومناقب واضح فرمائے۔

سبائی گروہ کی کتابوں سے ہی انہی کے عقائد واعمال کا ابطال کیا، انہوں نے قوم کو بتایا کہ صحابہ اور اہل بیت کا عقیدہ اور عمل بھی ایک تھا اور فکرونظر بھی ایک، وہ باہم رشتہ دار بھی تھے اور ایک دوسرے کے حب دار بھی، انہوں نے قوم کو یہ حقیقت بھی بتلائی کہ امام جعفر

صادقؒ نے نہ تو سیاہ لباس پہننے کا حکم دیا اور نہ ہی مردوں کے لیے ہاتھوں میں کنگن مشروع ہیں، نہ انہوں نے جلوسوں کا حکم دیا اور نہ ہی ماتم اور سینہ کوبی کا، انہوں نے شیعی نظریات کا پردہ چاک کیا، تحریفِ قرآن اور عقیدہ امامت جیسے غلیظ عقائد کو واشگاف الفاظ میں بیان کر کے تقیہ کا حجاب ہٹا دیا، اُن کے دلائل اتنے مضبوط ہوتے کہ کوئی مخالف ان کے سامنے تاب نہ لاسکتا، اُس مخصوص طبقے کے لوگ حضرت تونسوی کی نصیحت آمیز گفتگو سن کر ششدر رہ جاتے، کچھ کو توبہ کی توفیق بھی نصیب ہو جاتی، وہ نوحہ خانی سے قرآن خوانی کی جانب پلٹ آتے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ فریق مخالف نے اپنے ذاکروں اور نام نہاد مجتہدوں کو غیرت دلائی کہ وہ حضرت تونسویؒ کے دلائل کا جواب دیں، تب اکثریت نے تو ذلت آمیز طریقے سے چپ سادھنے کو ترجیح دی، چند ایک نے اپنے طبقہ کو مطمئن اور خوش کرنے کے لئے حضرت تونسویؒ کو چیلنج دے ڈالا، لیکن جب یہ مرد قلندر شیر میدان میں کودا تو ذاکروں اور نام نہاد مجتہدوں کے پاس گیدڑ کی طرح راہ فرار اختیار کرنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ ایک آدھ کو جب مسلک کی عزت وغیرت کے واسطے ڈالے گئے تو چار و ناچار اسے مقابلہ میں آنا ہی پڑا، لیکن وہ طفل مکتب، علم کے بحر بیکراں کے سامنے کیسے تاب لاسکتا تھا؟ نتیجتاً شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا، عینی شاہدین کا بیان ہے کہ اس معرکہ حق و باطل میں حضرت کا حریف گھبراہٹ اور پریشانی کی وجہ سے پانی کا مٹکا تک پی جایا کرتا تھا۔

حضرت تونسویؒ دورِ حاضر میں نہ صرف اہل حق کی پہچان تھے بلکہ اکابر اہل سنت و الجماعت کی زبان اور ان کے ترجمان بھی تھے، آپ کی زندگی کی جدوجہد یک جہتی نہیں بلکہ ہمہ جہتی تھی، آپ نے صرف ناموسِ صحابہؓ کے محاذ پر ہی دشمنانِ اسلام سے جنگ نہیں لڑی بلکہ اہل بدعت، اہل ہوا اور سلف بیزار طبقہ کو بھی آڑے ہاتھوں لیا، آپ جس علاقہ میں بھی تشریف لے جاتے وہاں کی ضرورت کے پیش نظر گفتگو فرماتے، انداز بیان سلیس اور دلکش ہوتا، عام فہم انداز میں مشکل سے مشکل مسائل کی گتھیاں سلجھا کر رکھ دیتے، آپ سادہ مثالوں کے ساتھ بڑے بڑے مسائل حل کر کے ذہن نشین کرا دیا کرتے تھے، آپ جس موضوع پر بھی گفتگو فرماتے، دلائل و براہین کے انبار لگا دیا کرتے تھے، آپ کے ذوق تحقیق کا عالم یہ تھا کہ پاکستان کے کونے

کو نے سے کتب کی تلاش فرمائی اور پھر ایران، عراق، شام اور سعودی عرب تک کے علاقوں کو چھان مارا، ایران وعراق سے نادرونایاب کتب خریدیں اور سعودی عرب سے عربی لٹریچر حاصل کیا، یہ کتب ہمیشہ سفر میں آپ کے ساتھ ہوتیں، کتابوں کے بھاری بھرکم بیگ ہمیشہ آپ کے ساتھ سامانِ سفر میں شامل ہوتے، تقریر سے قبل خادم میز پر یہ کتب ترتیب سے رکھ دیتے، آپ کی تقریر کے دوران ہمہ قسم سوالات کرنے کی اجازت ہوتی، لیکن یہ سوالات تحریری ہونا ضروری ہوتے، آپ ان سوالوں کے مسکت جوابات ارشاد فرماتے اور سٹیج پر بھی ان کتب سے حوالاجات نکال کر مجمع کو دکھاتے۔

آپ نے میدان تبلیغ میں تقریباً 65 برس کے طویل عرصہ تک خدمات سرانجام دیں، آپ کی تبلیغ صرف عقائد وافکار کی اصلاح تک محدود نہ ہوتی بلکہ اصلاح اعمال اور اصلاح معاشرہ کے لئے بھی آپ تاحیات کوشاں رہے، آپ کو حق تعالیٰ کی جانب سے نصف صدی قبل دورِ حاضر کے فتنوں کا گویا القاء ہوگیا تھا، اس لئے آپ نصف صدی پہلے اپنے ہر بیان میں موجودہ ظاہر ہونے والے حالات کی پیشین گوئی فرمائی اور عوام الناس کے ایمان کو لاحق خطرات سے آگاہ فرمایا۔ شاید ہی کوئی تقریر و بیاں ایسا ہو جس میں آپ نے یہ جملے ارشاد نہ فرمائے ہوں:

> ”لوگو میں گھر گھر اعلان کر رہا ہوں، بے دینی اور بے حیائی کا سیلاب آرہا ہے،
> اس سے محفوظ ہو جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے“۔

چنانچہ دنیا نے نصف صدی بعد یہ تباہ کن سیلاب دیکھ ہی لیا، اس سیلاب نے یقیناً عوام وخواص کو متاثر کیا، عزتیں، عصمتیں، حیا اور شرم سب بہا کر لے گیا، آپ اپنی تقریروں میں اسلام کے بنیادی ارکان کی تعلیم کے علاوہ معاشرتی برائیوں کا ذکر ضرور فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی تبلیغ ودعوت کی بدولت ہزاروں لوگوں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، سینکڑوں بداعتقاد لوگوں کے نظریات درست ہو گئے، بیسیوں بدکار نیکوکار بن گئے، ملک کے بہت سے ایسے قصبات اور گاؤں ہیں جن کی کلی یا اکثریتی آبادی آپ سے متاثر ہو کر صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ پابند صوم وصلوٰۃ بن گئی، ان کی نسل نو حفظ قرآن اور علم دین کی دولت

سے مالا مال ہوئی۔

حضرت تونسویؒ کو حق تعالیٰ نے زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مراتب پر فائز فرمایا تھا، آپ ماشاء اللہ کردار کے دھنی اور عمل کے غازی تھے، زندگی بھر نماز قضا نہ ہوئی، شب بیداری آپ کا دائمی معمول تھا، تلاوت قرآن کریم، روزمرہ کے اذکار و معمولات سفر وحضر میں بھی کبھی نہ چھوٹتے، دورانِ معمولات کسی سے گفتگو نہ فرماتے، طبعیت میں سادگی غالب تھی، زندگی بھر حسب سنت تہبند اور کرتہ زیب تن فرمایا، ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق سفید لباس ہی استعمال کیا، حلم اور بردباری آپ کا خاص شعار تھا، غصے میں کبھی آپے سے باہر نہ ہوئے، کچھ عاقبت نا اندیش نوجوانوں نے بعض مقامات پر آپ کی تقریر کے دوران نعرہ بازی کر کے آپ کو اشتعال دلانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے، اصول پر کبھی سمجھوتہ نہ کیا، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے تنگ نہ ہوئے، بڑی سے بڑی شخصیت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے، گویا اس شعر کا مصداق تھے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

استقامت و استقلال کے آپ گویا کہ پہاڑ تھے، مستقل مزاجی آپ کی سیرت سے سیکھی جا سکتی ہے، آپ بلاشبہ پاکستان کے تقریباً تمام علماء سے علم و عمل میں بڑے تھے، لیکن اس کے باوجود چھوٹے حضرات پر شفقت اور علم کے ناطے ان کا ادب آپ کا طرۂ امتیاز تھا، ہم جیسے حقیروں کو بھی القاب سے ملقب فرما دیتے، تبلیغ کے میدان میں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کے فلسفہ پر عمل پیرا تھے۔ بدقسمتی سے پیشہ ور مبلغین نے اس نبوی مشن کو داغدار کرنے کی کوشش کی اور بیان و تقریر کی اجرت طے کرنے لگے تو حضرت اس عمل پر شدید نفرت کا اظہار کرتے، حضرت کے مصاحبین کا بیان ہے کہ جلسہ کے منتظمین نے اگر کچھ دے دیا تو آپ نے قبول فرما لیا اور اگر کچھ نہ دیا تو آپ نے کبھی تقاضا نہیں فرمایا، آپ کے ساتھ ہمیشہ دو خادم ہوتے، ایک نعت خواں اور دوسرا ڈرائیور، ان خادمین کی خدمت بھی منتظمین جلسہ کے ذمہ ہوتی، اگر کوئی میزبان ان کی خدمت نہ کرتا تو حضرت اپنی جیب سے ان کی خدمت فرما دیا کرتے، ایفاء عہد کی ہر ممکن کوشش

فرماتے، جھوٹ اور غیبت جیسی عمومی روحانی امراض سے کوسوں دور تھے، ہمیشہ نظر و کردار کی حفاظت فرمائی، حضرت کے ایک خادم اور ڈرائیور محمد اکمل ایک عرصہ تک احقر کے ڈرائیور رہے، ان کا بیان ہے کہ حضرت ہمیشہ گاڑی اعتدال کے ساتھ بلکہ آہستہ چلانے کی تاکید فرماتے، ایک مرتبہ ایک صاحب موٹر سائیکل پر خاتون کے ساتھ سفر کر رہے تھے، ہوا کی وجہ سے خاتون کا جسم منکشف ہو رہا تھا، حضرت نے حکم فرمایا گاڑی تیز چلاؤ، میں نے گاڑی تیز کی تو پھر فرمایا کہ اور تیز چلاؤ، اس موٹر سائیکل والے سے گاڑی آگے لے جاؤ۔

حضرت دینی ضوابط پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ اصولِ صحت پر بھی ہمیشہ کاربند رہے، ہمیشہ کھانا اپنے وقت پر تناول فرماتے، اسفار کی وجہ سے عموماً کھانے کے وقت میں تقدم و تاخر ہو جاتا ہے، حضرت گاڑی میں اپنے کھانے کا انتظام رکھتے اور جب بھی کھانے کا وقت ہوتا کھانا تناول فرما لیتے، کھانے میں اپنے خدام کو بھی شریک کرتے، اپنے ہاتھ سے بوٹیاں نکال نکال کر خدام کے آگے رکھتے، کھانے میں دیسی مرغی اور بکرے کا گوشت مرغوب تھا، پھلوں میں امرود، سیب، آم اور خربوزہ پسند فرماتے، رات کو جلد سو جانے کو ترجیح دیتے، اس لئے عموماً اہل جلسہ سے رات کی تقریر سے معذرت فرما لیتے، رات کو جلدی سونا سنتِ نبوی بھی ہے اور صحت کا تقاضا بھی۔

حضرت علامہ تونسویؒ اس حدیث کے عین مصداق ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا؟ "قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ، قَالَ: "اللّٰهُ تَعَالٰى اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِي اٰدَمَ، وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهُ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَحْدَهُ" او "قَالَ" اُمَّةً وَحْدَهُ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ سب سے بڑا سخی کون ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں: فرمایا: اللہ سب سے بڑا سخی ہے، پھر میں انسانوں میں سب سے بڑا سخی ہوں، میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے جو علم حاصل کر کے اسے پھیلائے، یہ

قیامت کے دن ایک امیر یا فرمایا ایک امت کی شکل میں آئے گا"۔

رواہ البیہقی (مشکوۃ المصابیح)

آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ نے اپنے زمانہ کے جید ترین اہل علم سے کسب فرمایا، آپ نے اس حدیث پر بخوبی عمل کیا:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے اس کے نیک (یعنی ثقہ اور معتمد لوگ) اس علم (کتاب وسنت) کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ اس (علم) کے ذریعہ (آیات واحادیث میں) حد سے گزرنے والوں کی تحریف کو باطلوں کی افتراء پردازی کو اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔"

رواہ البیہقی (مشکوۃ المصابیح)

آپ سے علم حاصل کرنے والے بھی اپنے زمانہ کے ممتاز اہل علم وفضل تھے، آپ نے فراغت کے بعد سترہ سال تک باقاعدہ تدریس فرمائی، انحطاطِ علمی کی نحوست طلباء پر عیاں ہوئی تو آپ دلبرداشتہ ہوگئے، نیز تبلیغی مصروفیات بھی حد سے تجاوز کر گئیں تو آپ نے باقاعدہ تدریس ترک فرمادی۔ آپ ہمیشہ طلباء کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ وہ علم میں کمال پیدا کریں، استعداد مضبوط بنائیں، ہمہ قسم غیر علمی سرگرمیاں ترک کریں، وہ طلباء کی جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کے بھی سخت خلاف تھے، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد میں طلباء کو نصائح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"دیوبند میں دوران تعلیم ایک مرتبہ شہر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تشریف آوری ہوئی، اس زمانہ میں حضرت عثمانیؒ دیوبند چھوڑ چکے تھے، شہر کی ایک مسجد میں حضرت کی تقریر کی منادی ہوئی، دیوبند کے اکثر طلباء

حضرت کی زیارت واستفادہ کے لئے جلسہ میں چلے گئے، مجھے بھی جاتے ہوئے طلباء نے دعوت دی، لیکن میں نے یہ کہہ کر عذر کر دیا کہ میرا مطالعہ فوت ہو جائے گا، آج مجھے اس کا تو افسوس ہے کہ میں حضرت عثمانیؒ جیسے ممتاز عالم دین کی تقریر سے محروم رہا تاہم مجھے یہ خوشی ضرور ہے کہ میں جس مقصد کے لیے دیوبند گیا تھا اس مقصد میں کامیاب لوٹا۔"

باقاعدہ تدریس ترک کر دینے کے باوجود آپ کا ربط مدارس وجامعات سے قائم رہا، شعبان المعظم اور رمضان المبارک کی تعطیلات میں آپ مختلف جامعات ومدارس میں طلباء کو فن مناظرہ اور ردفرق باطلہ کی تعلیم دیتے، مدارس میں آپ سے استفادہ کرنے والے طلباء وعلماء کی تعداد ہزاروں میں ہے، بڑے شیوخ الحدیث، اساتذہ التفسیر، مفتیانِ کرام، مناظرین، مدرسین، خطباء عظام، دینی جماعتوں کے قائدین اور مختلف اسلامی تحریکوں کے محرکین کو آپ سے شرف تلمیذ حاصل ہوا، آپ ہر سال تعطیلات میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اور ملک کے دیگر جامعات ومدارس میں خصوصی کورس کرواتے رہے، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد میں تقریباً دس سال سے جاری دورہ تفسیر القرآن الکریم مع تقابل ادیان ومسالک میں بھی وہ پڑھانے کے لئے تشریف لاتے رہے۔

آپ سے استفادہ کرنے والوں میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ، حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ، حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ، حضرت مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہیدؒ، حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ، حضرت مولانا عبدالقادر آزادؒ، حضرت مولانا عطاء الرحمن شہیدؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور مدظلہ، حضرت مولانا عبدالغفار تونسوی مدظلہ، حضرت مولانا محمد عمر قریشی، مولانا منیر اختر، مولانا محمد رمضان، حضرت مولانا عبدالحمید تونسوی مدظلہ، مولانا عبدالعزیز غازی لال مسجد اسلام آباد، حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفی مدیر ماہنامہ بینات کراچی جیسے جید حضرات شامل ہیں، الحمدللہ! حضرت سے استفادہ کی سعادت راقم الحروف کو بھی حاصل رہی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت تونسوی رحمہ اللہ کو عمر طویل بھی عطا فرمائی تھی اور بری بیماریوں

سے حفاظت بھی، آپ ماشاءاللہ وفات سے چند روز قبل تک دین متین کی خدمت میں مصروف عمل رہے، آخری دنوں میں آپ کو سینہ کا انفیکشن ہوا جس سے گردن توڑ بخار شروع ہوگیا، نشتر ہسپتال ملتان میں انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں ڈاکٹر حضرات نے بحالی صحت کے لیے سرتوڑ کوشش کی، احقر بھی وصال سے نصف گھنٹہ قبل زیارت کے لئے حاضر ہوا بلڈ پریشر گر چکا تھا، نبض کمزور پڑ چکی تھی۔ مورخہ 21 دسمبر 2012ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب راہی اجل ہوگئے، اگلے روز عصر کے قریب تونسہ میں آپ کا جنازہ ہوا، لاکھوں لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور اپنے پیچھے لاکھوں عقیدت مندوں کے علاوہ 5 بیٹیاں اور 6 بیٹے سوگوار چھوڑ کر سر زمین تونسہ میں ہی آسودہ خاک ہوئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَىٰ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔

آپ کے صاحبزادوں میں مولانا عبدالغفار تونسوی، مولانا عبدالجبار تونسوی، مولانا عبداللطیف تونسوی، مولانا محمد عمر فاروق تونسوی اور حافظ حسنین احمد تونسوی اور عثمان حیدر با سلامت ہیں، مولانا عبدالرؤف آپ کے چھوٹے داماد ہیں جو ہمارے ساتھی ہیں اور پاک فوج میں خطیب ہیں۔ آپ کو اپنے نواسے مولانا عبدالحمید تونسوی پر بے حد اعتماد تھا اور آپ ان کے کام سے نہایت ہی خوش و مطمئن تھے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" صفر المظفر ۱۴۳۵ھ/ دسمبر 2013ء)

حضرت مولانا سعید احمد شاہ رائے پوریؒ کی رحلت

[سن وفات:2012ء]

مورخہ ۲۶ ستمبر ۲۰۱۲ء کو سلسلہ عالیہ رائے پور کے مسند نشین جمعیت طلباء اسلام پاکستان (JTI) کے بانی، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سابق مرکزی راہنما اور حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے جانشین اور فرزند ارجمند حضرت مولانا سعید احمد شاہ رائے پوری وصال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔

حضرت مولانا سعید احمد شاہ رائے پوریؒ ایک مضبوط عالم دین، فکری راہنما اور عالمی سیاست میں ید طولیٰ رکھنے والے دینی سکالر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مصلح اور شیخ بھی تھے، آپ ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے، اپنے والد محترم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری اور جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور کے اساتذہ کرام بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، فراغت کے بعد جمعیت علماء ہند اور قیام پاکستان کے بعد جمعیت علماء اسلام میں شامل ہو گئے۔

۱۹۶۷ء میں سرگودھا کے کالجز اور سکولز میں جمعیت طلباء اسلام کی بنیاد ڈالی جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں قائم ہو گئی اور طلباء یونینوں میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے لگی۔ جمعیت علماء اسلام کی قیادت سے اختلاف کے باعث وہ جمعیت سے الگ ہو گئے اور اپنے رفقاء کے ساتھ ایک عرصہ تک جمعیت طلباء اسلام قریشی گروپ کے نام سے جماعت کی سرپرستی فرماتے رہے، بعد ازاں انہوں نے اپنی جماعت تحریک فکر شاہ ولی اللہ قائم فرمائی، مولانا

سعید احمد شاہ رائے پوریؒ کی سیاسی فکر ۱۹۷۷ء سے ہی پاکستان کے عمومی علماء کی فکر سے مختلف ہو گئی، وہ تحریک نظام مصطفیٰ، جہاد افغانستان کے سلسلہ میں جمہور سے مختلف رائے رکھتے تھے، بایں ہمہ وہ استعمار کے سخت دشمن اور آزادی فکر کے داعی تھے، وہ عام علماء سے ہٹ کر پختہ سیاسی سوچ کے حامل تھے۔

ان کے بعض مسائل میں موقف اور فکر سے اختلاف کیا گیا۔ ملک کی مذہبی قیادت نے ان کے چند مخصوص نظریات سے اظہار برأت کیا، تاہم ان کی بصیرت اور سیاسی وانقلابی سوچ ناقابل انکار ہے، حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" محرم، صفر ۱۴۳۴ھ/ دسمبر، جنوری 13-2012ء)

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیفؒ بہاول پور، مولانا قاضی عزیز الرحمنؒ، حافظ محبوب احمدؒ، مفتی محمد اویسؒ

[سن وفات: 2012ء]

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا

"اللہ تعالیٰ بندوں سے علم اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ علم (سینوں سے) اٹھا لیا جائے بلکہ علم، علماء کے اٹھائے جانے کے ساتھ اٹھایا جائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پھر ان سے مسائل دریافت کئے جائیں گے تو وہ بغیر تحقیق کے فتوے جاری کریں گے، سو خود بھی گمراہ ہوں گے، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

(صحیح بخاری: ۱۰۰)

اسی طرح ایک حدیث شریف میں ارشاد گرامی ہے:

يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ أَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيهِمُ اللهُ بَالَةً

"چلے جائیں گے نیک لوگ ایک ایک کر کے اور باقی رہ جائے گا چھلکا، کشمش یا کھجور کے چھلکے کی طرح نہیں پرواہ کریں گے اللہ رب العزت ان کی ذرا برابر"۔

(صحیح بخاری: ۶۴۳۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر ارشادات کی طرح مذکورہ بالا دونوں ارشاد بھی من وعن

پورے ہو رہے ہیں، علماء وصلحاء دنیا سے جا رہے ہیں، جہال اور فجار کی کثرت ہوتی جا رہی ہے، ایک جانب جاہل اور گمراہ قسم کے لوگ مسند علم وارشاد پر قابض ہو رہے ہیں تو دوسری جانب بے عمل وبد عمل لوگوں کا غلبہ ہے، علماء کرام تسبیح کے دانوں کی طرح یکے بعد دیگرے دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں، اس ماہ اہل علم وفضل کو کئی حادثات سے دوچار ہونا پڑا، مورخہ 12 اکتوبر 2012ء بمطابق 24 ذیقعد 1433ھ پنجاب کے ممتاز دینی ادارہ جامعہ مدنیہ بہاولپور کے شیخ الحدیث، سینکڑوں علماء کے استاذ، آسمانِ علم وفضل کے درخشندہ ستارہ اور نہایت ہی صالح ومتقی عالم دین حضرت مولانا محمد حنیفؒ راہی اجل ہوئے، اسی روز ہی جامعہ قادریہ رحیم یار خاں کے مہتمم مولانا قاضی عزیز الرحمن داغ مفارقت دے گئے، مورخہ 13 اکتوبر 2012ء بمطابق 25 ذیقعد 1433ھ جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ حفظ وناظرہ کے قدیم استاذ ہزاروں حفاظ وقراء کو فیض پہنچانے والی ممتاز خادم قرآن شخصیت حضرت حافظ محبوب احمدؒ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، مورخہ 14 اکتوبر 2012ء کو گوجرانوالہ کے ممتاز عالم دین، دار العلوم گوجرانوالہ کے بانی ومہتمم مولانا مفتی محمد اویسؒ بھی عالم آخرت کو سدھار گئے، جبکہ مورخہ 9 اکتوبر 2012ء، پیر اور منگل کی درمیانی شب، تقریباً 12:30 بجے رات کو جامعہ ہذا کے استاذ مولانا مفتی محمد راشد ابو بکر کے والد محترم جناب پیر حاجی میاں محمد حسن بودلہؒ وفات پا گئے۔ 3/ اکتوبر 2012ء بمطابق 15 ذیقعدہ 1433ھ جامعہ حقانیہ ظریف شہید کے مہتمم مولانا قاری عبد اللطیفؒ راہی آخرت ہوئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔

مذکورہ بالا اول الذکر چاروں علمی شخصیات تھیں، حضرت مولانا محمد حنیف صاحبؒ جامعہ مدنیہ بہاولپور میں اور قاری محبوب احمد صاحب جامعہ خیر المدارس ملتان میں تقریباً نصف صدی تک خدمت علم ودین میں مصروف رہے، مولانا محمد حنیف صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے تقریباً عرصہ بتیس سال تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خدمت کا شرف بھی نصیب فرمایا اور وہ شیخ الحدیث قرار پائے، زندگی بھر تقویٰ وطہارت کے ساتھ تدریس میں مصروف رہے، بلا خوف وطمع، رضائے الٰہی کے لئے اپنے آپ کو خدمتِ علم کے لئے وقف فرمایا، وہ دار العلوم مدنیہ کے بانی حضرت مولانا غلام مصطفیؒ

اور جامعہ کے موجودہ مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمن صاحب کے دیرینہ رفیق تھے۔

حافظ محبوب احمد صاحبؒ جامعہ خیر المدارس کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کے بھی استاذ تھے، حق تعالیٰ نے زندگی کے آخری یوم تک خدمت قرآن میں مصروف رکھا، کوئی نماز بھی قضا نہ ہوئی۔ مولانا قاضی عزیز الرحمنؒ بھی سینکڑوں علماء کے استاذ اور ختم نبوت کے مجاہد تھے، رحیم یار خان شہر میں آپ کی حیثیت غیر متنازعہ عالم دین کی تھی، آپ کے فیصلے برضا ورغبت قبول کئے جاتے تھے۔

مفتی محمد اویس مرحوم نے زندگی بھر تعلیم دین اور تبلیغ دین کو اپنا مشن بنائے رکھا، اولاً تبلیغی مرکز گوجرانوالہ میں اپنے تدریسی جوہر بکھیرے، بعدہ دار لعلوم کے نام سے گوجرانوالہ میں اپنا ادارہ قائم فرمایا، اس ادارہ نے بہت کم عرصہ میں ترقی کی منازل طے کیں اور آج وہاں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم شروع ہو چکی ہے۔

جامعہ ہٰذا کے استاذ مفتی محمد راشد ابوبکر صاحب کے والد محترم پیر میاں حاجی محمد حسن بودلہ صاحبؒ نہایت ہی صالح اور متقی انسان تھے، پوری اولاد کو حافظ وعالم بنایا، علماء کی خدمت اپنے لئے اعزاز سمجھتے تھے، زندگی بھر نماز قضا نہیں ہوئی، برس ہا برس تک تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا معمول تھا، زمیندار ہونے کے باوجود خوشامد پسندی اور خوشامد پرستی سے کوسوں دور تھے، اکثر دعا فرماتے کہ میری موت اس حالت میں آئے کہ میرے بیٹے اللہ کی راہ میں کام کر رہے ہیں، زندگی کی آخری نماز بھی قضا نہ ہوئی۔ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد اور ادارہ صدائے فاروقیہ، جامعہ مدنیہ بہاولپور، مولانا محمد حنیف صاحبؒ کے پسماندگان، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ خیر المدارس ملتان کے مہتمم مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب، حافظ محبوب احمد صاحبؒ کے تلامذہ واہل خانہ، مولانا قاضی عزیز الرحمن کے جانشین مولانا قاضی شفیق الرحمن، جامعہ قادریہ رحیم یار خان، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، مفتی محمد اویس مرحوم کے اہل خانہ، دار العلوم گوجرانوالہ، مفتی محمد راشد ابوبکر صاحب اور انکے اہل خانہ اور پسماندگان سے دلی تعزیت کرتے ہیں، اور ان سب مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

(تاریخ اشاعت ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ/نومبر 2012ء)

حضرت مولانا عطاء الرحمن، دیگر علماء اور طیارہ سواروں کی شہادت

[شہادت:2012ء]

مورخہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۰ر اپریل ۲۰۱۲ء کو کراچی سے اسلام آباد آتے ہوئے اسلام آباد ائیر پورٹ کے قریب بھوجا ائیر لائن کا مسافر بردار طیارہ نا معلوم وجوہات کی بنا پر حادثہ کا شکار ہوا، اس حادثہ کے نتیجہ میں طیارے پر سوار عملہ سمیت ۱۲۷ر افراد جاں بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی۔

اس طیارہ حادثہ میں جاں بحق ہونے والے جملہ مسلمان بلاشبہ شہید ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جل جانے والے اور ڈوب جانے والے اور حادثہ میں جاں بحق ہونے والے مسلمانوں کو شہید قرار دیا ہے، اس پر مستزاد یہ ہے کہ یہ لوگ جمعۃ المبارک جیسے افضل دن میں، جمعۃ المبارک کی افضل ترین ساعت بعد نماز عصر شہید ہوئے۔ حق تعالیٰ سے امید ہے کہ حق تعالیٰ شانہ انکے ساتھ اپنے فضل کا معاملہ فرمائیں گے۔ ادارہ صدائے فاروقیہ جملہ شہداء کے پسماندگان کے ساتھ انکے غم میں شریک اور شہداء کے لیے دعا گو ہے۔ جامعہ میں اس حادثہ کے فوراً بعد خصوصی معمولات شروع کرا دیے گئے تھے اور دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔

ان شہداء میں ہمارے بزرگ دوست اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا عطاء الرحمن شہید، ان کے رفیق خاص مولانا محمد عرفان

شہید، انکی ہمشیرہ اور چند دیگر علماء کرام بھی تھے۔

حضرت مولانا عطاء الرحمن شہیدؒ نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ وہ میدان تدریس کے نامور شاہسوار، بے حد انتظامی صلاحیتوں کے حامل اور امت کا درد رکھنے والے ثقہ عالم دین تھے۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھیرنے والے خندہ رُو بزرگ نے پاکستان کے سکولز اور کالجز کے طلباء کو دین سے روشناس کرانے کے لیے تعلیم وتربیت کورس مدون کرایا جو پاکستان بھر میں سکولوں کی تعطیلات میں پڑھایا جاتا ہے، اس طرح ان کا فیض صرف علماء ومدارس کے طلباء تک محدود نہیں بلکہ ملک کے سکولوں اور کالجوں کے طلباء میں بھی ان کا فیض جاری وساری ہے۔

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد نے مولانا کی شہادت پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم وشیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب امیر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب اور جامعۃ الاسلامیہ کے بعض اساتذہ کرام کو درج ذیل خط تحریر کیا:

''بخدمت اقدس محترم ومکرم سیدی وسندی حضرت شیخ الحدیث ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب

حضرت اقدس مولانا امداد اللہ صاحب زید شرفہٗ

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد عاصم زکی صاحب مدظلہ العالی

حضرت اقدس مولانا محمد اعجاز مصطفی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت کا طالب خیریت سے ہے!

مورخہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۰ اپریل کے جانکاہ طیارہ حادثہ میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ناظم تعلیمات اور استاذ الحدیث، دینی تعلیم وتربیت کورس کے محرک ومدون، دنیا بھر کے ہزاروں علماء کے استاذ حضرت مولانا عطاء الرحمن شہید رحمۃ اللہ علیہ، اُن کے معاون وخادم حضرت مولانا محمد عرفان نوراللہ مرقدہ، انکی ہمشیرہ محترمہ رحمہا اللہ ودیگر علماء کرام اور اہل اسلام کی المناک وفات پر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی انتظامیہ، اساتذہ

اور طلباء بھی دل گرفتہ اور غم ناک ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ

یہ اندوہناک حادثہ ملک وملت کے لیے تو نقصان عظیم تو ہے ہی، ان علماء کرام کی شہادت عالم اسلام اور امت مسلمہ کے لیے بھی سانحہ عظمیٰ ہے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے عظیم سپوتوں کا یکے بعد دیگرے عالم بقاء کو کوچ کرنا رفع علم بھی ہے اور امت کی محرومی بھی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اور انکے رفقاء، ہمشیرہ محترمہ اور جہاز کے حادثہ کے دیگر شہداء کو اجر عظیم نصیب فرمائیں اور آپ حضرات اور ہم جیسے آپ کے محبین ومتعلقین کو صبر جمیل نصیب فرمائیں، آمین۔

حادثہ کی اطلاع ملتے ہی جمعۃ المبارک کی شب کو جامعہ کے طلباء واساتذہ تلاوت قرآن کریم اور نوافل میں مشغول ہو گئے اور ایصال ثواب کرتے رہے، ہم بھی دعا گو ہیں اور ان شاء اللہ دعا گو رہیں گے، جامعہ بنوری ٹاؤن دنیا بھر کے اہل مدارس، علماء کی طرح ہم سب بھی اس حادثہ سے متاثر اور غم میں برابر کے شریک وسہیم ہیں۔

اللھم اغفرلھم وارفع درجتھم فی المھدیین واخلفھم فی عقبھم فی الغابرین واغفرلنا ولھم یا رب العالمین وافسح لھم فی قبورھم ونورلھم فیھم

والسلام

(مولانا) زبیر احمد صدیقی

محمد طیب معاویہ نائب مدیر جامعہ

واساتذہ کرام وطلباء جامعہ فاروقیہ شجاع آباد''

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' رجب المرجب ۱۴۳۳ھ/ جون 2012ء)

مناظر اہل سنت والجماعت

حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی رحمہ اللہ کی وفات

[سن وفات: 2012ء]

علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت علم کا اُٹھ جانا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں علم کے اُٹھ جانے کی صورت یوں ارشاد فرمائی ہے:

> ''اللہ تعالیٰ علم کو یوں نہیں لیں گے کہ لوگوں (کے سینہ) سے علم چھین لیں، بلکہ علم علماء کے اُٹھائے جانے کے ساتھ لے لیا جائے گا حتیٰ کہ جب عالم نہ رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے، اُن سے سوالات پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''
>
> (صحیح بخاری)

ایک عرصہ سے ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح اہل علم وفضل، اولیاء وصلحاء، مشائخ و محدثین دنیا سے اُٹھتے جا رہے ہیں۔ کوئی ماہ وہفتہ ایسا نہیں، جس میں کسی نہ کسی عالم وفاضل کی وفات کی اطلاع نہ ملتی ہو۔ یقیناً یہ زمین صلحاء واولیاء سے خالی ہوتی جا رہی ہے اور فساق وفجار سے آباد ہو رہی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق لوگوں میں نیک لوگ چلے جائیں گے، پھر غلہ یا کھجور کے چھلکے کی طرح لوگ باقی رہ جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ ذرا بھی پروا نہیں فرمائیں گے۔

ہمارے رفیقِ خاص، ہم درس، ہم نوالہ وہم پیالہ مناظر اسلام مولانا محمد اسماعیل محمدی رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۲۶ ستمبر 2016ء بمطابق ۲۳ ذوالحجہ بروز پیر حرکتِ قلب بند ہونے کے

سبب خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔

مولانا محمد اسماعیل محمدی یکم جنوری 1967ء میں قصبہ حویلی بہادر شاہ تحصیل شور کوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم کا نام محمد فاضل تھا۔ آپ نہایت حسین وجمیل، زکی وفہیم، باصلاحیت وباکردار شخصیت کے حامل تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بے بہا علمی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ نکتہ دان مدرس، پُر اثر خطیب اور دندان شکن مناظر تھے، صرف ونحو کے امام، منطق وفلسفہ کے گویا حافظ تھے، احادیث وفقہ پر آپ کی گہری نظر تھی۔ مطالعہ کے رسیا اور کتاب بینی کے زبردست شوقین تھے۔

حضرتؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقہ سے حاصل کی، بعدازاں معروف علمی مرکز ڈھڈیاں، واہ کینٹ میں ایک عرصہ تک پڑھتے رہے۔ مشکوٰۃ المصابیح شیخ الحدیث مولانا نذیر احمدؒ سے جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں اور صحیح بخاری شریف، معروف محدث تلمیذ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد شریف کشمیریؒ سے 1988ء میں جامعہ خیر المدارس ملتان میں پڑھی۔ احقر سے ان کی شناسائی درجہ موقوف علیہ سے تھی، انہوں نے آخری دو درجے برادرِ کبیر مولانا مفتی محمد ارشد زید شرفہ کے ساتھ پڑھے۔ وہ ایامِ تعطیلات میں اکثر شجاع آباد تشریف لاتے اور ہم لوگ علمی مذاکروں میں مشغول ہو جاتے۔ انہی ایام میں ہم نے اکٹھے معروف ماہرِ میراث حضرت اقدس مفتی عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ سے قدیر آباد ملتان میں علمِ میراث پڑھا۔ آپ علم نحو میں اختصاص کے لئے شجاع آباد کے مضافات میں قصبہ ''قادر پور صالح'' میں معروف ماہر صرف ونحو حضرت اقدس مولانا عبدالستار رحمہ اللہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور کئی ماہ تک علم نحو پڑھتے رہے۔

فراغت کے بعد آپ شور کوٹ، کبیر والا اور لودھراں کے مختلف مدارس میں مدرس رہے لیکن ہمیشہ مہتممین سے شاکی رہے بالآخر آپ گوجرانوالہ، کامونکی میں خطابت وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے مصروف خدمتِ دین رہے۔ ایام تدریس میں ہی آپ جامعہ

خیر المدارس ملتان تشریف لائے۔ محقق العصر حضرت اقدس مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی ؒ کی خدمت میں رہ کر دعوت وارشاد میں تخصص کیا اور پھر حق تعالیٰ نے آپ سے مسلک حقہ اہل السنت والجماعت کی خدمت کا وہ عظیم کام لیا کہ ملک بھر میں آپ کی آواز سلف بیزار طبقہ کے لئے شیر کی گرج بن گئی۔ آپ نے دسیوں مناظرے کئے اور آپ کے مقابل ہمیشہ میدان میں شکست سے دوچار ہوئے۔

آخر عمر میں حبِّ اہل بیت کے غلبہ میں عشق وجنون کی حد تک پہنچ چکے تھے، اہل بیت کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے طبقے کو علمی لحاظ سے ناکوں چنے چبوائے۔ حضرت ؒ اپنی جماعت اتحادِ اہل سنت کے اجلاس میں شرکت کے لئے ملتان تشریف لائے، دنیا پور میں آخری بیان فرما کر واپس لاہور روانہ ہوئے تو راستے میں دل کی تکلیف شروع ہوگئی، لاہور پہنچتے ہی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ لاہور کے علاقہ شاہدرہ میں واقع راناٹاؤن میں جامعہ محمدیہ قائم فرمایا اور تادمِ زیست اسی میں مصروفِ خدمت رہے۔ آپ ؒ نے پسماندگان میں پانچ بیٹے، تین بیٹیاں، ایک بیوہ اور ہزاروں شاگرد سوگوار چھوڑے ہیں۔

حضرت مولانا سید علاء الدین شاہؒ کی وفات حسرت آیات

[سن وفات: 2013ء]

مجاہد ملت جامع المعقول والمنقول، شیخ الحدیث، حضرت اقدس مولانا سید علاء الدین شاہ صاحب تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مورخہ ۱۲؍صفر الخیر ۱۴۳۵ھ بمطابق 14 دسمبر 2013ء عالم آخرت کو سدھار گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ پاکستان کے مقتدر، جید، باعمل، مجاہد اور بے لوث محقق عالم دین تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا احمد دین بھی وقت کے جید علما و مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۱۳ء بمطابق ۱۳۳۰ھ ڈیرہ اسماعیل خان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے مڈل تک کی عصری تعلیم حاصل کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مڈل کے بعد علاقے کے رئیسوں اور نوابوں نے آپ کے والد محترم سے درخواست کی کہ ہم انھیں بیرسٹر آف لاء بنانے کے لیے برطانیہ بھیجنا چاہتے ہیں۔ آپ اجازت مرحمت فرمادیں۔ آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں زندگی بھر انگریز کے خلاف جہاد کرتا رہا ہوں اس لیے اپنے بیٹے کو انگریزی نہیں پڑھاؤں گا۔"

آپ کی تعلیمی سرپرستی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمائی۔ حضرت کے حکم سے آپ کو ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ نعمانیہ ملتان میں داخل کرایا گیا۔ آپ نے وسطانی درجات کے تمام فنون صرف نحو، منطق، فلسفہ، معانی، ادب، فقہ، اصول فقہ اور تفسیر وغیرہ

یہیں پڑھے۔اس کے بعد آپ کو حضرت مدنیؒ نے دارالعلوم دیو بند طلب فرمایا تو آپ نے اپنی تعلیم کی تکمیل دارالعلوم دیو بند میں کی۔دیو بند میں آپ کو حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت کی رفاقت اور ان کی خدمت کا موقع نصیب ہوا۔حضرت مدنی رحمہ اللہ کی آپ پر خصوصی توجہ تھی، آپ حضرت مدنیؒ کے دست حق پرست پر بیعت بھی ہوئے اور انھیں سے سند حدیث حاصل کر کے 1938ء میں فاتحہ فراغ پڑھا۔

۱۹۳۹ء میں وطن واپس تشریف لا کر عملی میدان میں قدم رکھا، درس وتدریس اور وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ابتداً ذریعہ معاش کے طور پر صابن کی فیکٹری چلائی لیکن اپنے مرشد شیخ حضرت مدنیؒ کے حکم پر کاروبار کو خیر باد کہہ کر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔آپ کی خداداد صلاحیتوں، عوامی اثر ورسوخ، جرأت وبہادری اور علمی رسوخ کو دیکھ کر وائسرائے ہند نے آپ کو انگریز کا ہمنوا بنانے کے لیے سوجتن کیے لیکن ناکام ٹھہرا۔آپ کے فرزند ارجمند رقمطراز ہیں:

> ”وائسرائے ہند بھی خصوصاً ڈیرہ میں آیا اور ڈپٹی کمشنر نواب فتح اللہ خان علی زئی کو حکم دیا کہ علاء الدین کو کسی طریقے سے اپنا ہم نوا بنایا جائے، بہر حال وائسرائے نے آپ کو ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں بلایا اور وہاں میز کی ایک جانب وائسرائے ہند اور دوسرے افسران بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری جانب خالی کرسی آپ کے لیے رکھی گئی تھی۔میز کے اوپر ایک بڑا کپڑا بچھا ہوا تھا، اس کے نیچے سکہ رائج الوقت کی گٹھیاں پڑی تھیں۔وائسرائے ہند نے بڑے ہمدردانہ انداز میں کہا کہ یہ دور غربت کا ہے اور اس دور میں مدارس چلانا اور غریب طلبہ کو مفت کھلانا نہایت ہی قابل تعریف اور قابل قدر کام ہے اور آپ کا مذہب کی خدمت کرنا اپنے ملک اور قوم کی خدمت ہے۔لہٰذا کچھ کاغذات پیش کرتے ہوئے کہا: یہ فیصل آباد کے علاقے میں زرعی زمین کے مربعے ہیں، قبول کر لیجیے۔اس پر والد صاحب نے پوچھا: اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے کہا: آپ صرف یہی فتویٰ دے دیں کہ تمام مسلمان کانگریسی علما سے جدا رہیں۔اس کی مراد سید حسین احمد مدنیؒ تھے۔جس پر حضرت اباجی غصے میں کھڑے ہوئے اور

میز کو لات ماری جو دوسری طرف بیٹھے ہوئے وائسرائے کے سینے میں جا لگی اور فرمایا: حضرت مدنی کے شاگردوں کو خریدا نہیں جاسکتا، آپ ہمارا ملک چھوڑ دیں! یہ کہہ کر دفتر سے باہر نکل آئے اور پیدل گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وائسرائے کی زبان سے بے ساختہ نکلا: جب تک یہ لوگ زندہ ہیں، مسلمان شکست نہیں کھا سکتے۔ فوراً ڈپٹی کمشنر بھاگتا ہوا آیا اور اپنی کار پر بیٹھنے کو کہا تو ابا جی نے انکار کر دیا اور پیدل ہی گھر پہنچے، جبکہ آپ کے والد محترم مولانا احمد دین صاحب مسجد میں آپ کے انتظار میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی فوراً فرمایا: یہ میرا بیٹا مجاہد ہے، حالات سننے کے بعد اپنے مجذوبانہ انداز میں فرمایا: بیٹا اگر دنیا چاہتے ہو تو دنیا آپ کے قدموں میں آئے گی اور اگر دین چاہتے ہو تو دین کی خدمت لی جائے گی۔ میں نے اللہ سے تیرے لیے خدمت دین مانگا ہے، بتا! تیری کیا مرضی ہے؟...... ابا جی نے عرض کیا: ابا جان! میری بھی خواہش ہے کہ اللہ اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ ابا جی نے دین کی خدمت میں فاقوں کی زندگی گزاری اور ہر موڑ پر دنیا کو ٹھکراتے رہے۔"

(الہام الباری: ج ۱، ص ۴۳)

آپ دین حق کے سپاہی بن کر قیام پاکستان سے قبل اور بعد کئی مرتبہ پابند سلاسل بھی ہوئے، جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر آپ نے تادم زیست نفاذ اسلام کی مساعی فرمائیں، تحریک ختم نبوت کے آپ جانباز سپاہی رہے۔ آپ کو ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں سزائے موت بھی سنائی گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو رہائی نصیب فرمائی۔ آپ کے صحیح بخاری کے دروس آپ کے لائق و فائق تلمیذ حضرت اقدس مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی صاحب مدظلہم (کراچی) نے الہام الباری کے نام سے شائع فرما دیے ہیں۔ آپ کا قائم کردہ مدرسہ نعمانیہ صالحیہ، آٹھ صاحبزادے، تین صاحبزادیاں اور ہزاروں تلامذہ آپ کا صدقہ جاریہ ہیں، ادارہ صدائے فاروقیہ حضرت کی وفات پر جملہ اہل اسلام کی خدمت میں پیغام تعزیت اور دعائے مغفرت پیش کرتا ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الاول ۱۴۳۵ھ/جنوری 2014ء)

مولانا قاری محمد سعید انصاری رحمہ اللہ

[سن وفات: 2013ء]

خانقاہ غفوریہ نقشبندیہ صادق آباد کے مسند نشین مرشد علماء وصلحاء، شیخ طریقت، رہبر شریعت، بہترین مصنف، خوش الحان واعظ، حضرت اقدس مولانا محمد ادریس انصاری نور اللہ مرقدہ کے جانشین، مدینہ یونیورسٹی کے فاضل حضرت مولانا محمد سعید انصاری مورخہ 6 رمئی 2013ء بمطابق 26 جمادی الاخریٰ بروز پیر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔

حضرت مولانا قاری محمد سعید انصاریؒ کو حق تعالیٰ نے گوناں گوں صفات سے متصف فرمایا تھا، آپ سلسلہ نقشبندیہ کے سرخیل، بیک وقت بہترین قاری وثقہ عالم، فاضل شیخ اور اخلاق حسنہ سے متصف خداترس انسان تھے۔ آپ نے اپنے والد محترم کے مشرب کو خوب خوب پروان چڑھایا، پاکستان اور بیرون ملک کے ہزاروں مسلمانوں نے آپ سے اصلاحی تعلق جوڑ کر خوب فیض حاصل کیا، آپ نے متعدد تحقیقی اور اصلاحی کتب ورسائل بھی تصنیف فرمائے۔ ملک کے طول وعرض میں آپ نے اپنے سلسلہ کی خانقاہیں منظم فرمائیں اور سال میں متعدد بار آپ ان خانقاہوں میں تشریف لے جاکر تشنگان فیض کو فیض یاب فرماتے۔ آپ کے سلسلہ کے مراکز صادق آباد، ملتان، ملکہ ہانس، ساہیوال، مری، فیصل آباد، مردان اور کراچی میں قائم ہیں۔

آپ ایک عرصہ سے جگر کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ اس مرض میں آپ نے بلاشبہ صبر ایوبی کا مظاہرہ فرمایا۔ غالباً یہ عارضہ سرطان میں تبدیل ہوگیا، بایں ہمہ آپ نے اپنے دینی مشاغل کو جاری وساری رکھا اور اس میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ خانقاہ کے انتظام وانصرام، مدرسے

کے اہتمام کے ساتھ ساتھ روزمرہ کے خانقاہی معمولات، تصنیف وتالیف، محافل وذکر ومراقبہ کا سلسلہ بھی آپ نے جاری رکھا۔ آپ اپنی خانقاہ میں سالانہ سہ روزہ روحانی اجتماع منعقد فرماتے جس میں بلاشبہ ہزاروں لوگ مستفید ہوتے، بیسیوں علماء اس اجتماع کی زینت بنتے، راقم الحروف کو متعدد بار اس اجتماع میں حاضری اور بیان کا شرف نصیب ہوا، علاوہ ازیں آپ ملک کے طول و عرض میں تبلیغی اسفار بھی کرتے رہے، گذشتہ سے پیوستہ سال جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے اجتماع بخاری شریف میں رونق افروز ہوئے اور وقیع اصلاحی بیان فرمایا، اسی طرح جامعہ کی شاخ دار القرآن رشیدیہ، جامع مسجد محمدی ہاؤسنگ کالونی شجاع آباد کا افتتاح بھی آپ نے فرمایا اور قیمتی نصائح سے عوام الناس کو بہرہ ور فرمایا۔

اگلے روز مورخہ 7 مئی 2013ء بروز منگل بہت بڑے گراؤنڈ میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ میں دسیوں ہزار لوگ شریک ہوئے، نماز جنازہ آپ کے خلیفہ مجاز اور خانقاہ کے موجودہ سرپرست مولانا سید لیاقت علی شاہ صاحب نے پڑھائی۔ آپ کو خانقاہ غفوریہ نقشبندیہ میں اپنے والد محترم کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ راقم الحروف اور جامعہ کے دیگر اساتذہ نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات عالیہ میں اضافہ فرمائے۔ ادارہ وجامعہ ہذا کے اساتذہ اور طلباء حضرت کے پسماندگان اور متعلقین سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" جمادی الثانی، رجب المرجب ۱۴۳۴ھ/مئی 2013ء)

مقبرۃ الاولیاء کا شہید مدفون حضرت مولانا مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور سید حسّان علی شاہؒ

[سن وفات:2013ء]

19 ربیع الاول 1434ھ بمطابق یکم فروری 2013ء صدر وفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم اور ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم کے حکم پر وفاق المدارس کے مرکزی دفتر کے ناظم مولانا عبدالمجید زید مجدہم کے ہمراہ وفاق المدارس کی نمائندگی کرتے ہوئے خان پور ضلع رحیم یار خان میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے قائم مقام رئیس دارالافتاء حضرت اقدس مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ کے جنازے میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ خانقاہ راشدیہ قادریہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا میاں مسعود احمد دین پور مدظلہم نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔ بعدازاں اہل علم وتقویٰ کے علاوہ ہزاروں لوگ سوگوار ماحول میں حضرت شہید کو دین پور شریف کے تاریخی مقبرۃ الاولیاء میں سپرد خاک کر کے گھروں کو واپس لوٹے۔ یہ وہی مقبرہ ہے جس میں حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، مولانا عبدالقادرؒ، مولانا لعل حسین اخترؒ، مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، مولانا محمد لقمان علی پوریؒ، مولانا غلام مصطفیٰؒ، میاں جی خیر محمدؒ، مولانا انیس الرحمن درخواستی شہیدؒ اور مولانا شفیق الرحمٰن درخواستیؒ کے علاوہ کئی اکابر، علماء اور صلحاء مدفون ہیں۔

خان پور کے قریب گمنام بستی دین پور نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی تحریک

ریشمی رومال کے دوران شہرت پائی۔ سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی ؒ کے خلیفہ مجاز اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ؒ کے شیخ و مرشد حضرت خلیفہ غلام محمد ؒ نے اس جنگل کو منگل بنا دیا۔ آپ کی محنت سے ذکر الٰہی اور تصفیہ قلب کا ایک مرکز اور خانقاہ یہاں آباد ہوگئی۔ اکابر دیوبند کے مزاج کے مطابق یہ خانقاہ صرف ذکر او راذکار مرکز ہی نہ تھی بلکہ علوم نبوت کا بہترین مدرسہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی مضبوط چھاؤنی بھی تھی۔ چنانچہ اس خانقاہ کو انگریزوں کے خلاف تحریک کا ایک اہم مرکز قرار دیا گیا۔

مفتی عبدالمجید دین پوری شہید کے پرنانا مولانا عبدالقادر ؒ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی ؒ کے استاد تھے، حضرت خلیفہ صاحب نے اپنی صاحبزادی کا عقد ان کے ساتھ کر دیا تھا۔ ان سے مولانا عبدالمنان صاحب ؒ تولد ہوئے جو مفتی عبدالمجید دین پوری شہید کے نانا تھے، مولانا عبدالمنان صاحب ؒ حضرت سندھی ؒ کے بھی شاگرد تھے، مولانا عبدالمنان صاحب ؒ نے اپنی صاحبزادی کا عقد نہایت ہی پارسا، متوکل اور شب بیدار عالم دین حضرت مولانا محمد عظیم بخش دین پوری ؒ سے کر دیا۔ ان کے ہاں 1951ء میں بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام عبدالمجید رکھا گیا۔ مولانا عظیم بخش ؒ کی زندگی کی تین تمنائیں اور دعائیں معروف ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نیک صالح بیوی دے، دوم اولاد نیک، صالح، دیندار اور فرمانبردار ہو اور سوئم موت حرم میں نصیب ہو جائے۔ حق تعالیٰ نے تینوں دعائیں قبول فرمائیں۔ مولانا عظیم بخش ؒ حرم میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری ؒ نجیب الطرفین تھے، گھر کا ماحول تقویٰ اور طہارت پر استوار تھا، اس لئے زہد و تقویٰ مولانا کے رگ و ریشے میں رچ بس گیا۔ ابتدائی تعلیم دین پور اور گرد و نواح سے حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جا پہنچے، محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ؒ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی ؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھی جیسے اکابر کی صحبت نے انہیں کندن بنا دیا، 1971ء میں جامعہ سے فارغ ہوئے اور وہیں سے تخصص فی الفقہ سے فراغت پائی۔ فراغت کے بعد دارالعلوم حسینیہ شہداد پور اور جامعہ اشرفیہ سکھر جیسے اداروں میں تدریس کے فرائض انجام

دیے۔اس دوران والد صاحب کے وصال کی وجہ سے گھر واپس لوٹنا پڑا اور یہاں آ کر انہوں نے مطب قائم کیا لیکن اپنا تدریسی سلسلہ بھی قرب وجوار کے مدارس میں جاری رکھا، چنانچہ مدرسہ امداد العلوم خان پور، مدرسہ احیاء العلوم ظاہر پیر اور اپنے مادرِ علمی دین پور میں تشنگانِ علم کو سیراب کرتے رہے۔

مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ جیسے گوہرِ نایاب کا اصل میدانِ عمل مادرِ علمی بنوری ٹاؤن جیسا ادارہ ہی تھا لیکن بوجوہ وہ وطن لوٹ آئے، اسی دوران آپ کو جامعہ کی طرف سے طلب کیا گیا تو آپ اپنے دنیوی کام کاج چھوڑ کر فوراً جامعہ جا پہنچے اور تاحیات قرآن وسنت کی خدمت میں مصروف رہے۔

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ کو حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالسلام صاحبؒ کے بنگلہ دیش چلے جانے کے بعد ان کا قائم مقام بنا دیا گیا، آپ سے ملک بھر کے عوام کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مفتیانِ کرام بھی استفادہ کرتے، آپ کی نظر نہایت ہی عمیق اور مزاج تحقیقی تھا، علم کے ساتھ عمل اور اخلاقِ حسنہ کی دولت سے بھی مالا مال تھے، طبیعت سادہ لیکن پروقار تھی، خندہ پیشانی سے ہر آنے والے کا استقبال کرنا ان کا وصف تھا، اکابر وسلف سے بے پناہ محبت ان کا شیوہ تھا، حضرت بنوریؒ کا تذکرہ کرتے تو آبدیدہ ہو جائے، سبق سے پہلے حضرت کے مزار پر حاضر ہو کر دعا فرماتے اور پھر درسگاہ تشریف لے جاتے، طبیعت میں اعتدال غالب تھا۔جامعہ بنوری ٹاؤن کے ساتھ جامعہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی کراچی میں بھی درسِ حدیث ارشاد فرماتے۔اسی ادارہ کے قریب ہی شہادت سے سرفراز ہوئے۔آپ کے ساتھ شہید ہونے والوں میں حضرت اقدس مولانا سیّد لیاقت علی شاہ دامت برکاتہم کو چھوٹے صاحبزادہ سیّد حسان علی شاہؒ بھی شامل تھے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند اور شہادت قبول فرمائے۔آمین۔

سید حسان علی شاہ شہید سے شناسائی عرصہ تقریباً 15 سال قبل اس وقت سے ہے جب یہ مرحوم نوجوان بالکل کم سن تھے، حضرت مولانا سید لیاقت علی شاہ صاحب مدظلہم جامعہ ہذا کے

رکن شوریٰ بھی رہے اور ہمارے خاص محب اور محبوب بھی، ان کے ایک صاحبزادے جامعہ ہذا میں ایک سال زیر تعلیم بھی رہے، اس لیے کراچی کے اکثر اسفار میں حضرت شاہ صاحب کے ہاں حاضری ہوتی تو یہ معصوم نونہال ہمیشہ استقبال کرتا۔

شاہ صاحب کی شجاع آباد آمد ہوتی تو کبھی کبھار اپنے اس عزیز کو بھی ساتھ لاتے۔ مورخہ 3 جنوری 2013ء کو راقم الحروف کراچی میں تھا، اس روز حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کے لیے برادرم الحاج محمد شاہد زکی کے ہمراہ جامعہ درویشیہ جانا ہوا تو جامعہ کے مرکزی دروازے پر اس مرحوم شہید نے ہمارا استقبال کیا، دفتر لے گئے اور چائے سے خاطر تواضع کی، ہمیشہ مسکرانے والا یہ نوجوان خاندانِ اہل بیت کے جوان بچوں کی طرح اپنے بڑوں کی خدمت کرتا ہوا جنت میں جا پہنچا۔

حق تعالیٰ ان تمام شہداء کی مغفرت فرمائے اور درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے، نیز لواحقین کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ ادارہ، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، جامعہ درویشیہ کراچی اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اس غم میں برابر کا شریک ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ/فروری، مارچ 2013ء)

حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ

[سن وفات: 2014ء]

رشد و ہدایت کی عالمگیر تحریک تبلیغی جماعت کے روحِ رواں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے نواسے اور خلیفہ مجاز، امیرِ تبلیغ مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کے خلف الرشید اور اجازت یافتہ، معروف عالمِ دین، دردمند، مشفق، مصلح، انسانیت کے خیر خواہ اور پرسوز داعی مولانا زبیر الحسنؒ بحمد اللہ نجیب الطرفین تھے علم وتقویٰ کے ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی ماحول میں نشوونما پائی۔

تعلیم کے ساتھ تبلیغ دین اور اصلاحِ نفس وتزکیہ کے دینی شعبوں میں بھی آپ نے بے مثال خدمات سرانجام دیں۔ تبلیغ کا کام تو آپ کو وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے والدِ محترمؒ تبلیغی جماعت کے آخری امیر تھے۔ آپ میں اُمت کی اِصلاح کا درد اور اِنسانیت کی ہدایت کا جذبہ موجزن تھا۔ اس لیے زندگی بھر تبلیغی وفود کی سرپرستی فرماتے رہے۔ دنیا بھر میں منعقد ہونے والے اِجتماع آپ کی ہدایات اور رقت آمیز دعا پر اِختتام پذیر ہوتے۔ آپ کے بیانات میں حق تعالیٰ نے بلا کی تاثیر رکھی تھی۔ اُن بیانات میں الفاظ کی بجائے معنویت اور معلومات سے زیادہ تاثیر ہوتی۔ بظاہر مخصوص جملوں اور الفاظ کے ساتھ مرکب بیان میں تقریباً وحدت ہوتی، لیکن ہر مقام پر الگ الگ تاثیر محسوس ہوتی۔ تبلیغی وفود کے لیے آپ کی ہدایات راہنما اُصول کا کام دیتیں۔ آپ اپنی ہدایات میں تبلیغی ساتھیوں کو اِخلاص، شفقت، محبت، جہد، زہد اور تقویٰ کی تلقین فرماتے۔ اللہ کے دِین کے لیے ایک ایک دروازہ پر دستک دینے، اہلِ ایمان کو مسجدوں میں لانے، مساجد کو آباد کرنے اور اِنسانیت کو دوزخ سے نجات دِلانے کی بھرپور تلقین فرماتے۔ اہل علم واہل مدارس کا ادب واحترام، اُن سے دعاؤں کی درخواست اور مشائخ وعلماء کی عظمت کو

واضح فرماتے۔ آپ کے والدِ محترم حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد تبلیغی جماعت کا نظام شورائی بنادیا گیا۔ چنانچہ آپ، حضرت مولانا محمد سعد دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد اظہار الحسن کاندھلویؒ پر مشتمل تین رکنی شوریٰ تبلیغی نظام کی سرپرستی کرنے لگی۔ آپ کی مقبولیت کا دائرہ مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر کے ساتھ غیر مسلموں میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ دنیا بھر میں آپ کو مسلمان عقیدت اور محبت کی وجہ سے ''حضرت جی'' کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔

تعلیم وتبلیغ کے ساتھ ساتھ آپ تزکیہ وسلوک کے دینی شعبہ میں بھی بے مثال خدمات رکھتے تھے۔ آپ کے مزاج میں تبلیغ کے ساتھ ساتھ تزکیہ، احسان وسلوک اور خانقاہی نظام بھی نمایاں تھا۔ آپ کے دستِ حق پرست پر ہزاروں لوگوں نے بیعتِ توبہ کرکے معاصی، منکرات اور کفر وشرک ترک کرنے کا عزمِ مصمم کیا۔ آپ برس ہا برس تک عالمی تبلیغی مرکز نظام الدین، دہلی میں تبلیغ کے ساتھ اصلاح وسلوک اور ذکر کی مجالس بھی منعقد کرتے رہے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو رسوخِ علمی کے ساتھ زہد وورع اور تقویٰ وطہارت کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ کثرت کے ساتھ ذکر اللہ، تلاوتِ قرآن کریم آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کثرتِ تلاوتِ قرآنِ پاک کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک مجلس میں آپ کے بارے میں حضرت شیخؒ نے ارشاد فرمایا ''میرے نواسہ نے رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساٹھ ختم کیے ہیں''۔ آپ کا معمول تھا دن کو ایک ختم اور رات کو ایک ختم کیا کرتے تھے۔ گویا کہ آپ نے امام شافعیؒ کا معمول زندہ فرمایا۔ اپنے والدِ محترمؒ کو مغرب سے عشاء تک نوافل میں دو پارے سناتے اور بعد از عشاء تراویح میں ڈیڑھ پارہ منزل تلاوت فرماتے۔ رات کو خاندان کی مستورات کو تہجد میں دس پارے سناتے۔ یقیناً یہ مجاہدہ وریاضت آپ ہی کا خاصہ تھا، نیز تقویٰ کے بغیر ان اعمال کا صدور ناممکن ہے۔

آپ کی طبیعت میں ظرافت اور خوش مزاجی نمایاں تھی۔ ہر کسی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے اور ہنس مکھ رہتے۔ مہمان نوازی، سادگی، جذبۂ خدمت، تواضع وانکساری بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ اپنے اسلاف واکابر کے صحیح جانشین تھے۔ حق تعالیٰ

نے آپ میں اپنے اکابر کی صفات ودیعت رکھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ طبیعت میں صبر وشکر غالب تھا۔ آخر عمر میں ذیابیطس کا مرض بڑھ گیا تھا۔ دیگر اعذار کے ساتھ گردے بھی فیل ہو گئے تھے۔ بایں ہمہ آپ کی شب بیداری اور آہِ سحرگاہی میں کوئی کمی نہ آئی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ پر عمل کرتے ہوئے شب بھر بے قرار رہتے۔ بے چینی کے عالم میں بستر پر اُٹھ کر بیٹھ جاتے، لمبی نماز شروع کر دیتے اور دعائیں کرتے۔ اِس طرح آپ کی رات کٹ جاتی تھی۔ آپ بیک وقت شیخِ طریقت، شیخ الحدیث اور مبلغِ اسلام تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو جامع الصفات بنایا تھا۔ یہی آپ کی خوبی تھی کہ آپ دِین کے تمام شعبوں سے متعلق رہے۔ یہی الحمداللہ ہمارے اکابر کا مزاج تھا۔

مورخہ ۱۸ مارچ ۲۰۱۴ء کو دِن بارہ بجے طویل علالت کے بعد راہی اجل ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کا رائے پوری سلسلہ سے تعلق کا عالم یہ ہے کہ آپ کو بسم اللہ بھی حضرت رائے پوریؒ نے پڑھائی اور آپ کی نمازِ جنازہ بھی مولانا افتخار الحسن خلیفہ حضرت رائے پوریؒ نے پڑھائی۔ آپ کو اپنے اکابر کے ہمراہ عالمی تبلیغی مرکز نظام الدین، دہلی ہی میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور والد مولانا محمد انعام الحسنؒ کے ہمراہ دفن کیا گیا۔

مسجد کے ایک پہلو میں بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ، ان کے جانشین مولانا محمد یوسفؒ اور ان کے جانشین حضرت مولانا محمد زبیر الحسنؒ کے مزارات موجود ہیں اور ان کی قبور کے اردگرد چھت تک دیواریں بنادی گئی ہیں، البتہ قبور والا حصہ کچا بھی ہے اور اس پر چھت بھی نہیں۔

ایک پروپیگنڈے کا جواب:

بعض اہلِ ہوا ان بزرگوں کی قبور کو مسجد کا حصہ قرار دے کر شرک وکفر کے فتوے جھاڑتے ہیں اور دنیا بھر میں ان قبور کی تصاویر سے پروپیگنڈا کر کے اہلِ تبلیغ کو بدنام کر رہے ہیں۔ چنانچہ آج سے کئی سال قبل احقر کی سفرِ عمرہ کے دوران مکہ مکرمہ میں ایک اہلِ عرب سے ملاقات ہوئی۔ تبلیغی جماعت کا ذکرِ خیر ہوا تو انھوں نے چھوٹتے ہی کہا کہ وہ تو قبوری اور مشرک ہیں

اور دلیل میں کہا کہ میں نے تصویریں دیکھی ہیں۔ ان حضرات کی قبریں مسجد کے اندر بنائی گئی ہیں اور لوگ وہاں سجدہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جھوٹ وافترا ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دراصل قضیہ یہ ہے کہ یہ مسجد پہلے چھوٹی تھی۔ اس کے ایک کنارے پر مسجد سے باہر حضرت جیؒ کی قبر بنائی گئی جو کہ مسجد کا حصہ نہ تھی اور نہ ہی یہ جگہ مسجد کی تھی۔ اس جگہ کو قبرستان کے لیے وقف کیا گیا تھا اور پھر یہیں ان کے جانشینوں کی قبریں بنتی چلی گئیں۔ بعد میں مسجد کی توسیع ہوئی تو مسجد قبرستان تک جا پہنچی۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو ہمہ قسم منکرات سے بچانے کے لیے قبرستان کے اردگرد دیواریں کھڑی کردی گئیں، لیکن قبرستان کچا اور بغیر چھت کے ہی رکھا گیا۔ لیکن افسوس کہ بدنیت لوگوں نے اس ماجرے کو بغض باطن کے اظہار کا موقع جانا اور خوب پروپیگنڈہ کیا۔

تبلیغی جماعت اور علمائے ہند:

ہندوستان کی تبلیغی جماعت کا علمائے کرام سے رابطہ اور تعلق نسبتاً زیادہ مضبوط ہے۔ یہاں اہل مدارس، اہل تبلیغ اور مرکز کے منتظمین میں کوئی ذہنی تناؤ نہیں ہے۔ علمائے کرام بھی ان حضرات کی پوری پوری سرپرستی کرتے ہیں۔ دیوبند سے واپسی پر دہلی حاضری ہوئی تو جمعیت علمائے ہند کے سربراہ حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کے معاون خصوصی جناب مولانا فضل الرحمن نے بتایا کہ پاکستان سے جناب حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ کو ہند حکومت ایک عرصہ سے ہندوستان آنے کے لیے ویزا نہیں دے رہی تھی، چنانچہ حضرت مدنی مدظلہم نے وزیراعظم ہند سے بات کرکے حضرت حاجی صاحب کا ویزا لگوایا۔

(کتاب: ''آباء کے دیس میں''، تاریخ شاعت: 2014ء)

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کا سانحۂ ارتحال

[سن وفات: 2015ء]

افغان طالبان کے سربراہ، امارات اسلامیہ افغانستان کے سابق درویش صفت حکمران، امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد کے بارے میں اچانک یہ خبر آئی کہ وہ راہی اجل ہو گئے ہیں۔ اس خبر کے آنے کے بعد افغان طالبان نے بھی اس خبر کی تصدیق کر دی کہ ان کا تقریباً عرصہ دو سال قبل انتقال ہو گیا تھا اور انہوں نے ملا محمد اختر منصور کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ جنگی حکمتِ عملی کی وجہ سے ان کی وفات کی خبر کو پوشیدہ رکھا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔

بلاشبہ ملا محمد عمرؒ کا سانحہ ارتحال اور وصال کی خبر کا افشاء ایسے موقع پر ہوا، جب طالبان اور افغان حکومت کے مابین مذکرات کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ اُن کی تحریک و جماعت، افغان مذکرات اور آزادیِ افغانستان کے لیے بہت بڑا دھچکہ ہے۔ ملا محمد عمرؒ نے افغانستان جیسے شورش زدہ اور جنگی خطہ میں جس قدر حکمت و مصلحت اور جرات و بہادری سے امن قائم کیا، دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک ایسا خطہ جس کا کلچر یہ ہو کہ پیدا ہونے والے بچہ کی ولادت کی خوشی کا اظہار اسلحہ چلا کر کیا جائے اور اسے بچپن میں جیسے کھانا کھانا سکھایا جائے ایسے ہی اسلحہ چلانا سکھلایا جاتا ہو، جہاں ہر شخص کے ہاتھ میں ہتھیار ہو۔ جس خطے میں پوری دنیا نے سویت یونین جیسی قوت کو شکست دینے کے لیے پانی کی طرح اسلحہ بہایا ہو، اس خطے سے معاشرہ میں یکسر اسلحہ ختم کر کے خطے کو پُر امن کر دینا، بڑے خاصے کی چیز ہے۔

ان کے دورِ حکومت میں اور اقتدار کے زوال کے بعد بھی ان کے اثر و رسوخ والے علاقوں میں جرائم کی شرح تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ لوگوں کے جان و مال، عزت و آبرو محفوظ رہی۔ افیون کی کاشت پر پابندی لگی۔ بہت سی آنکھوں نے صدیوں بعد شریعت کی بہاریں دیکھیں۔ کتب میں

موجود قوانین کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ بابرکت اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہوئی۔ مساجد آباد ہوئیں، خوفِ خدا پر مبنی ماحول استوار ہو گیا تھا، غریب وامیر کے لیے یکساں قانون کا عملی نفاذ ہوا۔ اسلامی مساوات واخوت کا مظاہرہ اب کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگا اور انصاف کا بول بالا تھا بلکہ انصاف انتہائی سستا تھا۔ حاکمِ وقت زمین کو فرش بنائے احکام نافذ کرتا، جبکہ اس کے ساتھ وی۔ آئی۔ پی کلچر کا خاتمہ ہوا۔ یہاں تک کہ لوگ خلافت راشدہ کے زمانہ کو یاد کرنے لگے۔

یہ سب جس شخصیت کا کارنامہ ہے، اس کا نام امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہدؒ ہے۔ ملا محمد عمر کا تعلق قندھار کے قبیلہ ہوتک سے تھا۔ آپ کے والد محترم مولوی غلام نبی تھے، جو ایک مدرسہ ومسجد میں مدرس وامام تھے۔ ملا محمد عمر اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ تین سال کے تھے کہ والدِ محترم داغ مفارقت دے گئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا سے حاصل کی، بقیہ علوم میں مہارت اور زہد وتقویٰ اپنے گرد وپیش کے اکابر کی صحبت میں سیکھا۔ سویت یونین کے زوال اور افغانستان سے بے دخل ہونے کے بعد مزاحمتی، جہادی قوتوں کے باہمی اختلاف سے دلبرداشتہ ہو کر آپ نے "تحریک طالبان" شروع کی، جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے افغانستان پر اپنا قبضہ مستحکم کر گئی۔ یوں آپ کی محنت کام آئی اور امارت اسلامیہ افغانستان تشکیل پائی۔

ملا محمد عمرؒ افغانستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی داد وتحسین وصول کر رہے تھے کہ استعماری قوتوں نے نائن الیون کا ڈھونگ رچایا اور افغانستان پر امریکہ نے نیٹو ممالک اور بعض دوسرے ممالک کی اتحادی فوجوں کے ساتھ حملہ کر دیا۔ اس کے وقت کے حکمران امیر المؤمنین ملا محمد عمر اور طالبان نے حکمتاً اقتدار سے علیدگی اختیار کرتے ہوئے ان کے خلاف مزاحمت شروع کر دی اور اس طرح آزادیِ افغانستان کی باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ طالبان کی مزاحمتی تحریک نے اس دوران خوب سبق سکھایا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ افغانستان سے سوا لاکھ فوج میں سے ایک لاکھ فوج ناکام ونامراد ہو کر واپس ہو گئی اور بقیہ فوج بھی خوف زدہ ہو کر واپسی کی باعزت راہیں تلاش کر رہی ہیں۔ یقیناً یہ طالبان کے سپریم لیڈر کی لازوال محنتوں کا نتیجہ اور قربانیوں کا ثمرہ ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ملا محمد عمر مجاہدؒ کے مشن کو کامیاب فرمائے اور ایک بار پھر امارات اسلامیہ کا پرچم لہرائے، پورے خطہ میں امن وسلامتی کا قیام ہو۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" شوال المکرم ۱۴۳۶ھ/ جولائی، اگست 2015ء)

حضرت مولانا عبدالواحدؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہؒ، حضرت مولانا عبدالبر محمد قاسمؒ اور جناب اشتیاق احمدؒ کا سانحۂ ارتحال

[سن وفات: 2015ء]

دنیا میں کسی چیز کو بقا حاصل نہیں۔ سبھی کو فنا ہونا ہے۔ باقی رہنے والی تو صرف اللہ رب العزت کی ذات عالی ہے۔ یہ نظامِ زندگی مشائخ و اہل اللہ کی برکتوں سے قائم دائم ہے۔ آہستہ آہستہ جب یہ نیک لوگ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے، تو دھیرے دھیرے دنیا سے برکت بھی ختم ہوتی جائے گی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

یذھب الصالحون الاول فالاول ویبقی حفالة کحفالة الشعیر او التمر لا یبالیھم اللہ بالة۔

"نیک لوگ چلے جائیں گے پھر غلہ یا کھجور کے چھلکے کی طرح لوگ باقی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی پرواہ نہیں کرتے۔"

(بخاری)

پچھلے چند ایام میں کئی اہل اللہ و مشائخ دنیا سے رخصت ہوئے۔ قارئین کی خدمت میں مختصراً اُن کا تذکرہ خیر پیش کیا جارہا ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔

☆۔ جامعہ حمادیہ کراچی کے مہتمم پیر طریقت رہبر شریعت عارف باللہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب 24 اکتوبر بمطابق ۱۰ محرم الحرام دنیا سے انتقال فرما گئے۔ آپ

شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ کے شاگردِ رشید تھے۔ آپ نے دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور مشاہیرِ امت سے فیض یاب ہوئے۔ مرشد العلماء حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ آپ نے جامعہ حمادیہ کی بنیاد رکھی۔ اس وقت اس کی کئی شاخیں قائم ہیں، جو دین کی ترویج واشاعت میں دین رات مصروفِ عمل ہیں۔ آپ عرصہ دو سال سے فالج کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ زندگی کی ۹۰ بہاریں دیکھنے کے بعد دنیا فانی کو خیر آباد کہہ گئے۔ حضرت کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے مولانا قاسم عبداللہ صاحب مدظلہ کو جامعہ کا مہتمم بنایا گیا ہے۔ اللہ پاک ان کے علم وعمل میں مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔

☆۔ عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر شیر علی شاہ شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک مورخہ 30 اکتوبر بمطابق ۱۶ محرم الحرام بھی دنیا سے رہی اجل ہو گئے۔ آپ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث، مجاہد ملت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وفکر کے امین، امیر المجاہدین، شیخ الواعظین اور صاحب علم وتقویٰ بزرگ تھے۔ آپ نے زندگی بھر قال اللہ وقال رسول اللہ ﷺ کے نغموں سے خلقِ خدا کو فیض یاب فرمایا۔ دین کے جملہ شعبوں تعلیم وتدریس، تبلیغ وارشاد، جہاد ومجاہدہ، تصوف وتزکیہ میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ دنیا بھر میں بالخصوص پاکستان وافغانستان میں آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ جبکہ محبین کی تعداد تو لاکھوں میں ہے۔ آپ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ خاص تھے۔ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے مجاہدین کے خدام میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ نے جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں اکابرِ امت اور عرب کے مشائخ سے کسبِ علم فرمایا۔ جب عملِ میدان میں قدم رکھا، تو پھر عربی، اردو، انگریزی، فارسی اور پشتو میں قرآن وسنت کے جوہر پارے بکھیرے۔ 2012ء میں احقر کو بھی حضرت کی معیت میں سفرِ ہندوستان کی سعادت حاصل ہوئی۔ تب حضرت کے کمالِ علم وتقویٰ کا مشاہدہ ہوا۔

☆۔ استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالبر محمد قاسم 9 نومبر بمطابق ۲۶ محرم الحرام دنیا سے

رخصت ہو گئے۔ آپؒ جامعہ قاسم العلوم ملتان کے سابق مہتمم، بیسیوں علماء کرام کے استاذ اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا، کہ مفکرِ اسلام قائد انقلاب مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ اہتمام میں اس مرکزی ادارے کے نائب مہتمم رہے۔ بعدازاں آپ کو جامعہ قاسم العلوم کا مہتمم بنایا گیا۔ آپ بے شمار صفات کے حامل شخصیت تھے۔ کم گو، مخلص اور متواضع انسان تھے۔ علماء کرام وطلباء سے محبت آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ متعدد کتب ورسائل کے مصنف تھے، زندگی بھر دین سے وابستہ رہے۔ آپ ایک عرصہ دراز سے صاحب فراش رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

☆۔ ''بچوں کے اسلام'' کے مدیر، معروف ناول نگار، نامور صحافی وکالم نگار الحاج جناب اشتیاق احمد صاحب مورخہ 17 نومبر بمطابق ۴ صفر المظفر کو رحلت فرما گئے۔ مرحوم متبعِ سنت، شب بیدار وعبادت گزار، صاحب علم وعمل، بہترین قلم کار، سنیئر صحافی، بلا کے ادیب اور ناول نگار تھے۔ آپ عالمی مجلس ختم نبوت کے مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ آپ نے آٹھ ہزار سے زائد ناول تحریر کیے۔ مضامین اور مقالہ جات کی تعداد تو اِس کے علاوہ ہے۔ آپ کی تحریر میں چاشنی، دل چسپی اور معلومات واصلاح کا عنوان غالب ہوتا تھا۔ قاری جب آپ کی تحریر پڑھنا شروع کرتا، تو ختم کیے بغیر تحریر کو نہ چھوڑتا تھا۔ آپ کو ہر طبقہ میں بے پناہ مقبولیت حاصل تھی۔ آپ کے قارئین میں بچے، جوان، بوڑھے، عالم، غیر عالم مرد وزن سبھی شامل ہیں۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعے نسلِ نو میں دین ومذہب کا احیاء کیا۔

ادارہ صدائے فاروقیہ ان جملہ مشائخ، علمائے کرام اور اہل اللہ کے وصال پر اظہار افسوس کرتا ہے۔ اور دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ اِن سب کی کامل مغفرت فرمائے اور آخرت کی تمام منازل آسان فرمائے۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' محرم الحرام، صفر المظفر ۱۴۳۷ھ/اکتوبر، نومبر 2015ء)

خطیب العصر مولانا عبدالمجید ندیم شاہؒ کا سانحہ ارتحال

[سن وفات: 2015ء]

خطیب یورپ وایشیاء، واعظ خوش الحان، قاری قرآن حضرت مولانا سید عبدالمجید ندیم شاہ مورخہ 3 دسمبر 2015ء بمطابق ۲۰ صفر المظفر اچانک حرکت قلب کی بندش سے خالق حقیقی سے جاملے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔

مولانا عبدالمجید ندیم شاہ کا آبائی علاقہ ضلع ڈیرہ غازی خان تھا۔آپ معروف خطیب مولانا عبدالکریم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی تھے۔آپ فراغت کے بعد ملتان میں اور پھر راولپنڈی میں مقیم رہے۔حق تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صفات سے متصف کیا ہوا تھا۔ آپ بہترین حافظ وقاری، ماہر و متبحر عالم دین، ماہر سخن طراز، ادیب، خوش الحان، نکتہ دان خطیب اور بلیغ انسان تھے۔زندگی بھر دنیا بھر میں توحید و سنت کے نغمے سنائے۔آپ نے اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی سعی جمیل کی۔

آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطابت کا منفرد ملکہ عطا کیا گیا تھا۔نہایت وزنی اور مضبوط موقف کے ساتھ آپ فصیحانہ انداز میں گفتگو فرماتے، الفاظ گویا آپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے۔جلسوں میں اپنے مخصوص لہجے میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، تو ایسا لگتا کہ پرندے فضاء میں آپ کا قرآن سن رہے ہیں۔سنگ دل سے سنگ دل انسان آپ کی تلاوت پر موم دل ہو جاتا۔آپ اشعار اپنے لہجے میں پڑھتے، تو مجمع وجد سے جھوم اٹھتا۔گھنٹوں متانت، بلاغت، فصاحت اور سنجیدگی کے ساتھ آپ کی گفتگو ہوتی۔توحید باری تعالیٰ کو خوب بیان

کرتے اور یوں لگتا کہ انبیاء کا وارث وراثتِ نبوی تقسیم کررہا ہے۔ آپ کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ آپ کی آواز کا سحر بچپن جوانی، بڑھاپے میں یکساں رہا۔

شاہ صاحب ایک بااصول عالم دین تھے۔ خوش پوشاکی، خوش خوراکی اور اعلیٰ سواری آپ کا ذوق تھا۔ کتاب بینی، مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ اہل سنت والجماعت کا درد آپ کے سینہ میں پیوست تھا۔ نامور خطیب وادیب مولانا عبدالشکور دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر مجلس تحفظ حقوقِ اہل سنت بنائی۔ اس جماعت نے تھوڑے عرصہ میں ملک بھر میں مقبولیت حاصل کی۔ صحابہ کرام کے تقدس، اہل بیت کی محبت وعقیدت کو گلی گلی میں عام کیا۔ ہمیشہ قانون وآئین کا احترام کیا۔ آپ کی سیاسی وابستگی جمعیت علماء اسلام تھی۔ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد، محب ومحبوب تھے۔ زندگی بھر قائد جمعیت مولانا فضل الرحمان مدظلہ سے تعلق نبھایا۔ آپ حضرت بنوریؒ کے بھی تلمیذ وتربیت یافتہ تھے۔ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظامِ مصطفی میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ شرک وبدعات کے خلاف دنیا بھر میں متین وسنجیدہ جد وجہد فرمائی۔

ہمارے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے رفیقِ خاص تھے۔ ان کی حیات مبارکہ میں تواتر کے ساتھ برسہا برس جامعہ فاروقیہ کے جلسہ میں تشریف لاتے رہے۔ آپ کی محنت سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ہزاروں نے بدعات سے توبہ کی اور سنت کی راہ اپنائی جبکہ بہت سے لوگ منہج سلف پر گامزن ہوئے۔

ادارہ آپ کے خاندان، حلقہ احباب اور امتِ مسلمہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اور دعا گو ہے اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحبؒ کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ/ دسمبر 2015ء)

حضرت مولانا محمد عبداللہ (بھکر) کا انتقال

[سن وفات:2015ء]

جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی سرپرست، جامعہ قادریہ بھکر کے بانی ومدیر، ادارہ ماہنامہ مناقب بھکر کے مدیر اعلیٰ، استاذ العلماء نمونہ اسلاف حضرت مولانا محمد عبداللہ مورخہ 11 دسمبر 2015ء کو وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور میں دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔

صلحاء، علماء، مشائخ ایک ایک کرکے اٹھتے جا رہے ہیں۔ اکابر واسلاف کے مزاج شناس، اصحاب عزیمت، اکابر کے تربیت یافتہ اور شاگرد یکے بعد دیگرے تسبیح کے دانوں کی طرح ایک ایک کرکے راہی اجل ہو رہے ہیں۔ گزشتہ کئی ماہ سے اہل اللہ کے وصال کا سلسلہ سرعت سے جاری وساری ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ سے برکت اٹھ رہی ہے اور اللہ کی زمین میں اللہ کے مطیع ومقرب بندوں کا قحط ہوتا جا رہا ہے۔ زمین ہم جیسے گنہگار، فساق وفجار سے اور معاصی سے بوجھل ہوتی جا رہی ہے۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ان چند ہستیوں میں سے تھے، جنہیں حق تعالیٰ نے تبلیغِ قرآن، اقامتِ دین، تحفظِ سنت، اشاعتِ علم، اصلاحِ خلق، تزکیہ وسلوک اور اسلامی سیاست کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ آپ توحید وسنت کے متوالے، صحابہ واہلبیت کے سچے وحقیقی عاشق، اسلاف واکابر کے مزاج اور روایات کے حقیقی امین تھے۔ زندگی بھر قال اللہ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا بلند فرمائیں۔ عقیدہ ختمِ نبوت، دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اقامتِ دین یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کے نفاذ اور اللہ کے بندوں کو اللہ

سے ملانے کی جدوجہد میں زندگی بسر فرمائی۔ تاحیات اس کارِ خیر کو نبھا کر زندگی کی ۸۰ بہاریں دیکھ کر خالقِ حقیقی سے جاملے۔

آپ کی ولادت باسعادت مورخہ ۳۰ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ بمطابق 5 مئی 1935ء میانوالی کے علاقہ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے نانا جان تلمیذِ حضرت شیخ الہندؒ، اپنے ماموں، مولانا محمد عبداللہؒ، مولانا محمد حسین، مولانا محمد صادقؒ و دیگر بزرگوں سے حاصل کی۔ جبکہ دورہ حدیث سرگودھا کے قدیم علمی مرکز جامعہ سراج العلوم میں پڑھا۔ آپ کے اساتذہ حدیث میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا غلام یسٰینؒ قابلِ ذکر ہیں۔ 1955ء میں فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ 1960ء کے قریب مدرسہ دارالہدیٰ بھکر کے مہتمم بنادیے گئے۔ 1965ء میں اپنے سلسلہ کے حضرت شاہ عبدالرحیم کے نام پر محلہ رحیم آباد کی بنیاد رکھی، جہاں بعد میں آپ نے جامعہ قادریہ قائم فرمایا۔ آپ کا اصلاحی تعلق قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ علاوہ ازیں حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ اور حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت قرب کا تعلق تھا۔ ان شخصیات سے استفادہ بھی جاری رہا۔ آپ کو بزرگوں کا کامل اعتماد حاصل تھا۔

سیاسی طور پر جمعیت علماء ہند اور مجلس احرار اسلام سے متعلق ہوئے۔ 1953ء کی تحریک ختمِ نبوت میں پابند سلاسل ہوئے۔ 1960ء میں جمعیت علماء اسلام سے منسلک ہوئے۔ جمعیت نے عائلی قوانین کے خلاف تحریک چلائی، تو جمعیت کے پلیٹ فارم پر تحریک کی قیادت فرمائی۔ 1971ء میں تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ آپ قومی اتحاد تحصیل بھکر کے امیر تھے۔ تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجہ میں بھٹو حکومت کے خاتمہ اور جنرل ضیاء الحق مرحوم کے اقتدار کے بعد حضرت مولانا فضل الرحمان کو حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اپنا سیاسی قائد بنایا اور تاحیات ان کی قیادت میں جدوجہد فرماتے رہے۔

آپ اکابر کے مزاج شناس، سلف کی روایات کے امین اور اپنے مشائخ کے

نظریات کے محافظ تھے۔ اپنی حیات مبارکہ میں ماہنامہ ''مناقب'' جاری فرما کر صحابہ واہل بیت اطہار کی مدح کے ترانے پڑھے۔ آپ کی تالیفات میں علماء دیوبند اور مشائخ پنجاب حضرت مدنی، بارگاہ رسالت اور بزرگان دیوبند شامل ہیں۔ احقر اور جامعہ کے ساتھ حضرت کا تعلق نہایت ہی ہمدردانہ وشفیقانہ تھا۔ متعدد بار طلباء کو بیان کرنے کے ساتھ حضرت نے دورہ حدیث کے طلباء کو جدید فتنوں سے آگاہی کے موضوع پر مفصل درس بھی ارشاد فرمایا۔ احقر نے یوم عاشورہ ۱۴۳۷ھ بھکر ایک اجتماع سے خطاب کرنے کے بعد آپ کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد صفی اللہ مدظلہ کی معیت میں آپ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ آمین۔

ادارہ صدائے فاروقیہ جمعیت علماء اسلام، مدارسِ اسلامیہ اور حضرت کے لواحقین، معتقدین ومتوسلین سے اظہارِ تعزیت کرتا ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ/ جنوری 2016ء)

حق گو عالم دین
حضرت مولانا محمد عبداللہ بھکروی رحمہ اللہ

[سن وفات: 2015ء]

دراز قد، بارعب نورانی چہرہ، شرمیلی آنکھیں، سر پہ سجی خانقاہی دستار، سنت کے عین مطابق طویل کرتہ اور تہبند میں ملبوس، شیریں سخن، پرتاثیر لہجہ، عالی دماغ، معاملہ شناس و معاملہ فہم، پاکیزہ کردار، اخلاق عالیہ سے متصف، باعمل عالم، تزکیہ و علم، شریعت و طریقت اور سیاست کی جامع شخصیت حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ سلف و اکابر کی بہترین نشانی تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو علماء خیر کا سرخیل اور علماء حق کا صحیح جانشین بنایا تھا۔ آپ کی زندگی اتباع سنت، اشاعت علم، تبلیغ دین، اصلاح خلق، تزکیہ نفوس، تنفیذ دین، حفاظتِ قرآن و سنت، تقویٰ و طہارت، جہاد فی سبیل اللہ اور خدمت خلق سے عبارت تھی، آپ کا مطمع نظر رضاء الٰہی کا حصول، اخلاص اور تقویٰ تھا۔ آپ نے زندگی بھر اسی مقصد کے لیے شب و روز محنت و کاوش فرمائی اور بالآخر اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہو کر پیش ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ دین کے جملہ شعبہ جات سے عملاً متعلق تھے، آپ بہترین مدرس، پرتاثیر واعظ، مدبر سیاستدان، صاحب تقویٰ شیخ طریقت، توحید و سنت کے متوالے، ختم نبوت کے سپاہی اور ناموس رسالت کے پاسبان، ناموسِ صحابہؓ و اہل بیت کے چوکیدار و محافظ تھے، آپ بہترین مصنف اور قلمکار بھی تھے، آپ جامعہ قادریہ و مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ بھکر کے مہتمم، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی سرپرست اعلیٰ، ماہنامہ مناقب بھکر کے مدیر اعلیٰ، نیز سینکڑوں مدارس کے سرپرست بھی تھے، احقر کو حضرت کے ساتھ تقریباً ۱۵ سال نیازمندی کا تعلق رہا۔ حضرت کی میزبانی اور مہمانی دونوں شرفوں کے حصول کے ساتھ آپ

کی رفاقت میں اسفار کا شرف بھی حاصل رہا۔ آپ ایک عرصہ تک جمعیت علماء اسلام پنجاب کے امیر رہے، حضرت والد گرامی مولانا رشید احمد نور اللہ مرقدہ کے ساتھ قائم ان کے تعلق کو حق والد سمجھ کر نہ صرف نبھایا بلکہ بحمد اللہ اس تعلق کو احقر نے بڑھایا۔ آپ کی رفاقت میں احقر نے جو کچھ مشاہدہ کیا، وہ ہدیہ قارئین ہے:

۱)۔ آپ ایک ثقہ، محقق عالم دین تھے، آپ کی نظر میں وسعت اور مطالعہ میں تعمق تھا۔ کتاب بینی اور مطالعہ آپ کا شغف تھا اور یہی ہر صاحب علم کا ہنر ہوتا ہے۔ آپ دور حاضر کے جوانوں کی طرح سطحی اور سرسری عالم نہ تھے، بلکہ پختہ عالم دین تھے، فتنوں پر آپ کی خاصی نظر تھی، سلف بیزار طبقے کے طریق واردت اور ان کے داؤ پیچ سے خوب واقف تھے، اس طبقہ سے نبرد آزما ہونے کا فن بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں خوب مرحمت فرمایا تھا، انہوں نے ایامِ شباب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس، ختم نبوت، آپ کی جماعت صادقہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دفاع کا اپنے مشہور زمانہ ماہ نامہ ''مناقب'' کے ذریعے خوب پرچار کیا۔ آپ کا انداز تحریر دلکش اور متوازن تھا، دلائل کے زور پر اپنی بات منوانے کا ملکہ رکھتے تھے۔ مجلہ ''مناقب'' آپ کی زندہ وجاوید تحریروں کی جولان گاہ رہی ہے، آپ کو اپنے اکابر سے منحرف ہونے والے طبقات کی بھی خوب خبر تھی جس کی وجہ ان کی خوب خبر لیتے۔ ایک زمانہ تھا کہ جماعت اسلامی کا علماء دیوبند سے شدید اختلاف تھا، اکثر حضرات کو وجوہ اختلاف اور نوعیت اختلاف کی حقیقت معلوم نہیں، اس سلسلہ میں حضرت کی تیاری خوب تھی۔ جماعت اسلامی کا اصل لٹریچر آپ کے پاس موجود تھا، دیگر فتنوں کے بارے میں بھی آپ نہایت باریک بینی سے واقفیت رکھتے تھے، ایک بار احقر کی درخواست پر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد تشریف لائے اور اساتذہ وطلباء کو اس موقع پر طویل سیر حاصل درس ارشاد فرمایا۔

۲)۔ اکابر دیوبند اور مشائخ چشتیہ کے احوال وسوانح سے گہری دل چسپی تھی۔ اپنے جملہ اکابر کی تاریخ گویا انہیں زبانی یاد تھی۔ علماء ہند کے شان دار کارنامے اور ان کا

تابناک ماضی بیان کرتے تو ہو کا عالم ہوتا۔ سامعین پر ایک وجد طاری ہو جاتا یوں محسوس ہوتا کہ ان قدسی شخصیات کے تذکرے پر نزول رحمت ہو رہی ہے، تقسیم ہند کے وہ عینی شاہد اور احوال تقسیم کے حافظ تھے، اس موضوع پر منقسم علماء کرام کے مؤقف اور تحریک پاکستان کی پوری داستان سے وہ خوب آشنا تھے، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور جمعیت علماء ہند کے تقسیم ہند کے سلسلہ میں مؤقف اور مسلم لیگ کے قائدین کو تقسیم کی صورت میں دیے گئے مشوروں کو وہ باحوالہ بیان فرماتے۔ انھیں اپنے اکابر کی تقاریر بھی زبانی یاد تھیں، خانقاہ رائے پور کے مسند نشین حضرت اقدس عبدالقادر رائے پوریؒ کی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی گستاخی کے مرتکب کے بارے میں پیشین گوئیوں کو وہ بیان فرماتے۔ الغرض اپنے مشائخ سے محبت کی بنا پر وہ اپنے اکابر کی پوری تاریخ سے واقف تھے، اس محبت کا ان کی شخصیت میں گہرا اثر بھی تھا، وہ اپنے اکابر کے اخلاص وتقوی کی عملی تصویر ہونے کے ناطے وضع قطع، طرز، بود و باش، انداز و احوال میں اکابر جیسے تھے، ہمیشہ مسنون لباس زیب تن فرمایا، تہبند، پگڑی کو اتباع سنت میں اختیار فرمایا۔ راقم الحروف ایام شباب میں جالی والی ٹوپی سر پر پہنتا۔ جب قرب بڑھا تو ایک روز احقر سے گویا ہوئے: ''یہ ٹوپی علماء کرام کے شان و وقار کے خلاف ہے، علماء کو کپڑے کی ٹوپی اور پگڑی و دستار زیب تن کرنا چاہیے'' خلوت میں ارشاد فرمایا: ''میرے نزدیک جالی والی ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا بھی کراہت سے خالی نہیں''۔ (یہ حضرت کا اپنا ایک ذوق تھا ورنہ عمومی فتویٰ اس پر نہیں) حضرت کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے احقر نے جالی والی ٹوپی ترک کر کے کپڑے والی ٹوپی پہننے کا معمول بنالیا۔

اپنے اکابر کے طرز پر دین کے لیے شب و روز محنت اور جملہ شعبہ جات میں جد وجہد بھی آپ کا خاصا تھا۔ اکثر اوقات دینی مقصد کے لیے اسفار فرماتے، باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے اسفار و اشغال کا سلسلہ جاری وساری رہا۔ طبیعت میں سادگی کے ساتھ

تواضع غالب تھی۔ صاحب کمال لوگ تواضع کے ساتھ اپنے کمال چھپایا کرتے ہیں، آپ بھی منبع تواضع تھے، اخلاص عالیہ آپ کی پہچان اور سادگی آپ کا وطیرہ تھا، طمع و لالچ سے کوسوں دور، ریاء وشہرت سے مجتنب رہتے، عام سیاسی زعماء کے برعکس شہرت پسندی سے دور اور اس سے نفرت فرماتے، جماعتی زندگی میں کارکن سے محبت اور سچائی آپ کا شعار تھا، حب جاہ اور منصب طلبی سے سخت چڑ تھی۔ جو لوگ عہدوں کے حصول کے لیے کذب بیانی، دھوکہ اور فراڈ سے کام لیتے ان کی حضرت خبر لیتے، کبھی اپنے منصب وعہدہ کے لیے لابنگ کی نہ کمپین، اس لیے بعض لوگوں کو وہ ایک آنکھ نہ بھاتے، لیکن حضرت نے اپنے اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں فرمائی۔

۳)۔ آپ کا سیاسی سنگ اکابر کی قائم کردہ جماعت جمعیت علماء اسلام کے ساتھ تھا، آپ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ کے سچے کارکن اور خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن کے دیرینہ رفیق تھے، ایک ملاقات میں احقر کو ارشاد فرمایا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود کے وصال کے بعد بدقسمتی سے جمعیت دو حصوں میں منقسم ہو گئی، ایک حصہ کی قیادت حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ فرمارہے تھے، تو دوسرے حصہ کی قیادت حضرت مولانا فضل الرحمن اور دیگر علماء فرمارہے تھے، اس موقع پر مجھے تردد تھا کہ کس حصہ میں شمولیت اختیار کی جائے تو مجھے خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ نے حکم ارشاد فرمایا کہ مولانا فضل الرحمن کا ساتھ دو۔ حضرت کا یہ حکم اس قدر تاکیدی تھا کہ مجھے تردد ختم ہوگیا۔ اس روز سے تادم مرگ حضرت مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم کے ساتھی بن کر جمعیت علماء اسلام کے لیے متحرک رہے، بعد میں حضرت درخواستی نے مولانا فضل الرحمن کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان سے مصالحت فرمائی تو حضرت کی مسرت وخوشی دیدنی تھی، کیونکہ آپ کو حضرت درخواستی سے بھی بے حد عقیدت تھی۔

جمعیت علماء اسلام کے آپ ضلعی، پھر صوبائی اور آخر میں مرکزی عہدیدار مقرر کیے گئے، انہوں نے مقدور بھر جمعیت کی خوب خدمت فرمائی اور قریہ قریہ پیغام "اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کیے بغیر پاکستان کی نہیں ہوگی" پہنچایا۔ احقر نے حضرت کو شجاع آباد اور جلال پور پیر والا کے متعدد دورے کروائے اور جمعیت کے یونٹ قائم کروائے۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ علماء کرام کی سیاسی قوت کے بغیر پاکستان میں اسلام کا تحفظ ممکن نہیں، اس لیے شریعت وطریقت کے ساتھ علماء کو سیاست اسلامی کی ترویج میں بھی کردار ادا کرنا چاہیے۔ آپ نے ضلع بھکر سے ۱۹۷۰ء صوبائی نشستوں پر ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کے ٹکٹ پر بھکر کی قومی اسمبلی کی نشست اور ۱۹۹۰ء میں دریا خان سے قومی اسمبلی کی نشست پر الیکشن لڑا، آپ نے ضلع بھکر سے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء میں پہلے قومی پھر صوبائی نشستوں پر الیکشن میں حصہ لیا پھر متحدہ مجلس عمل کے قیام پر اپنے صاحبزادے مولانا صفی اللہ کو قومی اسمبلی کا الیکشن لڑوایا، جس میں آپ نے علاقہ کے جاگیرداروں کو للکارا اور کثیر تعداد میں ووٹ حاصل کیے، لیکن روایتی دھاندلیوں کی وجہ سے آپ کے صاحبزادہ کو علاقئی جاگیرداروں نے انتظامیہ کی سرپرستی میں شکست دے کر مینڈیٹ چرالیا۔

۴)۔ آپ راہِ عشق خداوندی اور احسان وسلوک کے بھی پکے وسچے راہی تھے، ہندوستان کی مشہور ومرکزی خانقاہ رائے پور کے سجادہ نشین حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے دست حق پرست پر آپ نے بیعت فرمائی اور ان سے کسب فیض فرماتے رہے، آپ کو اپنے شیخ اور شیخ الشیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری سے بے حد عقیدت ومحبت تھی۔ آپ نے اپنے شیخ کے نام پر اپنے مدرسہ کا نام "جامعہ قادریہ" اور اپنے شیخ الشیخ کے نام پر محلہ کا نام رحیم آباد رکھا۔ آپ نے اپنے شیخ کے ملفوظات بھی "ارشادات رائے پوری" کے نام سے تالیف فرمائے، اپنے شیخ کے وصال کے بعد حضرت رائے پوری کے خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ سے بیعت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے بارگاہ رسالت اور بزرگان دیوبند کے نام سے

رسالہ تصنیف فرما کر اکابر دیو بند کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے واقعات جمع فرمائے، اسی طرح آپ نے علماء دیو بند پر اس الزام کی تردید فرمائی کہ علماء دیو بند پیروں اور بزرگوں کی عظمت کے قائل نہیں اور وہ خانقاہی نظام کے مخالف ہیں، اس کے لیے آپ نے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی، جس کا نام "علماء دیو بند اور مشائخ پنجاب" تجویز فرمایا۔ اس کتاب میں آپ نے علماء دیو بند پنجاب کی مشہور خانقاہوں کے سجادہ نشین اور مسند نشینوں سے تعلق اور روابطے، فریقین کے باہمی الفت ومحبت اور اعتماد کو مدلل انداز سے بیان فرمایا۔

بلاشبہ حضرت مولانا محمد عبداللہ حصر حاضر کی عدیم المثال شخصیت تھے، جنہیں اللہ تعالی نے اپنے دین کی خدمت اور دین کے جملہ شعبوں کی رکھوالی کے لیے منتخب فرما کر توفیق خیر عطا فرمائی تھی، زندگی کی تقریباً ۸۰ سے زائد بہاریں انہوں نے وجاہت وشرافت کے ساتھ خدمت دین متین میں صرف کیں اور بالآخر اللہ تعالی کے پاس چلے گئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

نابغۂ روزگار شخصیت حکیم العصر،

مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ

[سن وفات: 2015ء]

استاذ العلماء، حکیم العصر، شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی ان معدودے چند شخصیات میں سے ایک تھے، جنہیں حق تعالیٰ نے دین متین کی صحیح ترجمانی، اشاعت حق، خدمت خلق، اتباع سنت اور تبلیغ اسلام کے لیے چن لیا تھا، آپ نے اپنی 84 سالہ حیات مبارکہ میں اَنمٹ علمی، عملی، اصلاحی، تبلیغی، جہادی اور رفاہی نقوش چھوڑے۔ اخلاق محمدی، امن ومحبت، خیر خواہی، رائے کی درستگی، عاجزی وانکساری، اخلاص وللّٰہیت، علمی ذوق، عمل کی پختگی، استقلال و استقامت، جرأت وبہادری، حکمت وبصیرت جیسی صفات آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ آپ زوردار خطیب، صاحب شعروسخن، طرح دار ادیب، بہترین معلم واستاذ اور اعلیٰ صفات کے حامل قائد اور بہترین معلم بلکہ معلم گر بھی تھے، غضب کے ذہین، بلا کے معاملہ شناس، دور اندیش اور شخصیت شناسی کے ماہر انسان تھے ان جملہ کمالات کے باوجود اپنے آپ کو چھپانا اور دوسروں کا تفوق وبڑائی کا اظہار آپ کا وطیرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ولادت سے وفات تک آپ کو اپنی بے پناہ نعمتوں سے مالا مال فرمایا تھا۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے مشہور شہر لدھیانہ میں 4 جون 1934ء میں پیدا ہوئے، آرائیں فیملی کے زمیندار گھرانے میں آپ نے آنکھ کھولی، گردوپیش کا ماحول تعلیمی اور روشنی پر مشتمل تھا۔ شعور کی وادی میں قدم رکھتے ہی آغاز تعلیم ہوگیا، اپنے آبائی علاقہ میں ہی عصری تعلیم شروع فرمادی، قیام پاکستان کے وقت

1947ء میں آپ مڈل کر چکے تھے اگر چہ مڈل کا امتحان قیام پاکستان کے بعد پاس کیا، لاکھوں فرزندان توحید کی طرح آپ بھی اپنے خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور شورکوٹ میں سکونت فرمائی، پاکستان میں آپ نے فیصل آباد کے نواحی علاقوں موروثی والا، روشن والا میں ابتدائی دینی تعلیم کا آغاز فرمایا۔

روشن والا میں آپ کے استاذ محمد طفیل صاحب معروف علمی شخصیت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمدؒ کے بڑے بھائی تھے۔اس سے قبل آپ نے بنیادی تعلیم جامعہ ربانیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں حاصل فرمائی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ملتان کے معروف دینی تعلیمی ادارے جامعہ قاسم العلوم ملتان تشریف لائے، یہاں آپ کو مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، دارالعلوم دیو بند کے سابق مدرس مولانا عبدالخالقؒ، مولانا علی محمدؒ جیسے اساطین امت کی صحبت میسر آئی، ان اکابرین امت کی صحبت نے سونے کو کندن بنا دیا، آپ نے اپنے مشائخ واساتذہ سے اپنے اکابر کا علمی ذوق، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ، اعلاء کلمۃ اللہ، تزکیہ وتصوف، تبلیغ دین، تعلیم وتعلم اپنے اندر جذب کیا۔

آپ کو اپنے مشائخ واسلاف سے بے پناہ محبت تھی یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے اکابرین کی نسبتوں کے امین بن کر ابھرے۔زمانہ طالب علمی سے ہی آپ کے علمی کمالات نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے، آپ کے رفقاء میں شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد، شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید انور ساہیوال، مولانا ضیاء القاسمیؒ، شیخ الحدیث مولانا ظریف احمد، ہمارے والد محترم مولانا رشید احمدؒ جیسے علماء شامل تھے۔آپ اپنے رفقاء میں نمایاں بھی رہے اور سب کے محب ومحبوب بھی، وہ حلقہ یاراں میں ابریشم کی طرح نظر آتے۔

1955ء میں آپ نے جامعہ قاسم العلوم ملتان سے فاتحہ فراغ پڑھا اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔آپ نے نصف صدی سے زائد جامعہ نعمانیہ کمالیہ، جامعہ قاسم العلوم ملتان، دارالعلوم کبیر والا اور جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا میں قال اللہ وقال الرسول کے نغمے سنائے، حق تعالیٰ نے آپ کے درس میں کمال کے عجائبات رکھے تھے، آپ کا انداز تفہیم نرالا ہوتا تھا مشکل سے مشکل مباحث آپ منٹوں میں اس طرح سمجھا دیتے کہ یہ مباحث طلباء کے

قلوب پر نقش ہو جاتیں، آپ کا انداز تدریس غیر روایتی اور تحقیقی تھا، پورے وثوق کے ساتھ مطالعہ کر کے پڑھاتے تو یوں محسوس ہوتا کہ علم کے بادل گرج اور برس رہے ہیں۔ آپ کے اندر طلباء پر رأفت اور شفقت کا غلبہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ آپ پر پروانوں کی طرح فدا ہوتے، آپ طلباء کے دکھ، سکھ کا خیال فرماتے، نادار طلباء کی اعانت فرماتے، مجبور اور بے بس طلباء کے گھروں میں جا کر ان کی علمی رکاوٹوں کو دور فرماتے۔ کئی ایک ذہین اور باصلاحیت طلباء کو اپنی سرپرستی میں لے کر انہیں وقت کا شیخ اور ماہر بنایا۔

آپ کے اسباق میں طلباء کی فکری تربیت اور عملی ذہن سازی شامل ہوتی۔ آپ بلاشبہ ایک فکر ساز شخصیت تھے۔ ذہن سازی میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ نظریات میں تصلب اور صحیح نظریات کا تحفظ آپ کا مشن تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو تفسیر قرآن اور حدیث میں مہارت کا جو ملکہ عطا کیا تھا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ آپ کے تفسیری دورس درجنوں تفسیروں کا نچوڑ اور حدیث کے اسباق اپنی مثال آپ ہیں، بلا کی قوت استدلال اور استنباط کے ذریعہ ہر مسئلہ کا حل نکال لیتے۔ ذہنی قوت کا یہ عالم تھا کہ ہر مشکل سے مشکل مسئلہ پوچھنے پر نہ صرف حل بتاتے بلکہ اس کا مأخذ بھی ارشاد فرماتے، آپ نے اپنی زندگی میں ہزاروں تلامذہ کو زیور علم سے آراستہ فرمایا آپ کے تلامذہ بلکہ تلامذہ کے تلامذہ منصب شیخ الحدیث اور منصب افتاء پر فائز ہیں۔

علم بلا عمل وبال جان اور محض ایک رسم ہے، حق تعالیٰ نے آپ کو علم کے ساتھ زہد و تقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ آپ کے معمولات کی فہرست طویل ہے چند ایک ہدیہ قارئین ہیں۔

۱)۔ شب بیداری آپ کا دائمی معمول تھا، رات کے پچھلے پہر نماز تہجد کے ساتھ آہ وزاری اور دعائیں غافلوں کو بھی اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی تھیں، نوافل کی کثرت اور مسجد میں سب سے اول آنا سب سے آخر میں جانا آپ کو جوانی میں نصیب تھا۔

۲)۔ لمبی دیر تک ذکر اللہ اور اور اد و وظائف آپ کا معمول تھا، دلائل الخیرات اور حزب الاعظم، تلاوت قرآن کریم اور تسبیحات، صبح وشام کی ادعیہ واذکار کو سفر و حضر میں کبھی

ترک نہ فرماتے اور بعد نماز مغرب حزب البحر کے وظیفہ پڑھتے۔

۳)۔ ہمیشہ حرام اور مشکوک مال سے اجتناب فرمایا۔

۴)۔ غیر شرعی مجالس میں کبھی شرکت نہیں کی۔

۵)۔ خلاف سنت امور سے ہمیشہ اجتناب فرمایا اور خلاف سنت عمل پر فوری گرفت فرماتے خواہ سامنے کتنی ہی با اثر شخصیت کیوں نہ ہوتی۔

۶)۔ زندگی بھر کسی سرکاری میٹنگ میں شرکت نہ فرمائی، ہمیشہ فرماتے کہ میں حکمرانوں سے دور رہنا پسند کرتا ہوں، ماضی قریب میں حکومت نے طالبان پاکستان کے ساتھ مذاکرت کا فیصلہ کیا تو ملک کے جید علماء سے اسلام آباد آنے کی درخواست کی گئی، چنانچہ آپ کی خدمت میں دو اعلیٰ فوجی افسران آئے اور دن بھر جامعہ اسلامیہ باب العلوم میں آپ کی منت وسماجت کرتے رہے، لیکن آپ نے معذرت فرمالی۔ یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نسبت کا آپ کی جانب انتقال تھا، امام صاحب نے بھی عہدہ قبول کرنے سے انکار فرمایا تھا۔ زندگی بھر منصب وعہدہ سے مجتنب رہے اس لیے جس ادارہ میں کام فرمایا اس کا اہتمام بھی قبول نہ فرمایا، آپ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی صدارت کی پیش کش کی گئی آپ نے اس سے معذرت فرمائی۔ گویا آپ محبّ جاہ اور حب مال دونوں سے محفوظ تھے پورے ملک میں تلامذہ ومریدین کی کثرت کے باوجود آپ نے نہ ذاتی مکان بنایا اور نہ ہی جائیداد ورقبہ، نہ کاروبار کیا اور نہ ہی مال جمع کیا، آپ مدارس وجامعات کے اساتذہ اور علماء کے لیے غیر ضروری خوش عیشی کو سخت ناپسند فرماتے۔ 5 سال قبل رفیقہ حیات داغ مفارقت دے گئیں تو مدرسہ سے تنخواہ لینا چھوڑ دیا۔ ہدایا کے ذریعہ جو کچھ جمع ہوتا وہ بھی راہِ خدا میں صرف فرمادیتے۔ آپ کا نہ کوئی ذاتی اکاونٹ تھا اور نہ ہی مال ودولت۔ درویشی اور فقیری آپ کا شیوہ تھا۔

راہ سلوک میں آپ سلسلہ رائے پور کے شہرہ آفاق بزرگ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور زندگی بھر ان کی صحبت سے فیض یاب

ہوئے۔ان کے وصال کے بعد ان کے جانشین مولانا عبدالعزیز رائے پوری اور پھر حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور انہیں سے خرقۂ خلافت حاصل فرمایا، ان کے وصال کے بعد ان کے جانشین ٹھہرے اور دنیا بھر سے آپ کے دست حق پرست پر علماء وصلحاء نے بیعت کی، سلسلہ رائے پور جہاد وتبلیغ میں بھی نمایاں رہا ہے، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہٗ تک مجاہدین ومبلغین حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلفاء ہیں۔آپ کی جانب یہ نسبت منتقل ہوئی تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت کا سہرا بھی آپ کے سر سجایا گیا اور آپ نے تاحیات اس فرض کو نبھایا۔آپ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے والہانہ عقیدت ومحبت فرماتے، پاکستان میں آپ مدنی نسبت کے حقیقی وارث سمجھے جاتے تھے، جبکہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علوم وفیوض کے آپ زبردست خوشہ چین، مداح اور ترجمان تھے، حضرت تھانویؒ کے ملفوظات آپ کو ازبر تھے، اکابر پر اعتماد اور اکابر کا احترام آپ کی گھٹی میں شامل تھا، آپ اپنے اکابر کی سوانح وحالات سے پوری طرح باخبر تھے، گذشتہ سال سفر ہندوستان میں حضرت کی معیت میں دہلی، دیوبند، نانوتہ، گنگوہ، سہارن پور، اور رائے پور کا سفر ہوا، ہر ایک مقام پر اس مقام اور اس مقام کے اکابرین کا مکمل تذکرہ فرمایا، ان اکابرین کے حالات سنا کر اپنے مصاحبوں کو عش عش کرنے پر مجبور فرما دیتے اور اس سفر کے جملہ رفقاء حضرت کے وسعت مطالعہ اور حفظ ویادداشت پر انگشت بدندان ہوتے۔آپ اور آپ کے رفقاء کا دارالعلوم دیوبند میں تاریخی استقبال کیا گیا، جو سب کے لئے ایک بڑا اعزاز تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت بھی آپ کا خاصہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر کے جملہ مقامات آپ کے غزوات اور اسفار جہاد، مقامات سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے حالات آپ کو زبانی یاد ہوتے، مسجد نبوی میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر دعا کرتے: اے اللہ اس منبر سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علوم پھیلائے مجھے وہی صحیح علوم عطاء فرما اور اکثر شمائل ترمذی کی روضۂ رسول کے جوار میں تلاوت فرماتے۔ایک

مرتبہ خواب میں اپنے آپ کو بڑے کرتہ میں ملبوس دیکھا تو خوش ہو گئے کہ حدیث میں کرتہ کی تعبیر دین کے ساتھ ہے گویا اشارہ تھا آپ کو مکمل دین نصیب ہوگا۔

سفر حرمین میں آپ کے مصاحبین ورفقاء کے بقول آپ ایک ایک جگہ کے بارے میں احادیث میں آنے والے واقعات کا تذکرہ فرماتے اور وثوق کے ساتھ آگاہ فرماتے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وواقعات سے حرمین کے باسی بھی اس قدر واقف نہیں جتنے حضرت واقف تھے۔آپ زندگی کے آخر لمحات میں عقیدہ ختم نبوت اور مدارس کے تحفظ کے لیے کوشاں تھے، وصال سے دوروز قبل مؤرخہ 29 جنوری 2015ء بروز جمعرات جامعہ فاروقیہ شجاع آباد تشریف لائے، اور مدارس ومساجد سے متعلقہ تقریباً پانچ صد علماء کرام کے سامنے "مدارس ومساجد کا تحفظ اور ہماری ذمہ داریاں" کے عنوان سے خطبہ صدارت پیش فرمایا، یکم فروری 2015ء کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر ملتان میں مدارس کے تحفظ کے عنوان پر خطاب فرمایا۔حکومت پاکستان کی مذہبی طبقہ اور مدارس کے ساتھ زیادتیوں پر سخت دل گرفتہ اور نالاں تھے۔

احقر سے زندگی کا آخری جملہ ارشاد فرمایا کہ حکمرانوں کو ان کے طرزعمل پر جھنجوڑا جائے، وصال سے کچھ دیر قبل زوردار خطاب فرمایا جس میں کثرت سے احادیث کی تلاوت کیں، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر احادیث کی تدریس فرما کر آخری لمحہ بھی حدیث کی تلاوت کرتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔آپ نے عرصہ پچپن سال حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھائی، یہ آپ ہی کا اعزاز ہے۔حکومتی ظلم پر احتجاج کرتے ہوئے اللہ کے دین پر امر ہو گئے۔

کڑے سفر کا تھکا مسافر تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے\
خود اپنی آنکھیں تو بند کرلیں ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

مؤرخہ 10 ربیع الثانی 1436ھ بمطابق یکم فروری 2015ء بروز اتوار بیان سے فراغت کے چند منٹ بعد کرسی صدارت پہ تشریف فرما تھے کہ دل کا دورہ پڑا ہسپتال جانے تک اللہ تعالیٰ کو جان دیدی، باوجودیکہ آپ ایک عرصہ سے بیمار تھے، مختلف امراض آپ کو لاحق

تھیں مگر نہ کسی ایک وقت کی نماز قضاء ہوئی نہ کوئی معمول ترک ہوا، اسی روز سبق بھی پڑھایا، ایک جنازہ کی امامت بھی فرمائی۔ راقم الحروف اور کئی علماء سے تبادلہ خیال بھی کیا، معمول سے ہٹ کر خطاب بھی فرمایا اور اذانِ ظہر ہوتے ہی عرش الٰہی کے سایہ میں پہنچ گئے۔

اگلے روز کہروڑپکا میں آپ کا تاریخی جنازہ ہوا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، نماز جنازہ سے قبل وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا عطاء المومن شاہ بخاری، مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا عبدالکریم ندیم اور راقم الحروف نے حضرت کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ تقریباً ایک لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ ادا کی۔ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کے متصل حسب وصیت آپ کو دفن کیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ/ جنوری، فروری 2015ء)

حکیم العصر، شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ کمالات، علمی نکات

[سن وفات: 2015ء]

میرا ان سے رابطہ و تعلق کوئی ایک دو برس کی بات نہیں، بلکہ ان کی زیارت، محبت و رفاقت تو مجھ بے کار کو بچپن سے ہی نصیب ہوئی، ان کی ہمارے مدرسہ اور گھر میں تشریف آوری اس لیے بھی ہوتی تھی کہ وہ ہمارے والد محترم حضرت مولانا رشید احمدؒ کے ہم درس اور ہم مکتب تھے۔ یہ دونوں رفیق زمانہ طلب علم سے ایک دوسرے سے رابطہ میں تھے اور ایک دوسرے کے امور میں معاون و ممد بھی۔ میرے والد محترمؒ کی زندگی اپنے اسلاف و مشائخ کے مسلک کے تحفظ میں گزری۔ انہیں محاذ آرائیوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، وہ باوجود قلتِ اسباب اور افراد کے دلائل کی قوت سے ڈٹے رہے، باوجود فقر و سادگی کے کبھی پسپا نہ ہوئے، علمی طور پر انہیں نئے نئے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا، ان کے علمی معاون حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ ہوتے۔

ان سے رابطہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ہمارے استاد حضرت مولانا قاری صدر الدین رحمہ اللہ اور ان کے اور میرے استاد حضرت مولانا محمد اشرف شاد رحمہ اللہ کے بھی استاد تھے۔ ان نسبتوں میں دورۂ حدیث کے سال اضافہ ہوا کہ وہ میرے حدیث کے شیخ حضرت مولانا نذیر احمدؒ کے محب و محبوب اور ہم درس تھے، اس نسبت سے ان کا آنا جانا حضرت کے ہاں بھی کثرت سے تھا۔

تعلیمی فراغت کے بعد احقر کا ابتدائی عرصہ تدریس حضرت اقدس مولانا اشرف شاد رحمہ اللہ کی صحبت و معیت میں گزرا، اُن کا حضرت حکیم العصرؒ کے ساتھ تعلق خاص بھی احقر کے تعلق میں اضافہ کا سبب بن گیا۔

1990–91ء میں شجاع آباد اپنے مدرسہ میں تدریس کا آغاز کیا تو اول و آخر انہی کو

احقر اور احقر کے والد محترم حضرت مولانا رشید احمدؒ نے مدرسہ کا سرپرست بنادیا، وہ امتحانات کے لئے تو پہلے سے ہی تشریف لاتے تھے اب ان کی خدمت میں حاضری اور ان کی شجاع آباد تشریف آوری اور پھر 1998ء میں جب باقاعدہ جامعہ کی مجلس شوریٰ کی تشکیل ہوئی تو حضرتؒ کا اسم گرامی اس میں نمایاں تھا، اور پھر تعلق میں کمال اس وقت پیدا ہوگیا جب میرے شیخ ثانی حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ کا وصال ہوا تو احقر نے آپؒ کے دستِ حق پرست میں اپنا ہاتھ دے کر ان سے بیعت توبہ وطریقت کی، اور پھر یہ تعلق حضرتؒ کے وصال تک دراز ہوتا چلا گیا۔

اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ حضرت کے ساتھ تعلق جوڑنے کے بعد ہر دن اس تعلق میں اضافہ ہوا، ان کی عنایتیں وشفقتیں بڑھتی چلی گئیں، حتیٰ کہ احقر ہی کی دعوت پر زندگی کے اختتامی سفر کے وقت وہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی دفتر میں سیمینار میں موجود تھے اور زندگی کی آخری گفتگو کی سعادت بھی احقر کو بخشی اور راہی اجل ہوگئے۔ جبکہ اس سے صرف تین روز قبل مورخہ 29 جنوری 2015ء کو بھی حضرتؒ احقر کی دعوت پر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد تشریف لائے اور علماء سے خطاب فرمایا۔ وفات سے دس ماہ قبل دارالعلوم دیوبند، سہارن پور، دہلی، نانوتہ، گنگوہ، رائے پور کے طویل ومبارک سفر میں بھی احقر کو رفیق ومصاحب بنایا، یوں خلوت وجلوت میں اپنی نوازشات فرماتے رہے۔

اس طویل عرصہ میں احقر نے حضرتؒ کے کیا کمالات واوصاف دیکھے؟ ان کی کیا خصوصیات نوٹ کیں؟ انہیں باقی علماء ومشائخ سے کیسے ممتاز پایا؟ اپنی بساط کے مطابق روزِ محشر اپنا تعلق ان سے مزید مستحکم کرنے کے لیے یہ امور سپردِ قلم کیے دیتا ہوں۔

جلالتِ علمی:

حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کو حق تعالیٰ نے بے پناہ علم عطا فرمایا تھا وہ بلاشبہ علم کے بحرِ بے کراں تھے، ان کے علم میں رسوخ وتعمق اور ثقاہت تھی، انہوں نے بلاشبہ جانفشانی سے علم حاصل کیا اور پھر مطالعہ وعرق ریزی سے تدریس فرمائی۔ ان کا عرصہ تدریس نصف صدی سے زائد ہے۔ آپ نے تعلیم وتعلم میں روایتی انداز سے ہٹ کر عالمانہ ومحققانہ طرز اختیار فرمایا۔ کتاب فہمی میں وہ اپنی مثال آپ تھے یہی وجہ ہے کہ انہیں نہ صرف علم وکتابیں ازبر تھیں بلکہ

مسائل و مباحث ہر وقت مستحضر رہتے تھے۔ فارسی، عربی، اُردو ادب کا اعلیٰ ذوق آپ میں ودیعت تھا، نثر و نظم سے خوب لگاؤ تھا، فارسی کتب میں شیخ سعدیؒ کی حکایات اور اشعار سے اپنی بات سمجھاتے۔ اردو عربی کے اشعار بھی آپ کو زبانی یاد تھے، برموقع مناسب اشعار آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم آپ کی مکمل دسترس میں تھے۔ علوم کے اصل ماخذ کا تعمق کے ساتھ مطالعہ اور اس کی یادداشت آپ کا معمول تھا۔ عربی تفاسیر عربی شروح حدیث کے حوالہ جات اکثر زبانی ارشاد فرمادیتے تھے، عموماً مسائل کے مأخذ حوالہ جات زبانی یاد ہوتے تھے، استفسار پر کتاب منگوا کر حوالہ نکال کر پیش فرمادیتے تھے، سلف کی صرف کتب سے ہی مناسبت نہ تھی بلکہ سلف کے مزاج سے بھی خوب آشنا تھے اور اکثر اوقات اپنے اکابر و اسلاف کے علم و تقوی کے مزاج کو اُجاگر فرماتے۔ دلچسپ واقعات اور اکابر کے حالات سے آپ مجلس کو کشتِ زعفران بنادیتے تھے۔ علمی تعمق کی وجہ سے حق تعالیٰ نے انہیں بے پناہ قوت استدلال اور قوت استنباط سے نوازا تھا۔ قرآن وسنت کی عصر حاضر کے حالات پر تطبیق بہت مشکل اور خطرناک امر ہے، بہت سے لوگ اس گہرے سمندر میں کودے اور غرقیاب ہو کر ایمان یا سنت سے ہاتھ دھو بیٹھے، آپ کو عصری تطبیقات حسب مزاجِ سلف کا خاصہ ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے تعمق وثقاہتِ علمی کا اندازہ آپ کی تفسیر اور خطبات سے لگایا جاسکتا ہے، قارئین کی نشاطِ طبع کے لیے چند نمونے پیش کیے جارہے ہیں۔

۱)۔ ایک ادارہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر بہت سے شیوخ الحدیث اور مدرسین آپ کے اردگرد جمع تھے، مختلف علماء آپ سے مختلف علمی سوالات پوچھ رہے تھے اور آپ سب کو علمی جوابات سے مطمئن فرمارہے تھے سبھی آپ کے علمی جواہر پاروں پر عش عش کررہے تھے، اسی دوران آپ نے ایک حیران کن بات ارشاد فرمائی: کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں ''ستار'' قرآن وحدیث میں کہیں منقول نہیں۔ احقر کو اس پر تعجب ہوا اور دوبارہ آپ سے استفسار کیا کہ لفظ ستار قرآن وسنت میں کہیں نہیں......؟ آپ نے وثوق کے ساتھ فرمایا نہیں۔ احقر کو اس پر تشویش لاحق ہوئی واپس آکر تلاش شروع کردی کہ حدیث پاک میں کہیں لفظ ستار وارد ہوا ہو، تو تلاش بسیار کے باوجود اور کمپیوٹر سے مدد لینے کے باوجود کہیں بھی لفظ ''ستار'' نہ مل سکا، مجھے اپنے شیخ کے علمی استحضار پر بے حد تعجب ہوا اور خوشی بھی۔

۲)۔ ایک مرتبہ احقر نے دورانِ مکالمہ سادات (آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مالی معاونت کے بارے میں سوال کیا کہ جو سادات کرام فقیر و مسکین ہیں، انہیں زکوٰۃ دینا تو جائز نہیں تو ان کی اعانت کیسے کی جائے......؟ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا: صدقہ آلِ محمد کے لیے مناسب نہیں۔

"اسلامی حکومتوں میں پہلے تو عموماً سادات کی مالی ضروریات کی کفالت و تکمیل حکومتیں کیا کرتی تھیں لیکن جب سے اسلامی حکومتوں کا سقوط ہوا تو یہ مسئلہ مشکل ہو گیا ہے کہ سادات کو اگر زکوٰۃ وصدقہ نہ دیا جائے تو ان کی مالی ضروریات کیسے پوری ہوں، تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فیض الباری شرح صحیح البخاری میں ارشاد فرمایا ہے کہ اب جبکہ حکومت کی جانب سے خمس غنیمت کا انتظام نہیں تو زکوٰۃ سے سادات کی خدمت کی جاسکتی ہے۔" (فیض الباری)

اس کے چند روز بعد حضرتؒ کی شجاع آباد تشریف آوری ہوئی تو جامعہ کے کتب خانہ سے فیض الباری منگوا کر حوالہ نکال کر پیش فرما دیا۔

نوٹ: ہر چند کہ اس مسئلہ میں علماء کی دو آراء ہیں کہ دورِ حاضر میں سادات کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ دونوں آراء کے حامل علماء موجود ہیں اور اپنی اپنی جگہ دلائل پیش فرماتے ہیں، تاہم حضرت کے علمی استحضار اور وسعتِ مطالعہ پر احقر نے یہ واقعہ پیش کیا ہے۔

۳)۔ آپ نے ہمیشہ علماء طلباء اور دینی طبقہ کو احساسِ کمتری سے بچایا اور انہیں خودداری اور عزتِ نفس کی حفاظت کا درس دیا، عموماً دنیا پرست لوگ علماء و طلباء کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ طبقہ زکوٰۃ خور ہے ہمارے دیے ہوئے چندوں پر پلتا ہے یہ ہمارے ٹکڑوں پر نشوونما پاتے ہیں، تو جواباً ارشاد فرماتے کہ ہمیں فخر ہے کہ ہم زکوٰۃ اور چندے پر پلتے ہیں اس لیے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو زکوٰۃ و صدقات کھلا کر دین کا علم پڑھایا ہے۔ پھر آپؒ احادیث کا حوالہ پیش فرماتے کہ "صفہ" میں دین پڑھنے والے صحابہ کرامؓ کا بسر اوقات اصحابِ خیر اور مالدار صحابہ کرامؓ کے مالی تعاون سے ہوا کرتا تھا۔ علمِ دین ابتدا سے آج تک لوگوں کے زکوٰۃ صدقات سے

پھیلا ہے۔ بحمداللہ ہم منہج نبوی پر قائم ہیں یہی طریقہ آج مدارس میں رائج ہے۔

۴)۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضائل قرآن میں معروف حدیث ہے۔

"لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَآخَرُ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا"

آپ نے ارشاد فرمایا کہ: "دو خوبیوں پر رشک کیا جائے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، پھر اسے حق میں خرچ کرنے پر مقرر کیا، دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو وہ اس کے ساتھ فیصلے کرتا ہو اور سکھاتا ہو"۔

(صحیح بخاری: ۱:۱۴۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو طبقے قیامت تک باقی رہیں گے اور ان دونوں طبقوں سے دین پھیلتا رہے گا۔

۱)۔ قرآن کریم کی تعلیم دینے والے قراء وعلماء۔

۲)۔ قرآن کریم کی تعلیم پر خرچ کرنے والے مالدار۔

ایک طبقہ اپنی جان اور دوسرا طبقہ اپنے مال کی قربانی دے گا، یوں یہ دین امت میں زندہ رہے گا اور قیامت تک دین کی تعلیم زندہ رہے گی۔ اس حدیث سے یہ استدلال حضرتؒ کا علمی کمال بھی ہے اور امر واقع بھی کہ نزول قرآن سے اب تک یہ دونوں طبقے دین کی بقاء کا ذریعہ رہے ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں طبقوں کو قابلِ رشک قرار دیا۔

تصوف میں غیر مقلدیت:

احقر کی بیعت اول شیخ التفسیر حضرت مولانا قاری شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اجل حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ انہوں نے ہمارے جامعہ میں طلباء میں مجلس ذکر شروع کروائی تھی۔ ان کے وصال کے بعد احقر نے حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ان کے مزاج میں طلباء میں معمولات تصوف خلاف طریق سلف تھا انہوں نے یہ معمول موقوف کرادیا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے بعد احقر نے حضرت حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی نسبت تزکیہ قائم کی۔

جامعہ میں بعض اساتذۂ کرام اور طلباء کی جانب سے مجلسِ ذکر کے اجراء کا تقاضا سامنے آیا تو احقر نے فون پر اپنے شیخ سے اجازت چاہی آپ نے فون پر تقریباً بیس منٹ تک تصوف کے سلاسل اربعہ کے طریقہ ہائے اصلاح پر مفصل گفتگو فرمائی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

> ''شریعت کے چار سلاسل چار فقہوں کی طرح ہیں مسلمان کسی ایک فقہ کو اختیار کرلے اس کے لیے کافی اور ذریعہ نجات ہے۔ چنانچہ اس میں غیر مجتہد مسلمان یا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی اتباع کرتے ہیں یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی، کچھ لوگ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے پیروکار ہیں تو کچھ لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے تبع الغرض کسی بھی ایک فقہ کی اتباع سے شریعت پر عمل آسان ہوجاتا ہے۔ یہ قطعاً جائز نہیں کہ ایک شخص حنفی ہوکر اپنی مرضی سے کچھ مسائل فقہ شافعی سے لے لے اور کچھ فقہ حنبلی سے اور کچھ فقہ مالکی سے، ایسا کرنا غیر مقلدیت ہے اس کو ''اتباعِ ہوا'' کہتے ہیں، آج کل یہ غیر مقلدیت عام ہورہی ہے اس کی محققین نے حوصلہ شکنی کی ہے۔

بالکل اسی طرح تصوف کے بھی چار سلسلے امت میں مقبول ومتداول ہیں یہ چار سلسلے نقشبندی، چشتی، سہروردی، اور قادری ہیں۔ اصلاحِ نفس، اخلاص اور اخلاق خاصہ کے حصول کے لئے امت میں یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ کسی ایک سلسلہ کو اسلاف امت میں اختیار کرتے رہے۔ شیخ ومرشد اس سلسلے کے طریقے کے مطابق راہِ سلوک طئے کرواتے ہیں۔ اصلاحِ نفس کے طریقے ہر سلسلے میں مختلف ہیں، بعض سلاسل میں کثرت ذکر اللہ بعض میں کثرت مراقبہ بعض میں کثرت اعمال اور بعض میں شیخ کی منہیات کا غلبہ ہوتا ہے۔ الغرض ہر شیخ سلسلہ کے رائج طریقہ کے مطابق راہِ سلوک طئے کرواتے رہے ایک سلسلہ کے اسباق کے حصول کے بعد اگر کوئی چاہتا تو دوسرا سلسلہ بھی طئے کرتا اس طرح تیسرا اور چوتھا، یہ نہیں ہوتا تھا کہ ایک سلسلہ میں راہ سلوک طے کرتے ہوئے دوسرے سلسلہ کے طریقے کو اختیار کیا جائے، ایسا کرنا سلوک میں غیر مقلدیت ہے جو ناروا ہے۔ آج کل مشائخ میں یہ سلسلہ عام ہوگیا ہے کہ نقشبندی ہوتے ہوئے قادری طرز اختیار کیا جاتا ہے یہ نامناسب ہے اپنے اپنے سلسلے کے منقول طریقے کے مطابق راہ سلوک طے کروانا چاہیے اور طئے کرنا چاہیے چنانچہ بعض سلاسل میں اجتماعی مجلس ذکر ہے ہی نہیں اور بعض میں بس اس قدر مجلس ذکر

ہے کہ ہرایک بیٹھ کر اپنا اپنا ذکر کرلے۔ ہمارے ہاں مشائخ میں یہی طریقہ رائج تھا کہ اکٹھے بیٹھ جاتے اور ہرایک اپنا اپنا ذکر کرتا تھا۔ مضمون حضرت نے بسط کے ساتھ بیان فرمایا۔ چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جملہ مشائخ کا احترام فرماتے اور اتحادِ امت کے داعی تھے اس لیے احقر سے فرمایا کہ دیکھنا اس کو کہیں چھاپ نہ دینا چنانچہ حضرت معاذؓ کی طرح احقر نے بھی حضرت کی زندگی میں مضمون کہیں نقل نہیں کیا لیکن اب تاثماً یہ مضمون نقل کر رہا ہوں۔

مدارس وجامعات کے اساتذہ کی مشاہرات کا مسئلہ:

احقر کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں کئی ایک مدارس وجامعات کی مجلس شوریٰ کا رکن رہا، عام طور پر جامعات ومدارس کی مجلس شوریٰ کا اجلاس سال میں ایک مرتبہ منعقد ہوتا ہے۔ مجلس شوریٰ مدارس وجامعات کے دیگر معاملات کے ساتھ اساتذۂ کرام کے مشاہرات ووظائف میں سالانہ ترقی واضافہ کا فیصلہ بھی کرتی ہے۔ اکثر مدارس وجامعات میں جب سالانہ اضافہ کا مرحلہ آتا اور مدرسین کی ماہانہ مشاہرات کی تفصیل سامنے آتی تو اکثر ارکانِ شوریٰ مہنگائی اور گرانی کا عذر کرتے ہوئے تنخواہوں کو ناکافی کہتے، بعض حضرات کی جانب سے شدید تقاضا ہوتا کہ مشاہرات میں معقول اضافہ کیا جائے تاکہ مدرس بھی آسودہ زندگی گزار سکے، اس موقع پر آپ ہمیشہ اعتدال کا درس ارشاد فرماتے اور مدرسین کی تنخواہوں کے بارے ایک اصولی ضابطہ ارشاد فرماتے۔ اس موقع پر حضرت جس انداز سے یہ ضابطہ بیان فرماتے وہ حضرت ہی کا خاصا تھا اس کا خلاصہ جو ذہن میں نقش ہوگیا تھا پیش خدمت ہے۔ ان شاء اللہ حضرت کا یہ مضمون مزاج سلف باقی رکھنے میں مدد دے گا۔

حضرات اساتذۂ کرام اور علماء دین وارثانِ نبوت ہیں۔ ان علماء واساتذہ میں جب تک نبوی مزاج باقی رہے گا یہ وراثت بھی باقی رہے گی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں فقر ومسکنت کی شان غالب تھی آپ نے اپنا معیارِ زندگی سادہ اور غیر متکلفانہ اختیار فرمایا اور یہی مزاج سلف وخلف میں علماء کا رہا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عام آدمی کی رسائی جو عالم تک ضروری ہے، آسان ہوگی۔ اگر بالفرض معیارِ زندگی کی بلندی کی وجہ سے ایک عام مسلمان کی عالم دین تک رسائی نہ ہو تو عوام الناس دین سے محروم رہیں گے اس لیے

ضروری ہے کہ ایک عالم ومدرس کا معیارِ زندگی ایک متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے شخص سے بلند نہ ہو چنانچہ اس حکمت اور مزاجِ نبوت کی وجہ سے ہمارے اکابر نے اپنا معیارِ زندگی سادہ رکھا ان تک ہر کسی کی رسائی تھی لوگ ان سے بے تکلف ملتے بھی تھے اور استفادہ بھی کرتے تھے چنانچہ اس زمانہ میں مدارس کے مدرسین کی کم تنخواہ باعثِ فخر ہوتا تھا جب کسی مدرس سے کوئی سوال کرتا کہ تمہاری تنخواہ کتنی ہے تو بڑے فخر سے مدرس جواب دیتے پچاس روپے، سو روپے اور اسے عیب نہیں سمجھتے تھے نیز مدارس میں تدریس کو خدمت دین سمجھ کر کیا جاتا تھا ایثار اور خدمت کا جذبہ عام ہوتا، نظر اجر وثواب پر ہوتی تنخواہ یا وظیفہ ضرورت کے درجے میں ہوتا۔ آج بدقسمتی سے مدارس کا مزاج بدل رہا ہے اخلاص وللّٰہیت میں کمی واقع ہو رہی ہے ایثار وخدمت بھی مفقود ہوتی جا رہی ہے اگر کوئی مدرس ایک کاغذ ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پر رکھ دے تو وہ اس کا بھی معاوضہ طلب کرتا ہے جو مزاج اساتذہ وسلف کے خلاف ہے آج باعث فخر کم تنخواہ کی بجائے زیادہ تنخواہ بن گئی ہے معیارِ زندگی بلند ہوتا جا رہا ہے جو عوام الناس کی دین سے محرومی کا باعث ہے۔

یہ درست ہے کہ مدرس کو اتنا وظیفہ دیا جائے کہ اس کا معیارِ زندگی عام آدمی کے برابر رہے، ضروریات پوری ہوں، لیکن ہمہ وقت یہ راگ الاپنا کہ مدرسین کی تنخواہیں بہت کم ہیں درست نہیں اگر جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ عام آدمی کو دو وقت کی تازہ روٹی میسر نہیں الحمد للہ ہمارے مدرسین کو تازہ روٹی نصیب ہوتی ہے عام آدمی اس طرح سفید پوش نہیں ہوتا جس طرح ایک عالم کے سفید وشفاف کپڑے ہوتے ہیں علاوہ ازیں عام آدمی کے ذرائع آمدنی بظاہر زیادہ ہوتے ہیں لیکن علماء کو اللہ تعالیٰ ایسے ذرائع عطاء کرتے ہیں جو عام آدمی کو نصیب نہیں ہوتے، مثلاً عام آدمی علماء کو منت وسماجت سے وقت لے کر عمدہ کھانا کھلاتا ہے، علماء کی خدمت میں ہدایا پیش کئے جاتے ہیں، طلباء خدمت کرتے ہوئے اساتذہ کے کپڑے دھوتے ہیں، گھر کا سودا سلف خرید کر دیتے ہیں نیز یہ کہ خدمت کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ عام آدمی اگر یہ سارے کام کرتا ہے تو اس کو ایک بڑی رقم خرچ کرنا پڑتی ہے، دھوبی کا بل، نوکر کی تنخواہ وغیرہ ہزاروں میں بنتی ہے اور علماء کے لیے یہ سب کچھ مفت میں میسر ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش بھی ہدایا ہی تھے اور علماء کو بھی حق تعالیٰ خوراک، لباس، وغیرہ بصورت ہدیہ عطا فرماتے ہیں اس

لیے ایک مدرس کی اگر ظاہر میں تنخواہ کم ہوتی ہے لیکن ان مراعات کے ساتھ اس کا معیارِ زندگی کسی طرح عام آدمی سے کم نہیں ہوتا۔ اتنی تنخواہیں بڑھا دینا کہ عام آدمی سے مدرس کا معیار بلند ہو جائے جہاں لوگوں کی دین سے محرومی کا ذریعہ ہے وہاں مدارس کے لیے بھی محرومی ہے۔ اگر علماء کا معیارِ زندگی بلند ہوگا تو عام آدمی جس کے تعاون سے مدرسہ چلنا ہے اپنے آپ کو مالی لحاظ سے ان سے کمزور سمجھے گا ان کی اعانت کیسے کرے گا؟ لہٰذا اساتذہ کی تنخواہوں کے معیار اور اضافہ میں ان کی ضروریات، مہنگائی اور مذکورہ بالا پہلو کو مدنظر رکھ کر معیار مقرر کیا جائے۔

علماء کو سرکاری مراعات سے اجتناب کرنا چاہیے:

ایک مرتبہ احقر سے ارشاد فرمایا کہ مفکرِ اسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں مدارس وعلماء کے لئے سرکاری امداد قبول کرنے یا نہ کرنے کے متعلق وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں اجلاس طلب کیا حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول میں بھی اجلاس میں شریک ہوا پاکستان بھر کے علماء موجود تھے عام رائے حکومت کی امداد قبول کرنے کی بن رہی تھی، مجھے اکابرینِ وفاق نے علماء کے مجمع میں گفتگو کرنے کی دعوت دی۔ یقیناً یہ علماء کی جانب سے حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اعتماد کا اظہار تھا۔ فرمایا کہ میں نے عام رائے کے علی الرغم وہاں گفتگو کی حضرت نے اپنے خطاب کا جو خلاصہ بیان فرمایا وہ درج ذیل ہے:

> ''علماء کی مثال امت میں درخت کی جڑ کی طرح ہے گویا اسلام کے شجرہ طیبہ کی جڑ علماء امت ہیں جڑ جتنی مضبوط ہوگی درخت اتنا تن آور اور سرسبز وشاداب ہوگا نیز جڑ جتنی کمزور ہوگی درخت اتنا کمزور اور خشک ہوگا درخت کی جڑ تبھی مضبوط رہتی ہے جب وہ مٹی میں پنہاں رہے اگر جڑ سے مٹی ہٹ جائے تو جڑ کمزور پڑ جاتی ہے اور بسا اوقات درخت ہی خشک ہو جاتا ہے۔ علماء کرام کو بھی ہمیشہ جڑ کا کردار ادا کرنا چاہئے تواضع، انکساری، اخلاص وللّٰہیت کو اپنانا چاہیے جب تک علماء تواضع، اخلاص پر قائم رہیں گے اسلام کا شجرہ طیبہ سرسبز وشاداب سایہ دار وثمر دار رہے گا اور جب علماء امت سے تواضع اخلاص اٹھ جائے گا تکبر،

ریا ونمود جگہ پکڑ لے گی گویا کہ اسلام کے درخت کی جڑ سے مٹی ہٹ جائے گی اس لئے اسلام کا شجر طیبہ کے کمزور وخشک ہونے کا خدشہ ہے۔

دوسری بات آپ نے علماء سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمائی کہ:

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ ہے کہ جس قوم کے علماء سرمایہ دار بن جائیں اس قوم سے دین رخصت ہو جاتا ہے۔ لہذا علماء امت کو فقر و استغناء اختیار کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ دنیا پرستی اور سرمایہ داری کی۔ اگر خدانخواستہ دنیا پرستی اور سرمایہ داری اختیار کی گئی تو اس سے دین رخصت ہو جائے گا۔ حکومت کی جانب سے مدارس وعلماء کو سرکاری گرانٹ کی فراہمی سے دنیا پرستی اور سرمایہ داری کا خطرہ ہے۔ اس سے توکل علی اللہ کا خاتمہ ہو جانے کا اندیشہ ہے نیز حکومت کی جانب احتیاج کی وجہ سے استغناء بھی باقی نہیں رہے گا۔ بڑی بڑی رقوم سرمایہ داری کی جانب لے جائیں گی لہذا اس سرکاری گرانٹ کو مسترد کر دینا چاہیے۔''

حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سلیقہ مندی و جرأت سے علماء مشائخ میں یہ بیان فرمایا اس بیان نے سب کو چوکنا کر دیا اس وقت حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملک میں زیادہ تعارف بھی نہ تھا اس متین گفتگو کو سن کر سبھی ششدر اور حیران رہ گئے تجسس پیدا ہوا یہ کون شخصیت ہیں۔ حضرت کے اس بیان کو ملک بھر میں خوب پذیرائی ملی اس بیان کا نتیجہ تھا کہ علماء کی رائے تبدیل ہو گئی اور حکومت سے تعاون قبول نہ کرنے کا ذہن بنا۔ حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ نقل تو کر دیا مجھے فکر لاحق ہوئی کہ اگر کسی نے مجھ سے حوالہ پوچھ لیا تو کیا ہوگا میں واپس پنجاب آیا اور آتے ہی کتاب تلاش کر کے حوالہ پہ نشان لگا لیا۔ یوں ایک عالم ربانی نے ملت کے علماء کو ایک بہت بڑے فتنہ سے بچا لیا۔

تمسک بالسنہ کا مفہوم:

پاکستان کی ایک نامور، علمی اور بزرگ شخصیت کا ذکر فرمایا وہ چادر زیب تن فرماتے اور آدھی پنڈلیوں کے برابر یا اس سے کچھ اونچی چادر باندھتے۔ حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

نے ارشاد فرمایا مجھے ذاتی طور پر علم تھا کہ کچھ لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس معمول کا مذاق اڑاتے ہیں اس لئے میں نے عرض کیا کہ حضرت حدیث پاک میں چادر ٹخنے کے اوپر سے لے کر نصف ساق تک باندھنا ثابت ہے تو آپ ذرا چادر نیچے کیوں نہیں باندھ لیتے اس طرح کرنے سے آپ کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن چادر اوپر باندھنے کی وجہ سے استہزاء و اعتراض کرنے والوں کا ایمان ضرور خراب ہوگا۔ چنانچہ اس کیفیت کی چادر پہن کر آپ بازار یا عوامی جگہ پر جائیں تو بلاشبہ لوگ تمسخر کریں گے اور سنت کا تمسخر ایمان کے سلب ہونے کا ذریعہ ہے۔ بہتر ہوگا کہ عوام کا ایمان محفوظ رکھنے کے لئے ہم حدیث کی وسعت سے فائدہ اٹھائیں۔ اس پر وہ بزرگ فرمانے لگے مشہور حدیث پاک میں مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهٗ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ" کا کیا مفہوم ہوگا؟ سنت کو مضبوطی سے اختیار کرنے پر ہی تو سو شہید کا ثواب ہے۔

حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

> ”اس حدیث کا مفہوم یہ ہی نہیں بلکہ حدیث میں سنت بدعت کے مقابلے میں ہے یعنی جس نے ترکِ بدعت کر کے سنت کو اختیار کیا، اسے سو شہید کا ثواب ملے گا“

اس پر وہ بزرگ فرمانے لگے حوالہ؟ میں نے عرض کیا کہ یہ مفہومِ حدیث حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ استاذ دارالعلوم دیوبند سے منقول ہے۔ یہ صاحب خاموش ہو گئے لیکن یہ سارا قضیہ دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء حضرت اقدس حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی کی خدمت میں بھیج دیا اور میرے حوالہ سے مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ مفہوم حدیث بھی تحریر کیا کہ یہ حدیث بدعت کے مقابلہ میں سنت کے تمسک پر دال ہے، کیا یہی مفہومِ حدیث درست ہے؟ اس پر حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے نائب مفتی جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز تھے نے جواباً تحریر کیا کہ:

> ”جو کچھ مولانا لدھیانوی نے بیان فرمایا ہے درست ہے اور مفہوم حدیث مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے ہی منقول ہے۔“

خط ملنے پر انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ آپ کی توثیق دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء نے بھی کر دی ہے۔

کیا مشرکین مکہ قبروں پر جاتے تھے:

ایک طبقہ عذاب وثواب قبر اور سماعِ موتی کے قائلین کو مشرک قرار دے کر اس نظریہ کو شرک کہتا ہے تو کچھ لوگ اسے شرک کا دروازہ کہتے ہیں اس پر حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب تحقیق پیش فرمائی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

''مشرکین مکہ قبروں پر نہ حاضری دیتے اور نہ ہی قبروں کی تعظیم کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان قبروں میں کچھ بھی نہیں نہ عذاب ہے نہ ثواب، قرآن کریم نے ان کا یہ نظریہ واضح طور پر نقل فرمایا ہے:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰس)

وہ یہ سمجھتے تھے کہ آدمی مر گیا ختم ہو گیا اسے مٹی کھا گئی وہ باقی نہ رہا اس لیے نہ تو وہ قبروں پر جاتے تھے نہ ہی قبروں کی تعظیم کرتے تھے نہ قبر والوں سے کچھ مانگتے تھے اس کے مقابل دیگر مذاہب کے لوگ بالخصوص یہود و نصاریٰ قبرستان بھی جاتے تھے، قبروں کی تعظیم بھی کرتے تھے اور تعدی کرتے ہوئے قبروں کو سجدہ گاہ بھی بناتے تھے اور قبر والوں سے سوال بھی کرتے اس لیے کہ اُن کے عقیدہ میں عذاب قبر وثواب قبر ثابت ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے عذاب قبر کا ذکر ایک یہودی خاتون سے سنا تھا، تو یہ کہنا کہ قبروں پر جانا یا عذاب وثواب کا عقیدہ یا سماعِ موتی کا عقیدہ مشرکین کا عقیدہ ہے سراسر غلط ہے۔ مجھے ایک جزیہ پیش کر دو کہ فلاں مشرک قبر پر گیا تھا میں تسلیم کر لوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا مشرکین مکہ کی حمایت و تائید ہے کہ قبروں میں کچھ نہیں نہ عذاب قبر ہے اور نہ ہی ثواب قبر، یہ دھڑ مٹی ہو کر ختم ہو گئے اور نہ ہی قبر کی تعظیم ہے۔ اسلام نے اس کے برعکس عقیدہ دیا ہے کہ قبر میں عذاب وثواب ہے روح کا جسم سے تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے احادیث میں بھی سماع موتی ثابت ہے اس لئے قبروں پر حاضری اور سلام کا حکم ہے البتہ ثور و پکار اعمالِ شرکیہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے، ہم نہ تو مشرکین کا طرز اختیار کرتے ہیں کہ قبروں کو کچھ بھی نہ سمجھیں اور نہ ہی اہلِ کتاب کا طرز اختیار کرتے ہیں کہ اہلِ قبور سے استمداد

کریں بلکہ اسلام کا طریقہ ونظریہ اس کے بین بین ہے لہٰذا ہمیں مشرک کہنے والے اپنے نظریہ وطرزِ عمل پر غور کریں کہ قبروں پہ نہ جانا قبر والوں کو مٹی کا ڈھیر سمجھنا مشرکین کا عقیدہ تھا۔ حضرت نے یہ مؤقف احقر کے سامنے ذکر فرمایا اور تاکید افرمایا اسے محفوظ کرلو یہ مضمون اسٹیج پر بیان کرنے کا نہیں تاہم بات اہم ہے اگر میری تعبیر غلط ہے تو میری اصلاح کرو اور اس کی صورت یہی ہے کہ ایک واقعہ پیش کرو کہ فلاں مشرک مکہ قبر پر جاتا تھا یا قبر کی تعظیم کرتا تھا۔

اعمالِ شرک وبدعت کے باوجود مزاراتِ اولیاء پر حاضری کا حکم:

سفرِ ہند کے دوران حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار مبارک پر حاضری کے وقت ہمارے قافلے کی ایک بزرگ شخصیت نے متوجہ کیا کہ موجودہ حالات میں جب مزارات پر شرک وبدعت عام ہے، بزرگوں کے مزارات پر حاضری جائز ہے یا نہیں؟ احقر نے سوچا کہ اس پر قافلے میں موجود علمائے کرام سے مذاکرہ ہی کرلیا جائے کہ آج کل اکثر اولیائے کرام کی قبور پر غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ ان منکرات کے ہوتے ہوئے کیا ہم ان قبور پر حاضری دیں یا نہ دیں؟ مختلف علمائے کرام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جوابات ارشاد فرمائے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان حالات میں ان قبور پر دور سے ہی سلام اور ایصالِ ثواب کرنا مناسب ہے۔ اس سوال کا جواب ہمارے حضرت حکیم العصر مولانا لدھیانوی دامت برکاتہم نے مفصل مدلل مرحمت فرمایا:

"قرآنی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ شام مقدس سرزمین تھی اور ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ۔ الخ (بنی اسرائیل:۱)

جبکہ دوسرے مقام پر صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ۔ (المائدہ:۲۱)

جب بنی اسرائیل کو یہ حکم ملا کہ مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ تو اس وقت اس سرزمین پر قوم "عمالقہ" کا قبضہ تھا اور یہ قوم مشرک تھی۔ انہوں نے اس سرزمین کو

شرک کا گڑھ بنایا ہوا تھا، اس کے باوجود اس کو مقدس سرزمین قرار دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مبارک اور مقدس مقامات کا تقدس و برکت خارجی اثرات کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم جہاد سے عدولی کی اور عمالقہ سے جہاد نہ کیا، اتنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کا وقت آ گیا، ابھی تک اس سرزمین پر مشرکین کا ہی قبضہ تھا، آپؑ نے وصیت فرمائی کہ مجھے مقدس سرزمین کے قریب لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ انہیں سرزمین شام کے قریب تر ہی دفن کر دیا گیا۔ احادیث میں یہ تفصیل موجود ہے۔ اسی طرح بیت اللہ پر مشرکین مکہ کا قبضہ رہا۔ انہوں نے کعبۃ اللہ کو صنم کدہ بنایا ہوا تھا۔ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ اس کے باوجود ہجرت سے قبل آپؐ اسی بیت اللہ کا طواف کرتے رہے۔ بیت اللہ کے قریب عبادت کرتے رہے۔

۶ھ میں اسی بیت اللہ کے اشتیاق میں حضرات صحابہ کرام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا احرام باندھا۔ آئندہ سال اسی بیت اللہ میں آپ نے عمرہ قضا فرمایا۔ صفا مروہ پر بت نصب ہونے کے باوجود آپ نے صفا مروہ کی سعی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی کسی بت کو ہاتھ تک نہ لگایا اور نہ ہی اینٹ اور پتھر پھینکا۔ اپنی عبادت کی تکمیل فرمائی اور چلے گئے۔ معلوم ہوا کہ متبرک مقامات منکرات کے باوجود متبرک رہتے ہیں، لہٰذا یہاں جانا چاہیے البتہ منکرات میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

اہلِ حق نے پاکستان میں اس مسئلے میں تساہل سے کام لیا ہوا ہے۔ اہلِ حق کے مزارت پر نہ جانے کی وجہ سے اہلِ بدعت کا اثر و رسوخ مزارات پر بڑھ گیا ہے۔ ہمارے اکابر کا معمول مزارات پر حاضری کا برابر رہا۔ چنانچہ خانوادہ ولی اللہ کے چراغ حضرت شاہ محمد اسحاقؒ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ جانے لگے تو اجمیر شریف کے قریب رہنے والے اپنے ایک شاگرد رشید کو خط لکھا کہ میں فلاں تاریخ کو حضرت معین الدین اجمیریؒ کے مزار پر حاضری کے لیے آ رہا ہوں۔ انہوں نے جواب میں تحریر کیا کہ آپ اگرچہ مستقلاً تشریف نہیں لا رہے، تاہم

میں کس کس کو وضاحت کروں گا۔ دور سے مزارات کے لیے سفر کر کے آنے والوں کے خلاف تقریریں کر چکا ہوں، میری محنت اکارت ہو جائے گی۔
حضرت نے جواب میں لکھا کہ میں ضرور آؤں گا۔ رقیبوں کے خطرہ کے پیشِ نظر حبیبوں کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ البتہ تم میری موجودگی میں اسی موضوع پر تقریر کر دینا تاکہ تمہاری تائید ہو جائے۔"

(نوٹ: تفصیل کے لیے عاجز کے سفرنامہ "آباء کے دیس میں" سے رجوع فرمائیں۔)

یہ دورِ جاہلیت ہے:

قرآن کریم نے ازواجِ مطہرات اور اہلِ اسلام خواتین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۝ الخ [الاحزاب]

اس آیتِ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے خواتین کو جاہلیتِ اولیٰ کی طرح کھلا پھرنے سے منع فرمایا۔ حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

"جاہلیت کی صفت اولیٰ ذکر کر کے آیت میں اشارہ ہے کہ ایک جاہلیت اور بھی آنے والی ہے۔ اس لیے کہ اولیٰ کا تقابل اُخریٰ سے ہوتا ہے، اول کا اطلاق آخر کے مقابل ہوتا ہے۔"

اس میں اشارہ کیا گیا کہ ایک جاہلیت اُخریٰ بھی آنے والی ہے جو امور جاہلیت اولیٰ میں سرانجام دیے جاتے تھے، وہ امور جاہلیتِ اُخریٰ میں بھی لوگ انجام دیں گے۔

چنانچہ درج ذیل امور کا جاہلیتِ اولیٰ میں ارتکاب کیا جاتا تھا، آج جاہلیتِ اُخریٰ میں بھی یہ امور سرانجام دیے جا رہے ہیں مثلاً تبرج و عریانی جاہلیتِ اولیٰ میں عام تھی اور آج بھی عام ہے، اسی طرح زنا و بدکاری، فتنہ و فساد، توہم پرستی، قتلِ اولاد، سود خوری، جوئے بازی، یہ ساری چیزیں جاہلیتِ اولیٰ میں عام تھیں اور آج بھی عام ہیں، اسی طرح جاہلیتِ اولیٰ میں لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اور آج بھی لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ حاضر شاید جاہلیتِ اُخریٰ کا دور ہے۔

جادوگر اللہ سے زیادہ طاقتور نہیں:

جادو بلاشبہ ایک حقیقت ہے۔ قرآن وسنت میں جادو کے اثرات اور جادو کے بطلان کا ذکر ہے۔ سحر وجادو کو گناہِ کبیرہ اور کافرانہ عمل قرار دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے حملے اور حق تعالیٰ کی جانب سے اس کی تاثیر ختم کرنے کے لیے معوذتین کے نزول کا ذکر موجود ہے۔

حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''آج کل جہاں کچھ لوگ جادو کی حقیقت کا انکار کر کے امت کے اجماعی نظریہ سے انحراف کر رہے ہیں، وہاں پر کچھ لوگ جادو کے سلسلہ میں توہمات کا شکار رہتے ہیں۔ جس شخص کو بھی دیکھو، وہ کہتا پھرتا ہے مجھ پر جادو ہو گیا ہے۔ نام نہاد عامل اپنی باتوں کے ذریعے لوگوں کو اس توہم میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ انہیں جادو ہے۔ جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث سے جادو کا علاج ممکن ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ ہمت سے جادو کے وہم میں مبتلا ہوتے ہیں، قدرتی آفات، مصائب وآلام جادو کا نتیجہ سمجھ بیٹھے ہیں، بعض لوگ واقعی جادو میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لیکن اگر احادیث میں بتلائے گئے اعمال ووظائف، تلاوتِ قرآن کریم اور اذکار کی پابندی کی جائے تو جادو اثر نہیں کرتا۔ اس لیے کہ جادوگر کی طاقت اللہ تعالیٰ سے زیادہ نہیں اور جادوگر کے کلام کی تاثیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام کی تاثیر سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اعمالِ صالحہ اور وظائف مسنونہ کے ساتھ ان شاء اللہ سحر وجادو سے حفاظت رہے گی۔''

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ''مجھے کسی صاحب نے کہا کہ حضرت آپ پر سخت قسم کا جادو ہے۔ میں نے کہا الحمدللہ فرائض کی پابندی کرتا ہوں، روزانہ رات کو نماز تہجد ادا کرتا ہوں، صبح وشام اذکارِ مسنونہ کا اہتمام کرتا ہوں، شیطان وسحر سے حفاظت کی دعائیں بھی پابندی سے پڑھتا ہوں، دن بھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک پڑھتا ہوں۔ اس کے باوجود بھی اگر مجھ پر جادو کا حملہ ہو گیا ہے، تو پھر میرے لیے جینے سے مرجانا ہی بہتر ہے مجھے مرنے دو۔''

مذکورہ بالا چند واقعات سے قارئین نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میرے شیخ حضرت

لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے کس قدر قرآن فہمی، حدیث وسنت کا ذوق اور رسوخ علمی نصیب فرمایا تھا۔ ان کی نظر قرآن وحدیث پر کس قدر گہری تھی۔ وہ علومِ نبوت کے کس قدر حامل و ترجمان تھے۔ یہ حق تعالیٰ کی جانب سے آپ کو کمالات علمیہ عطاء ہوئے تھے۔

رسوخ اعتقادی:

دین وملت میں اساس وبنیاد اعتقادات وایمانیات ہوتے ہیں۔ ایمان وعقیدہ کی مثال تخم وبیج اور اعمال وافعال مثلِ برگ وبار کے ہیں۔ تخم عمدہ ومثالی ہوتو برگ وبار بھی عمدہ ومثالی ہوتے ہیں ورنہ درخت وپودے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں میں سب سے پہلے اعتقادات پر محنت کی۔ لوگوں کے فاسد عقیدوں کو درست کیا، انہیں کفریہ وشرکیہ اعتقادات سے ایمانیات پر لائے۔ جن لوگوں کے عقائد درست ہوگئے، ان میں اعمال وطاعات بھی راسخ ہوگئیں، یہ لوگ باکمال بن گئے۔ ایمان واعتقاد میں تزلزل واضطراب تشکیک پیدا کرتا ہے اور تشکیک تصدیق کی ضد ہے، تصدیق کے بغیر ایمان پیدا نہیں ہوسکتا۔

حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے رسوخ فی الاعتقاد کی دولت عطا فرمائی تھی، آپ عقائد میں نہایت ہی متصلب اور مضبوط تھے۔ عقائد اسلام کے ساتھ عقائد اہل السنت والجماعت میں بھی آپ کو عین الیقین کی حد تک تیقن تھا۔ آپ عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت، عقیدہ ختم نبوت، صداقت قرآن، حشر ونشر، معاد وقدر، وجودِ ملائکہ کے ساتھ ساتھ عقائد اہل السنت والجماعت وزن اعمال، پل صراط، شفاعت رسول، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حیات برزخی، عذاب وثواب قبر، توسل بالذات وغیرہ پر نہ صرف قائم تھے بلکہ ان عقائد کے آپ داعی ومبلغ تھے۔

ان عقائد پر آپ پہاڑ جیسے مضبوط دلائل قائم فرماتے تھے، گویا کہ آپ کا ایمان تقلیدی ہی نہیں تحقیقی بھی تھا۔ اعتقادات میں تصلب کے ساتھ آپ اعتدال اور صراط مستقیم پر قائم رہے۔ آپ کے مزاج میں شدت ونفرت کی بجائے نرمی ومحبت تھی۔ آپ لوگوں کو اپنے اعلیٰ اخلاق ودلائل سے اپنا گرویدہ بنالیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مکاتب فکر کے بزرگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ اتباع سنت کو اپنا شعار بنایا، بدعات سے مجتنب ومتنفر رہے۔ سنت میں موجود جملہ اعمال کے احیاء کی سعی فرمائی اور عصرِ حاضر میں رائج رسوم ورواجات اور

بدعات سے مکمل مجتنب رہے۔

کسی قسم کی کوئی مصلحت، رواداری اور باہمی تعلق آپ کو رسوم و بدعات کی جانب ادنیٰ بھی مائل نہ کر سکا۔ جسے حق جانا ڈنکے کی چوٹ کہہ ڈالا اور جسے باطل و غلط تصور کیا، بلا خوف لومۃ لائم اعلانیہ ڈنکے کی چوٹ کہہ دیا۔ آپ اس شعر کے صحیح مصداق تھے ۔

اپنے بھی خفا مجھ سے، ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

آپ عقائد اہل السنت والجماعت میں اپنے اکابر و اسلاف پر مکمل اعتماد فرماتے تھے۔ اپنے اکابر سے آپ کو عشق و جنون کی حد تک تعلق تھا، انہیں اپنا سرمایہ سمجھتے اور ان کی تحقیق کو حرف آخر خیال فرماتے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ پر آپ کا حسن اعتماد کا یہ عالم تھا کہ آپ ان کی کتب و شروح کے گویا کہ حافظ اور ان کے احوال و سوانح آپ کو حرف بحرف یاد تھیں۔

ان حضرات کی تحقیقات پر بھرپور اعتماد فرماتے تھے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اجل خلیفہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہلسنت شیخ التفسیر مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا علمی قائد تسلیم کرتے تھے۔ اعلانیہ ارشاد فرماتے تھے جو عقائد ان دو بزرگوں کے ہیں، میرے بھی وہی عقائد ہیں۔ عبارات اکابر کی تشریح و توضیح آپ پر بس تھی۔ اپنے بزرگوں کی مشکل و مبہم عبارتوں کی ایسی دل نشین تشریح فرماتے کہ طبیعت عش عش کر اٹھتی۔

حق تعالیٰ نے آپ سے توحید و سنت کے ساتھ عقیدہ ختم نبوت، ناموس و عدالتِ صحابہ، مسئلہ تقلید، احترام مجتہدین و فقہاء کرام، حیات انبیاء علیہم السلام میں بھی خوب کام لیا۔ آپ نے مذکورہ بالا میدانوں میں کام کرنے والی شخصیات کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی اور سرپرستی بھی کی۔ جب بھی کام کرنے والوں میں افراط و تفریط کو دیکھا تو فوراً اصلاح و تنبیہ فرمائی۔ گویا آپ نے ہمیشہ اعتدال و توسط کا راستہ اختیار فرمایا۔ آخری عمر میں حق تعالیٰ نے عقیدہ ختم نبوت کے دفاع

کے مبارک فریضہ کی قیادت آپ کو عطاء فرمائی۔

اپنے اکابر و اسلاف، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری، محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری، خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور اپنے مرشد و شیخ حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب (رحمہم اللہ تعالیٰ) کا جانشین بن کر تادمِ زیست ختمِ نبوت کی چوکیداری کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کو جس قدر میں نے پڑھے، شاید ہی کسی اور نے پڑھے ہوں۔'' اسی طرح جملہ اکابر کے حالات زندگی آپ کو مستحضر تھے۔

گذشتہ سال ہندوستان کے سفر میں کسی مقام یا مزار پر جانے کا اتفاق ہوا، حضرت نے اس شخصیت اور مقام کی تاریخی حیثیت اور اس شخصیت کی زندگی کا خاکہ پیش فرمادیا۔ اکابر کے تقویٰ، علمی لیاقت، زہد کے واقعات سنا کر سامعین وحاضرین کے ایمان کو تازہ فرماتے۔ اکابرینِ دیوبند سے متعلق جتنی معلومات آپ کو تھیں، شاید دیوبند کے باسیوں اور ان اکابر کے عزیزوں کو بھی اس قدر معلومات نہ ہوں۔

سفرِ ہند میں حضرت جب مقامات کا تعارف کرواتے تو ایک مقام سے دوسرے مقام کی مسافت بھی آپ بتادیتے مثلاً ہمیں دیوبند سے نانوتہ، نانوتہ سے گنگوہ، گنگوہ سے سہارنپور، سہارنپور سے رائے پور جانا تھا، حضرت ہمیں سفر سے پہلے ہی ایک مقام سے دوسرے مقام تک کا فاصلہ بتادیتے اور ان مقامات پر پہنچنے تک ہزاروں صفحات پر مشتمل تاریخ ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیتے تھے۔ ان چیزوں سے حضرت کی جہاں اکابر سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں آپ کی بے مثال قوتِ حافظہ اور یادداشت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(مضمون ہٰذا تین حصوں میں قسط وار شائع کیا گیا)

(حصہ اول: تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' رجب، شعبان ۱۴۳۶ھ/مئی، جون 2015ء)

(حصہ دوم: تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' رمضان ۱۴۳۶ھ/ جون، جولائی 2015ء)

(حصہ سوم: تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' شوال المکرم ۱۴۳۶ھ جولائی، اگست 2015ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیقؒ کا سانحہ ارتحال

[سن وفات: 2016ء]

استاذ العلماء، کہنہ مشق مدرس، سلسلۂ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مجاز شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے شاگردِ خاص، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۹ جمادی الاولیٰ بمطابق 18 فروری بروز جمعرات داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

آپ بلاشبہ عالم باعمل، مرشدِ کامل، ماہر مدرس اور امت کے زبردست خیر خواہ اور معلم تھے۔ زندگی بھر جامعہ خیر المدارس ملتان میں قال اللہ وقال رسول اللہ ﷺ کی صدا بلند فرمائی اور تادمِ زیست جامعہ خیر المدارس ملتان اور علومِ نبوت کی خدمت میں مشغول رہے۔ حضرت مولانا محمد صدیقؒ 1926ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نواحی چک 251 گ ب، اوگی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عصری تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ ابتدائی دینی تعلیم بھی اپنے علاقہ کے بزرگ مولانا عبدالمجید نورنگ پور سے حاصل فرمائی۔ کنز الدقائق تک یہاں پڑھنے کے بعد مدرسہ خیر المدارس جالندھر کا سفر فرمایا۔ یہاں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ چار سال تک زانوئے تلمذ طے کیا، اس دوران مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر سے ملتان منتقل ہو گیا۔

تقسیم ہند کے وقت حضرت جالندھریؒ تقسیم اور پاکستان کے پرجوش حامی تھے۔ بنابریں ہجرت فرما کر ملتان میں مدرسہ قائم فرمایا، تو اپنے ہونہار شاگرد کو بھی طلب فرمایا۔ یہیں پر حضرت مولانا محمد صدیق نے ۱۳۶۸ھ میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ ایک سال تکمیل کے اسباق پڑھنے کے بعد ۱۳۷۰ھ میں جامعہ خیر المدارس ملتان میں معین مدرس مقرر ہوئے اور ایک سال بعد آپ کو مدرس مقرر کر دیا گیا۔ از اوّل تا آخر کتب دینیہ پڑھانے کے بعد شیخ الحدیث کے عالی منصب پر فائز ہوئے اور ایک عرصہ تک جامعہ خیر المدارس کے صدر مدرس بھی رہے۔ آپ کا اندازِ تدریس

منفرد تھا، آواز میں اعتدال اور دھیما پن تھا اس لیے بولتے وقت سبق کو سپردِ قرطاس کرنا دشوار نہ ہوتا تھا۔ اپنے اسباق میں صرف دورہ حدیث کے طلباء کو لکھنے کی اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ آپ کا حدیث پاک کا سبق تو محبت و عشق کا مظہر ہوتا تھا۔ آپ کی شبانہ روز محنتوں کی وجہ سے جہاں آپ کی تدریس کا دور دور تک شہرہ ہوا، وہاں خیر المدارس بھی مدرسہ سے جامعہ بنا۔ دنیا بھر میں تشنگانِ علوم یہاں آکر سیراب ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ بحمد للہ جاری وساری ہے۔

آپ بجا طور پر اپنے شیخ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے علمی جانشین اور اُن کے مزاج شناس تھے۔ اکابر سے محبت اور عقیدت آپ کی گھٹی میں شامل تھی۔ جامعہ خیر المدارس سے آپ کا والہانہ تعلق عشق کی حد تک تھا۔ حضرت حاجی فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے مجاز بھی تھے۔ پاکستان کی دینی و مذہبی جماعتوں کے مشیر و خیر خواہ اور دُعا گو تھے۔ آپ کا جمعیت علماء اسلام سے خاص تعلق تھا۔ آپ کی سندِ حدیث بھی عالی ہے، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے صرف دو واسطوں سے شاگرد تھے۔ وہ دو واسطے حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت مولانا محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آخر عمر میں صحیح بخاری کی تقریر و شرح مرتب فرمائی، جس کی کئی جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ مختلف جرائد میں مختلف موضوعات پر بہترین مضامین بھی تحریر فرماتے تھے۔ صدائے فاروقیہ شجاع آباد کو اپنی تحریروں کے لیے ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی وفات سے چند روز قبل آپ نے ایک مضمون ماہنامہ صدائے فاروقیہ میں ارسال فرمایا جو طبع ہوا۔

آپ کی وفات عالمِ اسلام بالخصوص ہم جیسے کم علموں اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے لیے سانحہ عظیمہ ہے۔ ادارہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد آپ کے صاحبزادوں، تلامذہ اور جامعہ خیر المدارس کے اساتذہ، طلباء و متعلقین سے اظہارِ تعزیت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات عالیہ میں اضافہ فرمائے۔ بلاشبہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے مہتمم حضرت اقدس مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم العالیہ آپ کے علمی جانشین اور تربیت یافتہ ہونے کے ساتھ آپ کے معتمد ہیں، ادارہ اُن سے بھی اظہارِ تعزیت کرتا ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ/ مارچ 2016ء)

حق گو شخصیت استاذ العلماء شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ

[سن وفات: 2016ء]

استاذ المحدثین، شیخ الصالحین، مجسمہ علم وحلم، پیکر صدق ووفا، حامل علم وعمل، شیخ الحدیث، حضرت اقدس مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ اپنے عہد کی نابغۂ روزگار شخصیت تھی۔ آپ ان معدودے چند ہستیوں میں سے تھے، جنہیں قدرت اپنے مشن کے لیے بطور خاص توفیق سے نوازتی ہے، جن سے خلق خدا کو نور ہدایت اور مضطرب ومایوس لوگوں کو طمانینت نصیب ہوتی ہے۔ آپ نے زندگی بھر ''قال اللہ وقال الرسول'' کے نغمے بلند کیے۔ عوام تو عوام، علماء ومشائخ کی راہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ مسند تدریس پر متمکن ہو کر علم وحکمت کے گوہر یکتا افشاء فرمائے۔ منبر ومحراب کے ذریعہ حق گوئی وراست بازی کا فریضہ سرانجام دیا۔ تحریر وتصنیف کے ذریعہ ہر معاملہ میں امت کو صحیح سمت عطا فرما کر بھٹکنے سے محفوظ فرمایا۔ جسے حق جانا اسے بیان کیا، نہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کی اور نہ کسی دُنیوی طمع ولالچ نے آپ کو اپنے مشن سے باز رکھا، تزکیہ وسلوک کی منازل طے کرتے ہوئے، اپنے آپ کو مٹا کر رفعتیں حاصل فرمائیں، تواضع وانکساری، اخلاص وللّٰہیت کو اپنا شعار بنایا، خدمت خلق، خدمت دین اور خاص طور پر خدمت حدیث کرتے ہوئے عالم آخرت کو سدھار گئے۔

حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ 1926ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، ابتدائی عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد قطب وقت، استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں جالندھر علم وادب کے حصول کے لیے حاضر ہوئے

اور اس مقصد کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔

جالندھر میں چند سال حصول علم سے شرف یاب ہوتے رہے، اسی اثناء میں مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان معرض وجود میں آئی تو آپ کے استاذ مکرم اور ان کے متعلقین ہجرت کر کے ملتان تشریف لائے۔ ملتان میں جامعہ خیر المدارس منتقل کیا گیا تو آپ کو تکمیل علوم کی سعادت جامعہ خیر المدارس ملتان میں نصیب ہوئی، یوں حصول علم کے ساتھ اپنے مربی وشیخ، معلم ومرشد کے ساتھ وفا کا حق ادا فرمایا۔ دوسری جانب قدر شناس استاذ نے بھی اپنے اس ہونہار شاگرد کی صلاحیتوں کو بھانپتے ہوئے اپنی تلمیذی رفاقت سے صحبت تدریس میں لے کر وفا کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے فاتحہ فراغ پڑھنے کے بعد سے لے کر اختتام حیات تک تقریباً ستر سال جامعہ خیر المدارس ملتان میں گزار دیے۔ مادیت کے اس دور میں وفا کی تصویر بن کر ایک ہی جگہ روکھی سوکھی پر گزارا کرتے ہوئے خدمت دین سرانجام دینا، بس ان جیسے بزرگوں کا ہی خاصہ تھا، ورنہ تو بدقسمتی سے اس مبارک شعبہ کو بھی طمع ولالچ اور حرص وہوس نے چاروں جانب سے یوں چت کیا ہے کہ آج اس قدر وفا کا تصور بھی ممکن نظر نہیں آتا۔

حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ اپنے منفرد طرز تدریس، نظام تعلیم، نظام تربیت اور طلبا کی خیر خواہی ومحبت کی وجہ سے علمی حلقوں میں معروف ومشہور ہو گئے۔ بلاشبہ آپ فرزند جامعہ خیر المدارس ہیں، تاہم آپ کی برکت ومحنت سے مدرسہ عربیہ خیر المدارس، جامعہ خیر المدارس بنا۔ کسی بھی مدرسہ کی ترقی میں اس کے اساتذہ کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ جامعہ خیر المدارس کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ اس کے بانی ومہتمم اول حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ بہترین مدرس، کہنہ مشق مفتی، شیخ کامل، عارف وزاہد اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے حامل عالم ربانی تھے۔ آپ کے رفقاء کار بھی اپنے زمانہ کے معتبر ترین علماء ربانی تھے۔

رفتہ رفتہ ان قدسیوں کی جماعت نے عالم آخرت کا رخ کیا، تو ان کی جگہ حضرت اقدس مولانا محمد شریف کشمیری، حضرت مولانا محمد عبداللہ ڈیروی، حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی اور پھر حضرت مولانا مفتی عبدالستار اور حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے لوگوں نے حاصل فرمائی۔ اب بھی ترقی کا یہ سفر جاری وساری ہے۔ خدا کرے کہ مادر علمی جامعہ خیر

المدارس اپنے اکابر کے منہج پر اسی طرح گامزن رہے۔ حضرت مولانا محمد صدیقؒ کا امتیازی وصف دیگر علوم کی تدریس کے ساتھ خدمت حدیث بھی ہے۔ آپ کو ایک طویل عرصہ تک اصح الکتب بعد کتاب اللہ "صحیح بخاری" کی تدریس کا شرف حاصل رہا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے جامع ترمذی اور حدیث کی دوسری کتب بھی تشنگان علوم کو پڑھائیں۔ صحیح بخاری کی تدریس کا عرصہ بھی پچیس سال سے زائد کا ہے۔ صحیح بخاری کی تدریس میں آپ نے اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے علمی نکات کو خوب پھیلایا، آپ کا صحیح بخاری کا طرز تدریس معاصر شیوخ الحدیث میں نمایاں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ وہ بادل تھے جو اپنے شیخ و مربی سے سیراب ہو کر تشنگان علم حدیث پر برستے رہے۔ گویا کہ آپ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے علوم کے جامع بھی تھے اور ناشر بھی۔ آپ کی صحیح بخاری شریف کی املائی تقریر "الخیر الساری" کے نام سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل علم سے داد و تحسین وصول کر چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طرۂ امتیاز حق گوئی و بے باکی بھی تھا، آپ اپنے اکابر و اسلاف کے مزاج شناس اور ان کی روایات کے امین تھے، عصر حاضر کے فتنہ جدیدیت کو اسلام کے لیے بے حد خطرناک سمجھتے تھے، اس لیے کھل کر اس فتنہ کے خطرات کو بیان فرماتے۔ آپ عموماً ہر نئے پیش آمدہ اہم موضوع پر مضامین تحریر کر کے مختلف جرائد و رسائل میں طبع کے لیے ارسال فرماتے۔ آپ تحریک پاکستان کے اہم شاہد و گواہ تھے، اس لیے قیام پاکستان کے مقصد اور قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کے پاکستان کے مستقبل سے متعلق ارشادات کو بھی آپ نے اپنے ایک مضمون میں جمع فرمایا۔ آپ نے ایک مضمون میں توہین رسالت کو دلائل کے ساتھ دہشت گردی قرار دیا۔ اس طرح کے کئی وقیع مضامین آپ نے تحریر فرمائے۔

آپ کا میدان عمل تو زندگی بھر مدرسہ اور درس گاہ ہی رہا، لیکن آپ کی وسعت نظر اور تعمق علمی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ملکی اور بین الاقوامی حالات سے پوری طرح باخبر رہ کر امت کی راہنمائی کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔ آپ میدان عمل میں مصروف عمل دینی جماعتوں کے لیے ہمیشہ دعا گو رہتے اور انہیں مدارس و جامعات اور دینی طبقات کے لیے دفاعی لائن قرار دیتے۔ آپ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی تاسیس کے عینی شاہد اور وفاق کے

راہنما وحدی خواں تھے۔ ہمیشہ اکابرین وفاق کے لیے دعا گو رہتے۔ ناظم اعلیٰ وفاق اور مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم کی خصوصی تربیت فرمائی۔ جمعیت علماء اسلام سے بھی والہانہ وابستگی تھی، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن مدظلہم اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائیں لیتے۔

مدارس و جامعات کے تعلیمی نظم پر گویا آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، مدارس کے مہتممین آپ سے ملنے جاتے تو اکثر مدرسہ کا حال دریافت فرماتے اور تعلیمی ترقیوں کے لیے مشوروں سے نوازتے۔ آپ طلباء کے لیے زمانہ طالبعلمی میں غیر تعلیمی سرگرمیوں کے سخت خلاف تھے، اس لیے آپ طلباء کو غیر تعلیمی امور سے منع فرماتے۔ آپ کے نزدیک طالب علم کی علمی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ یکسو ہو کر حصول علم میں مصروف رہے اور عالم بن کر میدان عمل میں اترے۔ آپ توکل، صبر و استقامت کا نمونہ تھے، خدمت خلق آپ کا شعار تھا، آپ سے کوئی بھی شخص آ کر ملاقات کر سکتا تھا، نہ تو آپ نے اپنے آپ کو طلباء، علماء اور عوام سے الگ کیا اور نہ ہی آپ نے اپنے دروازے پر دربان بٹھائے۔ اکثر اوقات آپ جامعہ خیر المدارس کے صحن میں ہی تشریف فرما ہوتے۔ آخر عمر میں تو علالت کی وجہ سے نماز بھی چارپائی پر ادا فرماتے، لیکن گھر میں رہنے سے جامعہ میں رہنے کو ترجیح دیتے۔ جسے آپ کو ملنا ہوتا آ کر ملاقات کر لیتا۔ اتنا عظیم شخص اور اتنا سہل الوصول یہ آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

خوش اخلاق، خوش گفتار اور خوش پوشاک ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت اور وجیہ بھی تھے، تادم زیست جامعہ خیر المدارس کے صدر مدرس رہے، صدارت تدریس میں اساتذہ و طلباء سبھی پر آپ کی نگرانی مسلم تھی۔ آپ نے اپنے استاذ و شیخ کے جملہ معمولات کو زندہ رکھا، برس ہا برس تک نمازِ فجر کے بعد جامعہ خیر المدارس کی مسجد میں درس قرآن ارشاد فرماتے رہے۔ آپ کے درس سے عوام کے ساتھ خواص بھی مستفید ہوتے۔ یوں خدمت حدیث کے ساتھ آپ نے زندگی بھر خدمت قرآن بھی فرمائی۔

درسی علماء کرام کا عوام سے رابطہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، وہ اپنے کام میں ہی مگن رہتے ہیں، ان کے پاس فرصت کے لمحات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، اس لیے وہ عوام سے کم

ہی مل پاتے ہیں۔ راسخین فی العلم اور ماہرین مدرسین کی ایک جماعت ایسی بھی گزری ہے، جو اپنے اقارب کی خوشیوں وغموں تک میں اپنے علمی انہماک کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، بایں ہمہ حضرت مولانا محمد صدیقؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ مرجع العلماء ہونے کے ساتھ ساتھ مرجع عوام بھی تھے۔ عصر کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں آنے والے حضرات کا تانتا بندھ جاتا۔ لوگ آپ سے اپنے دنیوی ودینی مسائل میں راہنمائی لینے کے ساتھ دعائیں بھی لیتے، آپ نے سینکڑوں لوگوں کو وصول حق کے گر سکھائے اور ہزاروں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے گناہوں سے توبہ کی۔ آپ ایک عالم ومدرس ہونے کے ساتھ، طریقت کے شیخ کامل بھی تھے۔ اتباع سنت کا طبیعت پر غلبہ تھا، اس لیے طریقت کے شعبہ میں بھی ذرا سی کمی کو برداشت نہ فرماتے۔ بہت سے وہ اعمال جنھیں اہل اللہ ومشائخ نے وقتی ضرورت کی طرح اصلاح الناس کے لیے جاری فرمایا اور انہیں مباح قرار دیا، حضرت بدعت بن جانے کے اندیشہ کے پیشِ نظر ان کی مخالفت فرماتے۔ یہ سب کچھ آپ کا تقویٰ اور جذبہ اتباع سنت کی بدولت تھا۔ طرز تدریس میں بھی اپنے اسلاف کے طرز کو ترک کرنے پر نالاں ہوتے۔

یوں حق تعالیٰ نے انھیں محبوب عوام وخواص بنا دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ کے لیے ملتان کا تاریخ ساز اسٹیڈیم منتخب کیا گیا، آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں پر وسیع وعریض اسٹیڈیم کا دامن بھی تنگ پڑ گیا۔ لاکھوں فرزندانِ توحید نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اس مرد قلندر کو دنیا سے رخصت کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(ماہنامہ الخیر ملتان، اشاعت خاص)

فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی رحمہ اللہ

(مَکِّیٌ حَیًّا وَمَدَنِیٌ مَیِّتًا)

[سن وفات: 2017]

پاسبانِ ختم نبوت، جامع شریعت وطریقت حضرت اقدس الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی مورخہ 16 جنوری 2017ء بمطابق ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ ایک تبلیغی سفر کے دوران ساؤتھ افریقہ میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر آسودۂ خاکِ جنت البقیع ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی۔

حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی کی زندگی رحلت فی سبیل اللہ سے عبارت رہی اور وفات بھی راہِ خدا میں ہوئی۔ آپ کی ولادت 1946ء میں امرتسر (ہندوستان) میں ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کے خاندان نے پاکستان (فیصل آباد) ہجرت کی۔

1953ء میں آپ کا خاندان مہاجرِ مکی ہو کر سعودی شہریت کا حامل بنا۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے تعلیم وتبلیغ دین کے لئے نظام الدین اور سہارن پور ہندوستان سفر فرمایا۔ یہاں آپ کو حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی صحبت میسر آئی۔ جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور ہندوستان میں کسب علم اور مراحلِ سلوک طے کئے تو نظام الدین سے تبلیغ دین کا ذوق حاصل فرمایا۔ آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص اور خلیفہ مجاز تھے۔

مکہ مکرمہ واپس لوٹے تو تادم زیست تحفظِ ختم نبوت، احسان وتصوف، تبلیغ وارشاد،

جہاد ودعوۃ کے سینکڑوں اسفار فرما کر دنیا کے کونے کونے میں جا پہنچے۔ یورپ، ایشیاء، افریقہ، امریکہ وغیرہ کے اکثر ممالک میں ان کا ورودِ مسعود ہوا۔

بالآخر ساؤتھ افریقہ کے دینی سفر میں راہِ حق کے مسافر ہوئے، زندگی بھر مکی رہنے کے بعد تا حشر مدنی ہو کر جنت البقیع میں ہزاروں صحابہ، اہل بیت اطہار، تابعین کرام، ائمہ مجتہدین، مفسرین، محدثین، سلف واکابر، مشائخ وعلماء بالخصوص اپنے سلسلہ کے مشائخ حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ کی آغوش میں آرام فرما ہوئے گویا کہ ؎

کڑے سفر کا تھکا مسافر تھکا ہے ایسا کہ سوگیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کرلیں، ہر آنکھ لیکن بھگوگیا ہے

مولانا عبدالحفیظ مکیؒ جامع الصفات شخصیت تھے۔ آپ بیک وقت مدرس، شیخ طریقت، مبلغ، واعظ، دینی جماعتوں کے سرپرست اور تحریک ختم نبوت کے قائد تھے۔ آپ نے عالم عرب میں اپنے اسلاف ومشائخ کے سنتِ مطہرہ پر مبنی افکار ونظریات کی خوب خوب ترویج فرمائی۔ آپ نے حرم مکہ کے سامنے مکتبہ ''امدادیہ'' کے نام سے ایک کتب خانہ قائم فرمایا اور اس کتب خانہ سے دنیا بھر میں مختلف لغات وزبانوں میں اپنے مشائخ کی فکر کو بھیجا۔ آپ نے عالمِ عرب میں علماء اہل السنت والجماعت دیوبند کی نہ صرف ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیا بلکہ ان مردانِ حق پر لگنے والے الزامات کے جوابات بھی عام فرمائے۔

آپ نے تصوف وسلوک کی حقیقت واضح کرنے کے ساتھ اہل عرب کے متفقہ شیوخ کی تصوف کے ساتھ وابستگی بھی بیان فرمائی۔ آپ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کا خاص قرب اور تلمذ وسلوک کا شرف حاصل تھا۔ آپ حضرت کے ''لاڈلے'' شاگرد وخلیفہ مشہور تھے۔ آپ کے ذریعے حضرت الشیخ کے صحیح بخاری کے علوم آگے منتقل ہوئے۔ آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے صحیح بخاری کے بکھرے علوم کو ''الکنز المتواری'' کے نام سے

یکجا فرمایا۔

آپ نے دنیا بھر میں احسان وسلوک کی ٹھنڈی ہوائیں چلادیں۔تحریکِ ختم نبوت کے لئے آپ نے شب وروز ایک کردیے۔آپ کی حیاتِ مبارکہ میں چندایک مسائل میں ملک کے جید علماء کرام نے اختلاف کیا،تاہم آپ کے احترام میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

احقر کی حضرت سے نیازمندی 1994ء سے ہے۔1994ء کے سفرِ حجاز میں شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوراللہ مرقدہٗ کے تعارفی خط کے ساتھ حاضر ہوا تو حضرت نے خوب خوب اکرام فرمایا،حضرت کی نوازشات کو احقر بھول نہیں سکتا۔جامعہ میں متعدد بار حضرت کی تشریف آوری ہوئی اور طلباء حدیث واساتذہ کرام کو سندِ حدیث اور نصائح سے نوازتے رہے۔آخری بار حضرت کی جامعہ میں تشریف آوری وصال سے چند ماہ قبل ہوئی،اس موقع پر بھی حضرت نے خوب خوب نوازشات فرمائیں۔اللہ تعالیٰ حضرت کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے نیز اُمت کو اس صدمہ کی گھڑی میں استقامت نصیب فرمائے۔آمین۔

ادارہ صدائے فاروقیہ انٹرنیشنل ختم نبوت کے ذمہ داران،حضرت کے خلفاء عظام، صاحبزادگان اور پوری اُمت سے اظہارِ افسوس کرتا ہے۔

(تاریخ اشاعت:ماہنامہ''صدائے فاروقیہ''جمادی الاول ۱۴۳۸ھ/فروری 2017ء)

سلطان العلماء، شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ بھی چل بسے

[سن وفات: 2017]

سلطان العلماء، استاذ الاجیال، فخر المحدثین، قائد المسلمین، مرجع العلماء، محبوب الصلحاء، اسلامیانِ عالم کے دلوں کی دھڑکن، مدارسِ دینیہ کے قائد ورہبر، قافلہ شیخ الہند کے حدی خوان، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، صدر اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان، بانی، مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی مورخہ 15 رجنوری 2017ء بمطابق ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ کو مختصر علالت کے بعد زندگی کی تقریباً ایک صد بہاریں دیکھ کر راہی اجل ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔

حضرت والا کے فراق میں اہل علم وصلاح نہ صرف حزین وغمگین ہیں بلکہ ہر آنکھ اشک بار اور ہر دل مضطرب ہے۔ فتنہ، افتراق، انتشار اور سلف بیزاری کے اس دور میں ہر صاحب دل اپنے آپ کو بے سہارا اور یتیم محسوس کر رہا ہے۔ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سنہری حروف طِبْتَ حَيًّا وَطِبْتَ مَيِّتًا کلماتِ تسلی ہیں۔ آپ کی زندگی بھی مبارک اور وفات بھی مبارک ہوئی اور ساتھ ہی یہ فرقانی پیغام سہارا بنا ہوا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۞ (النساء: ۱۴۴)

''اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائے سکتا۔ اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا۔''

بلاشبہ حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ اپنی ذات میں انجمن اور اکیلے ہی ایک جماعت تھے۔ ان میں حق تعالیٰ نے متنوع کمالات ودیعت فرمائے تھے۔ وہ اکابر و اسلاف کی نسبتوں کے امین اور ان کے کمالات عالیہ کا مظہر تھے۔ وہ صرف محقق، مدقق عالم ہی نہ تھے بلکہ بہترین کارکن اور شفیق قائد بھی تھے۔ وہ صرف استاذ ہی نہیں بلکہ شیخِ طریقت اور مرشد و مربی بھی تھے۔ ان میں سادگی، تواضع، جفاکشی، زہد، تقویٰ اور توکل مع اللہ کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک پاکیزہ سوچ کے حامل پاکیزہ انسان تھے۔

انہوں نے ایک دو نہیں بلکہ چار نسلوں تک کو سنبھالا۔ وہ مردشناس بھی تھے اور مردم خیز بھی۔ انہوں نے بلاشبہ قطروں کو دریا اور ذروں کو پہاڑ جیسا بنا دیا۔ وہ بلا کے سخی اور دریا دل تھے۔ وہ حلقۂ یاراں میں ابریشم اور رزمِ حق و باطل میں فولاد تھے۔ ان میں پہاڑ جتنا عزم و حوصلہ اور سمندر جیسی گہرائی تھی۔ اُن کی نظریں آفاق پر اور ہمت و قوت میں سیلِ بے کراں تھے۔ وہ پیرانہ سالی میں بھی مضبوط قوتِ فیصلہ کے حامل اور جوانوں سے زیادہ قوتِ ارادی رکھتے تھے۔ اُنہیں نہ تو کوئی مرعوب کر سکتا اور نہ ہی اُن پر کوئی اثر انداز ہوتا۔ وہ نحیف بدن کے باوجود سپہ سالاروں سے زیادہ بہادر تھے۔ وہ بڑے بڑے آمروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکار دیا کرتے تھے۔ حکومتوں کے غلط فیصلوں اور قوانین کو اشاروں کے ساتھ پاش پاش فرماتے۔ آپ کے اشاروں پر پاکستان کے کروڑوں عوام تن من دھن قربان کرنے کو تیار ہوتے۔ علماء آپ کی ایک جھلک دیکھنے کو ترستے۔ آپ صرف ایک مکتبِ فکر کے راہنما نہ تھے بلکہ جملہ مکاتبِ فکر کے قائدین آپ کے کارکن نظر آتے۔ بایں ہمہ آپ نے کبھی طاقت کا غلط استعمال فرمایا اور نہ ہی راہِ اعتدال ترک فرمائی۔

وہ ایک درویش منش انسان تھے۔ خود غرضی، لالچ سے کوسوں دور، کام، کام اور کام ان

کا نصب العین تھا۔ انہوں نے مذہبی کاز بالخصوص مدارس کا مقدمہ دنیا کے سامنے بڑی حکمت وبصیرت سے لڑا۔ ان کی کاوشوں سے وفاق آفاق تک پہنچا، علماء سر اُٹھا کر چلنے کے قابل ہوئے۔ ان کی محنتوں کی بدولت علماء عزتوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہوئے۔ انہوں نے علماء کو بہترین نظم اور نصاب ونظامِ تعلیم کی خوب صورت لڑی میں پرویا۔ اُن کے تشکیل کردہ مدارس کے نظام ونصاب نے دنیا میں دھوم مچادی۔ آپ کے قائم کردہ نظام کی بدولت لاکھوں طلباء میں تعلیمی مسابقت کا ماحول پیدا ہوا۔ آپ نے تحقیق کا ایک نیا میدان سجایا اور اس میدان میں علمی شہسوار اُتار ڈالے۔ آپ پابندِ درس استاذ ہونے کے ساتھ کثیر الاسفار قائد بھی تھے۔ تارکِ دنیا ہونے کے ساتھ باصلاحیت منتظم بھی قرار پائے۔ ناقابلِ تسخیر ہونے کے ساتھ اصاغر اور تلامذہ بلکہ تلامذہ کے تلامذہ کے لئے سہل الوصول بھی تھے۔ بڑھاپے میں جوان اور جوانی میں بوڑھوں جیسی صفات کے حامل تھے۔ الغرض ان کی ذات صاحبِ صفات تھی۔ جوں جوں ان میں غور کرتے جایئے، ان کے کمالات کھلتے چلے جاتے ہیں۔

احقر کا ان کے ساتھ نیاز مندانہ تعلق وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے کارکن کی حیثیت سے تقریباً ایک عشرہ پر محیط ہے۔ اس دوران حضور والا کو جلوت وخلوت میں دیکھنے کا موقع ملا، حضرت کی محبت بھی میسر آئی۔ یقیناً یہ لمحات زندگی کا ایک حسین خواب محسوس ہوتے ہیں، جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ احقر ان لمحات کو اپنی زندگی کا حُسن اور حسنِ خاتمہ کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ حضرت جیسی عظیم شخصیت کی ہم جیسے نالائقوں کو قدر بھی نہ ہوئی۔ وہ دورِ حاضر میں سلف کی بہترین یادگار تھے۔ آپ کی زندگی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیگر شخصیات سے بوجوہ ممتاز تھے مثلاً......

۱)۔ دنیا میں لائق وفائق، باکمال شخصیات کم سہی لیکن معدوم نہیں۔ تاہم ان شخصیات کی زندگی دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر باکمال شخصیت کسی ایک شعبہ میں باکمال ہوتی ہے۔ بطورِ مثال اگر کوئی شخصیت صاحبِ قلم اور مصنف ہے تو گمنامی میں صرف تصنیف وتالیف میں ہی مصروف رہتی ہے، عموماً ایسی شخصیات تحریکوں اور عوامی سرگرمیوں سے دور ہوتی ہیں۔ خطیب اور واعظ اپنے میدان میں ہی جولانی دکھاتے

ہیں، وہ دیگر شعبوں سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ اچھے قائد ہوتے ہیں، لیکن وہ تحریکوں، جماعتی سرگرمیوں کی نذر ہو کر مسندِ تدریس وارشاد سے الگ ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت فخر المحدثین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے ایسی خصوصیات عطا فرمائی تھیں کہ وہ بہترین محقق، جامع المعقول والمنقول مدرس بھی تھے، بہترین واعظ وخطیب بھی، زبردست منتظم اور بہترین قائد بھی، تنظیمی مزاج بھی تھا اور درسی مزاج بھی، خلوت نشین بھی تھے اور جلوت نشین بھی، حلقہ یاراں میں مگن رہے تو خلوتوں کے بھی مزے لوٹتے۔ ان متضاد صفات کا حامل ہونا ہمارے حضرت کی خصوصیات میں سے ہے۔

۲)۔ عموماً کام کی شخصیات کا دائرہ کار عمر کے ایک حصے تک محدود ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ جوانی میں جولانی دکھا کر بڑھاپے میں کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جبکہ بہت سوں کو مقام و منصب بڑھاپے میں ملتا ہے، ان کی جوانی اس منصب کے حصول کے لئے سرگردانی میں گزرتی ہے۔ ہمارے حضرت کی زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔ بعض لوگ بچپن سے پچپن تک کام کرتے ہیں، ہمارے حضرت نے تو بچپن سے ۹۵ برس سے زائد کی عمر تک برابر کام کیا۔ آپ کو بحمد اللہ لڑکپن میں ہی مقام ومنصب ملا اور جنت کے درجات کی طرح وہ مقام بڑھتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ آخری لمحات تک آپ نے درس بخاری بھی دیا اور وفاق المدارس کے امور بھی نمٹائے۔ محض سرپرستی کی حد تک ہی مشغول نہیں رہے بلکہ عملی طور پر آپ متحرک رہے اور کبھی بھی معاملات اپنے ہاتھ سے نکلنے نہیں دیئے۔ وفات سے چند روز قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں اور وفاق میں انتشار کی کوششوں کو حکمت وبصیرت کے ساتھ نہ صرف ختم فرمایا بلکہ معاملہ کی شفافیت کو بھی واضح فرمایا نیز شکایت کنندگان کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے اپنے دیرینہ رفیق وخادم، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس کی تربیت واصلاح بھی فرمائی۔

۳)۔ آپ مختلف مزاج کے اکابر کی نسبتوں کے امین اور مسلکِ سلف کے محافظ تھے۔ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، اسماء الرجال، فقہ، اصول فقہ وغیرہ میں یدِ طولیٰ رکھنے کے

باوجود منصوص مسائل میں آپ نے ہمیشہ اعتماد علی السلف فرمایا اور کبھی اپنے اکابر پر بداعتمادی اور سوءِ ظن نہیں فرمایا۔ عصر حاضر میں آپ علماء اہل السنت والجماعت دیوبند کے حقیقی ترجمان اور روایات کے امین تھے۔ اکابر کی تحقیقات پر بداعتمادی تو درکنار، آپ تو ان کی بے ادبی پر بھی سیخ پا ہوجایا کرتے تھے۔ آپ کے سامنے جب بھی کسی ایسی شخصیت یا جماعت کا ذکر آتا جو روایاتِ سلف سے منحرف ہو، تو آپ غیض وغضب کا عملی نمونہ بن کر ایسے لوگوں کو اپنے سے الگ فرمادیتے۔ اس سلسلہ میں معمولی کوتاہی بھی آپ کے نزدیک جرمِ عظیم ہوتی اور ایسے لوگ آپ کے نزدیک ناقابلِ معافی ہوتے۔ آپ کے حلقہ میں رہنے والے اور آپ کے مزاج شناس خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے بہت سی شخصیات اور جماعتوں کو اس سلسلہ میں سخت تنبیہ فرمائی۔ نظریات وافکار تو درکنار، آپ اکابر کے مزاج سے بھی سرمو انحراف پسند نہ فرماتے۔ سلف بیزاری کے فتنے کے قلع قمع کرنے کے ساتھ آپ تجدد پسندی کو بھی قطعاً گوارا نہ کرتے۔ متجددین کو آپ منحرفین قرار دیتے۔ مغرب کے کاسہ لیس مسلمانوں اور مذہبی راہنماؤں سے آپ کو سخت چڑ تھی۔ مغرب کی جانب سے اسلام اور اہل اسلام پر ہونے والی چومکھی یلغار سے آپ خوب واقف تھے۔ مغربی این۔ جی۔ اوز کی چالوں کو آپ نہ صرف مدارس واہل اسلام کے لئے شدید خطرہ سمجھتے بلکہ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخر میں ایسی مغربی تحریکوں پر کاری ضرب بھی لگائی۔ آپ نے اہل مدارس کو ان مغربی شکاریوں کے جال میں پھنسنے سے نہ صرف منع کیا بلکہ حفاظت کے بھی انتظامات فرمائے۔

ماضی قریب میں کراچی کے چند حضرات ایک مغربی ملک کے سفارت خانہ میں منعقدہ ایک تربیتی نشست میں شریک ہوئے، آپ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے کراچی میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلا کر ایسے حضرات کی خوب خبر لی۔ تقریباً ایک سال قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اراکین مجلس عاملہ سے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارن پور سے جاری شدہ فتویٰ بابت حیات الانبیاء علیہم السلام پر دستخط لئے۔ اس

سلسلہ میں آپ نے پاکستان کے بڑے بڑے جامعات کے بھی فتاویٰ جات حاصل فرمائے۔ غامدی فتنہ کی شرانگیزیوں سے بھی آپ خوب واقف تھے۔ اس لئے دیگر اکابر کے ساتھ مل کر اس فتنہ کے بارے میں بھی عوام الناس کو آگاہ فرمایا۔ ماضی بعید میں بھی سلف کی راہ سے ہٹنے والے حضرات کی آپ نے خوب اصلاح فرمائی۔

۴)۔ تواضع وانکساری آپ میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ معمولی معمولی شخصیات سے بھی آپ کا انداز متواضعانہ اور مؤدبانہ ہوتا۔ دوسروں کی حوصلہ افزائی اور چھوٹوں کو بڑا بنانے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ آپ کی بے پناہ شفقتوں کی بدولت ملک بھر میں دسیوں شخصیات اُفق پر نمودار ہو کر میدانِ عمل میں اتریں۔ تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کو اپنا جوتا تک نہ اُٹھانے دیا۔ ذاتی خدمت لینے سے ہمیشہ مجتنب رہے، اپنے معتقدین کی خوشی وغمی میں شریک ہوتے۔ منہ پر کسی کو اپنی تعریف نہ کرنے دیتے۔

مورخہ 25 اکتوبر کو حضرتؒ جمعیت علماء اسلام پنجاب کے جنرل سیکرٹری اور وفاق المدارس العربیہ ضلع بہاولپور کے مسئول مولانا مفتی محمد مظہر شاہ اسعدی کی دعوت پر ان کے صاحبزادہ کے نکاح کے لئے تشریف لائے، اس موقع پر احقر بھی مدعو تھا۔ وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ شیخ الحدیث مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے تقریبِ نکاح میں مختصر اور جامع خطاب فرمایا۔ احقر نے حضرت کو نکاح پڑھانے کی دعوت دی اور ساتھ ہی حضرت کا تعارف کروایا۔ احقر کے سامنے صدرِ وفاق اور ناظمِ اعلیٰ وفاق دونوں تھے، یہ منظر دیکھ کر دل ودماغ کے دریچے دارالعلوم دیوبند کی جانب جا کھلے اور وہ منظر سامنے آگیا، جب دارالعلوم میں شیخ الحدیث وصدر المدرسین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ تھے، اس دور میں دارالعلوم نے بے پناہ ترقی کی۔ ایک بزرگ اور ایک نوجوان کی مشترکہ کاوشوں نے دارالعلوم کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ احقر نے اس موقع پر وفاق المدارس کے دورِ سلیم (مولانا سلیم اللہ خان) اور دورِ حنیف (مولانا قاری محمد حنیف جالندھری) کو دارالعلوم کے اُس دور سے تشبیہ دی۔ احقر نے حضرت کو نکاح پڑھانے

کی درخواست کی، ضعف ونقاہت کے باوجود کسی قدر تکلف کے ساتھ گفتگو کا آغاز فرمایا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا:

"......زبیر احمد صدیقی نے میرے متعلق جو کچھ کہا یہ درست ہے کہ وفاق المدارس نے بے پناہ ترقی کی اور اللہ تعالیٰ نے وفاق کے کام کو بہت بڑھایا لیکن میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔"

اندازہ لگائیے! حضرت نے منہ پر تعریف سننا گوارا نہ فرمایا۔ حوصلہ افزائی کا یہ عالم تھا کہ احقر کے جمعہ کے خطبات جو سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھے، "خطباتِ صدیقی" کے نام سے جن کی پہلی جلد طبع ہو کر آئی تو احقر نے کراچی کے سفر کے دوران ایک نسخہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں بھی پیش کیا، مقصد حصولِ دعا تھا۔ احقر شجاع آباد واپس ہوا، ابھی پہنچا نہیں تھا کہ بیٹے کے نمبر پر حضرت کا فون آیا اور کتاب کے بارے میں تفصیلات طلب فرمائیں اور حکم دیا کہ "زبیر" سے کہو وہ مجھ سے بات کریں۔ پہنچتے ہی احقر کو پیغام ملا، احقر نے رابطہ کیا تو حکم فرمایا کہ کتاب کا پورا ایڈیشن کراچی روانہ کرو جبکہ رقم حضرت نے اُسی وقت اکاؤنٹ میں بھجوادی۔ حضرت کی یہ ذرہ نوازی آج تک دل پر نقش ہے۔

حضرت والا کے شفقت ومحبت کے ایسے واقعات اَن گنت ہیں۔ ایک مرتبہ ملتان تشریف آوری کے موقع پر احقر نے امتحانی کمیٹی کے اراکین کو شجاع آباد تشریف لانے کی دعوت دی تو قبولیتِ دعوت کے لئے شام کا وقت طے ہوگیا۔ حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا:

"امتحانی کمیٹی کے ارکان شجاع آباد جا رہے ہیں، اگر آپ بھی شفقت فرمادیں تو عنایت ہوگی۔"

حضرت نے بلاتردد نہ صرف دعوت قبول فرمائی بلکہ فوراً روانگی کے لئے تیار ہوگئے۔ اتفاق سے اس سفر میں حضرت اپنے مصنوعی دانت کراچی بھول گئے تھے، اس وجہ سے بولنے میں ذرا دشواری بھی تھی، بایں ہمہ دورہ تفسیر القرآن الکریم کے لئے آئے

ہوئے طلباء سے آپ نے مختصر خطاب بھی فرمایا اور کچھ دیر احقر کے غریب خانہ کو رونق بخشنے کے بعد ملتان واپس تشریف لے گئے۔ اس سفر میں والد محترم حضرت مولانا رشید احمدؒ کا ذکرِ خیر فرماتے رہے۔ حضرت اس سے قبل غالباً 1978ء میں ہمارے والدِ محترم کی دعوت پر جامعہ میں تشریف لائے تھے، بندہ کو یہ جان کر بے حد حیرت و تعجب ہوا کہ حضرت کو وہ سفر نہ صرف یہ کہ یاد ہے بلکہ اس سفر اور میرے والدِ گرامی کے کچھ احوال بھی ذکر فرمائے۔

ہمارے شیخ حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق تھا۔ ہمارے شیخ آپ کے معتمد اور آپ ہمارے شیخ کے معتمدِ خاص تھے۔ حضرت لدھیانویؒ کو وفاق کی صدارت کی پیش کش ہوئی تو آپ نے اپنا وزن حضرتؒ کے پلڑے میں ڈال کر انہیں وفاق المدارس کا صدر بنوایا۔ ہر دونوں بزرگوں میں راز و نیاز کی باتیں رہتیں۔ حضرت لدھیانوی کا وصال ہوا تو شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے فوراً جنازہ کے لئے تشریف لائے۔ جنازہ کے جملہ انتظامات کی نگرانی احقر نے کی۔ حضرت نے جنازہ پڑھایا اور حسن انتظامات پر احقر کو ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

۵)۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان نہایت جری اور بے باک انسان تھے۔ آپ ہمیشہ اس اصول پر کار بند رہے ؎

کہتا ہوں وہی بات، سمجھتا ہوں جسے حق
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

آپ نے ہمیشہ کلمۂ حق بلند فرمایا، کبھی کسی سے دبے نہ ڈرے۔ بڑی بڑی شخصیات کے سامنے آپ حق گوئی فرماتے اور انجام کی پرواہ کیے بغیر بات کہہ ڈالتے۔ پاکستان کے معروف آمر حکمران جنرل (ر) پرویز مشرف سے مدارس کے سلسلہ میں مذاکرات کے دوران آپ کا میز پر مکا مار کر پرویز مشرف کو للکارنے کا واقعہ زبانِ زدِ عام ہے۔ ملک کی بڑی بڑی شخصیات کے سامنے آپ بلا ٹوک اصول کی بات

ارشاد فرمادیا کرتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ رائے کو تولا، اگر رائے اور تجویز وزنی ہوتی تو اُسے بلا تامل قبول فرمایا، خواہ رائے دہندہ معمولی سا شخص ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر رائے کو کمزور وغیر مفید سمجھا تو اُسے مسترد کیا خواہ رائے دہندہ کوئی بھاری بھر کم شخصیت ہی کیوں نہ ہو۔

آپ جو فرماتے سوچ سمجھ کر فرماتے اور اپنے فیصلے پر ڈٹ جاتے۔ آپ جب فیصلہ فرماتے تو کسی کی کیا مجال کہ اس فیصلے کو تبدیل کرواسکے۔ آپ کی قوتِ ارادی بھی مضبوط تھی اور قوتِ فیصلہ بھی۔ آپ صاحب الرائی بھی تھے اور صائب الرائی بھی۔ بحیثیت رہبر آپ نے مشکل سے مشکل فیصلے فرمائے اور اس سے بڑی بات یہ کہ مشکل فیصلوں کی آپ نے تنفیذ بھی فرمائی۔ وفاق المدارس کے نصاب ونظام سے متعلق آپ کے فیصلے نہایت مشکل تھے لیکن ان فیصلوں کی تنفیذ آپ ہی کا خاصا تھا۔ آپ کا احترام وحمیت اور رعب وجلال ان مشکل فیصلوں کی تنفیذ کا ذریعہ بنتا۔ کسی مائی کے لعل میں جرأت نہ ہوتی کہ وہ آپ کے سامنے پَر بھی مار سکے۔ اسی کی برکت سے بحمد اللہ وفاق المدارس انتشار سے محفوظ رہا اور علماء کی یہ قوت متحد ومتفق رہی۔

۶)۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان جس منصب ومقام پر فائز تھے، عموماً ایسی بڑی شخصیات تک رسائی، ملاقات اور بات کا پہنچانا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ بڑی شخصیات نہ صرف یہ کہ ملاقات سے کتراتی ہیں بلکہ اپنے مشاغل کے سبب اپنے فون نمبرز بھی اخفا میں رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام آدمی تو دور کی بات، بڑے بڑے علماء کی ان تک رسائی نہیں ہو پاتی۔ ہمارے حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا تھا کہ آپ سہل الوصول تھے۔ ملک بھر سے جو چاہتا آپ سے ملاقات کر لیتا، قطع نظر اس کے کہ وہ طالب علم ہو یا عالم ومعلم، آپ سبھی کی بات بڑی توجہ وانہماک سے سنتے۔ باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے ڈاک میں آئے خطوط کو پڑھتے، اُن کے جوابات مرحمت فرماتے، ہمت وموقع ہوتا تو فون پر گفتگو فرماتے ورنہ دفتر یا گھر کے کسی فرد کے ذریعے فون کرنے والے کو جواب ضرور مرحمت فرماتے۔ یوں آپ سے رابطہ کرنے

والوں کو کبھی مایوسی نہیں ہوئی تھی۔ لکھنا، پڑھنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا، جو زندگی کی آخری لمحات تک جاری رہا۔ ایک بار احقر حضرت کی زیارت کے لئے گھر حاضر ہوا، علیک سلیک کے بعد ایک کتاب کا مسودہ اُٹھا کر مرحمت فرمایا اور فرمایا یہ تمہارے ذوق کی کتاب ہے لیکن بھیجنے والے نے کتاب پر اپنا نام تحریر نہیں کیا۔ احقر نے کتاب کو سرسری دیکھ کر واپس کر دیا۔ یہ سب کچھ آپ کی تواضع وانکساری کا نتیجہ تھا۔

الغرض حضرت مولانا سلیم اللہ خان نابغۂ روزگار شخصیت تھیں۔ آپ کا وجودِ مسعود زمانہ بھر کے لئے باعثِ برکت تھا۔ آپ کے وجودِ مسعود کی بدولت فتنے مسدود تھے، آپ کی ذاتِ اقدس نقطۂ اتحاد تھی۔ آپ سب کے محترم ومقتدا تھے۔ آپ صرف جامعہ فاروقیہ کراچی ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے دینی مراکز کے سرپرست تھے، دینی جماعتوں کے پاسبان تھے۔ بلاشبہ آپ کے فراق سے اُمت یتیم و بے سہارا ہوگئی ہے۔

ادارہ صدائے فاروقیہ، جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ، منتظمین، آپ کے خاندان خصوصاً حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان، حضرت مولانا عبید اللہ خان مدظلہم، آپ کے تلامذہ و متعلقین، وفاق المدارس کی پوری قیادت بالخصوص قائمقام امیر حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، ناظم اعلیٰ وفاق حضرت اقدس مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم سے اظہارِ تعزیت کرتا ہے۔ دُعا ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ حضرتؒ کے فیوض وبرکات کو قائم ودائم رکھے نیز حضرت کی الباقیات الصالحات وفاق المدارس العربیہ، جامعہ فاروقیہ کراچی ودیگر دینی شعبہ جات کو باقی رکھے اور آپ کے پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ”صدائے فاروقیہ“ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ/ فروری 2017ء)

جناب جنید جمشیدؒ اور طیارہ مسافروں کی شہادت

[سن وفات: 2017]

مورخہ 7 دسمبر کو پی آئی اے کا ایک چھوٹا طیارہ (A.T.R) چترال سے اسلام آباد آتے ہوئے حویلیاں کے قریب فنی خرابی کا شکار ہو کر زمین بوس ہو گیا۔ طیارہ کے مسافروں اور عملہ سمیت ۴۷ افراد جاں بحق ہوئے۔ ان مسافروں میں تبلیغی جماعت کی معروف شخصیت، بین الاقوامی شہرت یافتہ ثناء خوان مصطفی ﷺ جناب جنید جمشید، اُن کی اہلیہ اور دیگر اہم افراد شامل تھے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔

بلاشبہ طیارہ کے تمام مسلمان مسافر جامِ شہادت نوش فرما کر راہی اجل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کے درجات بلند فرمائے اور انہیں مغفرت سے نوازے۔ جناب جنید جمشید کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں اور اخلاص و محبت سے نوازا تھا۔ وہ سنگر سے مبلغ بنے، جاہلیت سے دین داری میں آئے اور پھر تادمِ زیست بس اللہ کے ہو کر رہ گئے۔ وہ چترال تبلیغی جماعت میں سہ روزہ لگانے گئے تھے۔ انہیں یہ بھی اعزاز نصیب ہوا کہ راہِ خدا میں راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔ ان کی موت نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو غمگین کر دیا۔ اُن کا جنازہ اور سفرِ آخرت مثالی تھا، آپ کو سرکاری اعزازات کے ساتھ سپردِ خاک کیا گیا۔ لاکھوں لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے اور بالآخر انہیں قبرستانِ اولیاء (دارالعلوم کراچی) میں آسودہ خاک کر دیا گیا۔

ادارہ صدائے فاروقیہ طیارہ حادثہ کے تمام پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ/ جنوری 2017ء)

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی رحلت

[سن وفات:2018ء]

علامات قیامت میں سے ایک علامت، علم کا اٹھ جانا اور جہل کا ظاہر ہو جانا بھی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے اٹھ جانے کی یوں وضاحت فرمائی کہ، علم سینوں سے نہیں نکل جائے گا، بلکہ علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنه إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ ایک دم لوگوں کے سینوں سے نکال دیں بلکہ علماء کو ایک ایک کر کے اٹھاتے رہیں گے یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہل پیشوا بنالیں گے۔ ان سے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے مسئلے بتائیں گے نتیجتاً وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(بخاری، رقم الحدیث:۱۰۰)

خاندانِ قاسمی کے چشم و چراغ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف کے امین، مہتمم دارالعلوم دیوبند، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے حقیقی جانشین، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ مورخہ ۱۴ اپریل ۲۰۱۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔

حضرت قاسمیؒ کا شمار از ہر ہند دار العلوم دیو بند کے اُن ممتاز شیوخ اور علماء میں ہوتا ہے، جنہوں نے اپنی دینی، اصلاحی، علمی اور تدریسی خدمات کے ذریعے ایک طویل تاریخ رقم کی ہے، بلاشبہ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، آپ علم وعمل کا ایک ایسا آفتاب تھے، جو علمی افق پر لگ بھگ ستر برس تک روشن رہے۔

آپ رحمہ اللہ نانوتہ ضلع سہارنپور کے مشہور صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یہی وہ خاندان ہے جس نے امت کو حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی صورت میں عظیم علماء اور صلحاء عطا کیے ہیں۔ آپ کی پیدائش اسی خاندان میں حضرت نانوتویؒ کے پوتے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیو بند کے گھر میں ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ بمطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوئی، حضرت کی عمر ہجری تقویم کے اعتبار سے ۹۴ برس اور عیسوی سن کے اعتبار سے ۹۲ سال بنتی ہے۔ آپ کی ابتدائی تربیت قدیم علمی گھرانوں کی طرح والدہ ماجدہ جو کہ ایک نہایت ہی پارسا خاتون تھیں، کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ ۱۳۵۱ھ میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا، ناظرہ اور حفظ قرآن کریم کی تکمیل دار العلوم دیو بند میں درجہ حفظ کے استاذ اور زندگی بھر آستانہ قاسمی کے ایک حجرے میں مقیم رہنے والے عظیم بزرگ پیرجی شریف گنگوہیؒ کے یہاں ہوئی، بعد ازاں دار العلوم دیو بند کے شعبہ فارسی میں داخلہ لیا، مولانا محمد یاسین دیو بندیؒ، مولانا منظور احمد دیو بندیؒ اور مولانا سید حسن دیو بندیؒ سے فارسی سیکھی۔ ۱۳۶۲ھ میں عربی تعلیم کا آغاز ہوا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن مراد آبادیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیو بندیؒ، حضرت مولانا قاری اصغر صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الاحد صاحب دیو بندیؒ جیسے ماہر اور معروف اساتذہ سے دار العلوم دیو بند میں شرف تلمذ حاصل کر کے ۱۳۶۷ھ

بمطابق ۱۹۴۸ء میں مکمل نصاب کی تکمیل فرمائی اور دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے ۱۳۶۲ھ میں تھانہ بھون حاضر ہو کر حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے درسِ نظامی کی سب سے پہلی کتاب میزان الصرف ــــ سبقاً سبقاً پڑھی، آپ حضرت تھانوی سے براہ راست استفادہ کرنے والوں میں آخری شخصیت تھیں، آپ کی وفات سے حضرت تھانویؒ سے براہِ راست استفادہ کرنے والے حضرات کے سلسلہ کا باب بھی بند ہو گیا ہے۔ آپ کے درسی ساتھیوں میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمہ اللہ، حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا جلیل میاں حسین دیوبندی، حضرت مولانا فرید الوحیدی وغیرہ جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں۔

فراغت کے فوراً بعد ہی دار العلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے تدریس کے لیے تقرر عمل میں آیا، ابتداء میں ترجمہ قرآن کریم اور نور الایضاح وغیرہ کتب پڑھائیں، بعد ازاں ترقی کر کے مشکوٰۃ، ہدایہ، شرح عقائد، نخبۃ الفکر، ابوداود اور بخاری شریف جیسی کتابوں کا درس بھی دیا، طویل تدریسی زندگی کے دوران ہزاروں شاگردوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ وقت کی پابندی، تدریس میں انہماک، غیر ضروری مشاغل سے گریز آپ کے مزاج میں شامل تھا، فارغ اوقات میں کتب بینی میں مشغول رہتے، دعوتی اور اصلاحی اسفار کا طویل سلسلہ رہا، جو دار العلوم دیوبند کی تدریس کے زمانے سے دو سال قبل تک بلا انقطاع جاری رہا، اس دوران دنیا بھر میں آمد و رفت رہی، اپنے والد بزرگوار کی طرح ہندوستان کے ہر شہر میں گئے اور وہاں کے لوگوں کو اپنے مواعظ سے استفادے کا موقع دیا، آپ کے مواعظ کا مجموعہ ''خطباتِ خطیب الاسلام'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۴ء، اجلاس صد سالہ کے بعد دار العلوم دیوبند میں اختلافات رونما ہوئے، جس کے نتیجے میں دار العلوم دیوبند کے کئی بڑے اساتذہ اور بہت سے ملازمین نے استعفیٰ دے دیا، اس وقت دار العلوم وقف دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، اوّلین مہتمم کے طور پر آپ کا انتخاب عمل میں آیا، اہتمام کے ساتھ ساتھ آپ نے دار العلوم وقف میں سال ہا سال تک بخاری شریف کا درس بھی دیا، کمزوری اور پیرانہ سالی کے باعث فی الوقت آپ اہتمام کی ذمہ داریوں

سے اگرچہ سبک دوش ہو چکے تھے، البتہ سرپرستی آخری لمحہ حیات تک جاری رہی۔

آپ نے متعدد کتب بھی تصنیف فرمائیں، جن میں ”مبادیٔ التربیۃ الاسلامیہ“ عربی، ”تاج دارارضِ حرم کا پیغام“ ”مردِ غازی“ ”عظیم تاریخی خدمات“ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، سینکڑوں مضامین تشنہ طباعت موجود ہیں، حضرت نے دارالمعارف کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا جس سے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تصانیف شائع فرمائیں۔

جہاں تک علم کے حروف ونقوش، کتابی معلومات اور فنی تحقیقات کا تعلق ہے، ان کے شناوروں کی اب بھی زیادہ کمی نہیں، اور شاید آئندہ بھی ایسا ہو، مگر اخلاص، دین کی سچی لگن اور تڑپ وہ جنس گراں ہے جو کہیں کہیں اور خال خال ہی ملتی ہے، اور وہ بھی اللہ والوں کی صحبت اور برکت سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ کتابی علم میں عادۃً اس وقت تک برکت اور اخلاص پیدا نہیں ہوتا جب تک آدمی کسی شیخ کامل سے تزکیہ نفس نہ کرائے، یہی وجہ ہے آپ نے اپنی علمی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس کے لیے بھی خصوصی محنت فرمائی، ابتداء میں آپ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد والد محترم سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور خلافت واِجازتِ بیعت سے سرفراز ہوئے۔

آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر ہونے کے علاوہ سال ہا سال تک آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر بھی رہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کے سرپرست، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے رکن، مجلس شوریٰ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے ممبر، مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رکن بھی رہے۔ کئی اعزازات سے بھی نوازے گئے، مصری حکومت کی طرف سے نشانِ امتیاز دیا گیا، حضرت شاہ ولی اللہؒ ایوارڈ سے بھی سرفراز کیے گئے، پہلے بین الاقوامی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایوارڈ کے لیے بھی دنیا بھر کے منتخب علماء نے آپ ہی کا انتخاب کیا۔

دیوبند میں جامعہ دینیات کا قیام بھی آپؒ کی فکری بلندی اور بالغ نظری کا آئینہ دار اور ایک اہم کارنامہ ہے، اس ادارے کے قیام کا مقصد یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مصروف طلبہ کو مراسلاتی کورس کے ذریعہ دین کی تعلیم سکھانا ہے، اس ادارے سے اب تک ـــــ لاکھوں طلبہ و طالبات استفادہ کر چکے ہیں، جامعہ دینیات کے نصاب ونظام کے مطابق ابتدائی دینیات، عالم

دینیات اور فاضل دینیات کے لیے ہر سال ملک کے مختلف سینٹروں میں امتحان منعقد ہوتے ہیں، کامیاب امیدوار ملک کی متعدد یونی ورسٹیوں میں داخلے کے اہل سمجھے جاتے ہیں۔

احقر کو حضرت قاسمی سے متعدد بار زیارت و رفاقت کی سعادت نصیب ہوئی۔ غالباً 2000ء میں ہانگ کانگ پہلی حاضری کے موقع پر حضرت کے ساتھ متعدد ایام کسب فیض کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہانگ کانگ میں آپ نے متعدد اجتماعات سے خطابات فرمائے۔ احقر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت کی موجودگی میں متعدد مقامات پر گفتگو کی سعادت حاصل رہی۔ حضرت بلا کے خطیب اور اپنے والد محترم کے حقیقی جانشین تھے، اس لیے وقتاً فوقتاً اصلاح بھی فرماتے۔ دوسری مرتبہ ۲۰۱۴ء میں دیوبند حاضری کے موقع پر، اہل علم کے ایک وفد کے ساتھ، حضرت کے گھر حاضری ہوئی اور حضرت کے دستر خوان سے لطف اندوز بھی ہوئے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اٹھنے والے تنازعہ کو اپنی زندگی میں ختم فرما کر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ سے صلح فرمائی۔ اس صلح کی تفصیل احقر کے سفرنامۂ ہندوستان ''آباء کے دیس میں'' ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و متوسلین کی تعداد بھی لاکھوں سے متجاوز ہے، سو سے زائد آپ کے خلفاء کی تعداد ہے۔ آپ بلا کسی شبہ کے اپنے جد امجد حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کے امین و ترجمان تھے، آپ کی ہر مجلس ان کے ذکر سے معمور رہتی تھی، درسی تقریروں میں اور علمی مجالس میں حضرت کی زبانِ گوہر بار سے فیوضِ قاسمیہ کی اشاعت کا سلسلہ لگ بھگ ستر برس تک جاری رہا، قحط الرجال کے اس دور میں جب کہ علمی رسوخ رکھنے والی شخصیات ناپید ہوتی جا رہی ہیں، آپ کی شخصیت ایک روشن چراغ کی سی تھی۔ افسوس کہ مؤرخہ ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء بروز شنبہ دن کے ۲ بج کر ۱۵ منٹ پر حضرت اپنے لاکھوں شاگردوں اور مریدوں کو بہ طورِ خاص دونوں دارالعلوم کے ہزاروں طلبہ اور اہل دیوبند کو غم زدہ چھوڑ کر اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے۔

قائد احرار، ابنِ امیر شریعت، حضرت مولانا

سید عطاء المومن شاہ بخاریؒ کی رحلت

[سن وفات: 2018ء]

امیرِ شریعت، مجلسِ احرارِ اسلام کے معروف رہنما سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے صاحبزادے سید عطاء المؤمن شاہ بخاری رحمہ اللہ نامور محقق اور عالم دین تھے۔ حفظ قرآن، قاری رحیم بخش پانی پتی رحمہ اللہ سے جامعہ خیر المدارس ملتان مکمل کیا اور ابتدائی کتب بھی وہیں پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں برادر بزرگ جانشین امیر شریعت سید عطاء المنعم شاہ بخاریؒ، حضرت خواجہ خان محمدؒ اور مفتی محمود رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ آپ نے پہلی بیعت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ خانقاہ سراجیہ سے کی، بعد ازاں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے فرمائی۔ طویل عرصے تک جامع مسجد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملتان میں خطیب کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اتحادِ اُمت کے داعی کے طور پر آپ نے عمر بھر جدوجہد کی۔

آپ نے 1974ء، 1984ء، 1988ء، 1992ء اور بعد میں چلنے والی دینی تحریکوں میں اہم کردار ادا کیا، آپ پر کئی مقدمات بھی ہوئے اور کئی دفعہ آپ کی گرفتاری بھی عمل میں آئی۔ آپ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی قوتوں کے اتحاد کے لئے ہمیشہ سرگرم رہے۔ آپ امیر شریعت رحمہ اللہ کی بہت سی روایات کے امین اور جانشین تھے۔ آپ کو تمام حلقوں میں بڑے احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم، اتحادِ اُمت اور دینِ اسلام کے فروغ کے لئے آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش اور سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کئی سال سے مستقل صاحب فراش تھے، بالآخر 77 سال کی عمر میں آپ ایک بیوہ، ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور ہزاروں مستفیدین کو چھوڑ کر دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

آپ زبردست خطیب، بے مثل ادیب اور اعلیٰ سخن طراز بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ

کو وسعت حافظہ کے ساتھ کثرت مطالعہ کا ذوق بخشا تھا۔ نہایت متین اور باذوق تھے۔ اہل ادب کی مجلس میں گھنٹوں علم و ادب کے موتی بکھیرتے۔ احقر کو حضرت کی متعدد ادبی نشستوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی گفتگو میں سلاست اور خطابت میں شعلہ نوائی کے ساتھ حقیقت کا روپ بھی تھا۔ اپنے والد کی حق گوئی کی اعلیٰ نظیر تھے۔ بڑے بڑے جابروں کے سامنے کلمۂ حق کہہ ڈالتے۔ حق گوئی کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں۔ اپنوں کی بے اعتنائی اور جفا سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ آپ بڑوں بڑوں کو بغیر کسی لگی لپٹی کے حق کہہ ڈالتے۔ خطابت میں اصلاح عقائد، اصلاح معاشرہ کا پہلو نمایاں ہوتا۔ زندگی بھر خلافت الٰہیہ کے قیام کی کڑھن رہی۔ آپ مردم شناس بھی تھے اور مردم ساز بھی، ہم جیسے کئی نالائقوں کو قلم پکڑنا اور زبان ہلانا سکھایا۔ اتحاد امت آپ کی زندگی کا مشن تھا، جب بھی آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی اتحاد کا پیغام دے کر بھیجا۔ حالات کے بہترین نباض ہونے کے ناطے بروقت راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ مغربیت اور باہمی انتشار و اختلاف کو اسلام کے لیے خطرناک سمجھتے، اس لیے مذکورہ بالا دونوں منکرات کو روکنے کے لیے ملک بھر کی دینی قیادت کو متعدد بار یکجا کرنے کی کوششیں کرتے رہے، آخری کوشش میں احقر بھی شریک رہا۔ اسلام آباد میں ملک بھر کی قیادت کو جمع فرما کر خوبصورت گلدستہ تیار کیا اور اتحاد کو جماعت کی شکل دے دی، لیکن افسوس کہ حضرت کا یہ خواب بوجوہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، تاہم حضرت کا مشن ان شاء اللہ ایک روز ضرور کامیاب ہوگا۔ حضرت کی راقم کے ساتھ بے پناہ شفقتیں تھیں۔ متعدد بار جامعہ میں تشریف لائے اور اساتذۂ کرام سے فکری خطاب بھی فرمایا۔ احقر بھی حاضر خدمت ہوتا۔ مجلس احرار کے مرکزی عہدیدار مولانا قاری جمیل الرحمٰن بہلوی زید مجدہ کے ذریعے اکثر سلام بھجواتے۔ آخری بار وصال سے ایک ماہ قبل اہلیہ کی وفات کے موقع پر حاضری ہوئی۔ ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔

آپ کا جنازہ ملتان کی تاریخ کے بہت بڑے جنازوں میں سے ایک تھا، آپ کو اپنے والد سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ اگرچہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں، لیکن آپ کی یادیں ہمیشہ تازہ رہیں گی اور دین حق کے لیے آپ کی جدوجہد کا تسلسل بھی ان شاء اللہ العزیز قائم رہے گا۔

حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کی رحلت

[سن وفات: 2018ء]

مولانا مشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے نواسے اور مولانا جمیل احمد تھانوی کے بڑے صاحبزادے، جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہونے کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی ناظم مالیات و رکن عاملہ تھے۔ آپ ایک جید اور ممتاز عالم دین، انتہائی متقی و پرہیز گار، متبع سنت شیخ اور ذی فہم وذی استعداد شخصیت کے مالک اپنی مثال آپ تھے۔ آپ گزشتہ 50 برس سے زائد عرصہ سے دین مبین کی ترویج اور درس حدیث میں مشغول تھے، ہزاروں طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا، مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر 50 سال سے زائد عرصہ فائز رہے اور لوگوں کی اصلاح وتربیت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

آپ رحمہ اللہ کو اکابر علمائے کرام سے اجازت حدیث حاصل تھی۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ:

> ''میں تعلیم سے فراغت کے بعد سب سے پہلے حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن دِنوں وہ یہیں پاکستان میں تھے، جب میں نے جامعہ اشرفیہ سے حدیث کی تکمیل کی اور اُن سے اجازتِ حدیث کا شرف حاصل کیا، تو میں نے اِجازتِ حدیث کے لیے ہندوستان کا سفر کیا، اور گھر سے چلتے وَقت یہ نیت کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان اکابر اور بزرگوں کی دُعاؤں کی برکت سے حدیث پڑھانے کی توفیق عنایت فرمائیں گے، چنانچہ دَارُ العلوم دیوبند جا کر اُستاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوِی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اِجازتِ حدیث حاصل کی، بعد

ازاں دارُالعلوم دیوبند کے اُس وقت کے شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین امروہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازتِ حدیث حاصل کی، بعد ازاں سہارنپور کا سفر کیا اور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اجازتِ حدیث کے لیے حاضر ہوا۔

حضرت شیخ سے اجازتِ حدیث کا قصہ بھی بڑا عجیب ہوا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بعدِ ظہر مجلس فرمایا کرتے تھے، جب کہ اُن کا بعدِ عصر آرام کا معمول تھا، چنانچہ عصر کے بعد اُن کے پاس جانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ جب میں گیا تو دروازے کے پاس مجھے روک لیا گیا۔ تو میں نے اُس کو زور سے ہاتھ مار کر پیچھے کی طرف ہٹایا اور سیدھا حضرت شیخ ؒ کی خدمت میں چلا گیا، حضرتؒ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، اُن کے ساتھ برابر میں دعوت و تبلیغ کے امیرِ ثانی اور حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے، (جو حضرت شیخؒ کے چچازاد بھائی بھی تھے) پہلے اُن سے مصافحہ کیا، اُس کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ سے مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا، تو حضرت شیخؒ نے کہا کہ بس مصافحہ کرے گا معانقہ نہیں کرے گا۔ تو میں نے کہا کہ آپ کیسے معانقہ کریں گے، آپ تو لیٹے ہوئے ہیں؟ معانقہ کے لیے آپ کو کھڑا ہونا پڑے گا۔ کہنے لگے عجیب ہے تو! لیٹے ہوئے سے معانقہ کرنا نہیں آتا، میں چپ رہا تو حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بھائی! لیٹے لیٹے اِن کے سینے پر اپنا سینہ رکھ دے معانقہ ہو جائے گا، تو میں نے بڑے ادب سے چارپائی کی دونوں جانب اپنا ہاتھ رکھ کر سینہ بہ سینہ ملانا چاہا، تو حضرت شیخؒ نے زور سے دونوں طرف ہاتھ کھول کر جھٹکا مارا، تو میں بڑی زور سے حضرت کے اُوپر گرا، تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی! معانقہ کا مزہ آیا کہ نہیں؟ اسی وقت میں نے حضرت شیخؒ سے عرض کیا کہ حضرت! میں اجازتِ حدیث کے لیے

حاضر ہوا ہوں، تو حضرت شیخ نے کہا کہ ابھی تو میں لیٹا ہوا ہوں، آرام کا وقت ہے۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک آدمی اِتنی دور سے صرف اِجازتِ حدیث کے لیے آیا ہے تو دے دیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اُوپر تشریف لے گئے اور کتابوں کے کمرے میں لے جا کر باقاعدہ اِجازتِ حدیث دِی اور فرمایا کہ میری مہر لگی ہوئی سند لے لو، میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو آپ کے دستخط کے ساتھ سند چاہیے، اس پر حضرتؒ نے شفقت فرمائی اور اپنی مہر اور دستخط کے ساتھ سند عطا فرمائی۔

اس کے بعد قاری جلیل صاحب کے بڑے بھائی حضرت مولانا جمیل الرحمٰن مد ظلہ سے اِجازتِ حدیث حاصل کی، حضرت مولانا جمیل الرحمن صاحب؛ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کے شاگرد ہیں جو حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے شاگرد تھے۔ اس کے بعد حضرت مولانا فاروق احمد امروہیؒ سے اِجازتِ حدیث حاصل کی، جو جامعہ عباسیہ بہاول پور کے شیخ تھے۔ اس کے بعد یہاں دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، تو اُن سے اِجازتِ حدیث حاصل کی۔ بعد ازاں دار العلوم ٹنڈوالہ یار گیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اِجازتِ حدیث حاصل کی۔ بعد ازاں ڈیرہ غازی خان کا سفر کیا اور مولاناؒ کے ایک شاگرد ہیں اور انہیں ایک اِجازت حرمین شریفین سے بھی حاصل تھی اُن سے بھی اِجازت حاصل کی"۔

احقر کے ساتھ ہمیشہ شفقت اور اعتماد کا سلسلہ رہا۔ متعدد بار جامعہ فاروقیہ شجاع آباد تشریف لائے۔ ایک بار ختم بخاری کروائی اور جامعہ کے دفتری بلاک کا سنگ بنیاد رکھا۔ متعدد بار طلباء کو نصائح ارشاد فرمائے۔ وفاق المدارس میں بحیثیت رکن مجلس عاملہ آپ کے ساتھ کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ بلاشبہ اونچے درجے کے عالم اور اعلیٰ معیار کے تقویٰ کی حامل شخصیت تھے۔ آپ کے صاحبزادہ کے بقول مدینہ منورہ میں ایک ختم قرآن کریم یومیہ معمول تھا۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں پندرہ پارے روزانہ تلاوت فرماتے۔

آپ ہمیشہ اہل مدارس کی اصلاح و باطنی تربیت کے لیے فکرمند رہتے۔ اکثر اجلاسوں میں آپ کا فرمانا ہوتا کہ بیرونی دشمن ہمیں اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا، جتنا ہماری کوتاہیاں ہمارے ضرر کا باعث ہیں۔ اہل مدارس اور مدارس پر حالات تنگ ہوئے تو یومیہ معمولات برائے حفاظت طبع فرماکر ملک بھر کے مدارس میں ارسال فرمائے۔ آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے افکار کے علمبردار تھے۔ اپنے ادارہ دار العلوم الاسلامیہ کا ماہنامہ صرف حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ کے لیے وقف کیا ہوا تھا، احکام القرآن جو حضرت تھانویؒ کے حکم و نگرانی سے تصنیف کی گئی تھی، کی طباعت کا سہرا بھی آپ نے اٹھایا۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی صحیح بخاری کی شرح بھی منظر عام پر لائے، گویا اکابر کے علوم وافکار کی اشاعت میں مگن رہے، الغرض علمی، فکری، خانقاہی اور انتظامی شخصیت تھے۔

عمرہ کی ادائیگی کے لیے حرمین تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں 82 سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہوجانے کے باعث انتقال فرماگئے۔ شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے آپ کو غسل دیا، مسجد نبوی میں عشا کی نماز کے بعد آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' شعبان، رمضان ۱۴۳۹ھ/مئی، جون 2018ء)

حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ کی مظلومانہ شہادت

[سن وفات: 2018ء]

پاکستان کے عظیم، ممتاز قدیمی دینی ادارے، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم، جمعیت علماء اسلام (س) کے سربراہ، دفاع پاکستان کونسل کے بانی وروح رواں، ممتاز قلم نگار اور مصنف، پُرتاثیر خطیب، راسخ العلم مدرس، مدبر سیاست دان، جملہ دینی تحریکوں کے سرپرست ومعاون، افغان طالبان کے زبردست حامی اور جہاد کے علمبردار، شیخ الحدیث، استاذ العلماء، حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ومسند نشین، حضرت اقدس مولانا سمیع الحقؒ مورخہ ۲۳ صفرالمظفر ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲ نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعۃ المبارک عصر ومغرب کے درمیان نامعلوم سفاک قاتلوں کے خنجر کے پے در پے وار سے جام شہادت نوش فرما گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اللّٰهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ، جامع الصفات شخصیت تھے، آپ نہایت سادہ، متواضع، حق گو، جری، ملک وملت کے بہی خواہ، ہردلعزیز شخصت تھے۔ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ بیاسی سال کی عمر میں بھی دسیوں افراد کا کام کر رہے تھے، مسند حدیث کے شیخ و مدرس، منبر ومحراب کے حق گو خطیب، میدان سیاست کے دھنی، تصنیف وتالیف اور کالم نگاری میں نامور ادیب، محقق ومدقق، ہر دینی تحریک وجماعت کے سرپرست تھے۔ دنیا میں آپ کی شناخت جہاد افغانستان وکشمیر کے ایک پرجوش حامی، بلکہ سرپرست کی تھی، جبکہ اور پاکستان میں آپ کی شناخت اتحاد ملت اور دفاع واستحکام پاکستان کے داعی کی تھی، آپ برسہا برس ملک پاکستان کے ایوان بالا میں شریعت کا مستانہ وار نعرہ لگاتے رہے، آپ نے سینیٹ میں شریعت

بل پیش کیا، جسے اس وقت کے سیاست میں ان کے اتحادیوں نے منظور نہ ہونے دیا، نفاذ شریعت کے لیے آپ نے بھرپور عوامی جدوجہد فرمائی۔ ملک میں فرقہ واریت کے خاتمہ کے لیے آپ نے تمام مکاتب فکر کو یکجا کیا اور ملی یکجہتی کونسل جیسا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ دفاع افغانستان کونسل بنا کر امریکی بالادستی کے خلاف توانا آواز بلند کی۔ دفاع پاکستان کونسل میں مختلف جماعتوں کو جمع کرکے کشمیر کاز کی زبردست حمایت کی۔

آپ کے حسنِ خاتمہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی حیات مستعار کا آخری تصنیفی کارنامہ "تفسیری نکات حضرت لاہوریؒ" ہے، آپ نے قرآن کریم کے ستائیس پاروں کے اپنے شیخ ومربی، شیخ التفسیر، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے منقول تفسیری فوائد کو مرتب فرمایا، افسوس کہ یہ تفسیر پایہ تکمیل کو نہ پہنچی، اُمید ہے کہ آپ کے جانشین اور اس کام میں معاون ان شاء اللہ ضرور مکمل فرمائیں گے، جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ تقریری میدان میں آخری دو تقاریر ناموس رسالت اور آسیہ ملعونہ کی مغربی دباؤ پر رہائی کے موقع پر ہوئیں۔ آپ اپنی رہائش گاہ اسلام آباد میں آسیہ ملعونہ کی بریت کے خلاف ہونے والے مظاہرہ میں شرکت کے لیے پہنچے، لیکن سفاک درندوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔

آپ کا ادارہ جامعہ حقانیہ ثانی دیوبند کا اعزاز رکھتا ہے اور وہ مجاہدین دیوبند کے سپہ سالار شہید ٹھہرے۔ احقر نے مؤرخہ ۷ نومبر ۲۰۱۸ء جامعہ حقانیہ حاضر ہوکر جامعہ کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا انوار الحق دامت برکاتہم، مولانا سمیع الحق شہیدؒ کے جانشین حضرت مولانا حامد الحق حقانی، مولانا راشد الحق حقانی، آپ کے معاون خاص اور داماد مولانا عرفان الحق حقانی، مولانا محمد یوسف شاہ، جامعہ کے اساتذہ اور طلباء کی خدمت میں اپنے ادارہ کی جانب سے تعزیت پیش کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات عالیہ میں اضافہ فرمائے اور سفاک قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ آمین!!

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الاول ۱۴۴۰ھ/نومبر 2018ء)

امیر تبلیغ حضرت حاجی عبدالوہابؒ اور دیگر اکابرین تبلیغی جماعت کی رحلت

[سن وفات:2018ء]

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاف وشفاف دین وشریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دین اصلی شکل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عطاء فرمایا اور دین کی تنفیذ بھی فرمادی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں دین کی کمزوری بڑھتی گئی، فسق وفجور میں ہر روز زمانہ کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا گیا، رسومات وبدعات بھی دین کا جزء سمجھی جانے لگیں۔ غیر مسلم اقوام کے اطوار مسلمانوں میں گھر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے بھی انتظام فرمایا، چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے:

إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک ایسی شخصیت بھیجتے ہیں، جو اس صدی کے لیے دین کی تجدید کرتی ہے۔"

(مشکوٰۃ،۱/۳۶)

یعنی ہر زمانے میں ایک شخصیت صدی کے بعد آتی رہے گی، جو دین کے احیاء، اس کی نشاۃ ثانیہ اور تجدید کا فریضہ سرانجام دے گی۔ محدثین ایسی شخصیت کو مجدد کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ مجددین ہر صدی میں تجدید دین کرتے رہے یعنی دین کو اصلی شکل میں ظاہر کرکے پیش کرتے رہے۔ ہر چند کہ ان مجددین کی تعیین میں اہل علم کا اختلاف رہا ہے، ایک صدی میں ایک سے زائد شخصیات کو بھی مجدد کہا گیا، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین کے مختلف شعبوں

میں مختلف شخصیات نے خدمات سرانجام دیں، اس وجہ سے ہر شعبہ کا مجدد الگ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہماری نظر میں اٹھارہویں صدی میں تجدید دین کا کام حق تعالیٰ نے بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ سے لیا، اس لیے انہیں بجا طور پر مجدد ملت کہا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی فکر سے شروع کیے گئے دعوت وتبلیغ کے کام کی برکت سے دنیا بھر میں بے شمار انسانیت کو ہدایت نصیب ہوئی، غیر مسلموں کے قبول اسلام سے لے کر زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے بے شمار گناہ گار، راہ مستقیم سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو نہ صرف توفیق توبہ نصیب ہوئی، بلکہ وہ حق تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہوگئے۔ راہ زن محافظ، مشرک موحد، بدکار عزتوں کے رکھوالے، بے دین دیندار، اہلِ بدعت اہلِ سنت بن گئے، برصغیر کی ہر گلی، محلہ اور دنیا کے دیگر ممالک میں بے شمار مقامات اس حقیقت کے مظہر ہیں۔ آج زمیندار ہوں یا تاجر وصنعت کار، ملازم ہوں یا مزدور و ریڑھی بان، سیاست دان ہوں یا حکمران، بیوروکریٹ ہوں یا فوجی افسر وجوان، کرکٹر و کھلاڑی ہوں یا اداکار وفنکار، جملہ طبقات میں تبلیغی جماعت نے انقلاب بپا کردیا ہے۔ اپنی جان، اپنے مال کے اصول کے ساتھ دین کی یہ محنت 1926ء میں شروع ہوئی۔

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ، قطب الارشاد، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے تلمیذ رشید اور حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جیسے اکابر سے بیعت اور راہ سلوک طے کرنے والی شخصیت تھیں۔ وقت کے جملہ اکابر علماء ومشائخ کا آپ کو اعتماد حاصل تھا۔ آپ نے اپنی محنت کا اولین میدان دہلی کے نواح میں رہنے والی اَن پڑھ اور دین میں کمزور قوم میواتیوں کو بنایا۔ ضلع گڑگانواں اور کچھ دیگر علاقوں پر مشتمل علاقہ میوات کہلاتا تھا، آپ نے اس علاقہ میں دو کام کیے:

۱)۔ اس علاقے میں دینی مکاتب کا قیام فرمایا۔

۲)۔ یہاں کے لوگوں کو جماعتوں کی شکل میں نکالا اور مختلف مشائخ کی خانقاہوں میں لے گئے، اس طرح ان لوگوں کو بھی سیکھنے کا موقع ملا۔

مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی اس تحریک کا یہ اثر ہوا کہ جو کام پہلے ہزار جتن سے نہیں ہو پا رہے تھے، اب خود بخود ہونے لگ گئے، اور جن کاموں سے ہزار کاوش کے باوجود بچا نہیں جا رہا

تھا اب لوگ خود بخود دیکھنے لگ گئے۔ کام بڑھتا گیا اور حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا 23 رجب المرجب 1363ھ بمطابق 15 جولائی 1944ء کو وصال ہو گیا۔

تبلیغی جماعت کی علمی آبیاری و سرپرستی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے بھتیجے اور حضرت گنگوہیؒ کے شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کے صاحبزادہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فرمائی۔ آپ نے جماعتوں کی تعلیم کے لیے شہرہ آفاق کتاب "تبلیغی نصاب" تحریر فرمائی۔ جسے آج کل فضائل اعمال کہا جاتا ہے۔ تبلیغی نصاب کی ترتیب فضائل اعمال سے قدرے مختلف تھی کیونکہ فضائل درود شریف بھی اس کا حصہ تھی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے وصال کے بعد کتاب کی ترتیب میں تبدیلی کر کے فضائل درود شریف کو الگ رسالہ بنا کر کتاب کا نام فضائل اعمال رکھ دیا گیا۔ علاوہ ازیں آپ نے فضائل صدقات بھی تحریر فرمائی، یہ دونوں کتابیں اب تک لاکھوں لوگوں کی زندگیاں بدل چکی ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے وصال کے بعد آپ کے جواں سال اور باصلاحیت صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ، جنہیں بعد میں حضرت جی بھی کہا جانے لگا، کو 27 سال کی عمر میں امیر بنا دیا گیا۔ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ نے اپنے والد گرامی کے دعوت و تبلیغ کے مشن کو آسمان تک رفعت بخشی، آپ نے جماعت کے کام میں تجدیدی کارنامے سرانجام دیے، نیز عرب و عجم کے لوگوں کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی حیات مبارکہ، کارہائے نمایاں کو جمع فرمایا اور "حیات الصحابہ" کے نام سے انقلاب آفرین کتاب تحریر فرمائی، بلاشبہ یہ کتاب دین کا کام کرنے والوں کے لیے نشانِ منزل کا کام دیتی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے عوام الناس کے روزمرہ امور سے متعلق نبوی ہدایات کے لیے منتخب احادیث نامی کتاب بھی تصنیف فرمائی۔ حضرت جی تبلیغی جماعت کے مشن کو مختلف ممالک میں پھیلاتے ہوئے 1965ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے بعد بارِ امانت حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے کاندھوں پر آیا، انہوں نے تاحیات اس فرض منصبی اور اپنے اکابر و آباء سے حاصل کی گئی امانت کو خوب سنبھالا، کام کو بامِ عروج تک پہنچایا اور 1995ء میں راہی اجل ہو گئے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسن کی عالمی

اجتماع کے آخر میں مانگی گئی رقت آمیز دعا آج بھی یاد کی جاتی ہے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے بعد ان کی قائم کردہ چودہ رکنی مجلس شوریٰ نے تبلیغی جماعت کا عالمی نظم سنبھالے رکھا۔ اس شوریٰ میں پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کی ممتاز شخصیات شامل تھیں۔ ان میں پاکستان سے حاجی عبدالوہابؒ، مولانا نذر الرحمن، مولانا عبدالرحمن، مولانا خورشید احمد، اور مولانا ضیاء الحق جبکہ ہندوستان سے مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد ابراہیم دیولہ، مولانا محمد سعد کاندھلوی، مولانا احمد لاٹ اور مولانا زبیر الحسن جیسی شخصیات شامل تھیں۔ جبکہ رائیونڈ مرکز اور پاکستان کے قیام کے بعد امیر محمد شفیع 1971ء تک، حاجی محمد بشیرؒ 1992ء تک اور جناب الحاج عبدالوہابؒ 2018ء تک امیر رہے۔

ماہِ رواں میں رائیونڈ مرکز اور تبلیغی جماعت کے چند اہم راہنما راہی اجل ہوگئے۔ ان میں الحاج عبدالوہاب مورخہ ۹ ربیع الاوّل بمطابق 18 نومبر 2018ء بروز اتوار فجر کے وقت، جبکہ حضرت حاجی صاحب کے رفیق خاص رائیونڈ مرکز کے امام مولانا محمد جمیل مورخہ ۱۸ ربیع الاوّل بمطابق 27 نومبر 2018ء بروز منگل کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اسی کے ساتھ ہی اسی روز مورخہ ۱۸ ربیع الاوّل بمطابق 27 نومبر 2018ء بروز منگل تبلیغی جماعت انگلینڈ کے امیر حاجی محمد اسحاق پٹیل کا بھی وصال ہوگیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اللّٰهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔

ان مرحومین میں سے حاجی عبدالوہابؒ کی دینی خدمات بلاشبہ قابل تقلید ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ یکم جنوری 1923ء کو ہندوستان کے ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ آپ راجپوت فیملی سے تعلق رکھتے تھے، اسلامیہ کالج لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد تحصیلدار بھرتی ہوگئے، قیام پاکستان کے بعد آپ بورے والا کے ایک گاؤں میں ہجرت کر کے تشریف لائے۔ آپ ان چند خوش قسمتوں میں سے ایک تھے، جنہیں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی صحبت خاص میسر آئی۔ اور ابتداء ہی سے جماعت میں جڑ گئے۔ حضرت جی کی روحانی مقناطیسی قوت نے آپ کو تبلیغ کے ساتھ ایسے وابستہ کیا کہ یہ تعلق کبھی ختم نہ ہوسکا، آپ نے اصلاح و سلوک کے لیے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا، احقر حضرت رائے پوری کے

جانشین اور بھتیجے مولانا خلیل احمد رائے پوری کی خدمت میں ''ڈھڈیاں'' حاضر ہوا۔ حضرت کے کمرہ خاص میں حضرت رائے پوری کے خلفاء کی فہرست میں پہلا نام امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا دیکھا، اسی فہرست میں حضرت حاجی صاحب کا نام بھی مرقوم تھا۔ میرے شیخ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ بھی آپ کے خلیفہ تھے۔ حضرت حاجی صاحب اس نسبت کا بھی ہمیشہ پاس رکھتے تھے۔ تبلیغی جماعت کے شجاع آباد میں ہونے والے اجتماع میں احقر حضرت حاجی صاحب کے کمرہ میں حاضر ہوا اور کافی دیر شرف صحبت حاصل کیا۔ اس ملاقات میں احقر نے خانقاہ ''ڈھڈیاں'' ضلع سرگودھا اور حضرت مولانا جلیل احمد رائے پوری کا ذکر کیا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے شیخ کا تذکرہ فرماتے رہے۔

حضرت حاجی صاحب نے زندگی بھر اشاعت دین کو اپنا مشن بنالیا تھا، اس راہ میں گھر، ملازمت بھی کو قربان کردیا۔ آپؒ نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل میں ایک نعرہ پیوست کردیا۔ اللہ تعالیٰ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین ہمارے دلوں میں اتر جائے۔ توحیدی مضمون پر مشتمل یہ جملہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا حاصل اور خلاصہ ہے۔ اس جملہ کے دل میں اتر جانے کے بعد مسلمان کو حق تعالیٰ کی معرفت نصیب ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ آدمی خلق سے بے زار ہوکر خالق کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے، اس عقیدہ کی برکت سے شجاعت نصیب ہوتی ہے۔ بڑی سے بڑی قوت سے بھی کوئی خوف نہیں آتا۔ یہ جملہ اپنی جماعت کے ساتھ جڑے ہر شخص کی زبان پر اتار دیا اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے بول بھی زباں زدعام کردیے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت ہی پیارا جملہ ارشاد فرمایا کہ ''حقیقی اور اصل کامیابی صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں ہی ہے''، اتباع سنت کے بارے میں دیا ہوا یہ پیغام اور جملہ بھی قرآن وسنت کا خلاصہ ہے۔ آپ سوتے جاگتے، مرض و صحت میں اللہ کی عظمت کے گیت گاتے رہے۔ زندگی تقویٰ وطہارت سے عبارت تھی۔

حق تعالیٰ شانہ کی عطا کردہ فراست بھی مثالی تھی۔ اسی فراست کا نتیجہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے عالمی کام جس کے ساتھ بلاشبہ کروڑوں بلکہ اربوں لوگ جڑے ہوئے ہیں، کو اختلاف وانتشار سے محفوظ فرمایا۔ ہندوستان، بنگلہ دیش کے برعکس پاکستان میں بحمداللہ جماعت

کا کام انتشار و اختلاف سے محفوظ ہے۔ اس کا واحد سبب حاجی صاحب کی امارت و فراست رہی۔ دیگر دینی جماعتوں کی طرح کچھ قوتیں تبلیغی جماعت میں بھی دخیل ہو کر علماء کو جماعت میں بے اثر کرنے کے لیے حرکتیں کرنے لگیں، تو حاجی صاحب نے اس فتنہ کو بھانپ لیا اور انہیں جماعت سے بالکل الگ کر دیا۔

آپ جماعت کے ذمہ دار ہونے کے ساتھ مدرسہ عربیہ رائیونڈ اور ملک بھر میں پھیلی اس کی شاخوں کے مہتمم بھی تھے۔ آپ نے رائیونڈ مدرسہ کی بنیاد طرز سلف پر رکھی اور اس میں نظام تعلیم و تربیت کو جاری فرمایا۔ دنیا بھر سے طالب علم اس علمی چشمہ سے سیراب ہوئے، اس مدرسہ کے فضلاء نے نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا بھر میں علم کی شمع روشن کی۔ مدرسہ عربیہ رائیونڈ اور اس کے ساتھ ملحق ملک بھر میں پھیلی ہوئی بیسیوں شاخوں میں زیر تعلیم طلباء میں خدمت کا جذبہ خوب ابھارا جاتا ہے۔ تربیت کے ساتھ جماعت کے ساتھ جڑنا ان کا خاص وصف ہے۔ گویا حاجی صاحب کو حق تعالیٰ شانہ نے تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ نفوس کے کام، اس کے ساتھ رائے پوری نسبت اور امیر شریعتؒ کی رفاقت کے ذریعے فتنوں سے آگاہی و ہوشیاری اور اس سلسلہ میں راہنمائی کا گر بھی عطاء کیا تھا۔

حضرت مولانا فضل الرحمن کے بقول ایک مرتبہ حاجی صاحب ان کے گھر تشریف لے آئے اور حکم فرمایا کہ سندھ میں قوم پرستی عروج پر ہے، اس کے سدباب کے لیے آپ کوشش کریں۔ وفات سے چند ماہ قبل قائد احرار، نبیرہ امیر شریعتؒ جناب سید کفیل شاہ بخاری مدظلہم کو بلا کر فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے ہدایات جاری فرمائیں۔ یوں حضرت حاجی صاحبؒ میں فتنوں سے خبرداری کا عنصر موجود تھا۔ گویا آپ نے دین کے تمام شعبوں میں اپنا حصہ ڈالا۔

تبلیغی جماعت کے اکابرین کے وصال پر ہم جملہ مسلمانان عالم کی خدمت میں تعزیت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ، مرحومین کی بلندی درجات اور ان کے مشن میں اضافہ و برکت کے لیے دعا گو ہیں۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ / دسمبر 2018ء)

حضرت مولانا سیف الرحمٰن درخواستی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال

[سن وفات:2019ء]

جمعیت علماء اسلام (مولانا سمیع الحق شہیدؒ) کے مرکزی سرپرست اعلیٰ، جامعہ شیخ درخواستی اور جامعہ سیدہ زینب للبنات روجھان، ضلع راجن پور کے مہتمم، مشہور مبلغ و خطیب، مصلح و مربی، حضرت مولانا پیر سیف الرحمن درخواستی، مؤرخہ 7 نومبر 2019ء بمطابق ۹ ربیع الاول ۱۴۴۱ھ، مختصر علالت کے بعد عالم آخرت سدھار گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

مولانا پیر سیف الرحمن درخواستیؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کے نواسے (ان کی بڑی صاحبزادی کے منجھلے بیٹے) شیخ الحدیث والتفسیر مولانا شفیق الرحمن درخواستی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث مولانا مفتی حبیب الرحمن درخواستی مدظلہ کے چھوٹے بھائی اور حضرت مولانا انیس الرحمن درخواستی شہید کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالرؤفؒ بھی جید عالم دین تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی اور بقیہ تعلیم اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے علاوہ جامع المعقول، حضرت مولانا عبدالواحد رحمہ اللہ، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد امیر تونسوی دامت برکاتہم، شیخ الحدیث مولانا منظور احمد نعمانی دامت برکاتہم، حضرت مولانا حاجی احمد گمانویؒ اور حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ سے حاصل فرمائی، اصلاحی تعلق اپنے بڑے بھائی مولانا شفیق الرحمن درخواستیؒ اور ان کی وفات کے بعد شیخ طریقت حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم سے قائم کیا اور حضرت سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

فاتحہ فراغ کے بعد، ضلع راجن پور کی جہالت زدہ تحصیل روجھان کے پسماندہ ترین علاقہ کو اپنے علوم وفیوض سے فیض یاب فرمایا۔ آپ حضرت درخواستیؒ اور اپنے والد گرامیؒ کے حکم پر روجھان تشریف لے گئے اور زندگی وہیں بسر فرمائی۔ یہ وہ وقت تھا جب خان پور سے اس پسماندہ علاقہ تک رسائی صرف پیدل اور سائیکل پر ہی ہوسکتی تھی۔ آپ نے یہاں پر علوم محمدیہ میں شمع قرآن وسنت کو فروزاں فرمایا، نیز علاقہ بھر میں دروس قرآن، مکاتب قرآنیہ کے قیام کا سلسلہ شروع فرمایا۔ 2001ء میں بچوں کے لیے جامعہ شیخ درخواستی اور بچیوں کے لیے جامعہ زینب قائم کیا۔

احقر کو بھی ایک مرتبہ اجتماع میں مدعو فرمایا اور خطاب کی سعادت بخشی، ایک جانب بچوں اور بچیوں میں شمع علم روشن فرمائی تو دوسری جانب خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی صحبت کے جام پلائے، نتیجتاً رسوم وبدعات سے اَٹی اس سرزمین پر بیسیوں علماء وقراء تیار ہوگئے، جگہ جگہ مدارس کا جال بچھ گیا۔ آپ بہترین مبلغ وخطیب بھی تھے، آپ کی خطابت وتبلیغ کا میدان پورا ملک بن گیا۔ حق تعالیٰ نے آپ کی زبان میں بھرپور تاثیر رکھی تھی، جو بھی آپ کی گفتگو سنتا عش عش کر اٹھتا، طبیعت میں سادگی اور شفقت غالب تھی، اس وجہ سے ملک بھر میں آپ کے عقیدت مندوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

آپ کا سیاسی مسلک جمعیت علماء اسلام تھا۔ حضرت مفتی محمودؒ اور حضرت درخواستیؒ سے بے پناہ عشق تھا۔ حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے وابستہ رہے، دو شادیاں فرمائیں، پہلی بیوی دختر مولانا عبدالواحدؒ سے ایک صاحبزادہ مولانا کفایت اللہ درخواستی اور ایک صاحبزادی ہیں، دوسری زوجہ مولانا حاجی مطیع الرحمن درخواستی مدظلہ کی صاحبزادی سے مولانا رحمت الرحمٰن درخواستی، حافظ جواد الرحمن، حافظ خباب الرحمن، احمد الرحمن ثانی اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی وفات پاچکے ہیں۔ تریسٹھ سال کی عمر مسنون پائی۔ ادارہ صدائے فاروقیہ، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، حضرت کے برادر، صاحبزادگان، تلامذہ، مریدین اور متعلقین سے حضرت کے وصال پر تعزیت کناں ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائیں، آمین!!

تحریر کنندہ بعد از پیوند کاری گردہ بستر علالت کراچی

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ/ دسمبر 2019ء)

مجاہد ختم نبوت

حضرت مولانا مجاہد الحسینی رحمہ اللہ کی رحلت

[سن وفات: 2019ء]

قافلہ ختم نبوت کے حدی خواں، رفیق امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، تلمیذ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، معروف دانشور، صحافی، مصنف، مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا مجاہد الحسینی مؤرخہ 17 دسمبر 2019ء کو چند دن علیل رہنے کے بعد راہی عالم بقاء ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى۔ اللّٰهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔

مولانا مجاہد الحسینی رحمہ اللہ کا اصل نام محمد یوسف اور قلمی نام مجاہد الحسینی تھا، آپ مؤرخہ 4 جنوری 1926ء کو سلطان پور لودھی ریاست کنور تھلہ ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ خیر المدارس جالندھر سے حاصل فرمائی اور تکمیل تعلیم کے لیے دارالعلوم اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ 1944ء میں سند فراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، مفتی اعظم مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔ آپ کا اصلاحی تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے تھا۔ آپ 1947ء میں ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ تک معروف سیاستدان اور علم دوست نواب زادہ نصر اللہ خان مرحوم کے گھر خان گڑھ مقیم رہے۔

آپ بہترین ادیب، قلم کار، مایہ ناز خطیب اور عہد ساز شخصیت تھے۔ تحریک ختم نبوت

میں آپ کا کردار قائدانہ تھا۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر اکابرین کے ساتھ پابند سلاسل رہے۔ ایام اسیری میں قائدین تحریک کے امام بھی رہے، انہی ایام اسیری میں آپ نے کتاب "آخری جیل کے آخری قیدی" تصنیف فرمائی۔ آپ بہترین سیرت نگار بھی تھے۔

چند سال قبل دار بنی ہاشم ملتان میں قائدین احرار، حضرت مولانا سید عطاء المؤمن شاہ بخاریؒ، حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن شاہ بخاری دامت برکاتہم اور مولانا سید کفیل شاہ بخاری مدظلہ کی معیت میں ان کی زیارت وصحبت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ مرنجا مرنج شخصیت تھے۔ اس علمی مجلس میں آپ نے شعروادب کے خوب پھول برسائے، اس مجلس سے آپ کی علمی قابلیت وسخن گوئی کا اندازہ ہوا۔ آپؒ بلا کے ذہین تھے۔ تاریخ سے خاص دلچسپی تھی، ایسے محسوس ہوتا تھا کہ تاریخ آپ کو زبانی یاد تھی، شخصیات کی تاریخہائے ولادت ووفات انہیں ازبر تھیں۔ آپ روز نامہ آزاد، روزنامہ نوائے پاکستان، ہفت روزہ خدام الدین لاہور اور ماہنامہ صوت الاسلام کے مدیر بھی رہے۔ ماہنامہ صدائے فاروقیہ کے جاری ہونے کے بعد عاجز کو خط لکھ کر مبارک باد دی نیز صدائے فاروقیہ میں بالتسلسل خطیب پاکستان حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے احوال چھاپنے کا حکم فرمایا۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ جلد شروع کیا جائے گا۔

آپ کی تصانیف میں، معاشیاتِ قرآنی، تعلیم القرآن، سیرت وسفارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (صدارتی ایوارڈ یافتہ)، خطبات امیر شریعت، مشاہیر کی تقریریں، رسول اللہ کا نظام خدمت خلق، شاہ ولی اللہ کے دیس میں، حج وعمرہ، سفرنامہ ارض الاسلام، اسلام اور زرعی معاشیات، آخری جیل کے آخری قیدی، علماء دیوبند عہد ساز شخصیات، فضیلت وطریقہ نماز، مولانا ابوالکلام آزاد کی مرزا قادیانی کے جنازہ میں شرکت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام امن، مشہور ومعروف ہیں۔ پسماندگان میں ایک بیٹا، ایک بیٹی اور ہزاروں تلامذہ وعقیدت مند چھوڑے۔ ادارہ صدائے فاروقیہ، حضرت کے متوسلین، اعزہ واقارب اور امت مسلمہ سے تعزیت کناں ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور اس سانحہ پر صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" جمادی الاول ۱۴۴۱ھ/ جنوری 2020ء)

جانشین حافظ الحدیثؒ

حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستیؒ بھی چل بسے

[سن وفات: 2019ء]

پاکستان شریعت کونسل کے سربراہ، حافظ الحدیث، حجۃ اللہ فی الارض، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ کے جانشین وفرزند اکبر، جامعہ انوار القرآن کراچی کے بانی ومہتمم، حضرت اقدس مولانا فداء الرحمن درخواستیؒ بھی دار فناء سے دار بقاء کی طرف چل دیے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

مورخہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ بمطابق 31 دسمبر 2019ء اسلام آباد میں آپ کا وصال پرملال ہوا، اور اگلے روز مورخہ یکم جنوری 2020ء، جامعہ مخزن العلوم خان پور کے قریب پارک میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، یوں اولیاء، علماء کے مشہور قبرستان دین پور شریف میں آپ آسودۂ خاک ہوگئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستیؒ نے زندگی کی اسی سے زائد بہاریں دیکھیں، انہوں نے دین کے جملہ شعبہ جات میں حتی المقدور حصہ ڈالا، وہ تدریس، تزکیہ، تبلیغ، جہاد، سیاست اسلامی، عوامی خدمات، سماجی خدمات، قیام مدارس، الغرض! ہر شعبے سے وابستہ رہے۔ وہ اپنے والد گرامی کے ہم صورت وہم سیرت تھے اور زندگی بھر اپنے والد کے مشن کو

لے کر چلتے رہے۔

آپؒ کی تعلیم وتربیت بھی اپنے والد گرامی کی مرہون منت تھی۔ جامعہ مخزن العلوم خان پور سے فاتحہ فراغ پڑھا اور یہیں درس وتدریس کا آغاز فرمایا۔ ایک عرصہ بعد کراچی منتقل ہو گئے اور جامعہ انوار القرآن کی بنیاد رکھی۔ سیاست اسلامی آپ کو ورثہ میں ملی دو مرتبہ قومی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا، ہر مرتبہ دھاندلی سے انہیں ہرایا گیا، ایک مرتبہ تو عدالت نے بھی آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا، لیکن بدقسمتی سے اسمبلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔

آپ شیریں سخن، شیریں بیان اور خوش طبع تھے۔ ترنم سے اشعار گنگناتے تو کیف طاری کر دیتے۔ جمعیت علمائے اسلام سے بے حد محبت تھی، حضرت مفتی محمودؒ کے وصال کے بعد جمعیت تقسیم ہوئی تو اتحاد کے لیے کوشاں رہے۔ اپنے خاندان کے سرپرست ہونے کے ناطے درخواستی خاندان کو بھی جوڑے رکھا۔ انتخابی سیاست سے مایوس ہو کر الگ تھلگ ہو گئے تھے اور پاکستان شریعت کونسل قائم فرما کر حضرت مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم کے ہمراہ، دفاع اسلام اور حقانیت اسلام کے لیے کوشاں رہے۔ اندرون سندھ، حسن ابدال اور کئی دیگر مقامات پر مدارس ومکاتب قائم فرمائے۔ غریب علاقوں میں رفاہی کام بھی ذوق سے کیے۔

ادارہ صدائے فاروقیہ آپ کے برادران خصوصاً حضرت مولانا فضل الرحمن درخواستی، حضرت مولانا حاجی مطیع الرحمن درخواستی، حضرت مولانا خلیل الرحمٰن درخواستی زید مجدہم، صاحبزادگان، پاکستان شریعہ کونسل کے اکابرین بالخصوص حضرت مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم، آپ کے جملہ معتقدین ومریدین، جامعہ مخزن العلوم خان پور اور جامعہ انوار القرآن کے اساتذہ، طلباء کی خدمت میں عزاء مسنون پیش کرتا ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ/ فروری 2020ء)

حضرت مولانا محمد یوسف متالا (U.K) کا سفر آخرت

[سن وفات: 2019ء]

ابھی حضرت مولانا طلحہ کاندھلویؒ کا غم فراق ختم نہ ہوا تھا کہ خبر آگئی، دارالعلوم بری، جامعہ امام زکریا کے بانی، عالم اسلام کی مشہور ومعروف دینی وروحانی شخصیت، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے شاگرد خاص اور خلیفہ، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ مورخہ ۸ رمحرم الحرام ۱۴۴۱ھ بمطابق 8 ستمبر 2019ء کو عالم آخرت سدھار گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى.

آپؒ ماہ نومبر 1946ء میں ہندوستان کے صوبہ گجرات کے علاقے سورت میں پیدا ہوئے، قرآن کریم اور اردو کی ابتدائی تعلیم مدرسہ ترغیب القرآن میں حاصل کی، ۱۹۶۱ء میں مدرسہ حسینیہ میں درس نظامی کی پانچ سالہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۶ء میں مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے، جہاں آپ نے برکۃ العصر، شیخ الحدیث، حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا یونس جونپوریؒ اور حضرت مولانا مظفر حسینؒ سے حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ بعدازاں آپ کنیڈا چلے گئے۔ ایک عرصہ تک برطانیہ میں علوم ظاہریہ اور علوم باطنیہ میں امت کی تربیت کی۔ 1973ء میں آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ہدایت کے مطابق برطانیہ کے شہر ڈیوز بری میں "دارالعلوم العربیہ الاسلامیہ" کی بنیاد رکھی۔ بریڈ فورڈ کے شہر میں طالبات کے لیے "جامعۃ الامام محمد زکریا" اور طلبہ کے لیے مدرسہ "مصباح العلوم" قائم فرمایا، علاوہ ازیں برطانیہ کے مختلف شہروں میں مزید کئی دینی مدارس قائم کیے، جن میں مدینۃ العلوم کڈ منسٹر، مرکز العلوم بلیک برن،

مدرسۃ الامام محمد زکریا بولٹن، مدرسۃ الامام محمد زکریا پرسٹن، اظہر اکیڈمی لندن، المرکز العلم ڈیوز بری اور زکریا جامع مسجد بولٹن شامل ہیں۔ بلاشبہ آپ دیارِ غیر میں علمائے سلف کی یادگار تھے۔ زمانہ طالب علمی میں حضرت کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ آپ کا ایک بیان بھی سماعت کیا۔ یہ بیان صحبت اہل اللہ اور تعلق باللہ پر عجیب وغریب بیان تھا، جس نے دل میں صحبت صالحین کی اہمیت کو خوب اجاگر کیا۔

آپ کے قائم کردہ اداروں سے ہزاروں کی تعداد میں علماء پیدا ہوئے۔ آج برطانیہ میں اسلامی انگلش اسپیکرز، علماء، مدرسین اور خطباء کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے، جو دیارِ مغرب کے مختلف دینی شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں اکثریت آپ کے قائم کردہ اداروں کے فارغ التحصیل علماء کی ہی ہے۔ آپ مفسر قرآن اور مؤرخ بھی تھے۔ آپ کی تفسیر قرآن پر کتاب ''اضواء البیان'' اور تاریخ پر ''مشائخ احمد آباد'' کافی مقبول ومعروف ہوئیں۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' صفر المظفر ۱۴۴۱ھ/ اکتوبر 2019)

حضرت اقدس مولانا محمد طلحہ کاندھلوی رحمہ اللہ کی رحلت

[سن وفات: 2019ء]

سلسلۂ گنگوہ کے مسند نشین، تبلیغی جماعت کے علمی مربی، جامعہ مظاہر العلوم سہارن پور کے شیخ الحدیث، بے مثال شارح حدیث، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ مہاجر مدنی کے اکلوتے صاحبزادہ وخلیفہ مجاز، حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی رحمہ اللہ مؤرخہ ۱۰ ر ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ بمطابق 12 اگست 2019ء خالق حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

آپ بلاشبہ بقیۃ السلف، پیر طریقت، خانقاہ خلیلیہ سہارنپور کے روح رواں، ہزاروں علماء وصلحاء اور عوام کی اصلاح وتربیت کرنے والے قلندر صفت مردِ خدا شناس تھے، آپ "جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سرپرست اعلیٰ، اُم المدارس ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے رکن شوریٰ، اسلاف امت کا نمونہ اور روایات اکابر کے پاسباں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توازن، اعتدال، بے نفسی، تواضع کا جذبہ عطا کیا تھا۔ آپ صاحب سیرت وکردار، نرم خو، کریم النفس اور سادہ شخصیت کے مالک تھے، اس لیے آپ کے ذریعہ ہزاروں لوگوں نے روحانی غذا حاصل کی اور ہدایت کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

آپ رحمہ اللہ کی شخصیت اس اعتبار سے منفرد ہے کہ آپ کو سنِ طفولیت میں ہی "پیر طریقت" کا خطاب ملا، اس کا سبب اپنے ایک بیان میں آپ نے خود یوں بیان فرمایا:

"ایک مرتبہ میں کتب خانہ یحیوی میں بیٹھا کھیل کھیل میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو بیعت کر رہا تھا، اتنے میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کا تانگہ آ گیا، حضرتؒ تانگہ سے اترے اور مجھے بیعت کرتے دیکھا تو فرمایا کہ مجھے بھی بیعت کر لیں، میں نے

بلا تکلف کہہ دیا کہ آیئے!! اور حضرت مدنیؒ کو بیعت کرلیا، اس کے بعد سے حضرت مدنیؒ مجھے پیر طریقت ہی کہہ کے پکارتے اور ایک طرح سے یہ میرا لقب پڑ گیا"۔

حضرت شیخ محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی ذات چونکہ اس وقت کے علماء ومشائخ کے لیے مرجع تھی اور علماء واتقیاء کی آپ کے گھر میں خوب آمدرہا کرتی تھی، اس لیے ان بزرگان دین سے بچپن ہی سے استفادے کا خوب موقع ملا۔ آپؒ نے شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بیعت کی، لیکن اس کے ساتھ اپنے والد صاحب سے روحانی تعلق کو مضبوط کیا، ان کی تربیت میں رہ کر باطنی امراض سے دلوں کو صاف اور شفاف کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ والد صاحب نے اپنی زندگی میں اپنی طرف سے بیعت وارشاد کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرتؒ تصوف وسلوک کے امام تھے۔ آپؒ نے خانقاہ خلیلیہ سے دنیا بھر کے لاکھوں افراد کی اصلاح فرمائی۔ آپ کی اگرچہ کوئی حقیقی اولاد نہیں تھی، لیکن آپ کی سرپرستی اور نگرانی میں لاکھوں افراد نے علم وفضل، تقویٰ وپرہیزگاری، تصوف وسلوک کے مدارج طے کیے، جو آپ کی روحانی اولاد بنے۔ زندگی کے آخری لمحات میں آپؒ طویل عرصہ تک بیمار رہے۔ ایک لمبے عرصہ تک مدینہ منورہ میں بھی زیر علاج رہے اور صحت یاب ہوکر ہندوستان واپس لوٹے۔ کچھ ہی دن گزرے تھے، آپ کی طبیعت پھر سے خراب ہوگئی۔ جس کے علاج کے لیے آپؒ کو میرٹھ کے آنند ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ لیکن شاید لمحاتِ زندگی پورے ہوچکے تھے، یوں تصوف وسلوک کے عظیم امام ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ بمطابق ۱۲ راگست ۲۰۱۹ء بروز پیر ٹھیک پونے تین بجے عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر اپنی آخری سانس لیتے ہوئے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نماز جنازہ میں ہزاروں مسلمان، علماء وعوام، اکابرین ومشائخ نے شرکت کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اٹھا
آنکھ حیراں ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ،
حضرت مولانا علامہ خالد محمودؒ
کا وصال اور طیارہ حادثہ

[سن وفات: 2020ء]

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ نے کروڑوں اہل ایمان کو رحمت ومغفرت سے سرفراز کرنے کے ساتھ بہت سے اہل علم وفضل کو بھی رحمت میں لپیٹ کر خلد بریں کے دائمی مسکن پہنچا دیا ہے۔ یقیناً اہل علم کی رحلت ان کے لیے ابدی سعادت ورحمت، لقاءِ ربانی اور دخول جنت کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ البتہ ہم جیسے اہلِ دنیا کے لیے ان کا اٹھ جانا قیامت سے کم نہیں۔ علم کا اٹھ جانا اور علم کا اہل علم کی رحلت کی صورت میں اٹھنا، اخیار سے زمین کا خالی ہونا اور اشرار کا باقی رہ جانا سب علامات قیامت میں سے ہے۔ علم کی کساد بازاری کے زمانہ میں جانے والے جبال علم کا وجود امت کے لیے نعمت عظمیٰ سے کم نہ تھا۔ ان کے جانے سے بلاشبہ امت یتیم ہوگئی۔

ان جبال علم میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندیؒ، حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا فخر الدینؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ اور دیگر دسیوں اکابر ہستیوں کی نسبتوں کے حامل عظیم محدث، مفکر، مفسر، فکرِ شاہ ولی اللہ کے امین دار العلوم دیو بند کے شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ مورخہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق 19 مئی 2020ء کو رحلت فرما گئے۔

نیز دنیائے تحقیق کے عظیم شہ سوار، علوم وافکار اہل سنت کے حقیقی ترجمان، بے بدل

مصنف، مفکر، خطیب، مناظر، ہزاروں اہل علم کے استاذ و شیخ، سادگی واخلاص کے پیکر حضرت اقدس علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ مورخہ ۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق 14 مئی 2020ء کو واصل بحق ہوئے، اور دیگر کئی اہلِ علم اسی رمضان المبارک میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم۔

مذکورہ بالا دونوں شخصیات بلاشبہ مرجع خلائق تھیں۔ دنیا بھر کے لاکھوں اہل علم و فضل اور عوام ان اکابر سے فیض یاب ہوئے۔ اشاعت دین، اتباع واحیاء سنت، اجتناب و اماتت بدعت، تحفظ سنت، دفاع صحابہ واہل بیت اطہار، قرآن وسنت کی دعوت وتنفیذ دونوں کا مشترکہ نصب العین تھا۔

راقم الحروف کو دونوں شخصیات سے شرف تلمذ ونسبت حاصل ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ سے 2014ء میں جمعیت علماء ہند کے قائد، امیر الہند حضرت اقدس الشیخ مولانا محمد ارشد مدنی دامت برکاتہم کی دعوت کے موقع پر دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں زانوائے تلمذ تہہ کر کے نہ صرف شرف تلمذ حاصل کیا، بلکہ حضرت کی زیر صدارت اساتذہ ومشائخ دیوبند وطلبہ کے اجتماع میں خطاب کے موقع پر سند حدیث پر دستخط فرما کر دنیا وآخرت میں احقر کو عزت کا سامان فراہم فرمایا۔

حضرت علامہ صاحب سے عرصہ بیس سال سے نیاز مندی کا تعلق رہا۔ ہمارے والد گرامی حضرت اقدس مولانا رشید احمدؒ سے آپ کا خصوصی تعلق اور دونوں اکابر کی جمعیت علماء اسلام اور عقائد اہل سنت والجماعت کے تحفظ میں مشترکہ جدوجہد رہی۔ آپ کی متعدد بار جامعہ فاروقیہ اور شجاع آباد تشریف آوری رہی۔ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی نشاۃ ثانیہ کے بعد دورہ تفسیر القرآن الکریم شروع ہوا تو اس میں تقابل ادیان ومسالک کا مضمون آپ کی مشاورت سے شروع ہوا۔ اور آپ بنفس نفیس جامعہ میں تشریف لا کر طلبہ کو فیض یاب فرماتے رہے۔

مورخہ 25 مئی 2020ء PIA کی فلائٹ Pk-8303 لاہور سے کراچی پہنچی اور

لینڈ کرنے سے دو منٹ قبل ہی حادثہ کا شکار ہوگئی، جس کے نتیجہ میں سو کے قریب مسافر اور عملہ کے افراد جان بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم۔

پاکستان کی انتظامی زبوں حالی کے نتیجہ میں آئے روز حادثات کوئی نئی بات نہیں۔ اس سے قبل متعدد مرتبہ ہوائی جہاز، ریل گاڑیوں اور دیگر حادثات بھی کثرت سے ہو چکے ہیں۔ ہر حادثہ کے بعد بجائے ندامت کے چند روز کفِ افسوس مل کر سکوت اختیار کر لیا جاتا ہے۔ اب کی بار تو حادثہ کے بعد مکمل سناٹا چھا گیا ہے۔ نہ جانے مرنے والوں کو کیوں انسان نہیں گردانا جاتا اور کروڑوں روپے کے مالی زیاں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔

اللہ تعالیٰ جملہ شہداء اور رحلت کنندگان بالخصوص اہل علم و فضل کے درجات بلند فرمائے۔ ادارہ صدائے فاروقیہ اہل علم کی رحلت پر پوری امت اور طیارہ حادثہ کے شہداء کے لواحقین اور اہل وطن سے تعزیت کرتا ہے نیز صبر کی تلقین و دعا کا طالب ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" شوال المکرم ۱۴۴۱ھ/ جون 2020ء)

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ مشاہدات وتاثرات

[سن وفات: 2020ء]

بقیۃ السلف، بحر العلوم، جامع الفنون، امام المناظرین، استاذ العلماء اہل سنت و الجماعت کے عظیم پیشوا امت مسلمہ کے بے بدل اسکالر، آیہ من آیات اللہ، حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ سے شناسی تو زمانہ طالب علمی سے ہے 1985ء میں یہ عاجز جہاں ایک طرف مدرسہ میں درس نظامی کا طالب علم تھا تو دوسری جانب کالج کا اسٹوڈنٹ بھی کالج کے اجنبی ماحول میں لادین اور گمراہ مذہبی تنظیموں کو دیکھ کر خون کھولتا تھا اہل حق کی طلبہ قوت بنانے اور منظم کرنے کی امنگ پیدا ہوئی، گھرانہ علمی اور مذہبی تھا والد گرامی حضرت مولانا رشید احمدؒ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ کے تلمیذ رشید ہونے کے ناطے شروع سے ہی جمعیت علماء اسلام سے وابستہ تھے ان کی جمعیت کی وابستگی کی وجہ سے جمعیت کے اکابرین و قائدین کی شجاع آباد اور گھر تشریف آوری بکثرت ہوتی رہتی، اس لیے جمعیت طلباء اسلام سے شناسائی تو تھی ہی اور کسی وقت جے ٹی آئی شجاع آباد کالج میں متحرک بھی رہی تھی جو اب غیر فعال ہو چکی تھی، اس لیے جمعیت طلباء اسلام کو شجاع آباد میں متحرک کرنے کے لیے اپنے برادر اکبر مفتی محمد ارشد حفظہ اللہ اور چند دیگر طلباء ودوستوں کے ہمراہ محنت شروع کر دی جے ٹی آئی سے وابستہ ہوئے تو طلباء کنونشنز میں شرکت کے مواقع بھی میسر آئے سب سے پہلے علامہ صاحب کو خانیوال کے ایک طلباء کنونشن میں سننے کا موقع ملا یہ نظریاتی اور فکری تقریر تھی جو یقیناً طلباء کی ذہنی استعداد کو پیشِ نظر رکھ کر کی جا رہی تھی، تقریر میں اکابر دیوبند کی انگریز کے خلاف جدوجہد اور قربانیوں کے ساتھ ساتھ مختلف لطیفے، انگلش کی کہاوتیں اور جملے سن کر طلباء محظوظ ہوئے۔

آپؒ کی متعدد بار شجاع آباد مدرسہ عربیہ فاروقیہ جو ہمارے والد گرامی کا قائم کردہ

مدرسہ تھا، کے سالانہ جلسہ میں تشریف آوری کے موقع پر خدمت وقرب کا شرف حاصل رہا، متعدد بار والد گرامیؒ کی معیت میں کراچی کا سفر ہوا تو آپ کے ساتھ مہمان خانہ میں قیام اور طلباء دورہ حدیث شریف کے دورس میں شرکت کی سعادت بھی میسر آئی، اپنے دورہ حدیث کے سال جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں شیخ محترم حضرت اقدس مولانا نذیر احمدؒ نے بطور خاص سال میں متعدد بار آپ کو جامعہ میں بلا کر طلباء میں اور عوام الناس میں خطاب بھی کروائے تب بھی آپ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔

شجاع آباد میں مسئلہ حیات النبیؐ پر زبردست قسم کا تقابل اور مناظروں کے ساتھ اشتعال انگیزی ہوئی تب اکابرین دیوبند کی ترجمانی کی قیادت والد گرامی حضرت مولانا رشید احمدؒ کر رہے تھے، آپ کی دعوت پر حضرت علامہ صاحب کی متعدد بار شجاع آباد تشریف آوری ہوئی، تب بھی ضیافت و خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ والد گرامیؒ اکثر لاہور کے اسفار میں حضرت علامہ صاحبؒ سے ملاقات کرتے اور واپسی پر آپ کی تصنیف کردہ کتب بھی خرید کر لاتے جن سے آپ کی تصنیفات سے شناسائی اور آگاہی رہی، ایک عرصہ تک علامہ صاحبؒ اپنی تصنیفات حضرت والد گرامی کی خدمت میں اشاعت کے لیے بھی ارسال کرتے رہے، جن میں بطور خاص ''مطالعہ بریلویت'' آثار الحدیث اور آثار التنزیل وغیرہ شامل تھیں، مقام حیات، خلفاء راشدین وغیرہ بھی حضرت والد گرامیؒ کے کتب خانہ میں اکثر نظر سے گزرتی۔ 2005ء میں دورہ تفسیر القرآن الکریم شروع کیا تو اس کے لیے حضرت علامہ صاحب نے فن مناظرہ کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ''تقابل ادیان و مسالک'' کا غیر متنازعہ اور خوبصورت عنوان تجویز کر کے دیا اور آئندہ سال احقر کی دعوت پر پڑھانے کے لیے تشریف لائے تقریباً تین روز قیام فرمایا خوب علمی جواہر پارے تقسیم کیے بندہ نے انہیں ریلوے اسٹیشن بہاول پور سے وصول کیا وہ ہیضہ کی بیماری میں مبتلا تھے انہیں شجاع آباد لا کر علاج معالجہ کروایا تو بحمد اللہ تندرست ہو گئے جاتے ہوئے ارشاد فرمایا تم نے ایک بیمار کو وصول کیا اور تندرست کر کے واپس کیا اس موقع پر بھی بے حد قرب حاصل ہوا نیز شرف ضیافت اور دعائیں سمیٹنے کا خوب موقع میسر آیا اور بعد ازاں متعدد مرتبہ مختلف اجلاسوں میں بالمشافہ اور فون پر ملاقاتیں جاری رہیں۔

احقر کا دو بار گردہ کی پیوند کاری کا آپریشن ہوا دوسری بار ۵ نومبر ۲۰۱۹ء کو کراچی کے ایک نجی ہسپتال میں یہ خطرناک ترین اور مشکل ترین آپریشن ہوا انفیکشن کے خطرہ کے پیش نظر ڈاکٹر نے پانچ دن ہسپتال داخل رکھنے کے بعد کراچی رہائش گاہ بھیج دیا اور میل جول سے زبردست پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ تب تقریباً دو ماہ تک عاجز کراچی میں زیر علاج، ڈاکٹروں کی نگرانی میں رہا۔ صبح حضرت علامہ صاحبؒ کا درس جامعہ اشرفیہ لاہور سے آن لائن نشر ہوتا تو اکثر و بیشتر حضرت سے آن لائن استفادہ کا موقع بھی میسر آتا۔

مذکورہ بالا تفصیل عرض کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ذیل میں علامہ صاحبؒ کے متعلق ذکر کیے گئے تاثرات سنے سنائے نہیں بلکہ مشاہد اور چشم دید ہیں۔ احقر نے انہیں جیسے پایا ویسے ہی زیر قلم کر رہا ہے:

تبحر علمی اور حسنِ بیان:

اہل علم کا ہتھیار ان کا علم ہوتا ہے اور عموماً علم کا مدار کثرت مطالعہ اور ورق گردانی ہی ہے جو شخصیات اپنی زندگی کا بہترین مشغلہ کتاب بینی ورق گردانی اور کثرت مطالعہ کو بنا لیتے ہیں یقیناً ان کے علم میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ علم ایسا بحر بے کراں ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْه. وَ مَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا.

”دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے ایک علم میں حریص کہ اس سے پیٹ نہیں بھرتا اور ایک دنیا کا حریص کہ اس سے پیٹ نہیں بھرتا“۔

(المستدرک للحاکم: ۱/ ۹۲)

حضرت علامہ صاحبؒ اسی حدیث کا عین مصداق تھے ان کا تبحر علمی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر مطالعہ کرتے تھے بلاشبہ انہوں نے اپنی حیات مستعار میں تفسیر، حدیث اصول حدیث فقہ اصول فقہ علم کلام، معانی بیان بدیع مناظرہ وغیرہ علوم کی سینکڑوں کتب کے لاکھوں صفحات کا مطالعہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کتب کثیرہ میں چھپا علم صحیفے سے ان کے سینے میں منتقل کر دیا

تھا، ایک طرف ان کے زندگی کے کثیر الجہت مشاغل اور دوسری طرف ان کے تبحر علمی کو دیکھ کر بندہ ششدرر رہ جاتا ہے کہ علامہ صاحب نے ہزاروں اوراق کن اوقات میں پڑھے؟ یقیناً یہ ان کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ برکت وقت کا نتیجہ ہی ہوسکتا ہے، ان کے تبحر علمی کا اندازہ اہل علم ان کی کسی بھی موضوع پر گفتگو یا کسی بھی خاص فن یا موضوع پر لکھی گئی کتاب سے کرسکتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے انہیں وسعت مطالعہ کے ساتھ وسعت حافظہ کی نعمت اور دلنشین انداز بیان، حاضر جوابی اور علمی استحضار بھی عطا کیا تھا، ان کی گفتگو وتحریر، استدلالات وحوالہ جات سے لبریز ہوتی۔ ایسے محسوس ہوتا کہ وہ اپنے وقت کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہیں جن کے سینے میں کتب خانوں کی سینکڑوں کتابیں ثبت ہوچکی ہیں معروف ومتداول کتب کے علاوہ غیر معروف اور نایاب کتب بھی ان کی دسترس میں تھیں۔

کثرت مطالعہ قوت حافظہ، ملکہ استنباط یاداشت، خود اعتمادی، علمی استحضار اور حاضر جوابی ساتوں اہم کمالات ہیں ان سب کا فرد واحد میں اجتماع عنقاء ہوتا ہے لیکن علامہ صاحبؒ میں یہ ساتوں کمالات جمع تھے۔ انہیں بیک وقت اردو، فارسی، عربی اور انگلش زبانوں پر بھی نہ صرف عبور تھا بلکہ ان میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اکابر اہل سنت والجماعت کی ترجمانی علماء دیوبند کے علوم کی اشاعت اور عقائد اہل سنت والجماعت کا تحفظ آپؒ کی زندگی کا مشن رہا۔ منکرین اسلام، منکرین حدیث، الحاد وزندقہ کے داعیوں سے زندگی بھر نبرد آزما رہے۔ ختم نبوت، ناموس صحابہ واہل بیت اطہار جیسے مقدس عقائد ونظریات کے دفاع کے لیے اہل علم کی علمی آبیاری کرتے رہے۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے کی گئی قانون سازی میں آپ کے علم وفضل اور تحریر وتدوین آپ کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔

عقائد اہل سنت والجماعت، صفات خداوندی، کمالات مصطفوی، توحید وسنت، عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم الغرض کون سا ایسا موضوع ہے جس پر آپ کی گفتگو وعبارت سند اور حرف آخر کا درجہ نہ رکھتی ہو، توحید خداوندی کے تمام پہلو کو اسی طرح اجاگر کرنا کہ نہ حضرات انبیاءؑ کی توہین وتنقیص کا ادنیٰ شائبہ ہو اور نہ ہی اجماعی عقائد سے سرمو انحراف ہو۔ سنت کا اثبات اور بدعت کا رد، کمالات صحابہ کا بیان، خلفاء راشدین کی عظمتوں، کمالات، قضایا، مسلک باہمی اعتماد،

فتوحات، طرزِ حکمرانی اور ان کی تشریعی حیثیت کو جس قدر اور جس انداز سے آپ نے اجاگر فرمایا وہ بس آپ ہی کا خاصہ ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو مذکورہ بالا کمالات کے ساتھ حسنِ تعبیر کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ علمی و دقیق اور عمیق مباحث کو عوامی انداز میں اس طرح بیان کرتے اور تحریر کرتے کہ سامع اور قاری نہ صرف اس دلنشین انداز کو سمجھ جاتا بلکہ عش عش کر اٹھتا۔

حضرات اہل بیت اطہارؓ کی محبت کی آڑ میں حضرات صحابہ کرام کی تنقیص کیے جانے کا جب رد فرماتے تو ایسا خوبصورت اسلوب اختیار فرماتے کہ اہل بیت اطہار کے دامن پر نہ صرف یہ داغ و دھبے برداشت نہیں کرتے تھے، بلکہ عدالت صحابہ کے ساتھ طہارت اہل بیت کی خوشبوئیں بھی بکھیر دیتے۔

اس قدر تجرِ علمی کے باوجود اپنے اکابر پر اعتماد اور آئمہ مجتہدین کی تحقیقات کو حرف آخر سمجھتے۔ مجتہدین بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ کے کمالات آپ کی اولین فقہ کی خصوصیات مسلک امام ابوحنیفہ کا دفاع بھی آپ کا خاصہ تھا۔ حدیث کی تدریس میں آپ کہنہ مشق محدث، فقہ کے بیان میں بے بدل فقیہ مناظروں میں ماہر علم کلام، خطابت میں بے بدل خطیب اور تحریروں میں سریع القلم مصنف اور محقق نظر آتے۔ آپ عدالت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتے تو بہترین جج اور کالج و مدرسہ کی مسند پر بہترین استاذ نظر آتے۔ منبر و محراب میں بہترین خطیب، میدان مناظرہ میں دندان شکن مناظر اور تنظیموں اور جماعتوں میں بہترین قائد نظر آتے۔

اخلاص وللہیت:

تجربہ شاہد ہے کہ راہ حق میں مقام رفیع اور مرتبہ عظیم اسی کو نصیب ہوتا ہے جسے حق تعالیٰ کی جانب سے قبولیت نصیب ہوتی ہے۔ بلاشبہ آپ ”فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ“ کا مصداق تھے۔ آپ کی قبولیت عنداللہ کا حسین ثبوت اہل علم وفضل، مشائخ اور اکابر کا آپ پر حسن اعتماد ہے۔ آپ بلاشبہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ، محدث جلیل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، امام اہل سنت مولانا دوست محمد قریشی، مناظر اہل السنت علامہ محمد عبدالستار تونسویؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی، خطیب اہل السنت حضرت مولانا قائم الدین عباسیؒ، حضرت

مولانا عبدالرحیم اشعرؒ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے نہ صرف منظور نظر تھے بلکہ ان کے دست و بازو اور خادم رہے۔ حق تعالیٰ نے ہند و پاک، شرق و غرب، ایشاء و یورپ میں آپ کو یکساں مقبولیت نصیب فرمائی تھی۔ دنیا بھر میں جہاں بھی اسلام کی حقانیت، ختم نبوت کے اثبات، دفاع صحابہ و اہل بیت یا تحفظ سنت اور رد بدعت کا معرکہ درپیش ہوا سب کی نظریں علامہ صاحب کی جانب تھیں۔ آپؒ یقیناً مرجع خلائق تھے۔ کالج کے ڈائس سے لے کر جامعات کی مسند حدیث تک، منبر و محراب سے لے کر سپریم کورٹ کی شرعی عدالت کی کرسی تک آپ یکساں مقبول ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ والد گرامی حضرت اقدس مولانا رشید احمدؒ کی دعوت پر شجاع آباد تشریف لائے اس وقت ہمارا جامعہ محض ایک مدرسہ تھا اور مدرسہ کی بھی اپنی کوئی مسجد نہ تھی۔ تھانہ چوک کی معروف جامع مسجد مدنی میں مدرسہ کے جلسہ سے آپ نے خطاب کرنا تھا اُس وقت شجاع آباد میں تعینات اسسٹنٹ کمشنر شجاع آباد (نام یاد نہیں) نے حضرت والد گرامی سے رابطہ کر کے بتایا کہ میں علامہ صاحب کا کالج کا شاگرد ہوں۔ علامہ صاحب کی ضیافت کا شرف مجھے بھی بخش دیا جائے۔ حضرت والد گرامی نے اسے بخوشی قبول فرمایا۔ احقر کا زمانہ طالب علمی تھا۔ والد صاحب بھی مدعو تھے دونوں بزرگ کھانے پر تشریف لے گئے، میزبان نے علامہ صاحب کی ہرن کے گوشت سے ضیافت کی۔ اس قدر قبولیت حق تعالیٰ کی جانب سے تھی۔ لیکن یہ قبولیت بجا طور پر اخلاص وللٰہیت، زہد و تقویٰ کا ثمر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ صاحب میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا یہ اخلاص وللٰہیت آپ کے مشائخ و اساتذہ جو وقت کے بہترین محدث، مفسر اور مشائخ طریقت تھے جن کی نظر میں دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ تھی کی نگاہ پر تاثیر اور صحبت کا نتیجہ تھا۔ اسی اخلاص کا ثمرہ تھا کہ زندگی بھر بغیر کسی لالچ و طمع کے خدمت دین میں مصروف رہے۔ انہوں نے کبھی کسی کے سامنے مطالبہ و تقاضہ کرتے اور ہاتھ پھیلاتے نہیں دیکھا گیا۔ ان کے لیے نہ کوئی لالچ و طمع دین کے کام سے مانع بنا اور نہ ہی کسی قسم کی حرص و ہوس و تمنا آڑے آئی۔ زندگی بھر رضاء الٰہی کے لیے دین متین کی خدمت میں مصروف رہے وہ اگر چاہتے تو اپنے علم و فضل کے بدلے اپنے آپ کو کیش کروا کر بعض اہل باطل کی طرح اپنے آپ کو فروخت کر کے اربوں وصول کرتے لیکن آپ کے اخلاص و جذبہ رضائے الٰہی نے

انہیں اس خطرناک عمل سے محفوظ رکھا۔

آپ رحمہ اللہ کو بیان ومناظرہ کے لیے کسی نے شہر میں بلایا یا دیہات میں فوراً پہنچ گئے۔ نہ آپ روایتی و پیشہ ور خطیب تھے اور نہ ہی دکاندار پیرو مرشد، نہ تعویذ گنڈے کی دکان کھولی اور نہ ہی الگ جماعت بنا کر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد قائم کی۔ ہمیشہ اپنے اکابر ومعاصر واصاغر سے جڑے رہے اور انہیں ساتھ جوڑے رکھا۔

انکساری وسادگی:

اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ عجز وانکساری اور تواضع بھی آپ کی نرالی وصف تھی بلاشبہ آپ "نہد شاخ پر میوہ سر زمین" کے مصداق تھے۔ بہت بڑے ہو کر اپنے آپ کو چھوٹا قرار دیتے تھے، اکابر کی صف میں شامل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو خادم قرار دیتے تھے اپنی شان بڑھانے کی بجائے دوسروں کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی فرماتے، کھانے کو جو دستیاب آیا کھالیا کبھی ناک نہ چڑھائی، بیٹھنے کو چٹائی دستیاب ہوئی یا کرسی ان کے لیے برابر تھا، سونے کو فرش محمدی نصیب ہوا، چارپائی یا بیڈ انہیں اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ سفر کے لیے ہوائی جہاز کم اور عام سواری زیادہ اختیار فرمائی۔ کبھی میزبان پر بوجھ نہ ڈالتے کہ جہاز یا اعلیٰ درجہ کی سواری کے بغیر میرا سفر نہ ہوگا۔ بلکہ آپ کا شباب اور کہولت تو کثرت اسفار کا زمانہ رہا۔ واقفان حال جانتے ہیں کہ آپ کا اکثر سفر بذریعہ عوامی بس یا ٹرین ہوا کرتا تھا۔ بہت کم مہنگی سواری استعمال فرماتے۔ کبھی شیخی نہ ہی بڑائی کا اظہار کیا۔ فقیر منش انسان تھے فقر ہی ظاہر فرماتے ایک بیان میں بطور لطیفہ کے بیان فرمایا:

> "ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے ملنے آیا ہوں آپ بہت بڑے بزرگ ہیں اور میرے محسن ہیں میں نے پوچھا کیسے؟ تو وہ کہنے لگا کہ میں تین بار امتحان میں فیل ہوا اب کی بار میں نے گڑگڑا کر دعائیں کیں، میں پیپر والی رات آپ کو خواب میں دیکھتا آپ مجھے سوالات کی نشاندہی فرماتے اور صبح وہی سوال پرچہ میں آئے ہوئے ہوتے ہیں میں آپ کی رہنمائی پر سوالات تیار کر کے جاتا تو یوں میں پاس ہو گیا۔
>
> علامہ صاحب نے فرمایا میں نے اسے کہا بھائی! نہ مجھے اس کا علم ہے اور نہ ہی

میں بزرگ ہوں یہ تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ یہی تو بزرگوں کی نشانی ہوتی ہے، وہ اپنے آپ کو بزرگ تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ صاحب نے بتایا کہ میں مسلسل انکار کرتا رہا اور وہ مسلسل مجھے بزرگ بناتا چلا گیا۔"

طبیعت میں مزاح غالب تھا بہت مشکل مسائل کو مزاح میں حل فرمادیتے، تمثیل کے بادشاہ تھے، خوش طبعی اور ظرافت سے مجلس کو کشت زعفران بنا دیتے تھے، مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ اہل جنت کی زبان عربی ہوگی جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے، اہلِ جہنم کی کونسی زبان ہوگی؟ بطور ظرافت طبع کے فرمایا انگلش محسوس ہوتی ہے۔ پھر اس کی مزاحا دلیل بھی بیان کی کہ جہنمیوں کو قرآن کریم نے اصحاب الشمال کہا ہے یعنی بائیں ہاتھ والے اور انہیں اعمال نامہ بھی بائیں ہاتھ میں ملے گا جبکہ اصحاب جنت اصحاب الیمین اور ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا تو جہنمی بائیں جانب والے ہوں گے۔ فرمایا انگریزی بائیں جانب سے لکھی جاتی ہے اور اکثر بائیں ہاتھ سے ہی لکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے اکثر کام بائیں جانب سے ہوتے ہیں۔ سامع یہ جواب اور استدلال سن کر ششدر رہ گیا۔ ان کی ظرافت طبع کے سینکڑوں واقعات زبان زد عام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی ظرافت و مزاح سے بھی علم چھلکتا تھا۔

ایک مرتبہ شاہی جامع مسجد شجاع آباد میں ایک جلسہ میں تشریف لائے، جلسہ کے بعد مسجد کی چھت پر پرانی درسگاہوں اور برآمدہ میں تشریف لے گئے، والد گرامی حضرت مولانا رشید احمدؒ بھی ہمراہ تھے، چند روز قبل ہی اشاعت التوحید کے حضرات کا جلسہ ہوا تھا جس میں ان کے ایک معروف سرتاروالے گستاخ مقرر نے تقریر کی اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعد از وفات عدم حیات پر "اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا" سے استدلال کیا اور کہا کہ "فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ" سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد روح واپس نہیں لوٹ سکتی لہٰذا جسم پر کوئی حیات نہیں۔

مجلس میں اس استدلال کا ذکر ہوا۔ حضرت علامہ صاحبؒ والد صاحبؒ کی جانب متوجہ ہوئے اور استفسار کیا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ والد گرامیؒ نے اشاد فرمایا اگر امساک روح

مطلق ہے تو پھر قیامت میں اعادۂ روح بھی نہیں ہوسکتا۔ آیت تو مطلق ہے آیت میں قیامت تک کی غایت مذکور نہیں لہٰذا اگر قبر میں اعادہ نہیں تو پھر قیامت میں اعادہ کیسے؟ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں امساک سے مراد یہ ہے کہ روح کو دنیا میں واپس کردینے سے روکا جاتا ہے اور ہم جس اعادہ روح کی بات کرتے ہیں وہ اعادہ روح عالم برزخ میں ہے، جیسے عالم آخرت میں اعادہ آیت کے خلاف نہیں ایسے ہی عالم برزخ میں اعادہ بھی آیت کے خلاف نہیں۔ اس جواب کو سن کر حضرت علامہ صاحب عش عش کر اٹھے اور جواب کی خوب تحسین فرمائی۔

ہمہ گیر شخصیت:

تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ ماہرین فن عموماً صرف ایک ہی فن میں ماہر ہوتے ہیں جبکہ حضرت علامہؒ صاحب کے متعلق ابتدائی طور پر عرض کیا جاچکا ہے کہ آپ کسی ایک فن یا کسی ایک شعبہ کے ماہر نہیں بلکہ ہمہ گیر شخصیت تھے۔ دین کے جملہ شعبوں میں کمال رکھنے کے ساتھ حالات حاضرہ کے تقاضوں کو بھی خوب سمجھتے۔ قرآن و سنت کی عصری تطبیق میں آپ سے بڑھ کر کوئی نظر نہیں آتا۔ علوم شریعت کے ساتھ علوم طریقت کے بھی ماہر تھے، یہ الگ بات ہے کہ آپ نے اپنی تواضع اور سادگی کی وجہ سے مروجہ خانقاہ بنا کر اپنے آپ کو بطور مرشد و شیخ پیش نہیں کیا، بایں ہمہ آپ طریقت کے بھی امام تھے۔ آخر عمر میں اس موضوع پر کام شروع فرمایا تصوف کے شجروں میں موجود مشائخ طریقت اور بزرگان دین کے تعارف کے لیے مجالس کا انعقاد شروع کرایا اور ان گمنام اکابر کا تعارف، ان کے زہد و تقویٰ، کارہائے نمایاں کو منظر عام پر لائے اور روحانی دنیا میں انقلاب پیدا فرمایا۔ آپ پر یہ آشکارا ہوگیا تھا کہ عصر حاضر میں اکثر فتنوں کے خروج کی وجہ مادیت پرستی اور روحانیت سے بعد ہے اس لیے آخر عمر میں دیگر کارہائے نمایاں کے ساتھ احیاء طریقت کی غیر اعلانیہ تحریک شروع فرمائی، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ جو برصغیر میں سلسلہ طریقت کے آفتاب و مہتاب ہیں سمیت متعدد مشائخ کے عنوان سے اجتماعات منعقد فرما کر مختلف بزرگان دین اور ماہرین طریقت کو مدعو کرواتے۔ یہ مشائخ بھی عنوانات کے مطابق گفتگو فرماتے اور حضرت علامہ صاحبؒ بھی ان اکابر کی غیر نمایاں تعلیمات کو

نمایاں فرماتے یوں ایک غیر معمولی کارنامہ سرانجام دیا۔

اکابر پر اعتماد:

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو علماء یا غیر علماء حد درجہ ذہین ہوں اور عوامی مقبولیت بھی پیدا ہو جائے، مطالعہ اور قوت بیان بھی رکھتے ہوں وہ نئی نئی تحقیقوں کے چکر میں راہ سلف سے منحرف ہو جاتے ہیں، رفتہ رفتہ ان کا یہ طرز گمراہی تک جا پہنچتا ہے۔ ماضی بعید وقریب میں درجنوں ایسی شخصیات پیدا ہوئیں جن کے نام لینے کی چنداں ضرورت نہیں، یہ سب صاحب علم بھی تھیں، صاحب مطالعہ اور عوامی مقبولیت رکھنے والی بھی۔ لیکن سلف سے کٹ کر گمراہی کے گڑھے میں جا گریں۔ حضرت علامہ صاحبؒ باوجود حد درجہ ذہین فطین، علم کے بحر بے کراں اور اپنے وقت کے امام ہونے کے اپنے اکابر کے ساتھ وابستہ رہے، نہ صرف وابستہ رہے بلکہ ان کے ترجمان بھی رہے۔ سر مو بھی اپنے اکابر سے انحراف نہیں فرمایا۔ وہ اہل سنت والجماعت کی متفقہ شخصیات بالخصوص اکابر دیوبند کی تحقیقات پر مکمل اعتماد رکھتے اور اپنے اکابر کو نہ صرف حق پر سمجھتے بلکہ حق کو ان کا قرین سمجھتے۔ اور زندگی بھر اپنے اکابر کے مسلک ومشرب، عقائد ونظریات کی ترجمانی میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زیغ وضلال سے محفوظ فرمایا اور یوں وہ جادہ مستقیم پر چلتے چلتے جنت سدھار گئے۔

(مضمون ہذا دو حصوں میں قسط وار شائع کیا گیا)

(حصہ اول: تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" محرم الحرام ۱۴۴۲ھ/ اگست، ستمبر 2020ء)

(حصہ دوم تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" صفر المظفر ۱۴۴۲ھ/ اکتوبر 2020ء)

حضرت حافظ صغیر احمدؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیمؒ، اور حضرت مولانا پیر عزیز الرحمن ہزارویؒ کی رحلت کے سانحات

[سن وفات: 2020ء]

قارئین جانتے ہیں کہ گزشتہ دو ماہ سے مسلسل اہل علم وفضل، مشائخ اور صاحب تقویٰ شخصیات یکے بعد دیگرا ٹھتی چلی جارہی ہیں۔ رواں ماہ بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ مؤرخہ ۱۶ شوال المکرم ۱۴۴۱ھ بمطابق 8 جون 2020ء بروز پیر جامعہ دارالاحسان لاہور کے سرپرست سلسلہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے عظیم سپوت حضرت اقدس حافظ صغیر احمد، مؤرخہ ۲۷ شوال المکرم ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ جون 2020ء بروز جمعرات گیارہ بجے فوت ہوئے۔ قطب الارشاد شیخ التفسیر حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی نوراللہ مرقدہ کے آخری صاحبزادہ، جانشین اور خلیفہ مسند نشین خانقاہ بہلویہ نقشبندیہ مدرسہ اشرف العلوم شجاع آباد کے مہتمم حضرت اقدس مولانا پیر عزیز احمد بہلویؒ، مورخہ ۲۹ شوال المکرم ۱۴۴۱ھ مطابق 21 جون 2020ء بروز اتوار معروف عالم دین جامعہ بنوریہ عالمیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رکن مجلس عاملہ، ہمارے دوست حضرت اقدس مولانا مفتی محمد نعیم وفات پاگئے، ان کی تدفین سے فراغت ہی ہوئی تھی کہ خبر آئی مورخہ یکم ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ بمطابق 23 جون 2020ء بروز منگل مشفق الامت، جامع الشریعت و الطریقت، مرشد العلماء، خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ، معتمد خاص مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مہتمم جامعہ دارالعلوم زکریا اسلام آباد اور وفاق المدارس

العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت اقدس مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزارویؒ راہی ملک عدم ہوگئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ فَلْتَصْبِرُوْا وَالْتَحْتَسِبُوْا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ۔

مذکورہ بالا تینوں شخصیات اپنے اپنے مقام اور شعبہ میں سند کی حیثیت رکھتی تھیں، تینوں مشائخ امت کا عظیم سرمایہ اور اثاثہ تھے۔ تینوں اپنی مثال آپ اور عدیم النظیر تھے، اور تینوں سے احقر کی نیازمندی اور خصوصی تعلق تھا۔ ان حضرات کی رحلت پوری امت کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ تینوں کے جنازے بھی عظیم الشان اور فقید المثال تھے۔ لاکھوں لوگوں نے اپنے محبوبوں کو اعزاز و اکرام، دعا، گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ ان شاء اللہ تینوں شخصیات کے تفصیلی احوال ان شاء اللہ الگ الگ مضمون کی شکل میں پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ امت کو یہ صدمہ جھیلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ادارہ صدائے فاروقیہ، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، پوری امت بالخصوص مذکورہ بالا بزرگوں کے اہل خانہ، تلامذہ، مریدین، متوسلین سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ ان شخصیات کے درجات بلند و بالا فرمائے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ/ جولائی اگست 2020)

انسان دوست شخصیت

حضرت مفتی محمد نعیم رحمہ اللہ

[سن وفات: 2020ء]

انسان اور انس میں ترادف بھی ہے اور "انس" انسان کا ماخذ بھی اور وجہ امتیاز بھی، یہی وجہ ہے کہ جس شخص میں انس، مودت، رحمت اور احساس آدمیت کا فقدان ہے، وہ بجا طور پر انسان کہلانے کے قابل نہیں۔ تاریخ انسانی نے انہیں شخصیات کو یاد رکھا، جو اپنی حیات مستعار خدمت انسانیت میں صرف کر گئے، اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھتے رہے، ساری زندگی دوسروں کی نفع رسانی، مفلوک الحال طبقات کی خدمت، دکھی انسانیت کی دیکھ بھال، ضرورت مند انسانوں کی ضروریات کی تکمیل میں صرف کی، خدمت خلق کا مبارک عمل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک اسوہ ہے، قبل از نبوت بھی آپ دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے، مہمان نواز، صلہ رحمی کرنے والے اور مشکلات میں لوگوں کی مدد کرنے والی عظیم شخصیت تھے، اس لیے کہا جاتا ہے:

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

شیخ الحدیث، استاذ العلماء، ہمدرد قوم وملت حضرت مولانا مفتی محمد نعیم نور اللہ مرقدہ جہاں ایک کہنہ مشق، ثقہ اور قابل اعتماد عالم دین، مفکر اسلام اور بہترین خطیب تھے، میڈیا پر اسلام کے بہترین ترجمان، دینی مدارس اور دینی کاز کے محافظ تھے، شیخ الحدیث، امام تراویح اور بہترین قاری تھے، وہاں ایک خدا ترس انسان دوست اور خدمت خلق کی پیکر رفاہی

شخصیت بھی تھے، چھوٹوں کی حوصلہ افزائی، کام پر شاباش اور تشجیع کے ساتھ اپنے طبقہ کے درد مندوں کا لحاظ رکھنا، آپ کا خاص وصف تھا، اس سلسلہ میں عاجز کو ان کی شفقتوں، خیر خواہیوں کے مشاہدہ کا بخوبی موقع ملا۔

گزشتہ سال مورخہ ۲۵ اگست ۲۰۱۹ء اپنی علالت کے ساتھ مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اجلاس کے سلسلہ میں جامعہ دارالعلوم کراچی میں حاضری ہوئی، عاجز تقریباً عرصہ ایک سال سے گردہ کے عارضہ میں مبتلا تھا، انیس سال قبل گردہ کی پیوندکاری ہوئی تھی، یہ گردہ اب کام کرنا چھوڑ رہا تھا، اس علالت میں کئی مرتبہ اسلام آباد، ملتان، کراچی ہسپتالوں میں داخل رہنا پڑا، علالت کی وجہ سے ضعف ونقاہت عیاں تھی، اجلاس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور میری نشست آمنے سامنے تھی، طبعیت کی نڈھالی دیکھ کر احوال دریافت کیے اور فوراً کراچی کے مشہور ہسپتال سول ہسپتال کے شعبہ S.I.U.T میں علاج کروانے کی پیشکش فرمادی، احقر نے بھی ادنی تامل کے بعد پیشکش کو قبول کرلیا، چنانچہ اگلے روز ہی حضرت مفتی صاحبؒ نے مذکورہ ہسپتال کی انتظامیہ سے بات کر کے فون پر ذمہ داران سے ملاقات کرنے کا حکم دیا، عزیزم مولوی محمد عمیر سلمہ (بڑا بیٹا) بھی شجاع آباد سے کراچی پہنچ گئے، انتظامیہ نے ڈاکٹرز حضرات کو ہدایات دے کر فوری چیک اپ شروع کروادیا، باوجود یہ کہ اس ہسپتال میں دوسری جگہ سے پیوندکاری کرائے ہوئے مریضوں کا علاج معالجہ نہیں کیا جاتا، لیکن مفتی صاحبؒ کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ہسپتال کی انتظامیہ نے اپنے مریضوں کی طرح چیک اپ شروع کروادیا، پہلا مرحلہ بلڈ ٹیسٹ کا تھا، اس سلسلہ میں ابتدائی رپورٹ آتے ہی ہسپتال میں داخل کرلیا گیا۔

معائنے، ٹیسٹوں اور داخل ہونے کے مراحل میں حضرت مفتی صاحبؒ مسلسل رابطے میں رہے، داخل ہوجانے کے بعد وہ صبح شام خبر لیتے، اس دوران وہ ایک شب ملاقات کے لیے بھی تشریف لائے، ہسپتال کے قواعد کے مطابق مریضوں کی ملاقات کے لیے وارڈ میں داخلہ اور مریض کا وارڈ سے باہر آنا ممنوع ہوتا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے انتظامیہ سے رابطہ فرمایا اور رات کو مخصوص کمرہ میں انتظامیہ نے ملاقات کروائی، یہ ملاقات بہر حال ایک غریب الدیار،

زندگی سے مایوس اور تنہا مریض کے لیے بڑے سہارے اور حوصلہ سے کم نہ تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ عمل ان کے اخلاق عالیہ کا بہترین ثبوت ہے، ورنہ اس عاجز سے مفتی صاحبؒ کو نہ تو کوئی طمع تھا اور نہ ہی میرا آپ سے تلمذ یا دوستی کا تعلق تھا، یہ صرف ان کی انسان دوستی اور ایک لاچار انسان کی خیر خواہی تھی، جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور نصیب فرمائیں گے۔

ہسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد ڈاکٹروں نے پیوند شدہ گردہ کے ناکارہ ہو جانے کی اطلاع دیتے ہوئے، دوسری مرتبہ پیوند کاری تجویز کی اور ساتھ ہی اس مقصد کے لیے ڈائیلاسس شروع کروانے اور چھ ماہ تک انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ مفتی صاحبؒ کو جب اس کا علم ہوا تو سخت پریشان ہوئے اور ہسپتال کی انتظامیہ سے دوسری مرتبہ ٹرانسپلانٹ (گردہ کی پیوند کاری) کرنے کی درخواست کی، تاہم ہسپتال کے اپنے قواعد وضوابط کی وجہ سے فوراً ایسا ممکن نہ تھا، اس لیے بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی گردہ عطیہ کرنے کے جذبے سے کراچی آگئی تھیں، دونوں ہی گردہ عطیہ کرنے کے لیے مصر اور بے تاب تھے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر نصیب فرمائے۔ آمین!

یہ عاجز مزید علاج کروانے اور پیوند کاری سے گریزاں تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ دوسری پیوند کاری سے بھی شفاء ملنا موہوم اور جوان بیٹا اور بیٹی کا گردہ سے محروم ہو کر عیب دار ہو جانا یقینی تھا، لیکن بچوں، بچیوں، اہلیہ، دوست احباب کے اصرار نے اس مرحلہ کے لیے تیار کر دیا، چنانچہ آغا خان ہسپتال کراچی میں پیوند کاری کے لیے ٹیسٹوں کا سلسلہ شروع ہوا، خاندان اور احباب کی مشاورت سے چھوٹی بیٹی کے اصرار پر قرعہ فال انہی کے نام نکلا اور بالآخر ۵ رنومبر ۲۰۱۹ء کو آپریشن کا مرحلہ درپیش ہوا۔

اس موقع پر بھی مفتی صاحب رحمہ اللہ باوجود احقر کے رابطہ نہ کرنے کے، نہ بھولے اور فون فرما کر جامعہ بنوریہ کے فاضل آغا خان ہسپتال کی مسجد کے خطیب کو احقر کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا۔ وہ ہسپتال میں رابطے میں آگئے اور متعدد امور میں معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپریشن ہوا اور آپریشن سے پہلے ایک ماہ اور آپریشن کے بعد دو ماہ تک بمعہ اہل خانہ کراچی رہنا پڑا، اس مقصد کے لیے مکان کرایہ پر حاصل کیا گیا، مفتی صاحبؒ اصرار فرماتے رہے کہ جامعہ بنوریہ کے مکان میں قیام پذیر رہیں اور جامعہ کی گاڑی ہسپتال آنے اور جانے کے لیے استعمال

کریں، لیکن ہسپتال سے دور ہونے کی وجہ سے شکریہ کے ساتھ مفتی صاحبؒ سے معذرت کرلی۔

آج مفتی صاحب رحمہ اللہ دنیا میں نہیں، لیکن ان کی یہ نوازشات عاجز کیسے بھول سکتا ہے، اہل پنجاب میں کراچی کے علماء ومشائخ کا استغناء اور پسماندہ علاقوں کے مولوی سے بے رخی کا چرچا عام ہے، جس کا مشاہدہ ایام علالت میں بخوبی ہوا۔

اس موقع پر کراچی سے اپنے جامعہ کے چند اراکین شوری، ذاتی وخاندانی مراسم کی حامل چند قابل قدر شخصیات، احقر کے تلامذہ اور کراچی کے نامور علماء میں حضرت اقدس مولانا مفتی محمد نعیم رحمہ اللہ ہی عالم اسباب میں بقاء حیات کا ذریعہ بنے۔ بلاشبہ کراچی کی نامی گرامی بہت سی شخصیات سے قریبی تعلق کے باوجود وہ التفات نہ ہوسکا جو رسمی تعلق کے حامل مفتی محمد نعیم رحمہ اللہ سے حاصل ہوا۔ مشکل کے ان دوستوں کو بھلا کیسے بھلایا جاسکتا ہے اور اس احسان مندی کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے، مفتی صاحبؒ اور ان جیسے رفقاء تازیست دعاؤں میں بھی یاد رہیں گے اور احقر سے اگر کوئی ناقص سی دین وانسانیت کی کوئی خدمت ہوگی تو ان شاء اللہ اس کے اجر وثواب کے بھی مستحق ہوں گے۔

مفتی صاحب کے اس وصف نے انہیں ہر دل عزیز بنادیا تھا، ان سے ہر طبقہ محبت کرتا۔ جامعہ بنوریہ کی بنیاد وعروج میں بھی انہیں اوصاف حمیدہ کا دخل ہے آج پاکستان میں ان کا ادارہ سب سے زیادہ غیر ملکی طلباء کو تعلیم دین دینے والا ادارہ ہے مفتی صاحبؒ ان غیر ملکی طلباء وطالبات کے تعلیمی ویزوں کے لیے سخت مضطرب رہتے تھے، نائن الیون کے بعد بدلتی حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے تعلیم کے لیے پاکستان آنے والے طلباء وطالبات کے ویزے بند کردیے گئے اور پہلے سے موجود طلباء کے ویزوں کی توسیع روک دی گئی، مفتی صاحبؒ نے ہمیشہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ اور میڈیا کے پلیٹ فارم پر وفاق المدارس کی قیادت وسیادت کی معاونت سے اس سلسلہ کے لیے آواز اٹھائی اور بحمد اللہ کامیاب ہوئے ان کی وفات سے قبل دینی مدارس کے غیر ملکی طلباء کے لیے باقاعدہ حکومت نے نو سالہ ویزے کے اجراء کا اعلان کیا۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' ربیع الاول ۱۴۴۲ھ/نومبر 2020ء)

جامع الاوصاف حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی رحمہ اللہ

[سن وفات: 2020ء]

گذشتہ مہینوں میں لگاتار متعدد مشائخ وعلماء یکے بعد دیگرے راہی اجل ہو گئے، ان اکابر ومشائخ میں جامع الاوصاف، مجاہد ملت، مشفق الامت، عارف باللہ، قافلہ مولانا ہزارویؒ کے راہرو، سیاست اسلامیہ کے سرخیل، درس وتدریس، وعظ وارشاد کے قائد، تصوف وسلوک کے احیا کے پر جوش محرک، لاکھوں مسلمانوں کے مرشد، عشق ومحبت نبوی سے سرشار، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فاضل، دار العلوم زکریا اسلام آباد کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن، حضرت اقدس مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی رحمہ اللہ بھی نمایاں ہیں۔

آپ شفیق الامہ، شیخ المشائخ اور مرشد العلماء کے لقب سے ملقب ہیں، حق تعالیٰ نے آپ میں للّٰہیت واخلاص، زہد وتقوی، خدمت وایثار، تواضع وانکساری دینی حمیت وغیرت، اتباع ومحبت رسولؐ، عشق صحابہؓ واہلبیتؓ اور دیگر دینی اوصاف کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، آپ ہزاروں دینی مدارس کے سرپرست، سینکڑوں خانقاہوں کے بانی، تصوف وسلوک کے سلاسل کے عظیم محرک، پاکستان میں نفاذ اسلام کے زبردست اور پرجوش داعی تھے، آپ کی زندگی دین کے جملہ شعبہ جات میں جوش وخروش کے ساتھ گذری، حق بات تو یہ ہے کہ آپ کی انفرادی اور اجتماعی خدمات واوصاف کو ایک مضمون میں احاطہ میں لانا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

حضرت مولانا پیر عزیز الرحمن ہزارویؒ تعلیمی سلسلہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ، بانی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، اصلاح وسلوک کے سلاسل میں حضرت شیخ

الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور سیاسی سلسلہ میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ سے منسلک رہے، اہل نظر جانتے ہیں مذکورہ بالا تینوں شخصیات اپنے اپنے شعبہ جات کے امام اور مقتدیٰ تھے، ان اکابر کے ساتھ وابستگی نے آپ کو سونے سے کندن بنا دیا تھا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال کی صفات عطا فرمادی تھیں، آپ کی چند نمایاں اوصاف زیر قلم لائی جارہی ہیں:

اتباعِ سنت ومحبتِ رسول:

اللہ تعالیٰ نے آپ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور عشق کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، اپنی وضع قطع، نشست و برخواست، کھانے پینے، معاشرت و معاملات میں سنت کے نہ صرف پابند تھے، بلکہ داعی بھی تھے، آپ کے لباس، خوراک، خلوت وجلوت میں سنت کا رنگ غالب ہوتا، ایک مرتبہ بیان میں بطور چیلنج فرمایا میرا کوئی عمل خلاف سنت دیکھو، مجھے بتاؤ، میں فوراً توبہ اور اصلاح کروں گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ سال میں متعدد بار مدینہ منورہ حاضری کے لیے دیوانہ وار سفر کرتے، ہفتوں مدینہ منورہ میں قیام ہوتا اور عشق نبوی میں جذب کی کیفیت ہوتی، روضہ اطہر پر حاضری کی عجیب شان ہوتی، ادب واحترام نبوی میں آپ اپنے اکابر کا نمونہ تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت درود کے پرجوش داعی ومبلغ تھے، اپنی مجالس میں ہزاروں مرتبہ درود شریف کا ورد کرنا آپ کا معمول تھا، ہر جمعرات دنیا بھر میں اپنی خانقاہوں اور متعلقین میں درود شریف پڑھوانے کا باقاعدہ معمول بنایا، ہر تقریر، ہر بیان، ہر مجلس درود شریف سے معطر ہوتی، ہر مشکل میں درود شریف ہی آپ کی تجویز ہوتی۔

احقر جن دنوں مریض تھا تو مسلسل درود شریف، بالخصوص درود تنجینا کی کثرت کا حکم فرماتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ کینسر کا مریض لاعلاج ہو کر میرے پاس آیا، غالباً امریکہ سے تعلق تھا، میں نے اسے درود تنجینا کثرت سے پڑھنے کی ترغیب دی، کچھ عرصہ بعد وہ شخص مجھے ملنے آیا اور کہا کہ آپ کی نصیحت پر میں نے عمل کیا، الحمد للہ! ٹھیک ہو گیا ہوں، ایک مرتبہ فرمایا کہ افریقہ کے ایک سفر میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے ساتھ جہاز میں سوار تھے، جہاز سے ایک چھوٹے سے ایئر پورٹ پر اترنا تھا، عین لینڈنگ کے وقت ایئر پورٹ پر بجلی چلی گئی، غریب ملک تھا، نیچے اندھیرا چھا گیا، جہاز کو اتارنے میں خطرہ لاحق ہوا، کپتان نے اسی خطرے کا اعلان کیا،

احباب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کو اس کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا تمام ساتھیوں کو درود تنجینا پڑھنے کی تلقین کرو، جملہ رفقاء قافلہ نے درود شریف کا ورد شروع کیا، تھوڑی دیر میں بحفاظت جہاز زمین پر اتر گیا، اس طرح کے واقعات کثرت سے سناتے اور لوگوں کو درود شریف کی تلقین فرماتے، درود شریف شائع کرا کے لاکھوں کی تعداد میں تقسیم فرماتے۔

آپ کی گفتگو بھی محبت رسول میں ڈوبی ہوتی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فریفتگی کا یہ عالم تھا، کہ اپنے ادارہ دار العلوم زکریا کے ساتھ "حدیقۃ مدینہ" لگایا ہوا تھا، احقر کو یہ باغیچہ دکھایا اور فرمایا کہ اس باغیچہ میں مدینہ طیبہ سے لائے ہوئے پودے لگائے ہوئے ہیں، کھانے میں اتباع نبوی میں "کدو" (لوکی) کی سبزی بہت مرغوب تھی، مدینہ کا پودینہ اکثر دستر خوان کی زینت ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ کھانا ثرید بڑی رغبت سے تناول فرماتے۔ لباس اور وضع قطع میں سنت کا رنگ نمایاں ہوتا۔

گستاخانہ خاکے ہوں یا ختم نبوت پر حملے، یہ معاملات سامنے آنے پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھتے اور خانقاہ سے نکل کر اسلام آباد کی سڑکوں پر نظر آتے اور برق بن کر باطل پر گرتے، آخر عمر میں دینی مدارس و جامعات میں آپ اپنی نسبتوں کی وجہ سے ختم بخاری کے اجتماعات میں مدعو ہوتے اور طلباء کو صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس ارشاد فرماتے، آپ کا یہ درس بھی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہوتا، ہر چند کہ آپ کی حیات مبارکہ میں علوی مالکی تحریک اور کتاب "اصلاح مفاہیم" کی وجہ سے آپ پر بہت سے اہل علم وفضل، اہل افتاء نے نقد وارد کیے، اور حضرت ہزاروی کو اس جانب متوجہ فرمایا، آپ نے اپنے مشائخ ومفتیان کے حکم پر اپنے موقف سے رجوع کرتے ہوئے، اختلاف کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند فرمایا، آپ کے اس رجوع کو کبار مشائخ واکابر نے نہ صرف قبول کیا، بلکہ تحسین بھی فرمائی۔

عبادت وریاضت:

عشق نبوی دراصل عشق خداوندی ہی کا راستہ ہے، یہ ناممکن ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور توحید خداوندی، عبادت الٰہی میں کوتاہی یا غفلت اختیار کی جائے، اسلئے کہ:

تَعْصِي الْاِلٰهَ وَأَنْتَ تَزْعَمُ حُبَّهٗ
هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعٗ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهٗ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٗ

سچا عاشق اپنے محبوب کا مطیع وفرمابردار ہوتا ہے۔ حضرت ہزارویؒ کو حق تعالیٰ نے کثرت عبادت، کثرت تلاوت، کثرت ذکر اللہ اور کثرت ریاضت کا شغف عطاء فرمایا تھا، آپ اپنے مرشد و شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی طرح طویل قیام وسجود کے عادی، شب بیدار اور راتوں کو گریہ وزاری کرنے والی شخصیت تھے، قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کرنا آپ کا شغف تھا، دیوانہ وار اپنے رب کو پکارنا اور خلوت وجلوت میں ذکر اللہ کے دیپ جلانا آپ کی خصوصیت تھی، رمضان المبارک میں آپ کی عبادت و ریاضت حد درجہ بڑھ جاتی۔ آپ کثیر النوافل بزرگ تھے، وصال سے پہلے رمضان المبارک کے متعلق آپ کے صاحبزادگان کے بقول روزانہ مکمل قرآن کریم کی تلاوت کا معمول تھا، ہر روز ایک قرآن کریم کا ختم فرماتے، مکمل تراویح کے ساتھ صلوۃ اللیل میں قرآن کریم کی سماعت بھی آپ کو نہ تھکاتی، مغرب وعشاء کے درمیان یعنی افطار سے فارغ ہو کر نماز مغرب کے بعد باوجود نقاہت اور علالت کے نوافل وتلاوت کے معمول کو جاری رکھا، یوں آخری رمضان المبارک بھی معمولات سے بھرپور تھا، خانقاہ میں اہل سلوک کا کثرت نوافل کا معمول بنوادیا، مرض الوفات میں بے ہوشی کے عالم میں بھی نفی واثبات کا ذکر وجد کے ساتھ زبان پر جاری رہا، لاچاری کے عالم میں بھی اپنے ستر اور طہارت کا خوب خیال فرمایا، خدام روایت کرتے ہیں کہ ہسپتال میں متفکر رہتے کہ کہیں میرا ستر کسی کے سامنے کھلنے نہ پائے اور جسم ولباس ناپاک نہ ہو۔

خدمت ومہمان نوازی:

جذبہ خدمت آپ میں تو زمانہ طالب علمی سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اپنے شیخ کے خاص خدام میں شامل رہے، اور حضرت الشیخ کے اعتکاف پاکستان میں کھانے کی خدمت والوں میں اپنا نام لکھوایا، یہی ذوق تازیست رہا، دین کے ہر شعبہ کے اندر خدمت میں پیش پیش ہوتے، مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے، ہم جیسے نالائقوں پر بھی عنایتوں کی بارش کر دیتے۔ دستر

خوان پر متنوع کھانے، اور لقمہ خود توڑ توڑ کر کھلانا معمول تھا، سب شرکا کے برتنوں پر نظر رکھتے، جیسے ہی پلیٹ خالی نظر آتی تو فوراً اپنے ہاتھ سے سالن وغیرہ ڈال دیتے، مختلف کھانے تیار کرا کے کھلاتے، آپ کے دستر خوان پر ہمہ وقت رش رہتا، کسی کو کھانے کے بغیر جانے کی اجازت نہ ہوتی، بلاشبہ آپ ان شخصیات میں سے تھے، جو دوسروں کو کھلا کر خوش ہوتے، مہمان نوازی مسنون وصف بھی ہے اور اخلاق عالی کا مظہر بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وصف سے متصف فرمایا تھا۔

خانقاہی نظام کا اِحیا:

ہمارے سلف میں شریعت کے ساتھ طریقت کی اہمیت مسلم تھی، یہی وجہ ہے کہ ہر عالم فراغت علوم کے بعد خانقاہوں میں وقت گزار کر احسان وسلوک کی منازل طے کرتا تھا، مرورِ زمانہ کے ساتھ طریقت کا یہ سلسلہ کمزور ہوتا چلا گیا اور علم محض باقی رہ گیا، حضرت ہزارویؒ نے اپنے مرشد گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی خانقاہی تحریک کو پروان چڑھایا اور دنیا بھر میں خانقاہی نظام کا احیا فرمایا، ملک کے طول وعرض میں با اعتماد اہل علم وفضل کو اپنے سلسلے میں منسلک کر کے اجازتوں سے نواز کر، انہیں با اصرار خانقاہی مجالس ومعمولات پر مقرر کر دیا، دیکھتے ہی دیکھتے ملک میں بڑے جامعات ومدارس کے ساتھ خانقاہیں بھی قائم ہونا شروع ہو گئیں اور الحمدللہ! اب ہزاروں علمائے کرام مشائخ بن کر اس سلسلہ کی قیادت کر رہے ہیں، یوں خانقاہی سلسلے کو اہل بدعت سے لاحق خطرات کو محفوظ فرمایا، احقر کو شجاع آباد تشریف آوری پر نہ صرف سلاسل اربعہ میں اجازت مرحمت فرمائی، بلکہ اعلان بھی فرمایا اور خانقاہی سلسلہ شروع کرنے کا اصرار فرماتے رہے، متعدد بار فون کر کے احوال دریافت فرماتے اور اصلاحی مجالس کی کثرت کی تلقین فرماتے، احقر کو احقر کے شیخ حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ سے بھی اجازت حاصل تھی، حضرت ہزارویؒ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کیا۔

غیرتِ ایمانی و بہادری:

حضرت مولانا پیر عزیز الرحمن ہزاروی رحمہ اللہ غیرت ایمانی اور شجاعت و بہادری کا استعارہ تھے، آپ میں دینی حمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، کسی بھی سطح پر دین اسلام، ختم

نبوت، ناموس صحابہؓ واہلبیت، شعائر اسلام پر حملہ ہوتا تو آپ شیر کی طرح گرج کر کھڑے ہو جاتے، ہر باطل نظریہ کی بلاخوف وخطر ڈنکے کی چوٹ پر تردید کرتے، احقاقِ حق، ابطال باطل فرماتے، ہر غیر شرعی امر پر آپ کا غضب دیدنی ہوتا تھا، اگر معاملہ احتجاج تک پہنچتا تو آپ باوجود مرشد وشیخ، نقاہت وضعف اور پیرانہ سالی کے، اپنے متعلقین کے ساتھ سڑکوں اور چوکوں پر نظر آتے، ختم نبوت کی تحریکوں میں ہراول دستہ کا کردار ادا فرمایا، جب بھی ختم نبوت کے کاز پر حملہ ہوا، آپ میدان عمل میں اتر آئے، معاملہ ختم نبوت کا ہو یا ناموسِ صحابہؓ کا، شعائرِ اسلام کی تضحیک کا ہو یا خواتین کے حقوق کے نام پر عفت وحیا کے منصوبہ بند خاتمہ کا، آپ ہمیشہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر دشمن کے سامنے ڈٹ گئے۔

آپؒ کے وصال سے چند ماہ قبل اسلام آباد کی سڑکوں پر عورت مارچ کے نام پر حیاو شرم، عفت و پاکدامنی، خاندانی نظام اور نکاح پر کاری ضرب لگانے کی غیر ملکی سازش کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی، اس سازش کی تکمیل کے لیے اسلام آباد کے علاوہ ملک بھر کے بڑے شہروں میں بھی مغرب کی نام نہاد آلہ کار، زرخرید، مادر پدر آزاد خواتین اپنے مخصوص انداز ولباس، نعرہ اور حیا باختہ ایجنڈے کے ساتھ سڑکوں پر نکلنے کے لیے کمربستہ تھیں، آپ نے اسی روز، اسی وقت اور انہیں سڑکوں پر اسلام کے خوبصورت نظام عفت وحیا و نکاح اور پاکدامنی کے فروغ کے لیے حیا مارچ کا اعلان فرما دیا اور ہر طرح کے دباؤ کے باوجود آپ رحمہ اللہ اپنے رفقا کے ہمراہ سڑکوں پر تشریف لائے اور حق کا نعرہ بلند فرمایا۔

نفاذ شریعت آپ کی زندگی کا ایک اہم مشن تھا، آپ امام سیاست حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے رفیق خاص اور تربیت یافتہ تھے، سیاسی مسلک جمعیت علماء اسلام تھا، لیکن تنظیمی بندھن میں محدود رہنے پر جمعیت کی نظریاتی حمایت اور پر جوش مدد کو ترجیح دی، الیکشن میں جمعیت علماء اسلام کی کمپین کے لیے ملک بھر میں دورے فرماتے، دینی مدارس کے تحفظ کے لیے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نظم میں قائدانہ کردار ادا کیا، آپؒ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن رکین اور اہم ترین لوگوں میں شامل تھے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ/دسمبر 2020ء)

شیخ التجوید والحدیث حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوریؒ کی وفات حسرت آیات

[سن وفات: 2020ء]

ہمارے مخدوم، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے رکن مجلس شوری، دارالعلوم رحیمیہ ملتان کے مہتمم، شیخ التجوید، شیخ الحدیث، استاذ العلماء والقراء حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری بھی مورخہ 30 اکتوبر 2020ء بمطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۴۴۲ھ بروز جمعۃ المبارک مختصر علالت کے بعد چل بسے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔

حضرت قاری صاحبؒ 1951ء میں تولد ہوئے، آپ کے والد ماجد حضرت اقدس مولانا محمد شفیع ہوشیار پوریؒ فاضل دیوبند، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ کے تلمیذ رشید اور آپ کے نانا حضرت اقدس مولانا محمد ابراہیم ہوشیار پوریؒ خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید تھے، گویا آپ نجیب الطرفین تھے، آپ کے نانا نے ختم بخاری کے موقع پر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنیؒ سے گزارش کی کہ میری بیٹی کے رشتہ کے لیے کسی کا انتخاب فرمادیں، تو حضرت مدنیؒ کا انتخاب آپ کے والد گرامی ٹھہرے اور یوں بغیر کسی تکلف کے دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں نکاح پڑھایا گیا۔

آپ کے والد گرامی ماموں کانجن، جہانیاں، ملتان میں مدرس رہے اور آخر میں دارالعلوم کراچی میں خدمت دین کرتے ہوئے راہی اجل ہوئے، آپ کے والد گرامی اور

ہمارے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ کے مابین بھی خاصا قرب رہا۔ حضرت قاری صاحبؒ ماموں کانجن، جامعہ خیر المدارس ملتان اور دار العلوم کبیر والا زیر تعلیم رہے، حفظ قرآن کریم میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخشؒ کے با اعتماد تلمیذ رشید تھے، انہیں کے حکم پر زندگی بھر خدمت قرآن کریم میں مشغول رہے، آپ کے قرآن کریم کے کامل الحفظ تلامذہ کی تعداد کم وبیش چار ہزار ہے، ہمارے شیخ حکیم العصر حضرت اقدس مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ کے بھی تلمیذ رشید اور مقرب ومحبوب تھے، انہی کی ترغیب پر دار العلوم رحیمیہ کی بنیاد رکھی، جو اب ملک کا مرکزی معیاری تعلیمی ادارہ بن چکا ہے، آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ بیک وقت شیخ القراءت، شیخ الحدیث اور شیخ طریقت تھے، آپ سینکڑوں علماء ومدرسین وخطباء کے بھی استاذ تھے، کئی مشائخ سے آپ کو اجازت طریقت بھی حاصل تھی، صحیح بخاری کی شرح اور خطبات حکیم الاسلام جیسی شہرہ آفاق کتاب لکھنے کا شرف بھی حاصل فرمایا، نہایت متواضع، منکسر المزاج، صاحب تقوی اور محتاط شخصیت تھے، دور اندیشی اور حکمت سے لبریز تھے، عاجز کے ساتھ بے حد اعتماد کا تعلق تھا، اہم معاملات میں مشاورت کا سلسلہ جاری رہتا، سیاسی طور پر جمعیت علماء اسلام سے وابستہ تھے، مدارس کے سلسلہ میں ہمیشہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت پر اعتماد فرماتے، آپ کی اچانک جدائی باعث حزن وملال ہے، آپ کے صاحبزدگان اپنے والد کے نقش قدم پر خدمت قرآن وخدمت حدیث اور علوم دینیہ میں مشغول ہیں۔

ادارہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد حضرت کے صاحبزادگان، مولانا احمد ادریس، مولانا مفتی محمد اسعد، مولانا قاری محمد احسن، حافظ محمد مسیح، آپ کے تلامذہ، محبین اور پوری امت کی خدمت میں عزاء مسنون پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند وبالا فرمائے۔ اور جاری کردہ کام کو تا ابد باقی رکھے۔ آمین!

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ/ دسمبر 2020ء)

حضرت مولانا منظور احمد رحمہ اللہ رحلت فرما گئے

[سن وفات: 2020ء]

سلسلۂ وفیات میں حیران کن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، مؤرخہ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ بمطابق 3 جولائی 2020ء بروز جمعۃ المبارک، ہمارے استاذ مکرم، جامع المعقول والمنقول، نمونہ اسلاف، استاذ العلماء، حضرت اقدس مولانا منظور احمد بھی دار فنا کو چھوڑ کر دار بقا کی طرف روانہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعد نماز مغرب ملتان کے وسیع وعریض میدان "اسٹیڈیم قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان" میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، جامع خیر المدارس ملتان کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ملتان کا یہ تاریخی میدان باجود اپنی وسعتوں کے تنگ پڑ گیا، تاحد نگاہ علماء شیوخ اور عوام الناس کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔

حضرت مولانا منظور احمد عرصہ ساٹھ سال سے جامعہ خیر المدارس ملتان میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور اسلامی علوم کی تدریس میں مصروف تھے۔ آپ جامعہ خیر المدارس کے بانی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے تلمیذ رشید اور خادم خاص تھے۔ آپ نہایت زاہد ومتقی، خوش اخلاق اور خوش گلو تھے، آپ کا پورا عرصہ تدریس ستر برس اور عمر مبارک اٹھاسی برس تھی۔ تادم آخر تدریس دین میں مشغول رہے۔ آپ کا بیان بھی نہایت پُر تاثیر ہوتا تھا، دعا میں حد درجہ الحاح و زاری فرماتے تھے۔ آپ طویل عرصہ تک جامعہ خیر المدارس ملتان کی مسجد کے امام بھی رہے۔ بلاشبہ لاکھوں فرزندان توحید نے بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ سے فیض پایا، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ/ جولائی اگست 2020)

شیخ الحدیث مولانا محمد اکبر خانؒ، شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد زرولی خانؒ اور مولانا ابن الحسن عباسیؒ بھی چل بسے

[سن وفات: 2020ء]

ابھی مولانا مفتی محمد عاصم زکی رحمہ اللہ کی تعزیت کا سلسلہ جاری تھا، کہ مؤرخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ بمطابق ۶ دسمبر ۲۰۲۰ء بروز اتوار جامعہ قاسم العلوم ملتان کے قدیمی استاذ، صدر المدرسین، استاذ العلما، شیخ الحدیث، مولانا محمد اکبر خان رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات نے علمی حلقوں کو مزید غمگین کردیا، اسی کے ساتھ ہی مؤرخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ بمطابق ۷ دسمبر ۲۰۲۰ء بروز سوموار جامعہ احسن العلوم کراچی کے بانی و مہتمم، استاذ العلما، فقیہ العصر، شیخ التفسیر والحدیث، حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان رحمہ اللہ اور چند ہی دنوں بعد مؤرخہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ بمطابق ۱۴ دسمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر معروف علمی شخصیت بہترین مصنف و ادیب حضرت مولانا ابن الحسن عباسی بھی راہی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى. اللّٰهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم۔

بلاشبہ 2020ء بمطابق ۱۴۴۱-۴۲ھ عام الحزن ہیں، اس ایک سال میں درجنوں مشائخ وعلماء کرام امت کو داغ مفارقت دے گئے، اہل اللہ اور اہل علم رفتہ رفتہ اٹھتے جارہے ہیں، اخیار سے زمین خالی اور اشرار سے زمین بھرتی جارہی ہے، اہل علم وفضل کا زمین پر وجود بہت سے خطرات وفتن اور حوادثات سے رکاوٹ کا ذریعہ ہوتا ہے، اور ان کے جانے سے نہ صرف برکات اٹھ جاتی ہیں، بلکہ رفتہ رفتہ علم بھی اٹھتا جارہا ہے۔

مولانا محمد اکبر خان رحمہ اللہ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور مفکر اسلام مولانا

مفتی محمود رحمہ اللہ کے تلمیذ خاص اور معتمد تھے، آپ نے نصف صدی سے زائد "قال اللہ وقال الرسول" کی صدائیں بلند کیں، ملتان میں اسلامی شمع کو فروزاں کیا، اور تعلیم وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، آپ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم کے مربی ومشیر تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے بلا کی ذہانت، تعمق علمی، وسعت مطالعہ، زوردار قوت بیان اور تقریر وتحریر کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ نے زندگی بھر درس وتدریس کے ساتھ احیاء سنت اور بدعت ورسومات کے قلع قمع کے لیے جدوجہد کی، آپؒ اپنے شیخ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے علوم کے ترجمان تھے، حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کے تفسیری علوم کی بھی تاحیات اشاعت کرتے رہے، آپ کا دورۂ تفسیر مرجع علماء وطلباء تھا۔ آپ تفسیر وحدیث کے ماہر اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ہر چند کہ چند مسائل میں آپ کی رائے جمہور اہل علم سے مختلف تھی، تاہم آپ کی ثقاہت اور علمی تعمق مسلم ہے، عاجز کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ تھا، حضرت کی جانب سے عطیہ کردہ قیمتی کتب احقر کے پاس بہترین یادگار ہیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی کا اصل نام مسعود عباسی ابن مخدوم عباسی جبکہ قلمی نام ابن الحسن عباسی تھا، آپ بہترین مصنف، ادیب اور لائق وفائق عالم دین تھے، انہیں حقیقی معنوں میں فاضل نوجوان کہہ سکتے ہیں، درسی کتب کی معرکۃ الآراء شروح کے ساتھ دیگر اہم موضوعات پر آپ کی تصنیفات نیز وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی تاریخ آپ کے کارہائے نمایاں ہیں، مورخہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ بمطابق ۱۴ دسمبر ۲۰۲۰ء بروز پیر آپ کے وصال نے علمی حلقوں کو مزید غمگین کردیا۔

ادارہ صدائے فاروقیہ جملہ مشائخ کی رحلت پر لواحقین، تلامذہ ومحبین اور پوری امت سے تعزیت کناں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مشائخ کے درجات بلند فرما کر امت کو اس نقصان کا بدل نصیب فرمائے، آمین!

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" جمادی الاول ۱۴۴۲ھ/ جنوری 2021)

پیر جی سید عطاء المہیمن شاہ بخاریؒ بھی چل بسے

[سن وفات: 2020ء]

مورخہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ بمطابق 6 فروری 2021ء بروز ہفتہ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے سب سے آخری صاحبزادہ، مجلس احرار اسلام کے امیر، لحن داؤدی کے حامل، قاری قرآن، بہترین وشعلہ بیان مقرر، مجاہد ختم نبوت، ناموس صحابہ واہل بیت، حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن شاہ بخاریؒ بھی چھ سال کی علالت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

حضرت شاہ جیؒ اپنے والد گرامی کے ہم شکل اور ہم آواز تھے، حق تعالیٰ نے پورے خاندان کی طرح آپ کو بھی شجاعت، حق گوئی، جذبہ جہاد، حریت فکر وعمل جیسے اوصاف سے مالا مال کیا تھا، زہد وتقوی، اخلاص وللہیت میں اپنی مثال آپ تھے، اپنے بڑے بھائیوں اور والد گرامی کے مشن کو پروان چڑھانے کے لیے تازیست تگ ودو میں لگے رہے، آخری ایام میں علالت و نقاہت کے باوجود ختم نبوت کے مشن کے لیے ایمبولینس پر چناب نگر کے سفر سے بھی گریز نہ کیا۔ آپ کا جنازہ اسٹیڈیم قلعہ کہنہ قاسم باغ کے وسیع وعریض میدان میں آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالمنان نے پڑھایا۔ ملک بھر سے لاکھوں فرزندان توحید نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

ادارہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد آپ کے پسماندگان، قائد احرار مولانا سید کفیل شاہ بخاری مدظلہ مجلس احرار اسلام اور امت کی خدمت میں تعزیت پیش کرنے کے ساتھ بلندی درجات کے لیے دعا گو ہے۔

رسم وفا خلوص ومحبت تمام شد

مولانا مفتی محمد عاصم زکیؒ عہد ساز شخصیت

[سن وفات: 2020ء]

کرونا وبا آدم خور درندوں سے زیادہ لوگوں کو نگلتی جا رہی ہے، اس وبا کے حملوں میں ملک بھر میں بھی ہزاروں شخصیات راہی اجل ہو چکی ہیں۔ مبتلائے وبا ہو کر جام شہادت نوش کرنے والوں میں علماء ومشائخ، اہل علم ودانش کی ایک بڑی تعداد بھی شامل ہے، ان شخصیات میں ہمارے مخدوم ومکرم، ہمدرد دوست، عالم باعمل، قاری قرآن، خوش الحان حمد ونعت گو، تراویح میں خداداد لحن سے تلاوت قرآن کریم سے مسحور کرنے والی شخصیت، استاذ الحدیث، شیخ طریقت، نہایت ملنسار، متواضع، سادہ طبع، صاحب زہد وتقوی، جواد وسخی، مہمان نواز وخدمت گار، خوش طبع و خوش مزاج، خوش گفتار، دکھیوں کے درد بانٹنے والے، دوسروں کے بوجھ اٹھانے والے، دنیا بھر میں مصیبت زدہ کی مصیبت کے ازالہ کے لیے بجلی کی طرح کوند جانے والے، بیسوں مساجد کے بانی، بیسیوں مدارس کے سرپرست، دین کے ہر شعبہ میں محو ومگن، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی اور مکتبہ غفوریہ عاصمیہ اور ایجوکیشنل پریس کراچی کے روح رواں، علم دوست، علم وکتاب کے محافظ ناشر، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی مجلس شوری کے رکن رکین، استاذ الحدیث اور روح رواں حضرت مولانا مفتی محمد عاصم زکی رحمہ اللہ بھی مؤرخہ ۱۷ ربیع الثانی بمطابق ۳ دسمبر ۲۰۲۰ء بروز جمعرات انڈس ہسپتال کراچی میں کرونا وبا کے حملے سے وصال فرما گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ

مفتی صاحب جیسی شخصیات مدتوں بعد جنم لیتی ہیں، ان کے وصال سے اٹھنے والے درد کی ٹیسیں اہل نظر وفکر دیر تک محسوس کریں گے۔ ان کے وصال سے ہونے والے نقصانات کی تلافی میں ایک جماعت ایک عرصہ تک محو وگمن رہے تو شاید تلافی ہو سکے۔

مفتی محمد عاصم زکیؒ 1959ء میں کراچی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد گرامی اپنے خاندان کے ساتھ تقسیم ہند کے بعد کانپور ہندوستان سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے، والد گرامی حاجی محمد زکیؒ اپنی نفاست طبع اور اعلیٰ ذوق کی وجہ سے نواب محمد زکیؒ کے نام سے معروف تھے، آپ کا خاندان ہندوستان میں بھی علم دوست اور کتابوں کا ناشر تھا، تقسیم ہند سے قبل دینی کتب کا معروف ترین ادارہ حاجی محمد سعید اینڈ سنز کلکتہ اور دینی کتب کا چھاپہ خانہ مجیدی پریس پٹکاپور کان پور اسی خاندان کے ادارے تھے، مجیدی پریس نے قرآن کریم، احادیث نبویہ، علوم دینیہ کی طباعت 1896ء میں شروع کی، نواب محمد زکیؒ کے خاندان کے افراد ہی کانپور کے معروف ادارہ مدرسہ جامع العلوم پٹکاپور کان پور کے تقسیم سے قبل اور خاندان کے ہندوستان میں رہ جانے والے احباب تقسیم ہند کے بعد اب تک منتظم چلے آ رہے ہیں، اسی خاندان کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ حکیم الامت، مجدد الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اسی ادارہ میں سات سال تک مدرس رہے اور مفتی صاحب کے آباؤ اجداد حضرت حکیم الامتؒ کے خادم ومیزبان رہے۔

آپ کے والد گرامی بھی اپنے آباء کی طرح نہ صرف علم دوست اور علماء وصلحاء کے قدر شناس تھے، بلکہ نفاست، متانت، ذہانت، فصاحت وبلاغت، اعلیٰ ظرفی، مزاج شناسی، مردم شناسی کے حامل اور خدمت خلق کرنے والے نیز اہل اللہ کے حاشیہ بردار تھے، عاجز نے 1993ء سے 2001ء تک عرصہ آٹھ سال ان کی شفقتوں، عنایتوں اور سرپرستی کا لطف اٹھایا، وہ بلاشہ جوہر یکتا اور سلف کی روایات کے امین تھے، اخلاص وللہیت، تقوی، خدا ترسی، خلق خدا پر رحم ان کی گھٹی میں شامل تھا، تاجر ہونے کے باوجود اپنے کاروبار میں بھی تجارت کو مغلوب اور دین وعلم کی خدمت کو غالب رکھتے، ان کے دوسرے صاحبزادے جناب الحاج محمد شاہد زکی حفظہ اللہ کے بقول نادر ونایاب کتب صرف اس لیے شائع فرماتے کہ کتاب وعلم زندہ رہے، ان کے بقول بہت سی نایاب کتب کی عدم طلب کی وجہ سے ان کی طباعت سے ادارہ کو مالی نقصان اٹھانا

پڑتا اوران کی خدمت میں عرض کیا جاتا کہ ایسی کتب شائع نہ کی جائیں تو ان کا فرمان ہوتا کہ کتاب صرف کاروبار کے لیے نہیں طبع کی جاتی، بلکہ کتاب وعلم کو زندہ رکھنے اور ذخیرہ آخرت کے لیے بھی چھاپی جاتی ہے، بہت سی کتب محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کے توجہ دلانے پر طبع فرمائیں، یہی ذوق ان کے تیسرے صاحبزادے مولانا مفتی محمد عاصم زکیؒ میں بھی منتقل ہوا، انہوں نے سلف کی نادرونایاب اور مفید کتب کو اہل علم تک پہنچانے کے لیے مکتبہ غفوریہ عاصمیہ قائم فرمایا، جس میں بہت سی مفید کتب طبع فرمائیں، یہ کتب میرے اندازے میں فروخت کم اور اہل علم میں مفت تقسیم زیادہ ہوتیں، چنانچہ ''صور من حیاۃ الصحابہ، صور من حیاۃ التابعین، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی دیگر کتب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی ''تقریر ترمذی وغیرہ'' بھی اس مقصد کے لیے شائع اور تقسیم ہوئیں۔

حاجی محمد زکیؒ صاحب خود اکابر دیوبند کے دیوانہ وار عاشق اور صحبت یافتہ تھے، ان کی مجلس میں بیٹھتے تو گھنٹوں وہ اپنے اکابر کے قصے اور لطائف سے مستفید فرماتے رہتے، ہندوستان کے ان کے زمانے کے اکثر مشائخ سے انہیں شرف صحبت وزیارت حاصل رہی، حضرت حکیم الامت، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل حضرت شاہ ابرار الحق، مولانا محمد صدیق باندویؒ، مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ جیسے اکابر سے برابر متعلق رہے، اصلاحی سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالغفور مدنیؒ ان کے خلیفہ سید عبداللہ شاہؒ پھر حضرت مدنی عباسیؒ کے خلیفہ شاہ محمد عبداللہؒ اور پھر حضرت مولانا محمد ادریس انصاریؒ اور پھر ان کے صاحبزادے مولانا محمد سعید انصاریؒ سے متعلق رہے، نواب محمد زکیؒ کے وصال کے بعد ان کے سامان سے حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ کی جانب سے انہیں عطاء کردہ اجازت نامہ یعنی سند خلافت بھی ملی۔ جسے زندگی بھر اپنے اہل خانہ سے بھی مخفی رکھا۔ ان کے پاس دسترخوان پر مہمانوں کا رش رہتا۔

احقر کے ساتھ احقر کے والد گرامی حضرت مولانا رشید احمد نوراللہ مرقدہ سے دوستی و تعلق کی بنیاد پر شفقت کا معاملہ ہوتا، تدریس، تقریر اور تحریر پر خوب تحسین فرماتے، تشجیع اور حوصلہ افزائی کرتے، اصلاح فرماتے، وہ ہمارے جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین ٹھہرے، جامعہ میں دو دو ہفتوں کے لیے تشریف آوری ہوتی، اور قیام میں پورے

جامعہ کے شعبہ جات کے لیے قیمتی آراء سے مستفید فرماتے، ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کراچی تشریف لاکر 1948ء میں ایچ ایم سعید کمپنی کے ساتھ ایجوکیشنل پریس کے نام سے چھاپہ خانہ قائم فرمایا، اور اس میں جاندار کی تصویر کی طباعت پر پابندی لگائی، یہ پابندی اب تک قائم ہے، اور شاید یہ پاکستان کا واحد کمرشل پریس ہے، جس میں کسی قسم کی جاندار کی تصویر والی کوئی کتاب، رسالہ یا اشتہار طبع نہیں ہوتا، حسن اتفاق یہ ہے کہ نواب صاحب کی رہائش گاہ جمشید روڈ پر بنوری ٹاؤن کے قریب، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مزار اور ان کے نام سے منسوب مسجد عثمانیہ کے قریب تھی، آپ کو حضرت بنوریؒ کے ساتھ مفتی محمد شفیعؒ، مفتی رشید احمدؒ جیسے اکابر کا قرب بھی نصیب ہوا۔

مولانا مفتی محمد عاصم زکیؒ کو مذکورہ بالا صفات کے حامل والد اور انہیں اوصاف کی حامل مرحومہ والدہ محترمہؒ کی تربیت وشفقت نصیب ہوئی، حاجی محمد زکیؒ کو حق تعالیٰ نے تین بیٹے نصیب فرمائے تھے، حاجی محمد فیروز زکی، حاجی محمد شاہد زکی اور مولانا مفتی محمد عاصم زکیؒ، حاجی صاحبؒ نے اپنے تیسرے صاحبزادے، کو خدمت دین کے لیے وقف فرمایا، چنانچہ اولاً آٹھویں تک اسکول کی تعلیم دلوائی، اسی اثناء میں حضرت اقدس مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ کی حاجی محمد زکی صاحب کے گھر دعوت پر تشریف آوری ہوئی، چنانچہ کم سن محمد عاصم زکیؒ نے حضرت کو قرآن کریم سنایا تو حضرت نے دعا دی، اللہ تعالیٰ حافظ قرآن بنائے، کچھ دیر مراقب ہوئے اور پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ عالم بھی بنائے، اس مقبول خدا نے دعا کی صورت میں پیشین گوئی فرمادی اور اس کا ظہور یوں ہوا کہ 1973ء کی اسکول کی تعطیلات، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن جو اس وقت مدرسہ علوم اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کے نام سے معروف تھا، میں حفظ قرآن کریم کے لیے داخل کروادیا گیا، اور سلسلہ حفظ 11 جنوری 1976ء پر مکمل ہوا، حضرت بنوریؒ نے دعا کرائی اور اسی سال درجہ اولیٰ میں داخل ہوکر 1986ء میں دورہ حدیث اور تخصص سے فاتحہ فراغ پڑھا۔ وہیں تعلیم سے فارغ ہونے پر ان کے والد گرامی نے انہیں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں خدمت دین اور جامعہ کی خدمت کے لیے وقف فرمایا، اسی دوران آپ نے بی اے تک عصری تعلیم مکمل فرمائی۔ وہ اپنے والد گرامی کی خواہش پر فناء فی الدین ہوکر درس وتدریس،

بنوری ٹاؤن کے انتظامی امور مثلاً تعمیرات، اجتماعی قربانی، شاخوں کی ضروریات کی تکمیل دیگر مفوضہ امور میں مشغول ہوگئے، ان کی صلاحیتوں اور ادارہ کے ساتھ والہانہ وابستگی کی بنیاد پر انہیں جامعہ بنوری ٹاؤن کا رکن مجلس شوری مقرر کرلیا گیا۔

مفتی محمد عاصم زکیؒ اور ان کے خاندان سے عاجز کا تعلق نوے کی دھائی سے اتنا مستحکم ہے کہ یہ تعلق دونوں خاندانوں کے بیشتر رشتہ داروں تک پھیل گیا، طرفین کا ایک دوسرے کے ہاں آ کر قیام کرنا، شادی وخوشی کی تقریبات میں شرکت، دکھ سکھ میں ایک دوسرے کو مطلع کرنا بے تکلفی کی حد تک پہنچا، اپنی مرض الوفات، اپنی بیماری سے متعلق مفتی صاحبؒ نے تفصیلی میسج فرمایا، جو احقر کے پاس محفوظ ہے، اس صوتی پیغام میں ان کی تکلیف کی شدت کے باوجود انگ انگ سے شکر ٹپک رہا ہے، اس رفاقت میں احقر نے ان کے بارے میں جو محسوس کیا وہ پیش خدمت ہے:

مفتی محمد عاصم زکیؒ صاحب جامع الصفات شخصیت تھے، وہ انسانی اور اسلامی اعلیٰ اقدار کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہونہار، باصلاحیت، ذہین وفطین اور بلا کے مردم خیر اور مردم شناس انسان تھے۔ ان میں سادگی، تواضع، احترام آدمیت جیسے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھری ہوئے تھے۔ انجان آدمی انہیں کبھی نہ پہچان سکتا کہ یہ مفتی عاصم جیسی عظیم شخصیت ہیں، ان کا لباس پروقار لیکن سادہ ہوتا، کھانا پینا نہایت سادہ، اور ان کی نسبت معمولی ہوتا، ہر کسی سے ملنا، ملنے میں بے تکلف ہونا، گھل مل جانا، ان کی اعلیٰ قدریں تھیں، وہ سب کا احترام کرتے، خدمت میں وہ گندھے ہوتے تھے، خدمت اپنے گھر کی ہو، مہمانوں کی، بھائیوں کی ہو یا جامعہ کی یا دین کے کسی بھی شعبہ کی، وہ مستعد نظر آتے۔ گاڑی خود چلاتے، زندگی بھر ڈرائیور نہیں رکھا، اعلیٰ ذوق کی بناء پر اپنے نواسوں، نواسیوں کے لیے آخر عمر میں ہرن، مور، مرغیاں رکھیں، انہیں اپنے ہاتھ سے خوراک ڈالتے، اپنی مریض والدہ اور کچھ عرصہ قبل کینسر کے موذی مرض کے حملے کا شکار اپنے بھائی کو خود دوائی کھلاتے، انجکشن خود لگاتے، گھر کے کام کاج میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔

ان کی صاحبزادی کی روایت ہے کہ کہیں جاتے ہوئے ان کی اکلوتی صاحبزادی کا جوتا خراب ہوا تو والدہ کے موجود ہونے کے باوجود جلدی سے بیٹی کے پاؤں میں موجود جوتے کو خود

صاف کردیا، طبیعت میں خیر خواہی اور حساسیت غالب تھی، کسی کا دکھ ان سے برداشت نہ ہوتا، 2007ء میں لال مسجد آپریشن کے بعد احقر کے ہاں شجاع آباد تشریف لائے، کھانا کھاتے ہوئے لال مسجد میں ہونے والے مظالم کا تذکرہ چل نکلا، بندہ نے ان دنوں وائرل ہونے والی جلتی لاشوں پر مشتمل ویڈیو کا ذکر کیا، اور ساتھ ہی لیپ ٹاپ میں وہ ویڈیو چلادی، ایک منٹ بھی وہ ویڈیو نہ چلی تھی کہ ان کا کھانا ترک ہوگیا اور وہ رونے لگ گئے، روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں، ان کے رفقاء برادرم محمد جنید اسلم، شیخ محمد آصف وغیرہ نے بمشکل انہیں سنبھالا۔ احقر کے پہلی مرتبہ جب گردے فیل ہوئے تو سخت علالت میں علاج کے لیے 1996ء میں کراچی انہیں کے مکان پر ٹھہرنا ہوا، مجھے تکلیف میں دیکھ کر بے تحاشا درد محسوس کرتے، خاموشی سے خدمت کرتے اور کسی کو نہ بتانے کی تلقین کرتے، گزشتہ سال نومبر 2019ء میں دوسری مرتبہ گردے کی پیوندکاری کے آپریشن کے موقع پر میرے بہت ہی ہمدرد دوست آپ کے بڑے بھائی جناب الحاج محمد شاہد زکی کے ہمراہ مکمل احوال لیتے، امور کی نگرانی کرتے رہے، رہائش گاہ میں متعدد اشیاء خورد و نوش اور رہائش کی ضرورت کی بیشتر اشیاء بار بار پہنچاتے، آپریشن کے دوران گھنٹوں ہسپتال میں موجود رہے، جس روز ہسپتال سے ڈسچارج ہوا، رفقاء کے ہمراہ سب سے پہلے استقبال فرمایا، حسب مزاج ہنسی مسکراہٹ پر مبنی مزاح فرمایا۔

سچ بات یہ ہے کہ اس طرح کی خدمت کے واقعات پر تو عاجز پوری کتاب لکھ سکتا ہے، حق تعالیٰ نے انہیں خدمت کے لیے ہی پیدا کیا ہوگا، وہ ہمیشہ لوگوں کی علمی، اصلاحی، ضرورتیں بھی پوری کرتے اور دنیوی ضرورتیں بھی۔ ان کے گھر کے اوقات کا بیشتر حصہ فون پر لوگوں کو مسائل بتانے، مشورے دینے اور اصلاح و تزکیہ کرنے میں گزرتا، ان کے لہجے میں بلا کی چاشنی تھی، بڑے سے بڑا دولت مند انسان بھی ایک مرتبہ آپ کی صحبت میں آجاتا، تو ہمیشہ کے لیے آپ کا گرویدہ ہو جاتا، بہت سے کاروباری حضرات اور افسران بالا آپ سے متعلق ہو کر سنور گئے، دنیادار دین دار بن گئے۔ ایسے لوگوں نے آپ سے صرف دین ہی نہیں، بلکہ آپ کی تربیت کی بدولت اپنی دنیا بھی سنواری، معاملہ شناسی، معاملہ فہمی اور معاملہ کا حل آپ پر ختم تھا، کاروبار میں شراکت، شراکت میں تنازعات عام باتیں ہیں، آپ سے فیض پاکر لوگوں

نے باہم تنازعات ختم کیے، گھریلو تنازعات کی گتھیوں کو سلجھانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا، بیسیوں اجڑے گھر آپ کی بدولت بس گئے، صلح جوئی کا مسنون عمل کوئی آپ سے سیکھے، رازداری اور عیوب پر پردہ ڈالنے کا وصف بھی نمایاں تھا، آپ کا سینہ سینکڑوں لوگوں کے رازوں کا مدفن ثابت ہوا۔

مفتی صاحبؒ غیبت، چغلی، حسد اور بغض سے آپ کوسوں دور تھے، مجھے نہیں یاد کہ بتیس سالہ رفاقت میں میں نے آپ سے کسی کی برائی سنی ہو، اپنے تلامذہ و مریدین و رفقاء کے ساتھ بھی گھل مل کر رہنا عادت تھی، اپنے حصہ سے بڑھ کر کام کاج نمٹا دیا کرتے تھے، آپ کے روزمرہ معمولات کی ایک لمبی فہرست ہے، ان جملہ امور کو سرانجام دینے کے لیے اپنے آپ کو نظام الاوقات کا پابند بنایا ہوا تھا، باوجود رات کو دیر سے سونے کے صبح جلدی اٹھنا اور معمولات سر انجام دینا، حق تعالیٰ سے مناجات اور بارگاہ ایزدی میں حاضری خاصانِ خدا کا عمل ہوتا ہے، آپ اس کے عادی تھے، نمازِ فجر مسجد میں ادا فرماتے، باوجود مسجد کے گھر سے فاصلے کے بجائے گاڑی پر مسجد جانے کے پیدل ہی مسجد تشریف لے جاتے، شاید ان کے پیش نظر یہ حدیث ہوگی:

> ’’قبیلہ بنی سلمہ کے گھر مسجد نبوی سے فاصلے پر تھے، مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہیں خالی ہوگئیں، بنی سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونے کا فیصلہ کیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی، آپ نے بنوسلمہ سے فرمایا مجھے اس طرح کی خبر ملی ہے، قبیلہ بنوسلمہ نے اس کی تصدیق کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے سابقہ گھروں میں ہی رہو تمہارے پاؤں کے نشانات کے بقدر نیکیاں لکھی جاتی ہیں، آپ نے یہ بات متعدد بار ارشاد فرمائی‘‘۔
>
> (صحیح مسلم: ۶۶۴)

پیدل مسجد جانے کا معمول جملہ نمازوں میں تھا، نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد کچھ دیر سیر کرتے، پھر اسباق کی تیاری اور دس بجے کے قریب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اسباق پڑھانے تشریف لے جاتے، آپ نے جامعہ میں حاضری کو اپنے اوپر فرض قرار دیا ہوا

تھا، گرمی ہو یا سردی، آندھی ہو یا طوفان، طبعیت ناساز ہو یا ہشاش وبشاش، وہ جامعہ پہنچتے، اسباق پڑھاتے، جامعہ کے انتظامی امور سرانجام دیتے اور پھر منتظمین جامعہ سے دفتر میں ملاقات کر کے واپس تشریف لاتے اور اپنے امور سرانجام دیتے، ان کے اسباق کا انداز بھی نرالا تھا، طالبات کے اسباق باعتماد اساتذہ ہی پڑھاتے ہیں، آپ نے برسہا برس، فقہ، تفسیر، حدیث کے اسباق پڑھائے، بطور خاص طالبات کی تربیت فرمائی، آپ کے وصال پر آپ کی جامعہ کی طالبات وفاضلات میں غم واضطراب ناقابل بیان ہے، اپنے آخری سبق میں طالبات سے گویا ہوئے روز محشر مجھے کھڑے دیکھنا تو شفاعت کردینا کہ ہمارا استاذ اور بابا ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں بلا تنخواہ اپنی ذمہ داری سے اس طرح خدمات سرانجام دیں کہ با تنخواہ بھی شاید اتنی پابندی نہ کرسکیں، آپؒ اپنے جامعہ پر فدا تھے، جامعہ کی خیر خواہی، اساتذہ، طلباء، ملازمین سبھی کا خیال رکھتے، جامعہ کی اکثر تعمیرات اپنے ذمہ لی ہوئی تھیں، کروڑوں روپے لاگت کے منصوبے اپنے ذرائع سے مکمل کروائے، عزیزم مولانا محمد عمیر صدیقی سلمہ کی روایت ہے کہ جامعہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا محمد سلمان بنوری دامت برکاتہم نے فرمایا کہ مفتی صاحب تعمیرات مکمل کروا کر عمارت جامعہ کے حوالہ کردیتے۔

واضح رہے کہ مولانا محمد سلمان بنوری آپ کے شاگرد ہیں، لیکن استاذ زادہ بھی ہیں، آپ کے اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی نسبت سے مولانا محمد سلمان بنوری کا اساتذہ سے بڑھ کر احترام کرتے، ان کے ساتھ بیٹھنے سے اجتناب کرتے، جامعہ بنوری ٹاؤن کی جملہ شاخوں کی ضروریات وتعمیرات کا خیال فرماتے، متعدد مساجد کی تعمیر، دیہی علاقوں کے مدارس کی ضروریات کی تکمیل اپنے ذمہ لی ہوئی تھی، گزشتہ سال احقر کراچی تھا، ایک مدرسہ کے اساتذہ کے گھروں کے بارے میں احقر سے فرمایا بالکل کچے گھر ہیں، میں نے مہتمم صاحب سے کہا کہ نقشہ بنوا کر مجھے بھیجیں، اب بحمد للہ جملہ اساتذہ کے لیے میں نے گھر شروع کروادیے ہیں، سماجی خدمات بھی ناقابل شمار ہیں، تھر اور دیگر علاقوں میں سینکڑوں کی تعداد میں پانی کے چھوٹے بڑے کنویں، آراو پلانٹ، مساجد، مدارس کی تعمیر، اساتذہ کی تنخواہوں کا انتظام، دینی کتب کی فراہمی، اپنے کتب خانے سے طلباء کو مفت دینی کتب دینا عام معمول

تھا۔ سال کے آخر میں بنوری ٹاؤن وغیرہ کے طلبہ میں لاکھوں کی کتب تقسیم فرماتے، ہمارے جامعہ میں ہر سال طلبہ کے لیے کثیر تعداد میں کتب ارسال فرماتے، وفات سے ایک ماہ قبل بھی چند کاٹن کتب کے ارسال فرمائے۔

2010ء کے سیلاب میں ملک بھر کا دورہ کر کے اپنے احباب کے ساتھ گھر گھر امداد پہنچائی، اس سیلاب میں خیبر پختونخواہ اور جنوبی پنجاب زیادہ متاثر ہوا تھا، جنوبی پنجاب میں تقریباً دس روز تک احقر کی ضیافت میں رہے اور ہمارے الفاروقیہ ٹرسٹ کی معیت میں ملتان، مظفر گڑھ، لیہ، ڈیرہ غازی خان، رحیم یار خان، راجن پور اضلاع کے متعدد علاقوں میں مستحقین تک خود راشن پہنچایا، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد میں راشن کی پیکنگ کروائی جاتی، ہمارے طلباء یہ پیکنگ کرتے، ہمارے رفقاء مختلف علاقوں میں سروے کر کے جن لوگوں کے مکانات منہدم ہوتے یا متاثر ہوتے ان کی فہرستیں تیار کرتے، رات کو متعدد علاقوں میں گاڑیوں پر سامان بھیج دیا جاتا، اور اگلے روز احقر دورۂ تفسیر کے سبق سے فارغ ہو جاتا، تو حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں جگہ جگہ جا کر فہرستوں کے مطابق راشن اور نقد رقوم تقسیم کی جاتیں۔

اسی طرح آپ نے چترال، مردان، چارسدہ اور خیبر پختونخواہ کے دیگر علاقوں میں خدمات سرانجام دیں۔ سونامی میں انڈونیشاء اور دیگر ممالک امداد لے کر تشریف لے گئے، برما کے مسلمانوں کی آبادکاری کے لیے کام کیا، بنگلہ دیش میں بھی ان کی خدمات کا احاطہ ناممکن ہے، حالیہ لاک ڈاؤن میں ملک بھر میں متاثرین کی مدد فرمائی، شجاع آباد میں متعدد بار مزدوروں کے راشن کا انتظام فرمایا، ان ایام میں اساتذہ کے مشاہرات کی مدد بھی کی۔ متعدد مدارس سے تعاون کرتے رہے، چند ماہ قبل بھی مدارس سے تنخواہوں کی مد میں رقوم مستقل ارسال کرنے کا ذکر فرمایا اور جاری بھی کر دیں، وفات سے چند روز قبل کراچی کے ایک علاقہ میں مسجد کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھ کر تعمیر شروع کرادی جو زیر تعمیر ہے۔ مدارس کے طلباء اساتذہ کا بھی خوب خیال فرمایا، اساتذۂ کرام کم تنخواہ دار ہونے کے سبب حج وعمرہ کی سعادت کے لیے بے تاب رہتے ہیں، مفتی صاحب نے مدارس کے اساتذہ کے حج کے بھی انتظامات فرمائے، گزشتہ سال ہمارے جامعہ کے غریب ترین استاذ الحدیث کے لیے بھی حج کا انتظام فرمایا۔ الغرض وہ ایک ادارہ سے زیادہ رفاہی امور

سرانجام دیتے رہے۔ طبیعت میں مزاح غالب تھا، خوش مزاج تھے، محفل میں بیٹھتے تو بالقصد مزاح اور لطائف سے محفل کو معطر فرما دیتے۔

انہیں سیاحت کا بھی شوق تھا، دنیا کے کونے کونے میں تشریف لے گئے، لیکن جہاں بھی گئے صرف دنیا داری کے لیے نہیں بلکہ دین کی خدمت کا کام سرانجام دیا، حسین مناظر کو دیکھ کر قدرت خداوندی پر تسبیح وتحمید کرتے، ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے، دوستوں کو ان مناظر سے مطلع فرماتے۔

اخلاص وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنی جملہ خدمات مخفی رکھتے، اپنی یا جاندار کی تصویر سے تا حیات مجتنب رہے، اللہ نے انہیں تصویر سازی کے فتنہ سے محفوظ فرمایا تھا، باوجودیکہ آپ شیخ طریقت تھے اور حضرت اقدس مولانا محمد ادریس انصاری رحمہ اللہ کے مجاز تھے، لیکن زندگی بھر روایتی انداز نہیں اپنایا اور نہ ہی باقاعدہ گدی نشینی اختیار کی۔ خودداری بھی بلا کی تھی، کسی کو کسی کار خیر کی طرف توجہ دلائی، اس نے بے رخی اختیار کی تو اس کے پیچھے نہیں لگے، الغرض وہ وفاء ومحبت، اخلاص وتقویٰ کا مجسمہ تھے، ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے:

رسمِ وفا خلوص ومحبت تمام شد
یعنی کہ لذت زیست تمام شد

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ/ جنوری 2021ء)

ممتاز عالم دین، حضرت مولانا، شیخ الحدیث ڈاکٹر محمد عادل خان شہیدؒ کی سفاکانہ شہادت

[سن وفات: 2020ء]

جامعہ فاروقیہ فیز 2 کراچی کے مہتمم وشیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے اہم ترین رکن اور وفاق المدارس کی مذاکراتی کمیٹی، نصاب کمیٹی، دستور کمیٹی، مالیاتی کمیٹی کے رکن رکین، حالیہ محرم الحرام میں سربازار توہین صحابہ کرامؓ کے لگاتار واقعات کے بعد شروع ہونے والی تحریک مدح صحابہؓ واہلبیتؓ کے بانی وقائد، کراچی، اسلام آباد، ملتان وغیرہ میں عظمت صحابہ مارچ کے اہم مقرر، فخر المحدثین، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کے جانشین وفرزند، ہمارے رفیق ودوست حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان کو مورخہ 10 اکتوبر 2020ء بروز ہفتہ کراچی میں گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى.

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ پر ہونے والے حملے میں آپ کے صاحبزادہ مولانا مفتی محمد انس معجزانہ طور پر محفوظ رہے، مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان شہید ایک متبحر عالم دین، جید مدرس، بہترین خطیب، اور صاحب تقوی شخصیت تھے، آپ بیک وقت عربی، انگلش، اردو اور دنیا کی متعدد زبانوں پر عبور رکھتے تھے، آپ دینی علوم کے ساتھ عصری علوم میں بھی ید طولی رکھتے تھے، آپ نے 1973ء میں جامعہ فاروقیہ کراچی سے سند فراغت حاصل کی، 1976ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی اے ہیومن سائنس، 1978ء میں ایم اے عربی اور 1992ء میں اسلامک کلچر میں

پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ ملائیشیا کی ایک بڑی یونیورسٹی میں آٹھ سال تک بطور پروفیسر خدمات سرانجام دیتے رہے، 2018ء میں آپ کو ملائیشیا کی ہائیر ایجوکیشن کی جانب سے فائیو اسٹار رینکنگ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا، آپؒ ملائیشیا میں نہایت خوش حالی اور عزت کی زندگی گذار رہے تھے۔

اپنے والد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کی وفات کے بعد 2018ء میں آپ نے پاکستان آ کر ملک وقوم کی خدمت کا دم بھرا اور تادم زیست ملک کی مٹی سے محبت ووفا کا دم بھرتے رہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے ہمارا برادرانہ تعلق تھا، آپ کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، آپ اپنی ذات میں انجمن تھے، اسلامی فکر اور قائدانہ سوچ کے حامل تھے۔ آپ نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نظام میں رہتے ہوئے، دینی مدارس کو منظم کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا، اپنے مرکز جامعہ فاروقیہ فیز2 کراچی میں عصری اور دینی علوم کے منفرد امتزاج کا منصوبہ بنایا، کچھ روز قبل ملتان میں ہونے والی آخری ملاقات میں آپ نے بہت سی یادیں چھوڑیں، آپؒ نے ایک تعلیمی منصوبہ معہد (عربی میڈیم) جامعہ فاروقیہ کراچی میں شروع کیا ہوا تھا، جس میں عربی زبان میں دینی تعلیم کے ساتھ بالتدریج ''ایم فل'' تک مکمل تعلیم کا اجرا تھا، آپ مدارس کے معاملات میں حکومتوں اور اداروں سے مذاکرات میں فرنٹ لائن پر تھے، صحابہ کرام کے ناموس کی تحریک میں بھی آپ نے ملک گیر قیادت فرمائی۔

آپؒ اپنے جامعہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہونے کے ساتھ غضب کے خطیب بھی تھے۔ نہایت جرأت مند اور حق گو تھے۔ دینی مدارس کے تحفظ وبقاء اور ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ کے لیے آپ نے حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔ وفاق المدارس کے رکن مجلس عاملہ ہونے کے ناطے آپ نے امتحانی نظم کو منظم کرنے کے لیے صرف ایک ہفتہ میں ملک بھر کے امتحانی مراکز کے طوفانی دورے کیے۔ نہایت زکی، صاحب الرائی اور صائب الرائے تھے۔ پاکستان میں عربی زبان کے احیاء کے لیے آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کے جامعہ میں اولیٰ تا دورۂ حدیث زبانِ تعلیم عربی ہی رہی۔

پاکستان میں نفاذِ اسلام کی کوششوں کے عنوان پر آپ نے ضخیم کتاب تحریر فرمائی جس

میں قیام پاکستان سے اب تک نفاذِ اسلام کی جدوجہد کی تاریخ کو محفوظ فرمایا۔ آخری ملاقات میں عاجز کو ناموسِ رسالت اور ناموسِ صحابہؓ کے سلسلہ میں فیصل آباد، پشاور، ناموسِ صحابہ مارچ کے انعقاد کے لیے جانے کا حکم فرمایا۔ جامعہ فاروقیہ تشریف لائے اور شعبہ معہد کی سرپرستی کا بھی عزم فرمایا لیکن افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔

افسوس کہ دین و وطن کے اس عظیم سپوت کی ریاست حفاظت نہ کر سکی، انہیں سیکورٹی تک فراہم نہ کی گئی، ایک اہم شخصیت جس نے ملائیشیا کی پرتعیش زندگی، بیش بہا آمدنی کو ملک وقوم پر ترجیح دے کر وطن کو سنوارنے کا عہد نبھایا، اسے سربازار بے دردی سے قتل کر کے، دشمن ملک ــــ ہندوستان پر قتل ڈال دیا گیا، یوں بڑی آسانی سے قتل کو ہضم کرنے کی کوشش کی گئی، تاحال قاتل نہ تو گرفتار ہوئے اور نہ ہی گرفتاری کی سنجیدہ کوشش کی گئی، ان کی آخر زندگی کا مشن ناموس صحابہ کے تحفظ کے لیے قانون سازی اور گستاخان صحابہ کی گرفتاری تھا۔ غالباً اس پاداش میں انہیں راستہ سے ہٹایا گیا، ناموس صحابہؓ پر قانون سازی اور گستاخانِ صحابہ کی گرفتاری کے وعدے بھی دھرے رہ گئے۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی شہادت سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے، ڈاکٹر صاحبؒ کی شہادت عالم اسلام کا ناقابل تلافی زیاں ہے، ہم ڈاکٹر صاحب کی شہادت پر پوری امت مسلمہ بالخصوص آپ کے برادر محترم، صاحبزدگان، جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ، طلباء، وفاق المدارس کے قائدین، آپؒ کے جملہ تلامذہ ورفقا اور محبین ومتعلقین سے تعزیت کناں ہیں، نیز مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت فی الفور ڈاکٹر صاحبؒ کے قاتلوں اور صحابہ کرام کے گستاخوں کو گرفتار کرنے کے ساتھ ناموس صحابہ کے تحفظ کے لیے حسب وعدہ جلد قانون سازی کرے، ورنہ حالات شاید حکومت کے قابو میں نہ رہیں اور عوامی ردعمل مسائل پیدا کر دے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" ربیع الاول ۱۴۴۲ھ/نومبر 2020ء)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی رحمہ اللہ

کا سانحۂ ارتحال

[سن وفات: 2020ء]

بقیۃ السلف، مایہ ناز محدث، متبحر عالم دین، محقق العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی رئیس تخصص فی الحدیث جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی وجامعۃ الرشید کراچی، مؤرخہ 12 اکتوبر 2020ء بروز پیر کو عالم آخرت کو سدھار گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى.

حضرت چشتی صاحبؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، قاری محمد طیب قاسمی کے فیض یافتہ اور صحبت یافتہ تھے، آپ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، آپ معروف محدث ومحقق حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ کے بھائی تھے، حضرت مدنیؒ کے سلسلہ چشتیہ میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اس لیے چشتی کہلائے، آپ کا سلسلہ سند حدیث حضرت مدنیؒ، مولانا قدیر بخش بدایونی، مولانا عبدالرشید نعمانی، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، مولانا سید محمد اصلح الحسینی، مولانا محمد عبید اللہ المفتی، مولانا شاہ فضل اللہ گیلانی سے جڑا ہوا ہے جبکہ مخدوم ٹھٹوی کے ثبت کی اجازت مولانا محمد صالح معمر سندھی وغیرہ سے حاصل فرمائی، آپ کو طریقت میں حضرت سید نفیس الحسینی شاہ اور مولانا سید اصلح الحسینی سے اجازت حاصل تھی۔

آپ کی جانب سے ستائیس علماء، مشائخ کو اجازت حاصل ہوئی، چند سال قبل جنوبی پنجاب کے دورہ کے موقع پر جنوبی پنجاب کے مشائخ حضرت مولانا ظفر احمد قاسم، حضرت مولانا

محمد نواز، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی، حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری اور احقر کو اجازت سے نوازا۔ آپ کی یکم ذی القعدہ ۱۴۴۱ھ کی ایک تحریر جس پر آپ کے دستخط ثبت ہیں، میں خلفاء کے درج ذیل اسماء گرامی درج ہیں۔

خلفاء کے نام بالترتیب اجازت حسب ذیل ہیں:

۱)۔ حضرت مولانا محمد عبد الغفار مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ

۲)۔ حضرت مولانا عبد المجید جامی دامت برکاتہم، حال مقیم مدینہ منورہ

۳)۔ عزیزم مفتی محمد نوید ظفر الحسینی زید فضلہٗ، کراچی

۴)۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الرحمن جمالی نور اللہ مرقدہٗ، عمر کوٹ

۵)۔ قاری شبیر احمد مدنی زید مجدہٗ، حال مقیم مدینہ منورہ

۶)۔ قاری عبد الکریم رحیمی زید مجدہٗ، کراچی

۷)۔ مولانا عبد الصمد زید مجدہٗ، ایران

۸)۔ مولانا سید حبیب اللہ زید مجدہٗ، جوزجان

۹)۔ مولانا سید محمد آصف زید مجدہٗ، جوزجان

۱۰)۔ حاجی محمد انیس زکریا زید مجدہٗ، کراچی

۱۱)۔ شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم زید مجدہٗ، وہاڑی

۱۲)۔ شیخ الحدیث مولانا محمد نواز سیال زید مجدہٗ، ملتان

۱۳)۔ شیخ الحدیث مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری زید مجدہٗ ملتان

۱۴)۔ حضرت مولانا محمد مجاہد الحسینی نور اللہ مرقدہٗ فیصل آباد

۱۵)۔ راقم الحروف زبیر احمد صدیقی زید مجدہٗ شجاع آباد

۱۶)۔ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا منظور احمد نعمانی زید مجدہٗ، رحیم یار خان

۱۷)۔ شیخ الحدیث مفتی محمد حسن زید مجدہٗ، جامعہ مدنیہ، لاہور

۱۸)۔ مولانا صاحبزادہ عزیز الرحمن رحمانی زید مجدہٗ، کراچی

۱۹)۔ شیخ الحدیث مولانا محب اللہ القاسمی زید مجدہٗ، کراچی

۲۰)۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالہادی نور اللہ مرقدہٗ، مدرسہ ومسجد وخانقاہ حمادیہ، کوئٹہ

۲۱)۔ مولانا ڈاکٹر محمد عبدالرحمن الکوثر زید مجدہٗ، مدینہ منورہ

۲۲)۔ مولانا کامران اکمل زید فضلہٗ، کراچی

۲۳)۔ ڈاکٹر قاری فیوض الرحمن زید مجدہٗ، کراچی

۲۴)۔ ڈاکٹر محمد عبدالشکور عظیم زید فضلہٗ، کوٹ ادو

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ پاکستان میں علومِ حدیث کے احیاء وترویج کا ذریعہ بنے۔ آپ کی سرپرستی میں جاری تخصص فی الحدیث کے دسیوں شرکاء نے علمِ حدیث پر تحقیقی مقالاجات تحریر کیے، جو علماءِ امت کے لیے بہترین اثاثہ اور سرمایہ ہیں۔ آپ مردم ساز شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کی صحبت میں رہ کر بہت سے علماء میدانِ تحقیق کے شاہ سوار بنے۔ آپ کے دم قدم سے دنیا بھر میں علومِ حدیث کی خوشبوئیں مہکیں۔ بنوری ٹاؤن میں طلباء سے ستر سے زائد مقالاجات تحریر کروائے۔ آپ کا اندازِ تدریس بھی نرالا تھا۔ آپ اکابر کے طرز پر طلباء کو تقریر کرنے کی بجائے طلباءِ کرام سے ہی کتاب حل فرماتے اور ان سے سن کر اصلاح فرمادیتے۔ طلباء کی تربیت پر بھی خاص توجہ ہوتی۔ تادیب وتہذیب میں سرزنش سے بھی کام لیتے۔ آپ نے لائبریری سائنس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل فرمائی۔ آپ زہد وتقویٰ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ عصر حاضر کے جملہ اکابر کا آپ کو اعتماد حاصل تھا، آپ کی تصانیف میں معارف اعظم گڑھ اور متعدد اکابر کی سوانح شامل ہیں۔ اردو ادب پر سید احمد شہیدؒ کے اثرات کے علاوہ تذکرۃ الخلیل، فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ، مقدمۃ الاتقان شامل ہیں۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

ادارہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد حضرت کی وفات پر جملہ اہل اسلام، خصوصاً آپ کے دونوں جامعات، اہل خانہ، خاندان اور تلامذہ کی خدمت میں عزاء مسنون پیش کرتا ہے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ’’صدائے فاروقیہ‘‘ ربیع الاول ۱۴۴۲ھ/نومبر 2020ء)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمہ اللہ

کا سانحہ ارتحال

[سن وفات: 2021ء]

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، اقراء روضۃ الاطفال ٹرسٹ پاکستان کے سرپرست، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم، ملک وبیرون ملک ہزاروں مدارس، مساجد، دینی جماعتوں، دینی اداروں کے سرپرست، استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مورخہ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ بمطابق 30 جون 2021ء کو کورونا وائرس کے حملے کے نتیجے میں اُمت کو داغ مفارقت دے گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا وصال امت کے لیے کسی حادثہ فاجعہ سے کم نہیں آپ ایک بیک وقت مذہبی قائد، ناموس رسالت تحفظ ختم نبوت کی تحریک کے حدی خواں، ہزاروں مدارس پاکستان کے رہبر وراہنما، اتحاد تنظیمات مدارس کے سربراہ ہونے کے ناطے جملہ مکاتب فکر کے متفقہ بزرگ، ہزاروں علماء کے استاذ، لاکھوں لوگوں کی عقیدت کا محور، بہترین مصنف وقلمکار، متبحر عالم دین ومدرس وشیخ الحدیث اور بہترین خطیب تھے، آپ بلاشبہ اس شعر کے مصداق تھے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

''آپ کی وفات ایک شخص کی وفات نہیں بلکہ آپ کی وفات سے قوم کی عمارت منہدم ہوگئی ہے''۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ ایک عہد ساز شخصیت تھے آپ کی دینی وملی خدمات کا عرصہ پون صدی کے قریب ہے، عاجز کو حضرت کی صحبت ورفاقت کی بہت سی مجلسیں نصیب ہوئیں، دارالعلوم دیوبند انڈیا کے سفر میں کچھ لمحات آپ کے ساتھ گزرے، جن کا تذکرہ ان شاء اللہ مفصل مضمون میں پیش کیا جائے گا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد اور ماہنامہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد کے بھی سرپرست تھے۔ آپ کی ایک سے زائد بار جامعہ میں تشریف آوری ہوئی، مورخہ ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ بمطابق 16 فروری 2017ء جامعہ میں تشریف آوری کے موقع پر جامع مسجد الرشید میں جمعۃ المبارک سے روحانی، علمی اور پرمغز خطاب بھی فرمایا، عاجز مورخہ ۱۷ ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ بمطابق 28 جون 2021ء کو حضرت ڈاکٹر صاحب کی عیادت کی نیت سے عازم سفر ہوا شومئی قسمت کہ یہ سفر عیادت کے ساتھ جنازے تک جا پہنچا۔ عاجز، ادارہ صدائے فاروقیہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات پر پوری امت کی خدمت میں عزاء مسنون پیش کرتے ہیں بالخصوص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاون اور آپ کے صاحبزدگان مولانا ڈاکٹر سعید خان اسکندر، مولانا مفتی محمد یوسف خان اسکندر، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے نومنتخب مہتمم حضرت مولانا محمد سلیمان بنوری مدظلہ، نائب مہتمم مولانا سید احمد یوسف بنوری زیدشرفہ، ناظم تعلیمات حضرت مولانا مفتی امداد اللہ دامت برکاتہم، وفاق المدارس عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور جملہ علماء کرام کی خدمت میں بھی پیغام تعزیت کے ساتھ، دعائے صبر اور ایصال ثواب کی درخواست پیش کرتے ہیں۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ'' ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ/ جولائی، اگست 2021ء)

عہد ساز شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر رحمہ اللہ

[سن وفات: 2021ء]

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم وشیخ الحدیث وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، استاذ العلماء، شیخ الحدیث، حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر رحمہ اللہ ان معدودے چند ہستیوں میں سے تھے، جنہیں حق تعالی کی جانب سے مرجعیت ومقبولیت اور عام وخاص کی محبوبیت نصیب ہوتی ہے، جنہیں حق تعالی نے سراپا شفقت اور خلق خدا کی خیر خواہی سے لبریز کیا ہوتا ہے، جنہیں اپنے سے زیادہ دوسروں اور دنیا سے زیادہ دین کی فکر ہوتی ہے، جنہیں انواع واقسام کی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے رکھا جاتا ہے، جن کی صبح وشام، شب وروز کا کوئی لمحہ بیکار نہیں گزرتا، جنہیں تحریر وتقریر، درس و تدریس، اصلاح وارشاد، دعوت وتبلیغ، تحریک وجہاد، خدمت خلق اور ملک وملت کی راہنمائی کی صفات سے متصف کیا جاتا ہے، جو فرد واحد کی شکل میں پوری ایک جماعت کا کام کرتے ہیں، جن کی خلوت میں جلوت اور جلوت میں خلوت اور توجہ الی اللہ پنہاں ہوتی ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سلیم الطبع بھی تھے، اور حلیم الطبع بھی۔ آپ اخلاق عالیہ کے بلند مرتبہ پر فائز اور صفات حسنہ سے متصف تھے، عاجز نے اپنی پوری زندگی میں آپ جیسا بے ضرر عالم دین نہیں دیکھا، طبیعت میں نفع رسانی غالب تھی، دوسروں کی ضرورتوں کی تکمیل اور مشکلات میں لوگوں کی مدد کرنا آپ کے مزاج میں داخل تھا، اجتماعی آفت ہو یا انفرادی مصائب آپ سن کر برداشت نہ کر پاتے، ملک ہو یا بیرون ملک آپ إِنَّكَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ

اَلْمَعْدُوْمَ (دوسرے کا بوجھ اٹھانا اور انہونے کام کرنا) کا مصداق بن جاتے۔ تَقْرِیُ الضَّیْفَ (مہمان نوازی) کی نبوی صفت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، کسی بھی مہمان کو اس کی حیثیت کے مطابق بلا خدمت مہمان نوازی نہ جانے دیتے، عاجز ایک عرصہ سے آپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہا، والد گرامی، حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ کی وفات کے بعد 1999ء سے ان کے پاس مسلسل آمد و رفت کا سلسلہ رہا، آپ کی خدمت میں جب بھی حاضری دی اور زیارت مشائخ کے آداب کے مطابق کوئی بھی ہدیہ ان کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے ہمیشہ بوقت الوداع خاموشی کے ساتھ پیش کردہ ہدیہ سے گراں قدر ہدیہ بصورت نقدی، کتب و رسائل پیش فرمایا، ایسے محسوس ہوتا تھا کہ آپ ہدایا کی رقم اور اشیاء الگ کر کے اپنے پاس رکھے ہوئے ہوتے، جو مہمانوں کی خدمت میں پیش کیے جاتے، بوقت حاضری یہ ناممکن تھا کہ چائے کے بغیر مجلس سے واپسی ہو جائے، آنجناب کی جانب سے مسلسل ہدایا پیش کرنے پر شرمندگی محسوس ہونے لگی، دل میں آیا کہ حضرت کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ہدایا کی وصولی کے لیے ہی حاضر ہوتے ہیں، اس شرمندگی کے باعث بسا اوقات عاجز کراچی حاضری کے باوجود خدمت میں حاضر ہونے سے کتراتا اور کسی رفیق سفر کے ذریعہ ہدیہ اور درخواست دعا پیش کرتا تو حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بھی جواباً ہدیہ اور جواب درخواست میں دعاؤں سے ضرور نوازتے۔

طبیعت میں عاجزی اور سادگی غالب تھی، نہایت اعلیٰ مناصب پر براجمان ہونے کے باوجود جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کی روایت کے مطابق تازیست اپنی نشست اسی دفتر میں قائم رکھی جس دفتر میں ادارہ کے دیگر اہل مناصب اور عہدیداران کی نشستیں ہیں، ایک ہی دفتر میں نائب مہتمم، ناظم تعلیمات کی نشست اور اساتذہ جامعہ کی عارضی نشست گاہوں کے ساتھ اپنی نشست رکھی، آپ وفاق المدارس العربیہ پاکستان جیسے عظیم الشان ادارہ کے صدر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، بنوری ٹاؤن جیسے ادارہ کے مہتمم و شیخ الحدیث اور دیگر متعدد اداروں کے عہدیدار تھے، آپ کے منصب کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کا الگ سے دفتر ہوتا، دیگر بہت سے اعلیٰ مناصب پر فائز مشائخ علماء کرام کی طرح پروقار دفتر و نشست گاہ ہوتی، لیکن آپ نے ہمیشہ سادگی کو ترجیح دی اور عمومی دفتر کو ہی اپنا دفتر بنایا، جس کی نشستیں بھی فرشی ہیں، دفتر میں

اوقات ملاقات میں نہ کسی کو روک ٹوک تھی، اور نہ ہی کسی کو ملنے میں تردد ہوتا، سرمایہ دار چاہتا تو بلا تردد ملنے چلا آتا، مزدور چاہتا تو آپ سے ملاقات کرلیتا، عاجز نے اسی دفتر میں ہی آپ کی خدمت میں طلباء مدرسہ وشاخہائے بنوری ٹاؤن، ملازمین مدرسہ اور عام لوگوں کو درخواستوں کے ساتھ حاضر خدمت دیکھا، اسی طرح ملک کی عظیم الشان مذہبی، سیاسی، علمی، دینی اور دنیوی مناصب پر فائز شخصیات کو بھی حاضر خدمت دیکھا، آپ سب سے ملتے، سب کی سنتے اور سب کو اپنی ہدایات سے نوازتے، گویا کہ آپ کے دربار میں بادشاہ و گدا برابر ہوتے۔

آپ ہر خط پڑھتے اور جواب سے نوازتے، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد سے عرصہ بارہ سال سے جاری ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' آپ کی خدمت میں اعزازی پیش کیا جاتا، اور شیخ حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد یہ شمارہ آپ کی زیر سرپرستی ہی طبع ہو کر نشر ہوتا اور ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال کی جاتی، عاجز نے حاضری کے موقع پر شمارہ کا تذکرہ کیا تو فرمانے لگے کہ میرے پاس جو بھی رسالہ آتا ہے میں اسے حتی المقدور پڑھتا ہوں۔

نیشنل ایکشن پلان کی منظوری کے بعد ملک بھر بالخصوص پنجاب میں علماء مشائخ اور دینی مدارس پر حکومتی مظالم کے پہاڑ توڑ دیے گے۔ مدارس کی معاشی رگ کو کاٹنے کے لیے مدارس پر قربانی کی کھالوں کے جمع کرنے پر پابندی لگادی گئی۔ قربانی کی کھالوں کی اجازت کو حکومت کے ''این او سی'' سے مشروط کردیا گیا، جس کی وجہ سے ہزاروں مدارس کو ''این او سی'' جاری نہیں کیا گیا، بہت سے مدارس کے ذمہ داران کے خلاف دہشت گردی کے جھوٹے پرچے کاٹے گئے۔ اس تناظر میں پنجاب میں سخت اضطراب تھا، عاجز نے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو فون کر کے اس اضطراب سے آگاہ کرتے ہوئے، بحیثیت صدر وفاق المدارس کردار ادا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فی الفور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ حضرت اقدس مولانا محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم کو فون کر کے قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم سے رابطہ کر کے حکومت سے بات چیت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں ایک وفد بھی بھیجا گیا، جس میں عاجز بھی شامل تھا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف سے

رابطہ کر کے وقت لیا اور اتحاد تنظیمات مدارس کی قیادت اور حکومت سے مذاکرات کرانے کے لیے خود بھی اس اجلاس میں تشریف لائے، لیکن موجودہ حکومت کی طرح لیگی حکومت نے بھی زبانی جمع خرچ اور طفل تسلیوں کے علاوہ کچھ نہ کیا۔

آپ نے بحیثیت صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان دینی مدارس کے معیار تعلیم کی بلندی، نظام تربیت کے استحکام اور تحفظ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ وفاق المدارس کے اجلاس، مدارس کے اجتماع اور اپنی تحریروں میں اہل مدارس کو شائستگی، خدمت خلق، طلبا وطالبات کی بہترین تربیت، امانت ودیانت کی جانب متوجہ فرماتے، وفاق المدارس کے اجلاسوں میں اپنی یا اپنے ادارہ کی ذاتی رائے کے علی الرغم دینی مدارس کے مفاد میں اجتماعی سوچ اور مفاد عامہ میں فیصلے فرماتے، چنانچہ دینی مدارس کے شعبہ بنات کے نصاب کے دورانیہ سے متعلق آپ کے ادارہ کا الگ موقف رہا ہے۔ وفاق المدارس کے اجلاس میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث ہوئی تو آپ نے اجتماعی سوچ کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

وفاق المدارس کی ترقی واستحکام کے لیے آپ کی صدارت کا عہد زریں ایک یادگار عہد ہوگا، آپ کو جس وقت صدارت تفویض ہوئی، اس وقت مدارس پر حکومتی جبر کی یلغار تھی، مدارس پر ایجنسیوں کی بے جا مداخلت، چھاپے، سرچ آپریشن، علماء کرام کو فورتھ شیڈول میں شامل کرنے کا سلسلہ جاری تھا، جو تا حال بھی مکمل طور پر تھم نہیں سکا۔ آپ نے اپنی حکمت و بصیرت کے ساتھ وفاق المدارس کی مذاکراتی ٹیم تشکیل دے کر مدارس کے نظام ونصاب کا تحفظ فرمایا، آپ دوسری مرتبہ بھی مؤرخہ 17 جون 2021ء کو اپنے وصال سے قبل اپنی غیر موجودگی میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر منتخب کیے گئے۔ آپ کا انتخاب تاریخی تھا، آپ کی صدارت اور شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری کی نظامت کے لیے بطور تجویز شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے نام پیش کیا، جس پر وفاق المدارس کی پوری مجلس شوریٰ مجلس عاملہ، جملہ طبقات بشمول قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم نے بھی بھرپور تائید فرمائی۔ لیکن افسوس کہ اس روز آپ کی علالت کا آغاز ہو گیا اور 13 دن بعد آپ راہی عدم ہو گئے۔ اس سے قبل آپ 9 ماہ قائم مقام صدر اور مؤرخہ

15 اکتوبر 2017ء کو پہلی بار وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔

بحیثیت صدر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت آپ نے تحفظ ناموس رسالت، تحفظ ختم نبوت اور شعائر اسلام کی حفاظت کا فریضہ بھی کما حقہ ادا کیا۔ گزشتہ حکومت اور موجودہ حکومت کے ادوار میں چور راستوں سے متعدد بار ان قوانین کے خلاف اقدامات کرنے کی کوششیں کی گئیں، عالمی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے حکومت نے ناموس رسالت سے غداری کی کوششیں کیں، تو قوم آپ کی قیادت میں سد سکندری بن کر کھڑی ہوگئی، آپ کی مبارک قیادت میں ناموس رسالت وختم نبوت کے مشن کی مکمل پہرہ داری بھی کی گئی، اور اس مقدس عنوان کو کسی کی چاہت پر سیاسی بھی نہیں بننے دیا گیا۔ کسی کی حکومت بنوانے یا تڑوانے کے لیے آپ اور آپ کی جماعت نے استعمال ہونے سے انکار کر دیا۔

حق تعالیٰ نے آپ کو موثر وبلیغ ملکۂ بیان عطا فرمایا تھا، آپ کے بیان میں بے حد چاشنی، دھیما پن خیر خواہی کا عنصر ہوتا، قرآن وسنت اور واقعات سلف سے آپ کی گفتگو میں اتنی تاثیر پیدا ہوتی کہ سنگ دل بھی موم ہو جاتے، آپ رشد وہدایت کے پیکر اور داعی و مصلح تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت میں بھی اپنی مثال آپ تھے، تبلیغی جماعت سے آپ کو بے حد محبت تھی، آپ نے تبلیغی جماعت کی خدمات، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور بہت سے اصلاحی مضامین پر مشتمل رسائل تالیف وطبع فرما کر لاکھوں کی تعداد میں تقسیم فرمائے۔

مذکورہ بالا جملہ امور آپ نے اپنی پیرانہ سالی ضعف ونقاہت میں سرانجام دیے آپ ایک عرصہ سے ویل چیئر پر تھے، ویل چیئر پر آپ نے ملکی وغیر ملکی دورے فرمائے، اجلاسوں میں شرکت فرمائی اور اپنی علالت کے باوجود حکومتوں سے بات چیت کے لیے متعدد اسفار فرمائے، بیرون ملک آپ کے تبلیغی دوروں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔

آپ کو عربی ادب پر بھی خاصا عبور تھا، آپ مدینہ یونیورسٹی اور جامعۃ الازہر مصر کے فارغ التحصیل تھے، عربی میں متعدد تصانیف فرمائیں، عرب ممالک میں معرکۃ الآراء موضوعات پر عربی میں تاریخی خطاب ارشاد فرمائے، اسلام، ختم نبوت اور دینی مدارس کا مقدمہ پیش فرمایا۔ عربی بول چال سکھانے کے لیے آپ کی تحریر کردہ کتاب ''الطریقۃ العصریہ'' وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کا حصہ اور مقبول عام وخاص ہے۔

اپنی علالت کے باوجود دو مرتبہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد بھی عاجز کے ہاں تشریف لائے، عاجز کے گھر تشریف لا کر شرف محبت بخشا، جمعہ کے روز جمعہ پر مختصر لیکن پر اثر اور پر مغز بیان بھی فرمایا آپ نے اپنے بیان میں اتباع رسول اور محبت رسول پر کمال بیان فرمایا۔آپ کا ایک نمایاں وصف افتراق وانتشار اور فرقہ واریت سے دور رہنا بھی تھا۔آپ مسلمانوں کے فروعی اختلافات سے دور رہتے ایسے موضوعات پر تقریر وتحریر سے بھی اجتناب فرماتے، البتہ اصول و عقائد، اسلامی تہذیب وتمدن اور دینی ثقافت کے تحفظ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔آپ کو تمام مسالک کے علماء عزت وتکریم کی نظر سے دیکھتے، آپ کو جملہ مکاتب فکر کے دینی مدارس کے وفاقوں کے مجموعہ اتحاد تنظیمات مدارس کا صدر بنایا گیا۔آپ کی قیادت وسیادت میں جملہ مسالک کے مدارس کی تنظیمیں مدارس اور اسلامی شعائر کے تحفظ کے لیے یکجا رہیں۔

بحیثیت مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن آپ نے ادارہ کے معیار ووقار میں بے حد اضافہ فرمایا۔جامعہ کے شعبہ جات، شاخوں اور طلبہ وطالبات کی تعداد میں آپ کے عہد زریں میں خوب اضافہ ہوا۔بنوری ٹاؤن کے معیار تعلیم کی بلندی کی وجہ سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحانات میں ملکی پوزیشنوں کا ایک بڑا حصہ بنوری ٹاؤن کا ہوتا۔آپ نے اپنے اہتمام میں شخصی فیصلوں کی بجائے اپنے جامعہ کی مجلس شوریٰ کو مضبوط فرمایا اور بیشتر تعلیمی وانتظامی فیصلے اپنی مجلس شوریٰ سے کروائے۔مجلس شوریٰ کے فیصلوں کو آپ قبول فرماتے اور تقریباً ناقابل ترمیم گردانتے۔آپ کے مواعظ حسنہ سے لاکھوں مسلمانوں کو رُشد وہدایت نصیب ہوئی، آپ کے بیان میں بلا کی چاشنی ہوتی۔کاش کہ آپ کے بیانات جمع کر کے طبع کرادیے جائیں۔آپ مقبول عوام وخواص تھے۔

حق تعالیٰ نے آپ کو ایک عہد ساز شخصیت بنایا تھا، آپ کا وصال یقیناً امت مسلمہ کا ایک بڑا صدمہ وحادثہ ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے مشن کی تکمیل فرمائے۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" محرم الحرام ۱۴۴۳ھ/ اگست 2021ء)

مفتی مزمل حسین کاپڑیا
کی وفات حسرت آیات

[سن وفات: 2021ء]

اہلِ علم وفضل اولیاء، صلحاء، ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جارہے ہیں، ہمارے بہترین دوست، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے قدیم فاضل، عصری ودینی تعلیم کے حسین امتزاج کے حامل، معروف دینی ادارہ اقراء روضۃ الاطفال ٹرسٹ کے بانیان میں سے ایک نہایت فعال ذمہ دار، اقراء ڈائجسٹ کے ایڈیٹر، حضرت اقدس مولانا مفتی مزمل حسین کاپڑیا مؤرخہ 25 جمادی الثانی بمطابق 8 فروری 2021 بروز سوموار راہی اجل ہوگئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ۔

مفتی صاحبؒ بہترین مصنف، اعلیٰ مدبر ومنتظم، صاحب تقویٰ، صبر واستقلال کی پیکر شخصیت تھے، آپ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے بھی متخصص تھے، حق تعالیٰ نے آپ کو تقریر و بیان کی بھی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اقراء روضۃ الاطفال کے ہزاروں مدارس میں عصری و دینی علوم کا کامیاب امتزاج اور ادارہ کا ملک بھر میں پھیلا ہوا نیٹ ورک اور اعلیٰ نتائج، آپ کا اور آپ کے رفقاء کار مفتی خالد محمود دامت برکاتہم، ادارے کے بانی اول حضرت اقدس مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ کا عظیم کارنامہ ہے۔ 1996ء میں گردہ فیل ہونے کے سبب مریض ہوئے، دو بار گردہ کی پیوندکاری کرائی گئی، لیکن دونوں مرتبہ آپریشن کامیاب نہ ہوسکے۔ جس کی وجہ سے

ایک عرصہ سے ڈائیلائسز پر تھے۔ڈائلائسز جیسے خطرناک،تکلیف دہ اور طویل صبر آزما علاج سے دوچار رہنے کے باوجود صبر واستقلال سے دینی امور سرانجام دیتے رہے،کبھی آپ کی زبان سے کلمہ شکایت نہیں سنا۔

احقر نے ہمیشہ ان کو خندہ پیشانی کے ساتھ بیماری کو سہتا ہوا پایا۔ایامِ علالت میں بھی تصنیف وتالیف،کالم نگاری کا سلسلہ جاری رہا،متعدد کتب ورسائل تحریر فرمائے۔علالت کی وجہ سے آپ کی ٹانگ بھی ڈاکٹروں نے کاٹ دی تھی،بعدہٗ آپ کی وہ ہمشیرہ جنہوں نے آپ کو گردہ عطیہ کیا تھا آپ کی وفات سے چندروز قبل وفات پاگئیں۔اس صدمہ سے بھی دوچار ہوئے اور چندروز بعد آپ مختصر علالت کے بعد راہی اجل ہوگئے۔

ادارہ صدائے فاروقیہ،جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے اساتذہ،نظماء اور طلبہ مرحومین کے درجات کی بلندی کے لیے رب کے حضور دست دعا دراز کرتے ہوئے لواحقین سے تعزیت مسنون اور قارئین سے دعا کی اپیل کرتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یٰسین صابر اور مولانا فیض الرحمن عثمانی بھی چل بسے

[سن وفات: 2021ء]

جامعہ عمر بن خطاب ملتان کے بیس سالہ مدرس اور شیخ الحدیث، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ قاسم العلوم ملتان میں بھی مسند حدیث پر رونق افروز جواہر حدیث بکھیرتی شخصیت، استاذ العلماء، جامع المعقول والمنقول حضرت اقدس مولانا محمد یٰسین صابر مورخہ ۱۶ محرم الحرام ۱۴۴۳ھ بمطابق 25 اگست 2021ء بروز بدھ کو اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، جبکہ ان سے ایک روز قبل ادارہ معہد العلوم الاسلامی بارہ کہو اسلام آباد کے مہتمم اور بانی حضرت مولانا فیض الرحمن عثمانی مورخہ ۱۵ محرم الحرام ۱۴۴۳ھ بمطابق 24 اگست 2021ء بروز منگل کو داغ مفارقت دے گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَىٰ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمَا وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمَا

حضرت مولانا محمد یٰسین صابرؒ علوم نبوت کے علمبردار معقول ومنقول کے ماہر، راسخ فی العلم، صاحب زہد وتقوی، پیکر اخلاص، مجسمہ تواضع اور نہایت سادہ طبیعت شیخ تھے، آپؒ سراپا شفقت والفت اور محبت ومودت کے پیکر تھے، پون صدی ''قال اللہ وقال الرسول'' میں صرف فرمائی، حق تعالی نے آپ کو صفات عالیہ سے نوازا تھا وہ عصر حاضر میں اپنے اکابر ومشائخ کا عکس و پرتو تھے، بچپن سے بڑھاپے تک نہایت عسر ومالی تنگی سے زندگی بسر فرمائی، زندگی بھر صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، نہایت خودداری اور متانت سے خدمت دین میں مگن رہے۔ جامعہ

خیر المدارس ملتان کے خوشہ چین تھے، جامعہ رشیدیہ ساہیوال، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان، جامعہ اسلامیہ پلندری، جامعہ عمر بن خطاب ملتان اور جامعہ قاسم العلوم میں اپنی تدریسی جولانیاں دکھاتے رہے۔

مولانا فیض الرحمن عثمانی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ملک میں دینی وعصری علوم کے امتزاج پر مشتمل ایک جامع نصاب تعلیم کے لیے کوشاں رہے، زندگی اسی فکر میں گزاردی، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میدان میں کامیابی نصیب فرمائی اور اپنے ادارہ میں دونوں نصابوں کو یکجا کر کے کامیابی حاصل فرمائی، آپ کے ادارہ سے طلباء کرام جہاں ذی استعداد عالم بن کر سند فراغ حاصل کرتے ہیں وہاں اعلیٰ نمبرات سے گریجویشن اور ماسٹر کی ڈگری بھی حاصل کرتے ہیں، آپ کے ادارہ کے طلباء نے متعدد بار وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحان میں اور دوسری جانب اسلام آباد بورڈ سے پوزیشنیں حاصل کیں، حکومت پاکستان کو مولانا فیض الرحمن عثمانی کو نہ صرف اس عظیم الشان کارنامہ پر ایوارڈ سے نوازنا چاہیے بلکہ ان کی خدمات جلیلہ سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے متعین کردہ نصاب کو قومی سطح پر نافذ بھی کرنا چاہیے۔

ادارہ صدائے فاروقیہ، جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، دونوں شخصیات کی جدائی پر عزاء مسنون پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کے درجات بلند و بالا فرمائے اور سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" صفر المظفر ۱۴۴۳ھ/ستمبر 2021ء)

مناظر اہل سنت حضرت مولانا محمد رمضان نعمانیؒ اور حضرت مولانا قاری محمد صادق قاسمیؒ کی رحلت

[سن وفات: 2021ء]

جنوبی پنجاب کے دو نامور خطباء و مبلغین تنظیم اہل السنت والجماعت کے مرکزی راہنماء، مناظر اہل السنت، حضرت مولانا محمد رمضان نعمانی احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور اور مجلس علماء اہل السنت کے مرکزی خطیب مولانا قاری محمد صادق اوچ شریف ضلع بہاولپور بالترتیب مؤرخہ ۲۳ شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ بمطابق ۱۸ اپریل ۲۰۲۱ء بروز بدھ اور مؤرخہ ۴ ررمضان المبارک ۱۴۴۲ھ بمطابق ۱۷ راپریل ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ کو راہی اجل ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنَّ لِلّٰہِ مَآ اَخَذَ وَلَہٗ مَآ اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمَا وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمَا

مولانا محمد رمضان نعمانی حق گو، نڈر خطیب اور مضبوط مناظر تھے۔ آپ نے زندگی بھر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے جدوجہد کی، اہل السنت والجماعت کے موقف کو تقریر و تحریر کے ذریعے مبرہن فرمایا، زندگی خودداری اور کفایت شعاری سے بسر کی، آپ ہمارے والد گرامی حضرت مولانا رشید احمد نور اللہ مرقدہ کے ابتدائی تلامذہ میں سے تھے، فنِ مناظرہ امام اہل السنت علامہ مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ اور امام اہل السنت حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ سے سیکھا، احمد پور شرقیہ میں ایک دینی ادارہ قائم فرمایا اور تاحیات اسی میں خدمت دین سرانجام دیتے رہے۔

مولانا محمد صادق بہترین قاری اور خوش الحان خطیب تھے، دیہاتی علاقوں میں سرائیکی زبان میں اصلاح عقائد و اعمال کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ حق تعالیٰ دونوں شخصیات کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین

(تاریخ اشاعت: ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" شوال المکرم ۱۴۴۲ھ / جون 2021ء)